محمود حسن حسنی ندوی



سیرت داعئ اسلام

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سید احمد شہید اکیڈمی
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

سیرت داعئ اسلام

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک معلم، مبلغ، داعی اور رہبر شخصیت، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فاضل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ترجمان وخلیفہ، ان کی تحریک پیام انسانیت کے قائد اور ملت کی حکیم و مصلح اور مرشد ہستی کی مفصل سوانح حیات، جس میں شخصی احوال، علمی کمالات، ارشاد وتربیت، دینی وتبلیغی جد وجہد، ملکی وبین الاقوامی اسفار، عرفانی ہدایات، ملفوظات، تحریروں وتقریروں کے زریں اقتباسات اور احساسات وتاثرات کا وہ باب بھی ہے جس سے ممتاز دینی وملی شخصیات کی نگاہ میں ان کا مقام اور کام ظاہر ہوتا ہے۔

محمود حسن حسنی ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ مطابق اگست ۲۰۱۴ء

نام کتاب	:	**سیرت داعئ اسلام** حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
مرتب	:	محمود حسن حسنی ندوی
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۶۴۰
قیمت	:	

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، رائے بریلی

☆ مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ ☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ الجدیدۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

ناشر :

سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

فہرس

دوسرا باب
ولادت، خاندانی پس منظر، ماحول اور تعلیم و تربیت
(۷۳-۱۰۷)

تیسرا باب
ندوۃ العلماء سے وابستگی
تعلیم وتدریس اور اصلاح ودعوت
(۱۴۰-۱۰۸)

چوتھا باب

اندرون ملک دعوتی وتبلیغی اسفار کا ایک جائزہ

(۱۴۱-۱۸۸)

پانچواں باب
بین الاقوامی دعوتی اسفار
(۱۸۹-۲۳۴)

چھٹا باب
حجاز مقدس کے اسفار، حج بیت اللہ اور عمرے
(۲۳۵-۲۸۹)

ساتواں باب

دعوت واصلاح اور تعلیم وتربیت

(۲۹۰-۳۲۶)

آٹھواں باب
سلوک ومعرفت اور تزکیہ وتصوف
(۳۲۷-۳۶۶)

نواں باب
اسلام کے تعارف کے لیے جدوجہد
(۳٦۷-۴۰۴)

دسواں باب

تحریک پیام انسانیت کی قیادت

(۴۰۵-۴۳۱)

گیارھواں باب
آزمائشیں، عائلی زندگی، سلوک وبرتاؤ
سفر وحضر کے معمولات اور چند ممتاز معاصرین کے تأثرات
(۴۳۲-۴۵۹)

بارہواں باب
علالت کا تسلسل، وفات حسرت آیات
اور چند منظوم تاثرات
(۴۶۰-۵۲۱)

تیرھواں باب
ذاتی محاسن وخصوصیات اوصاف وکمالات اور علمی ودینی امتیازات
(۵۲۲-۵۷۲)

چودھواں باب
افکار ونظریات
(۵۷۳-۵۹۲)

پندرہواں باب
ملفوظات وارشادات
(۶۱۶-۵۹۳)

سولہواں باب
انتخابات واقتباسات
(۶۲۴-۶۱۷)

ستر ہواں باب
احساسات وتاثرات
(۶۲۵-۶۳۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد!

میرے محسن و مربی برادر معظم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ہی سے تقاضہ تھا کہ ان کی سوانح عمری ترتیب دی جائے، جو دعوت واصلاح کا کام کرنے والوں کے لیے دستاویز بن سکے، یہ کام عزیز گرامی قدر مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی کے سپرد کیا گیا، جو ماشاء اللہ سوانح نگاری کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، اور اس موضوع پر خاص طور سے ان کا قلم رواں دواں رہتا ہے، امید تھی کہ یہ کام چند ماہ میں ہی ہو جائے گا، لیکن عزیز موصوف نے بجائے سرسری طور پر کام کرنے کے اس میں باقاعدہ وقت لگایا، اور جگہ جگہ سے حالات و واقعات جمع کیے، اس طرح ایک مکمل سوانح کی شکل میں یہ ضخیم کتاب پیش نظر ہے۔

مصنف نے اس کام کے لیے مختلف اسفار سے فائدہ اٹھایا اور واردین وصادرین سے بھی معلومات حاصل کیں، مختلف لوگوں نے ساتھ گزرے ہوئے حالات وواقعات بھی جمع کیے، اور خاندانی حالات سے لے کر تعلیم و تربیت کی تفصیلات پھر اصلاح و دعوت کے میدان میں ان کی جہد مسلسل اور اس کے نتائج کا بڑی وضاحت و تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، اس طرح یہ ایک مکمل دستاویز بن گئی ہے، جو آگے بھی کام کرنے والوں کے لیے مرجع کی حیثیت حاصل کر لے گی، اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور دعوت واصلاح کا کام کرنے والوں کے لیے اس کو مفید بنائے۔

عم مخدوم ومکرم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مقدمہ سے کتاب کی قیمت میں اضافہ ہوا، حضرت مولانا سید محمد نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تقریظ اور مخدوم گرامی مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہ کے مبسوط مقدمہ سے کتاب کی وقعت بڑھی، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی عمروں میں برکت عطا فرمائے، اور کتاب کو مفید ومقبول فرمائے، اور مصنف کو اجر عطا فرمائے، اور ان کے قلم کو رواں اور شاداب رکھے۔

عزیز القدر محمد نفیس خاں بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پروف کی تصحیح کی اور کتاب کو اشاعت کے قابل بنایا، اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر دے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دار عرفات

۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد!

عزیزی مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے ۵۷ رسال کی عمر میں اس دار فانی کو چھوڑ کر دار باقی کی طرف رحلت کی، ان کی یہ عمر ان کے والد کے دادا مولانا سید عبدالحی حسنی (جو راقم کے نانا تھے) کی عمر کے مطابق ہوئی، اور ان کے چچا مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی کی عمر کے بھی مطابق رہی، یہ دونوں بزرگ بھی دینی وعلمی حیثیت سے اپنا خصوصی مقام رکھتے تھے، یہ عمر عمومی عمروں کے مقابلہ میں کم ہے، لیکن متعدد شخصیتوں نے اسی طرح کم عمری میں رحلت کی، لیکن اسی کے ساتھ کم عمر والوں میں سے متعدد حضرات نے کم عمری میں ایسے اہم کام انجام دیئے ہوئے کاموں کو دیکھا جائے تو وہ بھی ان بڑی شخصیتوں میں شمار کیے جائیں گے، جنھوں نے کم عمری میں بڑی عمروں والوں کی طرح کام انجام دیئے، عمریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتی ہیں، وہ جس سے جتنا کام لینا چاہتا ہے، اس کے مطابق اس کو عمر دیتا ہے۔

ان کی خصوصیات میں یہ بات کھلے طریقہ سے نظر آتی ہے کہ وہ علوم دینیہ کی خدمت کے ساتھ جو انہوں نے درس وتدریس کے طور پر انجام دی، انہوں نے دعوتی

کاموں میں بھی بڑا حصہ لیا، جس کے اثر سے ایک اچھی تعداد کو ہدایت حاصل ہوئی، اس کے ساتھ ارشاد و تربیت باطنی کا کام بھی انجام دیا، ان کے مسترشدین کو دیکھتے ہوئے ان کے اس کام کی اثر انگیزی سامنے آتی ہے۔

ان کی ان خصوصیات کی بنا پر ان کی وفات کو مسلمانوں کو مختلف حلقوں میں محسوس کیا گیا، اور مذکورہ کاموں میں خسارہ واقع ہونے کا احساس ہوا، اور میرے لیے ذاتی طور پر خاندانی حادثہ بھی ہے۔

عزیز مرحوم کو اللہ نے جو ایمان ویقین، دینی حمیت، ملی غیرت کا وصف اور دین وملت اور اس سے آگے بڑھ کر پوری انسانیت کی ہدایت کی فکر اور اس کے لیے جو درد وسوز عطا فرمایا تھا اور اس کے خاطر انہوں نے جو خدمت انجام دی اور کوششیں کیں اس کا تقاضہ تھا کہ ان کی سوانح مرتب کی جاتی، اس کے لیے سب سے پہلے فکر ان کے ایک مخلص اور قدرداں، محبی قاری حبیب احمد صاحب لکھنوی (حال مقیم دبئ) کو ہوئی، اور انہوں نے عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ سے جو قریبی رشتہ میں ان کے بھتیجے اور بھانجے ہیں اس کی فرمائش کی، جس کی انہوں نے تکمیل کی، اور ان کی خواہش تھی کہ مقدمہ میرے قلم سے ہو، ان کے تعاون وتحریک سے اب یہ کتاب سید احمد شہیدؒ اکیڈمی دارعرفات، رائے بریلی سے طبع ہونے جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جو ان کے تذکرہ وسوانح پر مشتمل ہے، پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچائے، اور عزیز مرحوم کو ان کے کاموں پر اضعافاً مضاعفۃ بدلہ عطا فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی
منزل اسماعیل یاسین بھولا ندوی
جوگیشوری ویسٹ، ممبئ

جمعہ ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین زید مجدہم
(جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

مولانا سید عبداللہ حسنیؒ جن کے وصال سے امت کو بہت شدید صدمہ پہونچا ہے، خاص طور پر مجھے ان کے سانحۂ ارتحال سے بڑا رنج ہوا، وہ بڑے عالم دین اور ممتاز داعی اسلام تھے، ان کے دل میں سارے انسانوں کی ہمدردی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ سارے لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں، اور اس کے لیے وہ مکمل تگ ودو جاری رکھے ہوئے تھے اللہ نے ان کے اندر تفہیم کی بڑی اچھی صلاحیت اور ان کی صحبت میں تاثیر عطا فرمائی تھی، ان کی گفتگو سن کر لوگوں کے دل کھل جاتے تھے، اور بہت سے لوگ ان کی گفتگو سن کر صحبت میں بیٹھ کر اسلام میں داخل ہوئے، اور بلا واسطہ اور بالواسطہ ان کے ذریعہ اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہوگئی، اسی کے ساتھ وہ تربیت وارشاد کا کام بھی انجام دیتے تھے، جس کی انہیں مخدومی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت حاصل تھی، اور لوگوں کو ان سے اس راہ میں بھی بڑا نفع پہنچ رہا تھا، ان کے اندر اللہ نے حضرت مولانا علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ کی خصوصیات رکھی تھیں، وہ ان کے خاندان کے گل سرسبد اور ان کے نور چشم تھے اور ان

کے لائق فخر بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی مرحوم (سابق مدیر مجلّہ ''البعث الاسلامی'' عربی) کے فرزند اکبر اور ان کے دست راست بھانجہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (حال ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کے داماد تھے، وہ سادگی، تواضع، استغناء، اخفائے حال، عالمانہ وقار، اور داعیانہ کردار کی جو صفات وخصوصیات حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ میں نمایاں تھیں اور اس کے ساتھ انسانیت کی ہدایت اور امت کی اصلاح کے لیے بے چینی، فکرمندی، اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ یہ سب خصوصیات مولانا عبداللہ حسنی میں بھی نظر آتی تھیں۔

میں نے ان کو ان کا حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کا ہم مثل پایا، اور یہ محسوس کیا کہ ہمارے علماء کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، ان کی تحریر پڑھنے اور تقریر سننے کا مجھے اتفاق ہوا، وہ بہت آسان زبان میں پیچیدہ مسائل کو حل فرماتے تھے، اسلامی عقائد توحید، رسالت اور آخرت اور دنیا میں زندگی کیسے کارآمد بنائی جائے اور آخرت کی زندگی کس طرح مفید سے مفید تر بنائی جائے، اور کس طرح ہدایت کی ہوا چلائی جائے، اس کے وہ منصوبے بناتے اور لوگوں کو اس کی تلقین کرتے، اور دنیا میں مسلمانوں کے حالات کی فکر کے ساتھ انسانوں کی ہدایت کے لیے بہت فکرمند رہتے، وہ خود دین پر عمل کرنے اور دوسروں کو دین کی طرف لانے کے لیے دن رات محنت کرنے والے انسان تھے، اور انہوں نے اللہ کے دین کی دعوت کے لیے پوری زندگی وقف کردی تھی، خاص طور پر ایسے لوگوں کے درمیان جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں ان کے دلوں کو نرم کرنا اور اسلام سے قریب کرنا ان کا جوہر تھا، انہوں نے زیادہ عمر نہیں پائی، مگر کام بہت کیا، ان کی صلاحیت وکارکردگی کو دیکھتے ہوئے بڑی توقعات قائم تھیں کہ آگے چل کر دین اور تعلیم ودعوت کے میدان میں وہ امت کی رہبری اور رہنمائی کریں گے، مگر وہ زندگی کی صرف ۵۶ ربہاریں دیکھ کر ہی اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے، کہ

ع　　　　روئے گل سیر نہ دیدیم بہار آخر شد

ان کی زندگی پر ہمارے عزیز محترم مولانا محمود حسنی ندوی سلمہ نے سوانح حیات لکھی ہے، جو ان کی پیدائش سے لے کر تعلیم و تربیت، ارشاد و سلوک، دعوت و تبلیغ دین اور زندگی کے مختلف گوشوں پر مشتمل ہے، میں مبارکباد دیتا ہوں کہ ایک اللہ والے پر کتاب لکھ کر انہوں نے بڑا نیک و مفید کام انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کو قبول فرمائے، اور امت کو مولانا عبداللہ حسنی کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

۹ ؍ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ　　　　نظام الدین غفرلہ

(اموسی ائیر پورٹ، لکھنؤ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برکاتِ حرم

(مکتوب گرامی)

باسمہ تعالیٰ

اللہ اللہ اللہ

من فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی

حال نزیل مکہ مکرمہ

یکم فروری ۲۰۱۳ء

محترم المقام یادگار اسلاف حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی **دامت فیوضکم وطال بقاؤکم.** اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند روز پہلے عزیز القدر مولانا سجاد نعمانی زیدہ مجدہ کے ذریعہ حضرت مولانا عبداللہ حسنی علیہ الرحمہ کی شدید علالت کا علم ہوا تھا، فقیر نے حسب توفیق ان کی شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ کے لیے بارگاہ الٰہی میں خوب آہ وزاری کی، مگر ہوتا وہی ہے جو رب کائنات کی مرضی ومنشا، چنانچہ کل مؤرخہ ۳۰ رجنوری ۲۰۱۳ء کی شام ان کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر ملی۔ ''إنا للہ و نا الیہ راجعو ن''

''کل من علیھا فان'' کا قانون اٹل ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ سے ایک یادگار ملاقات کی سعادت فقیر کو دیارِ حرم میں نصیب ہوئی، مرحوم نے جس محبت والفت ومسرت وگرم جوشی کا اظہار اس فقیر سے

کیا اس کی مٹھاس آج بھی دل میں موجود ہے، یہ الفاظ صفحہ قرطاس پر بکھیرتے ہوئے مرحوم کا مسکراتا منور چہرہ آنکھوں کو پرنم اور دل کو پر غم کر رہا ہے، بقول

ع اک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

عجیب بات ہے کہ اس پرفتن دور میں اللہ جل شانہ کے نیک بندے اپنے انوار وبرکات سمیت جس تیزی سے اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، یہ جگہ ظلمات سے بھر رہی ہے، شیاطین اس خلا کو پورا کر رہے ہیں، یوں لگتا ہے کہ یہ فانی دنیا اپنے انجام کو پہنچا چاہتی ہے، قحط الرجال کے اس دور میں ایک علمی وعملی شخصیت داعی الی اللہ کا عالم جوانی میں داغ مفارقت دے جانا ہم فقیروں کے لیے سانحہ فاجعہ کی مانند ہے۔

ع جو بادہ خوار تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

بس حکم الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اتنا کہہ کر دل کو تسلی دیتے ہیں کہ "اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده"۔

اللہ رب العزت مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، اپنے قرب کے اعلیٰ ترین درجات عطا فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے۔

بقول شخصے ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

نیز آنجناب اور دیگر متعلقین کے لیے اس صدمہ کو مقام تسلیم ورضا میں مزید ترقی اور رسوخ حاصل ہونے کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

مولانا مرحوم کی وفات حسرت آیات پر ان کے اہل خانہ اور دیگر پسماندگان یقیناً غم سے نڈھال ہوں گے، ان کی تسلی واطمینان کے لیے ایک واقعہ پیش خدمت ہے،

سیدنا عباسؓ جب فوت ہوئے تو ان کی تعزیت کے لیے ایک بدوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

اصبر نكن بك صابرين

صبر الرعية بعد صبر الرأس

خير من العباس اجرك بعده

والله خير منك للعباس

جب سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو صحابہ کرامؓ کے لیے اس صدمۂ عظیمہ کو برداشت کرنا اک غم کا پہاڑ اٹھانے کے مانند تھا، چنانچہ وہ ایک دوسرے کو تسلی دیتے ہوئے یوں کہا کرتے تھے۔

فاصبر لكل مصيبة وتجلد

واعلم بان المرء غير مخلد

فإذا ذكرت مصيبة ومصابها

فاذكر مصابك بالنبي محمد ﷺ

الحمد للہ فقیر نے آج رات عمرہ کرنے کی سعادت حاصل کی، مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں مولانا مرحوم کے لیے مغفرت و بلندیٔ درجات کی دعائیں کیں، آئندہ بھی یہ فقیر اس خانوادہ کے ہر فرد کے لیے دعا کرنا اپنی سعادت سمجھے گا۔

اگر فقیر کا محبت بھرا اسلام، دعائیں اور پیام تعزیت مولانا مرحوم کے اہل خانہ، برادران اور دیگر اکابر واصاغر تک بآسانی پہنچ سکے تو فقیر پر احسان ہوگا، اپنی دعائے نیم شبی میں اس فقیر کو یاد فرمائیں تو زہے نصیب۔

ع وللارض من كأس الكرام نصيب

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شي

(مکہ مکرمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

محقق العصر مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی زید مجدہم

ایمان وعمل، اخلاص ویقین، قرآن وسنت کا گہرا صحیح علم، قول وعمل کی مطابقت، کردار واخلاق کی بلندی، اصلاح وتربیت کی صلاحیت، اعلی ترین اسلامی انسانی محاسن ہیں، انہی پر اچھے معاشرہ کے وجود میں آنے اور نسلوں کے بننے بگڑنے کا راستہ چلتا اور نکلتا ہے، جس شخص میں یہ سب یا ان میں سے اکثر خوبیاں موجود ہوں اس کی خوش نصیبی کا کیا کہنا، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ اپنی بات کہنے کی، اس کو دوسروں تک زبان وقلم سے پہنچانے کی عمدہ قابلیت بھی پائی جاتی ہو اور اس کی خدمت کی، اس کمال کی، جاننے سننے پڑھنے والوں میں جذب وقبولیت ہو، اس کے مطلوب اثرات وثمرات ان اہل کمال کی باتوں اور تحریر وتقریر سے دلچسپی رکھنے والوں اور ان اصحاب کی صحبت ومجالس میں حاضر رہنے والوں پر، اس طرح ظاہر ہوں کہ ان کی زندگی میں دین کے چراغ روشن اور اصلاح کی فکر نمایاں کردیں، اور ان کی صحبت، تقریر وتحریر اور کردار وعمل، دیکھنے والوں کے لیے نمونہ اور زندگی میں صدق ودیانت کی جوت لگانے والا ہو تو یہ لیاقت وصلاحیت حق تعالیٰ کی خاص الخاص نعمت اور ایسا بے بہا عطیہ ربانی ہے، جس کا شایان شان شکر ادا کرنا بھی ممکن نہیں۔

یہ نعمت، امت کی رہنمائی اور ایسا قافلہ سالار بننے کی دولت، کبھی کسی کو عطا ہوتی ہے، کبھی کسی اور کو، کبھی اس سے اہل عرب کو نوازا جاتا ہے، کبھی اہل عجم کو اور پھر

اس کی ترتیب بھی نرالی ہے، ہواؤں اور باران رحمت کی طرح، اس کا رخ بھی کبھی یہاں ہوتا ہے، کبھی وہاں! ہر جگہ ان نعمتوں کی قدر دانی اور ذوق وطلب کے مطابق، اس کی تراوش ہوتی رہتی ہے، کبھی کسی خطہ پر نوازش کی برسات ہوتی ہے، کبھی کسی علاقہ کو نوازا جاتا ہے، کبھی کسی خاندان کے لیے بخشش وعطا کا فیصلہ ہوتا ہے، کبھی کسی اور سلسلہ اور علاقہ کے لیے۔

یہ قدرتی انمول نعمت اور نہ ختم ہونے والی متواتر روایت، چودہ سو سال سے اسی طرح چلی آرہی ہے، دوسرے بہت سے ملکوں، خطوں اور علاقوں کے علاوہ، ہندوستان بھی اس نعمت ربانی سے پوری طرح فیضیاب و مالا مال رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص فضل وکرم اور عنایات کی بدولت یہاں بھی ایسے ایسے بلند مرتبہ، بلند قامت اور صاحب تاثیر علمائے کرام، مشائخ وخادمان دین، مصنفین ومؤلفین اور اہل ارشاد ومعرفت پیدا ہوئے، کہ ان سے نہ صرف یہ ملک روشن ہوگیا، بلکہ پوری دنیا منور ومعطر ہوگئی، اور ان کے لگائے ہوئے علم وعمل کے گلستاں اور کردار واخلاق کے بوستاں آج تک سرسبز وشاداب ہیں، مہک دے رہے ہیں، اور ان کی طراوت وخوشبو سے لاکھوں کروڑوں اہل ایمان اہل علم اہل قلب اہل معرفت مست ومخمور ہیں۔

برصغیر ہندو پاکستان کے ایسے ہی منتخب اور برگزیدہ خاندانوں میں سے جن کو خدمت دین اور اصلاح وعمل کی خوبیوں سے نوازا، مالا مال کیا گیا، ایک معروف منتخب خاندان وہ ہے جس کا نسبی رشتہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تک پہنچتا ہے، اور جس میں اہل نظر کے بقول، حضرت مجدد الف ثانی (احمد بن عبد الاحد) سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ (احمد بن عبد الرحیم) دہلوی کا فیضان آکر مل گیا تھا، یعنی اس خانوادہ کے اکابر وعلماء دونوں دریاؤں سے پوری طرح سیراب وسرشار ہوئے، اور دونوں کے علمی عملی تربیتی کمالات اور امت کی اصلاح وفلاح کے لیے کوششوں کے

وارث وامین قرار دیئے گئے، اور ان دونوں کے صحیح نائب وترجمان سمجھے گئے۔

ممکن تھا کہ زمانہ کی گردشیں، یا بعد کے دور میں سامنے آنے والی برگزیدہ ونامور شخصیتیں یا کوئی روحانی علمی سلسلہ اس خانوادہ کے اکابر وعلماء کی خدمات وتعارف پر پردہ ڈال دیتا اور یہ خانوادہ تاریخ کے اوراق میں نسبۃً پیچھے چلا جاتا لیکن بارہویں صدی ہجری کے آغاز پر اس خاندان سے ایک ایسی بڑی روحانی پراثر اور طاقتور شخصیت نمودار ہوئی اور اس نے احیائے دین وشریعت اور تردید کفر وشرک وبدعات کی ایسی پرزور آواز لگائی، کہ دہلی سے بنگال تک اور بنگال سے سرحد بلوچستان تک اس کا آوازہ پہنچا اور اس نعرۂ توحید اور دعوت اتباع سنت کی غیر معمولی بلند آہنگ دعوت نے برصغیر کو اس طرح اپنی گرفت میں لیا کہ پرانے تمام سلسلے شہرت ومقبولیت کی تمام اطلاعات اور اندازے اس کے سامنے گرد ہو کر رہ گئے، برصغیر کے اس کونے سے اس کونہ تک ایک ہی صدا اور ایک ہی آواز تھی یہ تحریک سید احمد کی دعوت اور اس کی آواز تھی، جس کا سرچشمہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی ذات گرامی تھی: حضرت سید احمد شہید کی مقبولیت، پذیرائی اور فیض مآبی کا دائرہ اور ان کی پرزور روحانیت ورہنمائی کا سایہ، برصغیر کے لاکھوں باشندوں کے علاوہ، اہل خاندان اور ارباب وطن پر بھی خوب پڑا تھا اور حضرت سید صاحب کے وطن دائرہ حضرت شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) رائے بریلی کے، متعدد اصحاب کمال بھی سید صاحب سے وابستہ ہوئے، اور درجہ کمال تک پہونچے، ان ہی خوش نصیب افراد میں سے ایک قابل ذکر نام مولانا میر عبد العلی کا بھی تھا، جو سید صاحب کے ہم نسب بھی تھے، اور دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے اس دور کے ایک قابل قدر عہدہ تحصیلداری پر مامور تھے، ان کی ذات پر حضرت سید احمد شہید کا کچھ ایسا اثر پڑا اور غالباً ان کے لیے سید صاحب کی کسی وقتِ خاص کی دعا اس طرح باب اجابت پر قبول ہوئی کہ سید صاحب کے بعد میر عبد العلی کی ذریت اور اخلاف کو من جانب اللہ گویا خدمت دین علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت اور مسلمانان ہند کی رہنمائی کے لیے منتخب فرمالیا

گیا، اگر چہ میر عبد العلی کی اولاد اور ان کی اولادوں کا سلسلہ بہت دراز وکثیر نہیں ہے، لیکن اس خانوادہ میں جس قدر بھی افراد نمودار ہوئے ان میں سے ہر اک نسل اور ہر ایک دور میں کوئی ایک شخصیت بے نظیر اور اثاثۂ ملت ضرور شمار ہوتی رہی۔

مولانا میر عبد العلی کے فرزند مولانا حکیم فخر الدین خیالی تھے، جنہوں نے اس خانوادہ میں تاریخ نویسی کی طرح ڈالی اور اپنے پختہ کار قلم اور اعلی علمی ذوق سے ایسی طاقتور روایت قائم کر گئے، جو آج تک باقی متحرک اور کارفرما ہے۔ حکیم فخر الدین خیالی کے نامور فرزند ہندوستان کے مؤرخ جلیل مولانا عبد الحی حسنی [صاحب نزہۃ الخواطر وغیرہ] تھے، ان کے فرزندان والا شان، مولانا ڈاکٹر عبد العلی [سابق ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ] اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اسلامیان ہند کی آبرو اور بلا شبہ متاع گراں مایہ تھے، مولانا علی میاں کو حق تعالیٰ نے اگر چہ جسمانی اولاد کی نعمت سے محروم رکھا لیکن مولانا کی معنوی اولاد، شاگرد، تربیت یافتہ خلفاء، اہل دل، اہل ذوق، خادمان دین، عالمی سطح کی وسیع دینی علمی خدمات اور پچاسوں تصانیف ومؤلفات ہر اک شاید ظاہری اولاد سے زیادہ بافیض باثروت اور کثیر النفع ہیں۔ استاد ذوق نے خوب کہا تھا:

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے یہی ہے کہ دو پشت، چار پشت

مولانا ڈاکٹر عبد العلی کے صرف ایک فرزند تھے، مولانا محمد الحسنی، جو اپنے خاندان کے لعل شب چراغ عالمی آفاقی نظر وبصیرت رکھنے والے مفکر ومبصر بے نظیر قوت تحریر کے مالک، بدیع اسلوب انشاء پرداز تھے۔

ایک موقع پر مولانا عبد الماجد کے لیے کہا گیا تھا کہ:

''ان کا قلم نوعمری میں جوان ہو گیا تھا، اور جوانی میں پرانے اہل قلم کا مد مقابل بن گیا''۔

مولانا محمد الحسنی کی انشاء اور تحریر کی بھی یہی خوبی اور کمال تھا، کہ انہوں نے نوجوانی میں عرب دنیا کے چوٹی کے اہل قلم سے خراج تحسین حاصل کیا، اور خود کو اس دور کے اہم ترین عربی انشاء پردازوں کی صف میں شامل کرالیا۔

مولانا محمد الحسنی اپنے کثیر کمالات کے باوصف، عمر بہت کم لے کر آئے تھے، شاید اسی وجہ سے انہوں نے تربیت وتعلیم سے فکر وتحریر تک، علمی تصنیفی سفر، کم وقت میں اس تیزی سے طے کیا، اور اس طرح پورا کیا کہ سب دیکھتے رہ گئے:

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی میں

مولانا محمد الحسنی کی علمی روایت اور فکر وتحریر کے محاسن وکمال کے وارث، مولانا کے باکمال فرزند، مولانا عبد اللہ حسنی تھے، مولانا عبد اللہ نے خاندان کی علمی روحانی وراثت کو آگے ہی نہیں بڑھایا بلکہ اس میں نئے پہلوؤں، نئے موضوعات اور نئے عنوانات کا خوبصورت وخوب سیرت اضافہ بھی کیا۔

اگرچہ کسی بڑے، دینی علمی خاندان کا رکن وفرزند اور اس کا حصہ ہونا بھی ایک اعزاز ہے لیکن یہ غیر اختیاری ایک قدرتی امر ہے جس میں کسی کا اپنا دخل نہیں، مگر پیدا ہونے اور شعور آنے کے بعد خاندان کی نسبتوں کو باقی رکھنا اس کے کمالات وخصوصیات کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کرنا اور بزرگوں کے معیار پر کھرا اترنے کی کوشش کرنا اور خاندان کے طرۂ کمال میں نئے موتی ٹانکنے کی فکر میں لگے رہنا، نہایت لائق توصیف اور آپ میں ایک بڑی خوبی اور نعمت ہے، مولانا عبد اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اس وصف میں سے بھی حصہ عطا فرمایا تھا، انہوں نے اپنے آبائے کرام کی روایات کو اپنی کوشش اور حسن عمل سے اس طرح آگے بڑھایا کہ لوگ اس کی روشنی میں ایمان وعمل کا راستہ تلاش کرنے خیر اور بھلائی کا سفر طے کرنے لگے تھے۔

مولانا عبد اللہ حسنی کا ایک تعارف تو یہی تھا کہ وہ خانوادۂ حسنی کے ایک فرد

مولانا ڈاکٹر عبد العلی کے پوتے مولانا محمد الحسنی کے فرزند ندوۃ العلماء کے ممتاز بافیض استاد، ندوہ کے ہفت روزہ عربی ترجمان ''الرائد'' کے مدیر اور اداریہ نگار تھے، مگر یہ ان کے کمالات ومحاسن کا صرف ایک پہلو تھا وہ عالم تھے مربی تھے مصلح تھے شیخ تھے علوم قرآن وسنت میں نظر اور بصیرت رکھتے تھے روح تصوف سے آشنا تھے، تصوف کے علمی فکری منابع اور ان کے صحیح وغلط سے باخبر تھے، موجودہ دور میں تصوف کے مقاصد اور اعلیٰ تعلیمات کو کس طرح برتا جاسکتا ہے، طالبان راہ محبت کو کس طریقہ اور کس راہ سے سفر کرانا چاہیے، باذوق طالب علم کو دل کی دنیا سے کس طرح واقف اور لذت آشنا کرایا جاسکتا ہے، اس پر توجہ اور اس کی فکر رکھتے تھے۔

مولانا عبد اللہ صاحب اپنے مخلص متوسلین پر، اپنے مطالعہ کی روشنی میں، قدیم مشائخ کے خاص طریقوں کا تجربہ کرتے رہتے تھے جس کے اچھے اور مفید اثرات بھی ظاہر ہوئے لیکن حسن تربیت کے نمایاں اثرات اور اپنی مقبولیت وپذیرائی کے باوصف، جہاں تک میرا اندازہ اور معلومات ہیں مولانا خود کو صاحب کمال نہیں سمجھتے تھے۔

مولانا حسنی کے ''الرائد'' کے اداریوں اور عربی تحریرات تک میری زیادہ رسائی نہیں رہی، لیکن اردو تقریریں خطابات اور نجی مجلسوں کی باتیں اکثر پہنچتی رہتی تھیں، کئی تقریریں پڑھ کر سن کر، حیرت آمیز مسرت ہوئی چوں کہ مرحوم سے آخر میں خاصی بے تکلفی ہوگئی تھی، اس لیے فون پر کہہ دیا کرتا تھا کہ آں مکرم کی فلاں تقریر میں فلاں چیز فلاں نسبت بول رہی تھی، کئی مرتبہ ان کو تقریروں کی مسلسل اشاعت پر بھی توجہ دلائی، خدا کا شکر ہے یہ بات لائق عمل سمجھی گئی، مولانا کی کئی تقریریں اور خطابات رسائل میں اور کتابی صورت میں چھپے جو اہل علم اور اصحاب کے لیے سرمۂ بصیرت بنے۔

خیال تھا کہ یہ سلسلہ اور اس کے ساتھ ہی اندرونی کیفیات اور روحانیت کی تدریس کا معاملہ آگے بڑھے گا، مولانا حسنی کے متوسلین کے لیے خصوصاً، عام قارئین

اور استفادہ کرنے والوں کے لیے عموماً، کشادگی قلب ونظر کا عمل دراز ہوتا جائے گا مگر قضا وقدر کے فیصلے انسانی خواہشات اور ضرورت کے پابند نہیں ہوتے، اس لیے کئی مرتبہ ایسی شخصیتوں اور افراد کو خاص ایسے وقت آخرت کا بلاوا آجاتا ہے، جب ان کے فکر وعمل کی تابانی اور اصلاح وتربیت کا جذبہ اپنے شباب پر ہوتا ہے، یہی مولانا عبداللہ صاحب کے معاملہ میں ہوا، مولانا سے کیسی کیسی امیدیں بندھ گئی تھیں، آنے والے وقت میں ان سے معاشرہ کی اصلاح کی اور چند بڑے دینی علمی اداروں میں زندگی کی روح بیدار کرنے والے انقلابی قدم اٹھانے اور ان کو زیادہ مؤثر زیادہ بامقصد زیادہ باکردار اور امت کے لیے فعال بنانے کی توقعات میں روز افزوں اضافہ ہورہا تھا کہ ان کو یکلخت: ”یاأیتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربک راضية مرضية“ کا فرمان سنادیا گیا۔

میری مولانا عبداللہ حسنی سے ملاقات وروابط کی بات پرانی ہے، جو آہستہ آہستہ بڑھتی چلی گئی، سات آٹھ سال سے یہ رابطہ بہت زیادہ اور بہت گہرا ہوگیا تھا ہر سال کاندھلہ ایک دو مرتبہ آنے کا معمول سا بن گیا تھا، اس نواح کا جب بھی سفر ہوتا یہاں کاندھلہ آنے کے لیے کچھ وقت ضرور نکالتے اور اس میں بھی گھنٹہ دو گھنٹہ الگ بیٹھتے میری سنتے اپنی سناتے دنیا کے احوال ملت کے زوال کا مرثیہ اپنوں کی بے غیرتی وبے حسی دوسروں کے لیے استعمال ہونے کا اور زرطلبی کا بڑھتا رجحان بڑی بڑی دینی علمی شخصیات دینی اداروں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ائمہ دین ہندوستان کے برگزیدہ مرحوم وموجود اکابر کے نام اپنے مفادات کے لیے دہرانے کا بڑھتا دستور سب روابط کو نسبتوں کو ان کی خدمات اور ملت کے لیے قربانیوں کو آڑ اور ذریعہ بنا کر ہر جائز ناجائز صورت سے روپیہ پیسہ اکٹھا کرنے کی بیماری دینی طبقہ کا روزانہ بڑھتا بگاڑ وزوال اور اس کی فکر اور تدبیر سے عام غفلت گفتگو کا بڑا موضوع ہوتی، کئی مرتبہ بڑے درد سے ان واقعات ومشاہدات کا تذکرہ کرتے جو قریب میں پیش آئے، کہتے تھے

جن کا ایسا حال ہو ان کے ذریعہ سے دین کی خدمت واشاعت کہاں متوقع ہے، ظاہر وباطن کے کھلے تضاد دین اور خدمت دین کے تمام شعبوں راستوں کو بلا تأمل اپنے ناجائز اور نہایت برے مقاصد کے لیے استعمال کرنے والے کثرت سے نمودار ہو رہے ہیں، افسوس اور صدمہ کی کیفیت اور بڑھ جاتی ہے، جب وہ لوگ اس فہرست میں نظر آئیں جن سے اچھے کاموں کی امید تھی، بھلی توقعات اور برسوں کے روابط تھے، آخر میں ایسے لوگوں سے بہت ہی بددل ہو گئے تھے اس کا احساس بھی خاصا بڑھ گیا تھا کہ وہ تنہا رہ گئے ہیں، ایسا بھی کوئی نظر نہیں آتا جس سے بے تکلف وتأمل دل کی بات کر لی جائے، مگر افسوس کہ ہمارے جیسے لوگ ان کے سدھار کے لیے زیادہ کار آمد کوششوں سے قاصر رہتے ہیں، کیوں کہ ع

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اہل درد اہل احساس جب کچھ زیادہ نہ کر سکیں یا ان کی کوششوں اور جد وجہد کے ثمرات واثرات دب کر بجھ کر رہ جائیں، تو ان کو دکھ ہونا غیر متوقع نہیں، کئی مرتبہ یہ رنج یہ احساس خیال سے بڑھ کر زخم دل بن جاتا ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب کی کوششوں کے اثرات اگر چہ خاصے دور دور تک اور نتیجہ خیز تھے اور ان کے ذریعہ سے ملک کے بہت سے علاقوں میں بڑے وقیع ایمان افزا کام ہو رہے تھے، مولانا کے حوصلوں کی بلندی اس کو اپنا منتہائے پرواز جاننے سے قاصر تھی وہ اس کے علاوہ بھی کچھ کرنا چاہتے تھے پورے ملک میں دعوت اسلام کی بڑی پرزور جد وجہد، مدرسوں میں تعلیمی نظام کی بہتری، طلبہ کے دینی مزاج کی تشکیل وتعمیر، ان سب کے لیے ایک مؤثر نظام بنا کر اس کو دینی تعلیمی اداروں خصوصاً ندوہ کی شاخوں میں نافذ کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھے، مولانا کے ذہن میں اس کا جو منصوبہ تھا وہ اس کے نافذ کرنے کے لیے اپنے حلقہ تعارف اور ندوہ کے باذوق سعادت مند طلبہ میں اس کا ذہن بنا رہے تھے اس کے لیے خاموشی سے افراد تیار کرنا چاہتے تھے کہ

یہ افراد یہ طلباء آئندہ بڑے اصلاحی مقاصد کے لیے مؤثر و کار آمد ثابت ہوسکیں۔

وہ تمام لوگ جو مولانا کو جانتے تھے مولانا کی اس فکر، جذبہ اور ارادوں سے واقف تھے امید کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ موقع دے گا مولانا حسنی اور ترقی کریں گے اور ان کے یہ ارادے یہ فکر یہ کوششیں ندوہ اور اس کی شاخوں نیز فکر و عمل کی دنیا میں نئے برگ و بار پیدا کرے گی اس سے ایک نئی قوت نمودار ہوگی کردار و عمل کو نئی توانائی، نئی تابندگی نصیب ہوگی مگر مولانا کی اچانک خطرناک علالت اور وفات نے یہ تمام امیدیں اور مستقبل کے متوقع منصوبے یکلخت خاک کر دیئے۔

ایسے دور میں جب حق وصداقت ایک بے معنی شے، خدمت اسلام کا نام، اکثر لوگوں کے لیے اپنے غلط مقاصد حاصل کرنے اور صرف دنیا طلبی کے لیے استعمال کا ایک سامان بن گیا، مولانا عبد اللہ حسنی کی ذات ایک نمونہ تھی، علم اخلاص کا، دیانت کا، سچائی کا، قول وعمل کی یکسانیت کا، دنیا اور دنیا طلبی کے مظاہرے سے پاک وصاف ہوکر خدمت دین کے لیے فارغ ہونے کا ایسے لوگوں کی زندگی بعد والوں کے لیے نمونہ ہوتی ہے، کہ خود غرضی کے طوفان اور دنیا طلبی کے ایسے ماحول اور ایسے حالات میں بھی ایسے افراد موجود تھے جو ایسی سادہ بے غرض اور مخلصانہ زندگی گزارتے تھے۔

ایسے لوگوں کے احوال وسوانح میں چھوٹوں کے لیے بہت کچھ سیکھنے اور مثال ونمونہ بنانے کے لائق ہوتا ہے، مولانا محمود حسنی صاحب لائق مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنے ماموں صاحب کی قدر پہچانی، ان کی زندگی تعلیم وتربیت، تدریس اور بیعت واجازت سے اصلاح وتربیت تک، مقاصد حیات کی عمدہ تعبیر ونشاندہی کردی، مولانا محمود صاحب نے اپنی اس تالیف میں مولانا کی زندگی میں عمل وکردار کی مطابقت، دولت اور اہل دولت سے بے نیازی وغیرہ، ہر اک پہلو پر روشنی ڈالی ہے، اس کے لیے مطالعہ ومشاہدات، معلومات وحوالوں، ہر اک سے اچھا اخذ واستناد

کیا ہے۔

جب مجھے مولانا محمود صاحب نے یہ اطلاع دی کہ ہم نے مولانا حسنی کی سوانح مرتب کی ہے،تو ، مجھے خیال ہوا کہ اس کے لیے ضروری تیاری کے بعد کام شروع کیا ہوگا،اس گفتگو کی دوسری صبح ، جب مولانا محمود صاحب نے یہ کتاب سامنے لاکر رکھ دی تو میں اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا،ابھی مولانا عبداللہ صاحب کی وفات پر وقت ہی کتنا گزرا ہے، دیکھا جائے تو دومہینہ سے زیادہ کا حساب نہیں آتا،اگر چہ مولانا عبداللہ صاحب،مصنف کے ماموں تھے اور دونوں برسوں سے سفر وحضر میں اکثر ساتھ رہتے تھے اور مؤلفِ کتاب،مولانا عبداللہ کی خصوصیات وکمالات، خدمات، طریقہ اصلاح وارشاداوراشاعت وخدمت دین کی جدوجہد نیز اس میں مولانا کے فکر ومزاج اور طرز عمل سے خوب واقف تھے،مگر یہ سب باتیں مولانا محمود صاحب کو اس قدر یاد اور مستحضر ہوں گی ، وہ ان کو یوں بے تکلف لکھتے چلے جائیں گے،اس کا خیال تک نہیں تھا اس کو مولانا عبداللہ کی خدمات کی عنداللہ مقبولیت کا نشان کہیے یا مولانا محمود کی مولانا سے غیر معمولی گہری محبت کی علامت، کہ وہ اس قلیل عرصہ میں اس مشکل مرحلہ سے کامیاب گزرے،اور یہ تذکرہ وسوانح قارئین کے سامنے پیش کردیا۔

اس کتاب میں مولانا محمود صاحب نے ،صاحب سوانح کے اجداد واسلاف کے احوال وکارناموں سے،صاحب سوانح کی وفات تک،اکثر گوشوں کا احاطہ کیا ہے،اور مولانا کی زندگی اور خدمات کی ایسی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے،جس میں مولانا حسنی کی زندگی وکردار کے تمام پہلو اور تمام رنگ ابھر کر اور نکھر کر سامنے آگئے ہیں،مرتب نے مولانا عبداللہ حسنی کی زندگی کے اہم عنوانات کو،دس ابواب میں سمیٹ لیا ہے، جو اس طرح ہیں:

پہلا باب: خاندانی اسلاف—علمی ودینی مقام اور اصلاحی ودعوتی خدمات

دوسرا باب: ولادت، خاندانی پس منظر، ماحول اور تعلیم وتربیت

تیسرا باب: ندوۃ العلماء سے وابستگی، تعلیم وتدریس اور اصلاح ودعوت
چوتھا باب: اندرون ملک دعوتی وتبلیغی اسفار کا ایک جائزہ
پانچواں باب: بین الاقوامی دعوتی اسفار
چھٹا باب: حجاز مقدس کے اسفار، حج بیت اللہ اور عمرے
ساتواں باب: دعوت واصلاح اور تعلیم وتربیت
آٹھواں باب: سلوک ومعرفت اور تزکیہ وتصوف
نواں باب: اسلام کے تعارف کے لیے جدوجہد
دسواں باب: تحریک پیام انسانیت کی قیادت، طریقۂ کار، انداز فکر اور اس کے حیرت انگیز نتائج وثمرات
گیارھواں باب: آزمائشیں۔ عائلی زندگی۔ سلوک وبرتاؤ اور سفر وحضر کے معمولات
بارہواں باب: علالت کا تسلسل، وفات حسرت آیات اور چند منظوم تاثرات
تیرھواں باب: ذاتی محاسن وخصوصیات اوصاف وکمالات اور علمی ودینی امتیازات
چودھواں باب: افکار ونظریات
پندرھواں باب: ملفوظات وارشادات
سولہواں باب: انتخابات واقتباسات
سترھواں باب: احساسات وتاثرات

بلاشبہ اس تالیف میں مولانا کے محاسن وکمالات اور خدمت علم ودین کا اچھا تعارف ہوگیا ہے، جس میں مولانا کے وابستگان ومتوسلین اور بعد والوں کے لیے بہت سی مفید لائق عمل باتیں اور اچھے سبق آگئے ہیں، امید ہے کہ پڑھنے والے ان سے استفادہ کریں گے اور ان کے ذریعہ سے زندگیوں میں عمل کے چراغ روشن ہونے کا اور مولانا کے ذخیرۂ آخرت میں اضافہ کا سامان بنے گا۔

میں اس خدمت پر مولانا محمود حسنی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ممنون ہوں

کہ طباعت سے پہلے اس سے استفادہ کا موقع دیا، اللہ تعالیٰ اس خدمت وتحریر کو قبول فرمائے اور پڑھنے والوں کے دلوں میں خدمت ایمان کا ایسا جذبہ، ایسی تڑپ، ایسا ہی اخلاص اوراسی طرح خودکواس راہ کی نذر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نورالحسن راشد کاندھلوی
مولویان کاندھلہ، ضلع شاملی۔(مظفرنگر) یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تشکر واعتراف

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی أمابعد!

محض اللہ تبارک وتعالی کے فضل اور اس کی توفیق سے سیرت داعی اسلام حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ پایہ تکمیل کو پہنچی، اس میں جن بزرگوں کی شفقت وعنایت اور توجہ ودعا کارفرما رہی ان میں سرفہرست نام حضرت مرشد مخدوم ومعظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور ان کے بھائی اور صاحب سیرت وسوانح کے عم معظم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی زید مجدہم کا ہے کہ جن کا ایماء پاکر یہ خدمت انجام دینے کی کوشش کی گئی، تیسری بزرگ ہستی حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہم العالی جانشین محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقی قدس سرہ کی ہے جو بار بار اس سلسلہ میں دریافت حال فرماتے رہے، اور دعاؤں کے ساتھ متوجہ رہے، جس سے راقم کو اثناء سفر تصنیف بڑی تقویت حاصل ہوتی رہی، مقدمہ نگاران کتاب حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) وحضرت مولانا محمد نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب مدظلہ (صدر مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ) کے لیے اظہار ممنونیت کے ساتھ مربی جلیل حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم کا بھی احسان مند ہوں جن کا تعزیتی مکتوب خود ایک دیباچہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسے برکات حرم کے طور پر جہاں سے یہ مکتوب ارسال کیا

گیا تھا صف تقریظ میں رکھا گیا ہے، دیگر بعض اہم ممتاز شخصیات کی تحریروں کے اقتباسات وتاثرات کتاب میں جابجا قارئین ملاحظہ کریں گے۔

محترمی قاری حبیب احمد صاحب لکھنوی (حال مقیم دبئی) اور محترمی جناب محمد سائب سکری (بھٹکل) کا پیہم اصرار اور اشاعت کے لیے گرانقدر تعاون اور اسی طرح مولانا اسماعیل بھولا ندوی کی فکر ودلچسپی، خال معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی اور خال محترم وصاحب سوانح کے برادر اصغر مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کے گرانقدر مشورے اور متعدد احباب ورفقاء کا تعاون، جن میں خاص طور سے مولوی محمد نفیس خان ندوی اور مولوی محمد ابوبکر ارمغان ندوی بدایونی کے لیے اظہار تشکر ضروری ہے جو ہمارے لیے فرشتہ رحمت بن کر سامنے آئے، محمد احرار الہدی شمس ندوی اور مولانا محمد اسحاق ندوی سیتاپوری کا کمپوزنگ کے لیے تعاون ودلچسپی بھی قابل ذکر ہے، ان کے علاوہ اس طویل علمی سفر میں جس نے ڈیڑھ سال کے قریب کا عرصہ لے لیا الگ الگ موقع اور مناسبت سے مختلف احباب کا تعاون سامنے آتا رہا، ایک ایک کا ذکر کرنا دوسرے کی حق تلفی کا بھی سبب بن سکتا ہے اس لیے اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے مالک حقیقی کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ کریم آقا اپنے فضل وکرم سے ان سب کو خوب نوازے اور پروانہ رضوان وغفران عطا کرے، صاحب سیرت وسوانح پر اپنے الطاف کی بارش فرمائے، اور مصنف کو محروم نہ فرمائے۔

اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم
غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔ آمين!

محمود حسن حسنی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنی، تکیہ کلاں رائے بریلی
(سنیچر ۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ - ۲۶/ اپریل ۲۰۱۴ء)

پہلا باب

خاندانی اسلاف-ان کا ان کا علمی ودینی مقام اوراصلاحی ودعوتی خدمات

خاندان نبوت کا کام ومقام

آل بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ (ﷺ) کو بہت محبوب تھے، اور صرف محبوب ومنظور نظر ہی نہیں مشابہ بھی خوب تھے۔ ان دونوں کی مشترک نسل جو چلی اس کو حسنی الحسینی کہا گیا اور حضرت عبداللہ المحض کو جو حضرت حسنؓ کے پوتے اور حضرت حسینؓ کے نواسے ہیں، ان کی اسی خصوصیت وامتیاز کی وجہ سے ''المحض'' کہا گیا، ان کو سخت آزمائشوں سے گذرنا پڑا، لیکن وہ پیکر صبرو استقامت رہے، ان کی اولاد میں ابراہیم، محمد ذوالنفس الزکیہ، موسی الجون، ادریس، یحییٰ، سلیمان ان سب کو سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ ابراہیم اور محمد ذوالنفس الزکیہ اور بھی افراد خاندان عباسی حکومت کے مظالم کا نشانہ بنے اور شہادت سے سرفراز ہوئے، وقت کے ائمہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ ان کے موید اور ہم نوا تھے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسی الجون کی اولاد عراق میں رہی اور یکے بعد

دیگرے علماء، صلحاء پیدا ہوتے رہے، انہیں میں ایک عظیم نام شیخ المشائخ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ہے۔ ابراہیم کی اولاد مصر، عراق وخراسان اور سلیمان اور ادریس کی اولاد مغربی وبربری علاقہ کی طرف ہجرت کرگئی اور خوب اسلام پھیلایا۔

حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ شہید کی اولاد اور شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد المدنی کی ہندوستان آمد

حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ شہید کی اولاد ہندوسندھ کی طرف آگئی، لیکن یہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا گیا، عبداللہ الاشتر (۱) جوان کے بیٹے تھے شہید ہوگئے اور ان کے بیٹے محمد کو خلیفہ منصور نے ان کے گھر پہنچانے کا حکم صادر کیا اور اس پر عمل ہوا، ان کی اولاد میں چند واسطوں کے بعد جو بڑی عظیم مصلح اور مجاہد فاتح شخصیت پیدا ہوئی وہ امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد المدنی (م-۶۷۷ھ) کی ہے۔ ان کے صاحبزادگان اور رفقاء ان کے نقش قدم پر تھے اور پھر ان کی نسل میں علماء، افاضل، مجاہدین ومصلحین پیدا ہوتے رہے، لیکن اس شجرۂ طوبیٰ کی وہ شاخ جس کا تعلق حضرت شاہ علم اللہ، مولانا سید ہدایت اللہ، مولانا دیوان خواجہ احمد نصیر آبادی اور ان کے جدامجد حضرت قاضی محمود بن علاء الدین نصیر آبادی سے ہے وہ کئی حیثیتوں سے علم وفضل، اور ورع وتقویٰ اور دینی وجاہت میں ممتاز رہی، اس شاخ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے:

حضرت قاضی سید محمود بن علاء الدین بن قطب الدین محمد الثانی
بن صدرالدین بن زین الدین بن احمد بن علی بن قیام الدین
بن صدرالدین بن رکن الدین بن نظام الدین بن قطب الدین
محمد المدنی بن رشید الدین احمد بن یوسف بن عیسیٰ بن حسن بن

(۱) مولانا محمد ثانی حسنی عبداللہ الاشتر کی دوسری اولاد کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ عبداللہ الاشتر کی اولاد کی ایک شاخ نے بخارا، غزنی، بلخ میں بودوباش اختیار کی اور دینی دعوت وتبلیغ کا کام کیا، ان کی دعوت وارشاد سے پورا خطہ مسلمان ہوگیا۔ (خانوادۂ علم اللہی، صفحہ:۲۱)

حسین بن جعفر بن قاسم بن عبداللہ بن حسن الاعور بن محمد بن عبداللہ الاشتر بن محمد ذوالنفس الزکیہ الشہید بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنی بن سیدنا حسن بن علی مرتضی رضی اللہ عنہما السبط الاکبر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ایک تاریخی حقیقت نظر آتی ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد نے دنیا میں پھیل کر اشاعت اسلام وتبلیغ دین اور اصلاح وارشاد کا کام کیا اور امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین بھی اسی مقصد سے ہندوستان تشریف لائے، اور ان کی نیت اور مقصد کی برکت تھی کہ کوئی نہ کوئی اس کام کو لے کر ان کی نسل میں کھڑا ہوتا رہا، اور چونکہ دعوت اسلام کے مقصد سے ہندوستان آئے تھے اس لیے ان کی اولاد پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔

حضرت مولانا سید ہدایت اللہ حسنی نصیرآبادیؒ

حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ مصنف **نزهة الخواطر** لکھتے ہیں:

"الشيخ العالم الصالح هداية الله بن إسحاق بن معظم بن أحمد بن محمود بن العلاء الشريف الحسنى النصيرآبادى كان من نسل الأمير الكبير بدرالملة المنير قطب الدين محمد بن أحمد الحسنى الحسينى المدنى ولد ونشأ بنصيرآباد وقرأ العلم على صنوه الكبير أحمد بن إسحاق النصيرآبادى، ولازمه ملازمة طويلة حتى برزفى الفقه الأصول والعربية رأيت بخطه الشريف رسالة فى الخراج، وكان من أجدادى يصل إليه نسبى بسبع وسائط."(۱)

---

(۱) نزهة الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۲۶۷-۲۶۸

(عالم صالح مولانا ہدایت اللہ بن اسحاق بن معظم بن احمد بن محمود بن سید علاء الدین حسینی نصیرآبادی امیر کبیر بدر الملۃ المنیر سید قطب الدین محمد بن احمد مدنی حسنی الحسینی کی نسل سے ہیں، نصیرآباد رائے بریلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ اپنے بڑے بھائی مولانا خواجہ احمد بن اسحاق نصیرآبادیؒ سے علم حاصل کیا اور ان کی طویل صحبت پائی۔ یہاں تک کہ فقہ اور اصول فقہ اور عربیت میں ملکہ پیدا کیا، میں نے خراج کے موضوع پر آپ کے قلم سے ایک کتاب ملاحظہ کی ہے، آپ میرے اجداد میں ہیں، میرا نسب آپ تک سات واسطوں سے پہنچتا ہے)۔

مولانا سید ہدایت اللہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے عم نامدار مولانا سید محمد اسحاق کے تیسرے فرزند تھے، بڑے فرزند سید تاج الدین ہیں، جن کی نسل کا سلسلہ سید محمد ناطق پر منتہی ہوتا ہے، اور ان کی ہی اولاد میں سید محمد روشن بن سید محمد شافع بھی ہیں جن کی صاحبزادی سیدہ زہرا امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید کی اہلیہ محترمہ تھیں، دوسرے صاحبزادے مولانا دیوان خواجہ احمد نصیرآبادی بڑے پایہ کے بزرگ اور عالم دین گزرے ہیں۔ مولانا سید ہدایت اللہ صاحب اور حضرت شاہ علم اللہ حسنی نقشبندیؒ کو آپ نے تعلیم دی اور تربیت کی، ان کی اولاد میں تنہا حضرت خواجہ سید احمد نصیرآبادی کا نام لینا کافی ہے، جن کے فیوض وبرکات رائے بریلی سے پرتا بگڈھ، سلطان پور، جونپور، اعظم گڑھ تک گلی کوچوں اور جگہ جگہ پھیلے، مولانا سید ہدایت اللہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل فہم وتدبر، وجاہت ومتانت جیسے محاسن واوصاف سے نوازا تھا۔ اخلاص وتقویٰ سے آراستہ زندگی کی برکت کہی جائے گی کہ آپ کی اولاد میں یکہ بعد دیگرے علم وفضل، سلوک ومعرفت اور جہاد وعزیمت میں جلالت شان وعلو منزلت کی حامل شخصیات پیدا ہوتی رہیں، دو صاحبزادے تھے، سید امین اللہ اور سید عبد الرحیم، آخر

الذکر حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے داماد تھے اور ایک معرکہ میں شہادت سے بھی سرفراز ہوئے، ان کے بیٹے اور حضرت شاہ علم اللہ کے نواسے مولانا سید محمد تقی دور عالمگیری پھر معظم شاہی عہد میں بہار عظیم آباد و بنگال کے صوبہ دار رہے۔(۱)

مولانا سید محمد تقی کی نسل میں مولانا سید عبدالعلی، مولانا سید فخرالدین خیالی، مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی گزرے ہیں، اوران کی ہی نسل میں مولانا سید محمد طٰہٰ اور حضرت مولانا سید محمد امین نصیرآبادی جیسے بلند پایہ حضرات کے نام نامی بھی ہیں۔

سید امین اللہ کو نصیرآباد میں عہدہ قضاء سپرد رہا جو ان کے بیٹوں سید محمد کامل اور سید محمد شامل کو ملا۔ سید محمد شامل کے پوتے حضرت سید محمد امین عرف اگھا میاں بن سید محمد یقین نصیرآبادی ہوئے جو جرأت ایمانی، شجاعت اور صداقت میں اپنی مثال آپ تھے۔

مولانا سید ہدایت اللہ کے متعلق مصنف یادگار سلف مولانا نجم الدین اصلاحیؒ نے جو معلومات فراہم کی ہیں، ان کے مطابق وہ شہنشاہ ہند شاہجہاں کے وزیر برائے امور مذہبی جسے صدرالصدر اور قاضی القضاۃ کا نام دیا جاتا تھا، کے عہدہ پر فائز رہے۔ شاہجہاں کے عنایت کردہ خلعت وزارت ان کی نسل کی نامور و عظیم المرتبت شخصیت مولانا سید محمد امین نصیرآبادی تک خاندان میں محفوظ رہی، ان کی تحقیق یہاں تک ہے کہ اس کی فرسودگی جب انتہا کو پہنچ گئی تو اسے جلا کر چاندی علیحدہ کر لی گئی، جس کی پانچ سو روپئے قیمت لگی۔ دور عالمگیری کی ابتداء تک آپ بقید حیات رہے۔

مولانا نجم الدین اصلاحی کا آگے یہ بیان بھی ہے:

''حضرت ممدوح کے بعض حالات تاریخ تیموریہ میں بحوالہ خافی

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سید احمد شہید از مؤرخ اسلام مولانا غلام رسول مہر، و سیرت سید احمد شہید از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، و خانوادۂ علم اللہی از مولانا سید محمد ثانی حسنی، و تذکرہ شاہ علم اللہ از مولانا سید محمد الحسنیؒ۔

خاں ملتے ہیں، لیکن وقائع سیر وسیاحت از ڈاکٹر برنیر فرانسیسی میں آپ کے حالات کی پوری تفصیل موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عہد شاہجہانی میں عدالت شاہی کے صدر الصدور بھی تھے، اور وزیر اوقاف بھی، حکومت وقت نے صدر الصدور شاہجہانی وزیر اوقاف ملک ہندوستان نواب سید ہدایت اللہ خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب عنایت کیا تھا۔ بعض فرامین سلطانی اب تک موجود تھے، جن میں مقام دستخط وزیر سید ہدایت اللہ خاں مندرج تھا۔" (یادگار سلف بحوالہ گلشن طٰہٰ)

دائرۃ المعارف الاسلامیہ اردو (پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے عہد شاہجہانی کے صدر الصدور کے عہدہ پر فائز جن تین شخصیتوں کے نام ذکر کیے ہیں، ان میں ایک نام مولانا سید ہدایت اللہ کا بھی ہے۔

حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ اور خاندان پر ان کے اثرات وبرکات

حضرت شاہ علم اللہ حسنی (۱۰۳۳ھ-۱۰۹۶ھ) حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفۂ اعظم حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ اجل اور اتباع سنت میں عدیم النظیر عالم ربانی صاحب سلسلہ شیخ الطریقت تھے، ان کے چار صاحبزادگان حضرت شاہ آیت اللہ (جد اعلیٰ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) حضرت سید ابوحنیفہ، حضرت سید محمد ہدیٰ (جد امجد حضرت سید احمد شہیدؒ) اور حضرت سید محمد جی (والد ماجد حضرت شاہ محمد عدل وحضرت مولانا محمد حکم) اور دو صاحبزادیاں تھیں، ایک صاحبزادی حضرت سید عبدالرحیم شہید فرزند حضرت شاہ ہدایت اللہ کو منسوب ہوئیں جس کی نسل میں بڑے بڑے اولیاء واقطاب اور ربانی علماء اور مصلح ومجدد پیدا ہوئے، جن میں حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی اور آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا نام لینا کافی ہے، جن کے برادر زادے مولانا سید محمد الحسنی (۱۳۵۴ھ-۱۳۹۹ھ) کے فرزند

اکبرو جانشین مولانا سید عبداللہ حسنی (۱۲۷۶ھ-۱۳۳۴ھ) ہوئے۔ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ اور حضرت مولانا سید ہدایت اللہ نصیر آبادی حقیقی چچازاد بھائی تھے، حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کے اپنے عہد پر اور اپنے خاندان پر جو اثرات پڑے اور جو برکات عہد بہ عہد ظاہر ہوئیں، اس کو خاندان علم اللہی کے مصنف و مؤرخ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ (ندوی ومظاہری) کے قلم گوہر بار سے ملاحظہ کیجئے:

"۱۰۵۰ھ کا سال تھا کہ قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی کے سادات حسنی کا ایک سترہ سالہ نوجوان جس کا نام سید علم اللہ تھا، اپنے مختصر سے کنبے کو لے کر اپنے وطن سے نکلا اور رائے بریلی شہر سے ڈیڑھ میل مغربی جانب لب دریائے سئی طرح اقامت ڈالی اور اپنے مورث اعلیٰ اور جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والتسلیم کی سنت کے مطابق اپنی اہلیہ اور مختصر سے کنبے کو لے کر ایک غیر آباد جگہ اس نیت سے آباد کیا "ربنا لیقیموا الصلوۃ" اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو یہاں اس لیے ٹھہرایا کہ یہ نماز قائم کریں۔

اپنے رہنے کے لئے ایک کچا گھر اور خدا کی عبادت کے لئے ایک خس پوش مسجد تعمیر کی، تھوڑے ہی دنوں میں اس نوجوان صالح کے حسن عمل اور حسن کردار کی وجہ سے خدا نے اس کو ایسی محبوبیت و مقبولیت کے درجہ تک پہونچادیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے عوام وخواص کا ایسا رجوع ہوا کہ سب کی آنکھوں کا تارا اور دل کا سہارا بن گیا۔ چند ہی سالوں میں اس کا شمار اپنے ہمعصر مشائخ میں ہونے لگا، بڑے بڑے علماء اس کو بجائے سید علم اللہ کے حضرت شاہ علم اللہ یا حضرت جیو کے نام سے یاد کرنے لگے۔

رفتہ رفتہ خاندان حسنی کے دیگر افراد بھی دائرہ حضرت شاہ علم اللہ منتقل ہونے لگے اور یہ خطہ سادات حسنی کا اصل وطن بن گیا اور جو لوگ نصیر آباد میں باقی رہے وہ بھی رشتہ داریوں کے ذریعہ تسبیح کے دانوں کی طرح باہم پیوست ہوئے۔

اس مسجد میں جو سکون قلب، طمانیت، قرار اور کیف وحضوری کی جو دولت نصیب ہوتی ہے وہ بہت کم کسی اور جگہ پائی جاتی ہے، اس کیفیت کا احساس مختلف اوقات میں مختلف مشائخ وقت نے ظاہر کیا ہے۔

حضرت شاہ علم اللہ کی اولاد میں علماء اور مشائخ کا جو تسلسل رہا ہے اس کی بھی تصدیق ہندوستان کے علماء اور مشائخ نے کی ہے، خانوادہ علم اللہی کے ان سارے علماء نے اسی مسجد میں ریاضت فرمائی اور درس وتدریس کا مبارک شغل جاری رکھا اور یہیں سے ان کے فیوض ظاہری وباطنی کے چشمے جاری ہوئے۔

حضرت شاہ ابوسعید اور ان کے خلفاء، شاہ محمد عدل اور ان کے سلسلہ کے علماء، مولانا محمد واضح اور ان کے تلامذہ اور ان کے بعد مولانا سید قطب الہدیٰ اور پھر سب سے بڑھ کر حضرت سید احمد شہیدؒ کی ذات گرامی اور ان کی رکاب تھامنے والے علماء، عوام وخواص کی اہل حق جماعت نے پورے ہندوستان کو حق وصداقت اور اس کی راہ میں جان دے دینے کا جذبہ عطا کیا، حضرت سید احمد شہید کے خلفاء میں مولانا محمد اسماعیل شہید، مولانا عبدالحی بڈھانوی، مولانا سید محمد علی رامپوری، مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور ان کے اعزا واقربا جو صادقین صادقپور تھے اور جنہوں نے

فدا کاری کا بے مثال ثبوت پیش کیا، مولانا سید جعفر علی بستوی جن کی کوششوں سے نیپال کی ترائی اور بستی وگونڈہ کے اطراف میں اصلاح وتبلیغ کا بڑا کام ہوا، مولانا کرامت علی جونپوری جن کے دوروں سے بنگال میں بڑی اصلاح عقائد ہوئی اور اسلام کی وسعت وہمہ گیری نصیب ہوئی، بنگال سے لے کر کشمیر تک ان (حضرات) کے پاک نفوس کے نقوش قدم ملیں گے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کے بعد مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی، مولانا محمد ظاہر سے مشرقی اضلاع کو جو دینی فائدہ پہونچا اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور سب سے آخر میں حضرت شاہ ضیاء النبی، مولانا سید محمد عرفان ٹونکی، مولانا سید محمد امین نصیر آبادی سے عقائد کی جو اصلاح ہوئی اور مولانا فخر الدین خیالی، مولانا سید عبدالحی، مولانا محمد امین نصیر آبادی، مولانا سید طلحہ ٹونکی سے علم وادب اور تاریخ اور اعمال صالح کی جو ترویج واشاعت ہوئی ہے اور ان حضرات نے جو علمی خدمات انجام دی ہیں وہ اس وقت سب کے سامنے ہیں۔

خانوادۂ علم اللٰہی کا یہ سہ آتشہ ہندوستان کے دوآتشہ سے تیار ہوا تھا، یعنی مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ کے فضل وکمال اور مجاہدہ وحال کے دوآتشہ نے اس خانوادہ کو سہ آتشہ بنایا، اس خانوادہ کے افراد نے ان دوسلسلوں سے جو درحقیقت ہندوستان کے سلسلۃ الذہب تھے بڑا استفادہ کیا اور ان دونوں سلسلوں کے بزرگوں اور علماء سے مسلسل تعلق قائم رکھا اور ان کی رکاب تھامے رہے۔

ان دو سلسلوں کے علاوہ اودھ کے ممتاز علمی خانوادہ جن کے سالار قافلہ ملا نظام الدین تھے اوران کے اخلاف وتلامذہ سے بھی علمی استفادہ کرتے رہے اور ملا نظام الدین بانی درس نظامیہ کی مبارک صحبتوں سے استفادہ اوران کے ذی استعداد تلامذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، اس خانوادہ سے استفادہ کرنے والوں میں سید محمد معین، شاہ ابوسعید، مولانا محمد واضح، مولانا سید محمد نعمان جنہوں نے ملا عبداللہ امیٹھوی سے علم ظاہر کی تکمیل کی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور آخر میں مولانا محمد امین نصیر آبادی اور مولانا سید محمد حسین نصیر آبادی وغیرہ نے مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ سے اور مولانا فخر الدین خیالیؒ اور مولانا سید عبدالحی حسنیؒ نے مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ سے تعلیم حاصل کی۔

ان کے علاوہ علماء دیوبند سہارنپور، مشائخ گنگوہ وتھانہ بھون اور گنج مراد آباد سے علم ظاہر وباطن کی تکمیل کی اور اپنے علم وادب ایمان ویقین کے چشمہ صافی سے دوسروں کو سیراب کرتے رہے۔

تاریخ کی یہ ستم ظریفی ہے کہ خاندان شاہ علم اللہؒ کے علماء ومشائخ کے حالات بہت کم ملتے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ ان حضرات کا اخفاء حال اور خلوت پسندی کا شعار اور صبر وقناعت میں مبالغہ ہے۔''(۱)

حضرت سید احمد شہیدؒ کے کارِ اصلاح ودعوت کے اثرات

مولانا سید ہدایت اللہ کے پوتے مولانا سید محمد تقی حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے نواسے تھے، ان کی اولاد میں علم وعمل، زہد وورع، حیاء وعزیمت کی حامل شخصیتیں

---

(۱) مقدمۂ خانوادۂ علم اللہی

ایک نہیں کئی ہوئیں، ان کے بیٹوں میں سید محمد ماہ کی اولاد میں سید زین الدین احمد کے صاحبزادے مولانا سید محمد طٰہٰ نصیر آبادی بڑے عالم گزرے جو مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (والد مولانا عبدالحی لکھنوی) کے شاگردوں میں ہیں اور مولانا سید فخر الدین خیالی کے استاد، مولانا سید محمد طٰہٰ کے فرزند مشرقی اضلاع کے مشہور اور عظیم مصلح ومجاہد شخصیت حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی ہوئے جو پورے علاقہ میں سید صاحب کے نام سے جانے جاتے ہیں، اللہ نے خاندان میں انہیں حضرت سید احمد شہید کا روحانی وارث وامین بنایا تھا۔

سید محمد ماہ کے بھائی سید محمد شاہ کے بیٹے سید اکبر شاہ تھے، انکے بیٹے سید علی محمد ذی علم وفضل شخص کوٹہ راجستھان میں رہے، ان کے بیٹے مولانا سید عبدالعلی نصیر آبادی ہیں، جو بڑے علمی کمالات اور دینی محاسن رکھتے تھے۔ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید کے مرید وخلیفہ ہوئے، ان کی خوبیاں بیان کرنے کے لیے ایک دفتر چاہئے وہ ریاست ناگود میں بڑے سرکاری منصب پر رہے۔ مولانا سید محمد ثانی حسنی خانوادۂ علم الٰہی میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا عبدالعلی کے قیام سے ریاست ناگود میں دین کا بڑا کام ہوا، ان کی مجلسوں میں ہر طبقہ خیال کے لوگ آتے اور فائدہ اٹھاتے، آپ کی ذات سے بے شمار آدمیوں نے تعلق مع اللہ کی دولت پائی، لوگوں کے دلوں میں انقلاب آیا، اور جنہوں نے کبھی مسجد کی صورت نہ دیکھی تھی وہ وذاکر وشاغل بن گئے، مولانا ہی کی کوشش سے ناگود میں پہلی مسجد تعمیر ہوئی، جس کو مسجد عبدالسبحان کے نام سے شہرت ہوئی۔'' (۱)

مولانا عبدالعلی نصیر آبادی کا پورا گھرانہ علم وفضل اور اصلاح ودعوت کا گھرانہ

---

(۱) خانوادۂ علم الٰہی صفحہ: ۱۴۷

تھا، ان کے خسر مولانا سید محمد ظاہر حسنی جو حضرت شاہ علم اللہ کی نسل میں بڑے بزرگ گزرے ہیں اور حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ تھے اور ان کے بنی اعمام میں تھے، اصلاح و دعوت اور تعلیم و تصنیف کے کام میں مشغول رہتے، اور اس کے لئے دورے کرتے، ان کی دو صاحبزادیاں تھیں جو یکہ بعد دیگرے مولانا سید عبد العلی کے نکاح میں آئیں، مولانا محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

> ''مولانا سید محمد ظاہر جو حضرت سید احمد شہید کے بنی اعمام میں سے تھے اور حضرت سید شہید کے مجاز تھے، ان کی دو صاحبزادیاں تھیں جو یکے بعد دیگرے مولانا عبد العلی کو منسوب ہوئیں، ان میں سے دوسری کا نام فاطمہ بی بی تھا، جو نہایت خوش اوقات، تعلیم یافتہ، اوراد و وظائف کی پابند اور فقہ و حدیث کے رسائل کا مطالعہ کرنے والی بی بی تھیں۔''(۱)

مولانا سید عبد العلی کے بہن بہنوئی بھی بڑے فائق تھے، بہنوئی حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی کی دعوتی و اصلاحی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں، ان کی عمر بھی مولانا عبد العلی کی طرح صرف ۴۸ سال ہوئی۔ مولانا عبد العلی کے فرزند جلیل مولانا سید فخر الدین خیالی (م ۱۹۰۸ء) نے ان تینوں شخصیات نانا مولانا محمد ظاہر، والد مولانا عبد العلی اور پھوپھا حضرت مولانا خواجہ نصیر آبادی سے عطر کشید کیا، اور ان کو اپنے نانا اور پھوپھا دونوں سے خلافت حاصل ہوئی۔

مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی کے دو بیٹے مولانا عبد الحی اور سید محمد صابر اور ۴ بیٹیاں ہوئیں، جن میں سے ایک خاندان کے بڑے عالم مولانا سید محمد طلحہ حسنی ٹونکی کو منسوب ہوئیں، مولانا سید محمد طلحہ حسنی حضرت سید احمد شہید کے خاندان کے بڑے فاضل شخص تھے اور انکے بھانجہ مولانا سید محمد علی صاحب مخزن احمدی کی اولاد میں تھے،

(۱) خانوادۂ علم اللہی صفحہ: ۱۵۴

مولانا عبدالحی نے علم ماہر فن اساتذہ سے حاصل کیا اور کبار مشائخ سے سلوک طے کیا، اور پھر ندوۃ العلماء کے ناظم ہوئے اور معرکہ آراء کتابیں تصنیف کیں۔

ان کے دو فرزند مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور دو صاحبزادیاں سیدۃ امۃ العزیز (۱) اور سیدہ امۃ اللہ تسنیم (۲) ہوئیں، اور یہ خاندان اپنی دینی علمی ادبی اصلاحی ودعوتی خدمات کی وجہ سے ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا صحیح مصداق ہوا۔

فرشتہ صفت شفیق دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ

حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کو اللہ تعالیٰ نے جن کمالات وامتیازات سے نوازا تھا وہ کسی ایک فرد بشر میں مشکل سے جمع ہوتے ہیں، اپنی گوناگوں مشغولیات اور طبی پیشہ کے ساتھ مسجد کی امامت سے لے کر اولاد کی تعلیم وتربیت کا کام بھی خود ہی انجام دیتے۔ اس سلسلہ میں ان کے آخری مرکز توجہ ان کے پوتے خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ ہوئے۔ مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ جنھیں ڈاکٹر صاحبؒ کی سرپرستی اور توجہات حاصل ہوئی تھیں، ان کے کمالات علمی ومحاسن شخصی کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''آپ فاضل ندوہ، فاضل دیوبند، صحبت یافتہ وتلمیذ شیخ الہند تھے، اور مرید باختصاص حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے تھے، طب یونانی میں باقاعدہ تکمیل کیے ہوئے حکیم اجمل خان کے تربیت یافتہ تھے، ہومیوپیتھی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی

---

(۱) سیدہ امۃ العزیز (۱۳۲۳ھ-۱۴۱۶ھ) حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی والدہ ماجدہ ہیں۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو: ''یادوں کے چراغ'' از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی۔

(۲) سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے احوال وسیرت کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''عائشہ بی'' مطبوعہ مدرسہ عائشہ للبنات، رائے بریلی۔

تھی، اس کے بعد بی ایس سی اور ایم بی بی ایس پاس کیا، صورت و
شکل میں نمونۂ سلف، مکمل شرعی لباس، نیچی شیروانی، دلی والا جوتا،
دو پلی ٹوپی پہنے ہوئے سفید وسیاہ نیچی داڑھی، گورا رنگ جس میں
سرخی دمکتی تھی، چشم نیلگوں باوقار پر جمال، پر ہیبت، بہت ہی کم
گو، بات مختصر کرتے، مگر بہت جامع ہوتی، مطب میں چند
کرسیاں ترتیب وار مریضوں کے لئے خاص تھیں، سامنے کی
بڑی میز جس سے ملی ہوئی آپ کی کرسی ہوتی تھی، اس کے علاوہ
گھر کے اندر کوئی کرسی نہیں تھی، چارپائی یا زمین پر خود بھی بیٹھتے
اور آپ کے افراد خاندان بھی اور معزز ترین مہمان (حضرت
مدنی) بھی، مکان سے متصل ندوۃ العلماء کی نظامت کا دفتر تھا،
اور اس سے متصل مسجد تھی، جس میں نمازیں ادا فرماتے، کبھی عصر
کی نماز میں تشریف لاتے تو پشت پر چارپائی کے باندھ کے داغ
کرتے کے اندر سے جھلکتے۔

نماز عصر کے بعد ڈاکٹر صاحب مسجد میں تشریف رکھتے اور دعوت
کے سلسلہ میں باتیں تفصیل سے کرتے، خاص بات قابل ذکر یہ
ہے کہ کبھی اشارۃً کنایۃً بھی اپنی خدمات ذکر نہیں فرماتے اور نہ
کبھی اس کی طرف اشارہ فرماتے کہ ان کا یا حضرت مولانا (سید
ابوالحسن علی حسنی ندوی) کا یا ندوہ کا حلقہ بنایا جائے جو کچھ فرماتے،
وہ دین کے لئے اور محض دین کے لئے فرماتے، دعوت کے کام
میں ان کی سوجھ بوجھ اور فکر مندی ہمیشہ ظاہر ہوتی۔

ڈاکٹر صاحب کا خاص طرز تعلیم تھا، انہوں نے اپنے صاحبزادے
مولانا محمد میاں مرحوم کی تعلیم کی ذمہ داری کسی دوسرے پر یہاں
تک کہ حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) پر بھی نہیں

ڈالی، بلکہ خود پڑھایا، ان کی تعلیم کو کرامت کا درجہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا، وہ اتنی اچھی عربی لکھنے لگے تھے جیسے مصر وشام کے عمر رسیدہ ادباء اور اساتذۂ فن ہوں، اس کا اعتراف وہاں کے جہاں دیدۂ فن نے کیا، جس میں سید علی طنطاوی، عبدالحکیم عابدین، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، شیخ محمد محمود صواف، ڈاکٹر سعید رمضان اور اسی معیار کے دوسرے حضرات، جس نے ان کو نہیں دیکھا، ان کی تحریر کو کسی تجربہ کار بوڑھے دین کے لئے زخمی قلب والا داعی سمجھتے رہے، یہ بات تو واقعہ کے مطابق تھی۔ مگر محمد میاں مرحوم ایک نوخیز ونوجوان تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ان کی انشاء دیکھ کر ان کو ادباء کے اسالیب بتایئے، میں نے ان کا مضمون دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا، اتنی برجستہ اور گتھی ہوئی تحریر کم از کم ہندوستان میں تو ان کے چچا حضرت مولانا کے علاوہ کوئی دوسرا لکھنے والا نہیں تھا، میں نے اس کا اظہار دلی صداقت و اعتراف کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے کیا تو آپ کا چہرہ مسرت سے سرخ ہوگیا۔ رحمۃ اللہ علیہ ڈاکٹر صاحب کا طرز تعلیم کیا تھا، الحمدللہ اس کو میں نے اچھی طرح سمجھا ہے، اور اس طریقہ پر پڑھا سکتا ہوں، مگر محمد میاں جیسا شاگرد کہاں ملے گا جس کی فطرت پاک اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب سلیم لے کر آیا ہو، بات صرف فن کی ہوتی تو تجربہ کر کے دکھا دیتا، خود ایسا ہو جاتا مگر یہ کس طرح بتاؤں کہ ع

وہ فیضان نظر تھا یا مکتب کی کرامت تھی؟“ (۱)

مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ نے باقاعدہ درس وتعلیم کا شغل نہیں رکھا، لیکن گھر میں

---

(۱) سفرنامہ حیات، صفحہ: ۸۵–۹۰ مطبوعہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

بعض افراد کو تعلیم دی، حدیث شریف پڑھائی، قرآن مجید سکھایا اور سمجھایا ان کی صاحبزادیوں اور گھر کے بعض افراد نے انہی سے پڑھا، اور بھٹکل کے ایک طالب صادق کو مسلم شریف اور اس کی تشریحات کو انہوں نے قلمبند بھی کیا، مگر وہ کاپی محفوظ نہ رہ سکی۔ ان کے یہ شاگرد مولانا خواجہ بہاؤ الدین اکرمی ندوی مصنف کتاب ''عرب ودیار ہند'' ہیں، ان کی شہادت سے بڑھ کر کس کی شہادت ہوگی وہ ان کے مقدمۂ کتاب سے بعینہ نذر قارئین ہے:

''مولانا حکیم سید عبدالحی کے فرزند اکبر اور مولانا علی میاں کے برادر بزرگ مولانا حکیم سید عبد العلیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء متوفی ۷رمئی ۱۹۶۱ء، مختلف علمی اوصاف کے جامع وحامل تھے، وہ ندوی اور دیوبند کے فارغ التحصیل عالم دین ایک مستند ڈاکٹر اور ساتھ ہی طب یونانی کے سند یافتہ حکیم بھی تھے، اس قدر علم وفضل اور مختلف اوصاف وکمالات کی جامعیت کے باوجود ان کی منکسر المزاج پاکیزہ نفسی، نام ونمود سے بے رغبتی، خاموشی سے اللہ کے بندوں کی فیض رسانی، حاجت روائی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ورمانبرداری کے لیے والہانہ پیش قدمی خدمت دینی ملی کے لیے بلا عذر ہمیشہ مستعدی اور ہمہ دم پیش نظر اللہ کی رضا جوئی، یہ تھے ڈاکٹر صاحب کے چند ابھرے ہوئے نقوش۔''(۱)

والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی سب سے چھوٹی اولاد اور فرزند فرید ووحید تھے۔ اور نہ صرف فخر خاندان بلکہ فخر ہند اور فخر عرب وعجم تھے کہ جن کے قلمی جہاد نے باطل نظریات اور اسلام سے متصادم افکار اور جاہلی نعرہ پر دنیا کو اپنی

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''عرب ودیار ہند کے ابتدائی صفحات'' مطبوعہ بھٹکل۔

لپیٹ میں لینے سے پہلے فتح حاصل کی، وہ نہ صرف ایک صالح ترین انسان اور بے آزار و باحمیت مسلمان تھے بلکہ عالم اسلام کے عظیم مفکروں وداعیوں میں نمایاں مقام کی حامل شخصیت بن گئے تھے، ان کے متعلق ان کے عم مکرم وولی نعمت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا وہ مضمون پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے گہرے تاثر کے ساتھ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں ''ایک سخت خاندانی حادثہ اور امتحان'' کے زیر عنوان سپرد قلم کیا ہے وہ رقم طراز ہیں:

''۱۴؍جون ۱۹۷۹ء کو وہ عظیم حادثہ پیش آیا، جس نے دل ودماغ واعصاب اور ایک چھوٹے سے گھرانہ کی محدود زندگی ہی کو نہیں میری تمام فکری علمی اور دعوتی زندگی، کام کے منصوبوں اور مستقبل کے خوابوں کو زیروزبر کر کے رکھ دیا، یہ میرے صحیح معنی میں چشم وچراغ محمد الحسنی عرف محمد میاں کی وفات کا حادثہ تھا، جس کی نوعیت وہی تھی جو ان کے والد ماجد اور میرے مربی و جانشین پدر ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب کی وفات کے موقع پر پیش آئی۔ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی دعا نقل کی ہے "واجعلني وزيراً من أهلي هارون أخي اشدد به أزري وأشركه في أمري" (ترجمہ: اور دے مجھ کو ایک کام بنانے والا میرے گھر کا میرا بھائی، اس سے بندھا میری کمر اور شریک کر اس کو میرے کام کا)......لیکن یہ دعا مقالی تھی جو اللہ نے قبول کی، میری دعائے حالی اور حقیقت الامر اُخی کے بجائے "واجعلني وزيراً من أهلي محمد بن أخي" کہی جا سکتی ہے۔ میرے ان کے درمیان فکروذوق، مزاج وطبیعت، خیالات وافکار، شان تحریر وخط، اسلوب تحریر میں اتنی مماثلت

وشاہت تھی جس کا زیادہ سے زیادہ دو ہستیوں میں کم سے کم میں نے مشاہدہ کیا۔ غالباً اس کا نتیجہ تھا کہ میں نے لکھنؤ سے سینکڑوں میل دور بمبئی میں جہاں ایک سفر سے واپسی پر میرا قیام تھا اور اس رات کو جس کے اگلے دن ان کا انتقال ہوا خواب دیکھا کہ لکھنؤ کے اسی گھر میں جس میں میں اور وہ بھائی صاحب کے سایۂ عاطفت میں پلے اور بڑھے تھے میرا انتقال ہوگیا، اور میں عالم برزخ سے گھر والوں سے ملنے آیا ہوں، دوسرے ہی روز ان کی وفات کا حادثہ پیش آیا اور میں جب بمبئی سے ۱۵ر جون کو رائے بریلی پہونچا تو یہاں سب کچھ ہو چکا تھا۔"

عربی میں ان کے زورِ تحریر کے متعلق کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتا کہ اس پر مستقل مضمون ان کی معرکۃ الآراء کتاب "الاسلام الممتحن" کے مقدمہ میں لکھ چکا ہوں، یہاں پر اس کی چند سطریں نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

"عالم عربی کی مذہب بیزار اور اسلام گریز قومی اشتراکی، بعثی، مادی تحریکوں اور دعوتوں اور مادہ پرستانہ زندگی نے ان کی طبیعت کے اندر ایک ایسی کشمکش پیدا کر دی جس نے ان کے قلم کو ایسے آبشار میں تبدیل کر دیا، جو چٹانوں سے ٹکرانے کی وجہ سے ابلتا ہے اور بڑے جوش اور شور کے ساتھ گرتا ہے، اس کے نتیجہ میں ایسے مضامین ان کے قلم سے نکلے جن میں آبشار کا شور اور طوفان کا زور ہے، شاید بہت سے لوگوں پر یہ بات گراں گزرے اور کچھ پڑھنے والے اس کو مبالغہ اور قرابت کے اثر پر محمول کریں کہ وہ اپنے اس جوش تحریر و زور قلم میں سید قطب

شہید سے آنکھیں ملاتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور تعجب نہیں کہ ایک عجمی نژاد نوعمر محمد میاں اور ایک عربی الاصل پختہ کار ادیب سید قطب کا فرق ذہن میں رکھتے ہوئے کہیں کہیں ان سے بڑھ جاتے ہوں کہ فوارے کی روانی اس کے جوش دروں کا نتیجہ ہوتی ہے، اور یہ جوش دروں ان کو اپنے آبائے کرام اور حضرت سید احمد شہید کے تعلق وعقیدت سے ملا تھا، جس کی نظیر مشرق وسطیٰ میں اگر مفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہے۔"

میں نے اس مضمون کو جو پرانے چراغ میں شامل ہے، فارسی کے اس شعر پر ختم کیا تھا، اسی کو یہاں دہرایا جاتا ہے کہ حقیقت حال کی عکاسی اور دل کی ترجمانی اس سے بہتر نہیں ہوسکتی

جاں زتن بردی ورد جانی ہنوز
درد ہا دادی و در مانی ہنوز

محمد میاںؒ کے انتقال سے نہ صرف میری عربی تحریروں اور تصنیفات کا بہترین مترجم، قومیت عربیہ اور عربوں کی بے راہ روی پر تنقید کرنے والا پرزور قلم، عربی زبان میں دین کا ایک داعی اور رجز خواں مجاہد اور اردو کا ایک اچھا انشاء پرداز اور سوانح نگار نہیں رہا، یہ بھی ایک بڑا خسارہ تھا کہ "تحریک پیام انسانیت میں میرا قلمی ترجمان اور اس سے سو فیصدی اتفاق وتوارد رکھنے والا رفیق جدا ہوگیا۔ جس سے ہمیشہ بیش قیمت مدد ملی۔"(۱)

مادری اجداد

انسان کی شخصیت کی تشکیل میں ماں کا کردار سب سے اہم مانا جاتا ہے، ماں

(۱) کاروان زندگی حصہ دوم، ص:۲۷۱ -۲۷۳، مطبوعہ مکتبہ اسلام، لکھنؤ

کی گود انسان کے لئے پہلا مکتب، بنیادی مدرسہ اور اس کے لئے اولین تربیت گاہ ہوتی ہے، اسی لئے ماں کے حقوق اولاد پر زیادہ رکھے گئے ہیں، ایک صحابی نے رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں عرض کیا: "من أحق الناس بحسن صحابتی" (لوگوں میں حسن سلوک میں سب سے زیادہ مستحق کون ہے، رسول اللہ (ﷺ) نے "ماں" کو فرمایا، پھر پوچھنے پر "ماں" ہی کو کہا، اس کے بعد بھی ماں ہی کا نام لیا، پھر صحابی نے عرض کیا پھر کون؟ تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا تمہارا باپ۔

دوسری حیثیت باطنی ہے کہ انسان کے اخلاق و مزاج، فطرت وطبیعت پر جس طرح پدری اجداد و خاندان کا اثر پڑتا ہے، اسی طرح مادری اجداد و خاندان یعنی نانیہال کا اثر پڑتا ہے۔ خال معظم رحمۃ اللہ علیہ پر پدری رنگ غالب رہا، لیکن اس کے ساتھ نانیہالی خصوصیات بھی ان میں جلوہ گر ہوئیں، ان کے نانا ڈاکٹر سید حسن مثنی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ذاکر شاغل، خوددار اور نہایت کم آمیز شخص تھے، ان کے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے جو ان کی وفات پر تحریر فرمایا ہے وہ نقل کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "شوال ۱۴۱۸ھ میں ہمارے مختصر خاندان ساکن دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں صرف ۲۳ دن کے فاصلہ سے دو حادثے پیش آئے، ایک سید حسن مجتبیٰ حسنی کا حادثۂ وفات جو ۲۱ر شوال ۱۴۱۸ھ (۱۹ر فروری ۱۹۹۸ء) کو پیش آیا، دوسرے ان سے چھوٹے بھائی سید حسن مثنی حسنی کا حادثۂ ارتحال جو ۱۵ر ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ (۱۴ر مارچ ۱۹۹۸ء) کو پیش آیا، دونوں راقم کی خالہ زاد بہن اور والدہ مرحومہ کے حقیقی ماموں زاد بھائی سید محمد معین عرف عبداللہ میاں مرحوم کے صاحبزادے تھے، والد و والدہ دونوں حافظ قرآن تھے، عمر میں دونوں چند سال بڑے ہونے

کے باجوداوران کے برادر خورد سید محمد مسلم حسنی أطال اللہ بقاءہ، بچپن کے ساتھی، کھیلوں، تفریحات، ورزش، پیراکی، اور شکار وغیرہ میں شریک رہا کرتے تھے، جائے سکونت کے مختصر اور محدود ہونے اور قرابت قریبہ کی وجہ سے گویا ایک ہی گھر کے ساکن اور مکین تھے۔

اول الذکر جو سماعت اور نطق کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے نماز کے بے حد پابند اور آخرت کا خیال رکھنے والے تھے، کولہے کے فریکچر نے ان کو معذور بنا کر لاغر کر دیا تھا، ایک دو ماہ کی مختصر علالت کے بعد ۲۱ رشوال ۱۴۱۸ھ (۱۹ رفروری ۱۹۹۸ء) کو ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ثانی الذکر (ڈاکٹر سید حسن مثنی حسنی) ذاکر وشاغل کم گو شخص تھے، نماز خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے، معذوری کے باوجود مسجد آکر اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے، جماعت کا پورا اہتمام کرتے، عشاء کی نماز پڑھ کر آئے تھے، کھانا کھایا، فالج کا اٹیک ہوا اور رات کے آخری حصہ میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، مرحوم کا بیعت واسترشاد کا تعلق ہمارے شیخ ومرشد حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری سے تھا، وہ ان کے تعلیم کردہ اوراد وظائف کے اخیر وقت تک پابند رہے، انتقال کے وقت بھی ذکر اللہ سے رطب اللسان تھے، انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً ۸۶ سال تھی، عزیزان عزیز القدر عبداللہ حسنی، استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء عمار عبد العلی اور نور چشم بلال عبدالحی (فرزندان عزیز القدر محمد الحسنی مرحوم مدیر البعث الاسلامی

فرزند برادر مربی و مشفق ڈاکٹر حکیم عبدالعلی صاحب مرحوم) ان کے نواسے ہیں، بارک اللہ فی حیاتہم۔"(۱)

عالی حوصلگی خودداری، شجاعت، فتوۃ میں یہ خاندان نمایاں مقام رکھتا تھا، اور ذکر و شغل، سحر خیزی میں بھی یہ خاندان ممتاز تھا، ڈاکٹر سید حسن مثنیٰ، اوران کے بھائیوں میں یہ اوصاف مشترک تھے اوران کو یہ اپنے والد حافظ سید عبداللہ حسنی سے اوران کو اپنے والد سید محمد نعیم سے موروثی طور پر ملے تھے، سید محمد نعیم کے متعلق ان کے پوتے سید محمد مسلم حسنی مرحوم نے بتایا کہ ان کی تہجد ۱۶ سال کی عمر سے چھوٹی نہیں۔ اسی طرح کھانے پینے میں بھی وہ بہت محتاط تھے، اپنا باورچی ساتھ رکھتے تھے، اور صرف مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے یہاں جاتے تو کوئی تکلف نہ فرماتے۔ وہ بیاض بھی لکھتے تھے جو محفوظ نہ رہ سکی۔ یہ تین بھائی تھے، سید محمد یامین، سید محمد یقین، سید محمد نعیم اور ایک بہن تھیں جو عارف باللہ حضرت شاہ ضیاء النبی حسنی (نانا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کو منسوب ہوئیں اور انہی سے ان کی اولاد ہوئی۔ سید محمد یقین مرحوم کے صاحبزادے مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی (والد مولانا سید ابوبکر حسنیؒ) کی صاحبزادی سیدہ رضیہ مرحومہ سے ڈاکٹر سید حسن مثنیٰ کا نکاح ہوا تھا۔

اس طرح مولانا سید عبداللہ حسنی کے نانا اور نانی کا یہ خاندان مولانا سید محمد معین پر مل جاتا ہے جو مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر والدہ ماجدہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے حقیقی نانا تھے، مولانا سید محمد ظاہر حسنی (خلیفہ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید) کے خلیفہ تھے۔ اور مولانا سید محمد معین کے چچا سید محمد مستقیم حضرت سید احمد شہید کے بڑے معتمد اور خواص اصحاب میں تھے، مولانا سید محمد معین کے دو چچا ایک معرکہ میں جو نصیر آباد کے قریب اہلا دگنج میں روافض سے ہوا تھا، شہید بھی ہوئے تھے، اس خاندان کو حضرت مولانا سید محمد امین اگھا میاں سے زیادہ شہرت

(۱) کاروان زندگی حصہ ہفتم، ص: ۸۱۱-۸۲۰

حاصل ہوئی، مولانا سید محمد معین، مولانا سید محمد امین اگھامیاں کے پوتے تھے اور اس مشرقی دیار کے عظیم مصلح حضرت مولانا سید محمد امین نصیرآبادی حضرت مولانا سید محمد امین اگھامیاں کے نواسے تھے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی کا نانیہالی خاندان مولانا سید ہدایت اللہ نصیرآبادی پر اپنے دادیہالی شاخ سے مل جاتا ہے۔ جن کے ایک فرزند سید عبدالرحیم شہید حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی کے داماد ہوئے اور شہادت ان کے حصہ میں آئی۔ اور ایک بیٹے قاضی سید امین اللہ تھے جن کے حصہ میں عہدۂ قضا آیا اور ان کی اولاد میں کئی پشتوں تک یہ منصب رہا۔ سید عبدالرحیم شہید مولانا سید عبداللہ حسنی کے پدری جد اور قاضی سید امین اللہ مادری جد ہیں۔

والدہ ماجدہ مرحومہ

ڈاکٹر سید حسن مثنی حسنیؒ کی صاحبزادی اور مولانا عزیز الرحمٰن حسنیؒ کی نواسی سیدہ زکیہ حسنی ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں اپنے وطن دائرہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئیں۔ نانا مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی (جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت تھے، اور مولانا سید ابوالقاسم حسینی ہنسوی خلیفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر کے داماد تھے) کے زیر نگرانی تربیت پائی، جب عمر کے پندرہویں سال کو عبور کیا تو مشہور داعی مصنف اور فخر خاندان ہستی مولانا سید محمد الحسنی کی زوجیت میں آئیں۔ ۱۹۵۵ء میں نکاح اور رخصتی ہوئی اور اب لکھنؤ قیام گاہ ہوگیا۔ ۲۹؍جنوری ۱۹۵۷ء کو پہلے فرزند مولانا سید عبداللہ حسنی پیدا ہوئے، پھر دوسرے صاحبزادہ مولانا حافظ سید عمار محمد عبدالعلی ۲؍اکتوبر ۱۹۶۳ء کو پیدا ہوئے، اور پھر ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کا چند دن میں انتقال ہوگیا اور ۳؍اکتوبر ۱۹۶۹ء کو مولانا سید بلال عبدالحی پیدا ہوئے، یہ سب سے چھوٹے اور آخری ہیں۔

شادی کے بعد ان کو پے در پے کئی صدمات اٹھانے پڑے۔ پہلے ساس جو

نانی کی بہن بھی تھیں نے وفات پائی، پھر نانی، نانا اور ۱۹۶۱ء میں خسر مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کی وفات کا صدمہ، لیکن آپ کے لئے سب سے بڑا صدمہ ۱۳ر جون ۱۹۷۹ء کو پیش آیا جب مولانا سید محمد الحسنی کے انتقال کی اچانک خبر ملی، جس کے لئے ذہن ودماغ ذرا بھی تیار نہ تھا، مگر بڑے صبر واستقامت سے برداشت کیا، اور پوری زندگی زہد وقناعت کے ساتھ گزار دی۔ یہاں تک کہ مختصر علالت کے بعد جس کا آغاز بدھ ۱۴ر اپریل ۱۹۹۳ء کو فالج کے شدید حملہ سے ہوا سنیچر ۱۷ر اپریل ۱۹۹۳ء ۲۴ر شوال المکرم ۱۴۱۳ھ کو صبح ۶ بجے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ یہ حادثہ پورے خاندان کے لئے سخت تھا مگر اولاد کے لئے والد کے انتقال کے بعد دوہرے صدمہ کا اور والدین کے لئے جگر گوشہ کے فراق کا تھا، جس کی بھرپائی نہیں تھی، رحمها الله تعالىٰ رحمةً واسعةً وغفرلها مغفرة تامة.

مصنف نے ان کی وفات پر ماہنامہ رضوان لکھنؤ کے شمارہ جون میں ایک مضمون تحریر کیا تھا جس سے ان کی صفات وخصوصیات کا حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

”وہ ایسی خاتون تھیں کہ سب آپ سے خوش اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے، اور ہیں، جن سے آپ کا زیادہ سابقہ رہا وہ اتنا آپ سے خوش اور راضی رہا، ہر شخص کی آپ خیرخواہی چاہتی تھیں، دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتیں، ملک کے حالات کا بھی آپ پر بڑا اثر تھا، اسلام اور مسلمانوں کے لئے بڑی متفکر رہتی تھیں، اور اس کے لئے اللہ سے خوب دعائیں کرتیں، بحث ومباحثہ کو بہت ناپسند کرتیں، ان کی سرزنش بھی سب کو محبوب تھی، حق بات کو فوراً قبول کرتیں، شریف النفس، سلیم الفطرت تھیں، تصنع اور تکلفات سے دور رہتیں، مال ودولت کی بالکل حریص نہیں تھیں، اس کی تمنا بھی نہیں رکھتیں، اللہ کی رضا،

اس کی خوشنودی کی تمنا رکھتیں، اسی کی فکرمند رہتیں، سادہ مزاج تھیں، سادگی کو پسند کرتی تھیں، احتیاط اس قدر تھی کہ پرایا مال باوجود اس کی اجازت کے استعمال کرنے سے احتراز کرتیں اور اپنی چیز میں سب کے ساتھ مساوات کا معاملہ کرتیں، اور دوسرے امور میں بھی عدل ومساوات کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہتیں، صلحا اور صالحات کے واقعات سناتیں۔ اماں بی مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر جیہ (والدہ ماجدہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) ابا میاں مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنی اور ان کے صاحبزادے مولانا سید محمد الحسنی کے واقعات سناتیں، ان کی خوبیوں اور نیکیوں کا ذکر کرتیں تاکہ سننے والا بھی اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرے۔

بڑی ہر دل عزیز، مقبول، دیندار، پاکباز، عبادت گزار خاتون تھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی نیک بندی تھیں، شریعت کا لحاظ رکھنے والی اور اللہ سے ڈرنے والی عفیفہ خاتون تھیں، بیعت واصلاح کا تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے رہا، نوافل اوراد وظائف، تلاوت قران کریم کا روز کا معمول تھا ہی، اس کے علاوہ روزانہ دو ہزار بار افضل الذکر لا الہ الا اللہ اور درود شریف کی ایک کثیر تعداد اور سورہ یٰس شریف پڑھ کر ایصال ثواب کرتیں، یہی صرف ان کی فضیلت کے لئے کافی ہے، ارشاد خداوندی ہے: والذاکرین اللّٰہ کثیراً والذاکرات ، أعد اللّٰہ لھم مغفرۃ واجراً عظیماً. (الاحزاب:۳۵)

صبر کرنے والی، شکر کرنے والی، قناعت والی، سخی اور صدقہ کرنے والی خاتون

تھیں، مال ودولت سے بالکل محبت نہ تھی، اور نہ اس کی فکر کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا انعام اور فضل رہا کہ آپ کی پوری زندگی پاکیزہ اور صاف ستھری اور خوش اوقات گزری، اور مرض الوفات میں بھی آپ کی زبان اللہ کے ذکر اور آیات قرآنیہ سے تر رہی، یہاں تک کہ جان جان آفریں کے سپرد کردی، غفر اللّٰہ لها ورفع درجاتها وأدخلها في جنة النعيم. نعش آبائی وطن دائرہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی لکھنؤ سے لے جائی گئی اور بعد ظہر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ایک بڑے مجمع کو نماز جنازہ پڑھائی، اور آبائی قبرستان میں اپنی دادی سیدہ بتول مرحومہ(۱) بنت سید خلیل الدین حسنی مرحوم وہ جو خاندان کی برگزیدہ خاتون اور حافظ قرآن تھیں کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔"(۲)

دادیہالی اور نانیہالی نسب نامہ

حضرت قاضی سید محمود سے رسول اللہ (ﷺ) کے نواسہ سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تک نسب نامہ شروع میں گزر چکا ہے، حضرت قاضی سید محمود تک نسب نامہ اس طرح ہے:

۱- دادیہالی: مولانا سید محمد الحسنی بن مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی بن مولانا حکیم سید عبدالحی بن مولانا سید فخر الدین خیالی بن مولانا سید عبدالعلی نصیر آبادی بن مولانا سید علی محمد بن سید اکبر شاہ بن سید محمد شاہ بن مولانا سید محمد تقی بن سید عبدالرحیم شہید بن مولانا سید ہدایت اللہ بن مولانا سید محمد اسحاق بن سید محمد معظم بن قاضی سید احمد بن قاضی سید محمود نصیر آبادی۔

۲- نانیہالی: سیدہ زکیہ بنت ڈاکٹر سید حسن مثنیٰ بن حافظ سید محمد معین عبداللہ

(۱) سیدہ بتولؒ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی حقیقی خالہ زاد بہن اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی حقیقی پھوپھی تھیں، اور گوں صفات وخصوصیات کی حامل ذی علم وفہم خاتون تھیں۔

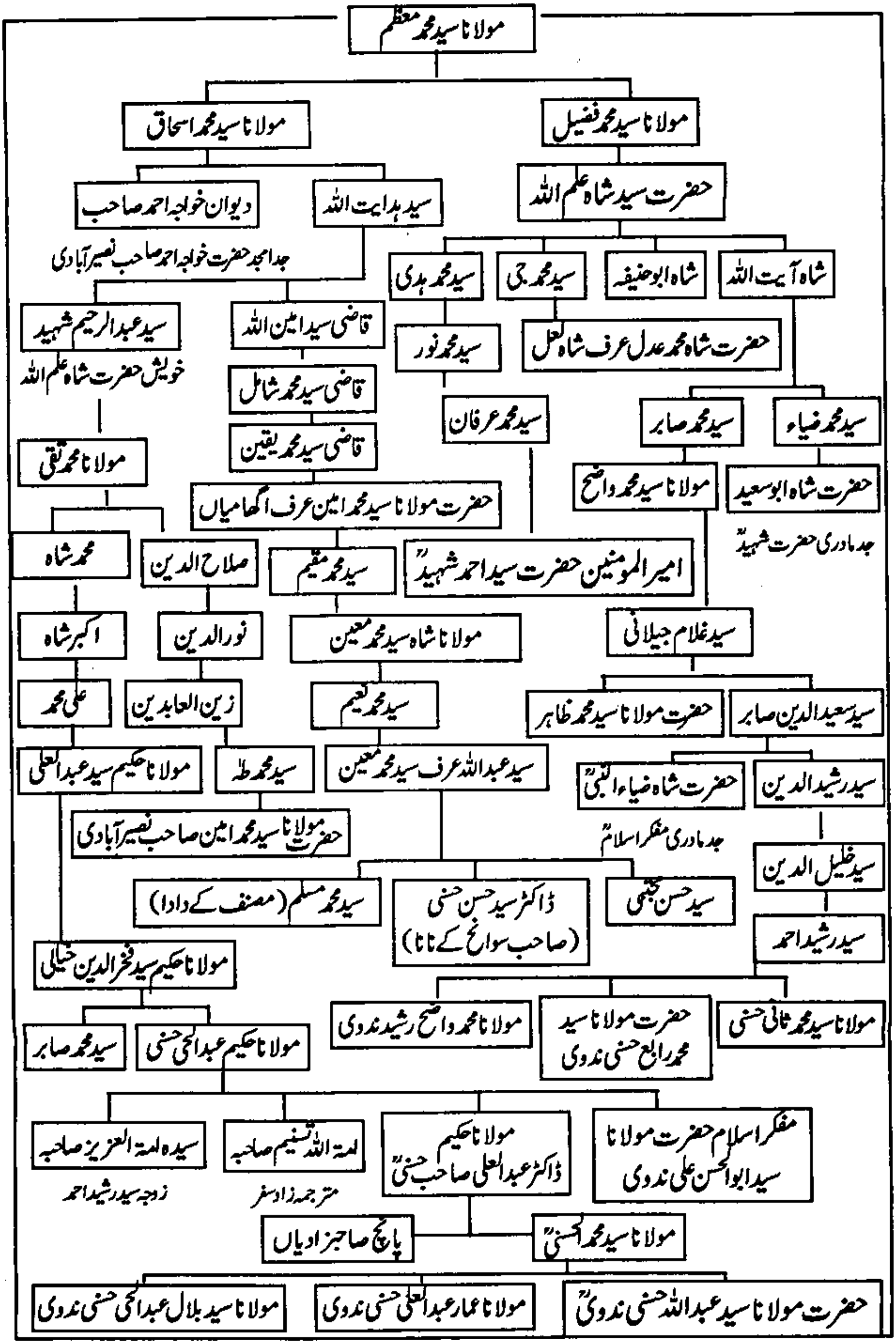
(۲) ماہنامہ رضوان لکھنؤ شمارہ جون ۱۹۹۳ء، ص: ۱۸-۱۹

میاں بن سید محمد نعیم بن مولانا سید محمد معین بن سید محمد مقیم بن حضرت سید امین (اگھا میاں) بن سید محمد یقین بن قاضی سید محمد شامل بن قاضی امین اللہ بن مولانا سید ہدایت اللہ حسنی۔

خاندانی شجرہ:

سیدنا حسن سبط النبی ﷺ
حسن مثنی
عبد الله المحض
محمد صاحب النفس الزکیة
ابی محمد عبد الله الاشتر
محمد الثانی
حسن الاعور الجواد نقیب الکوفه
ابی محمد عبد الله
قاسم
ابی جعفر محمد
ابی الحسن علی
حسن
عیسیٰ
یوسف
رشید الدین احمد

شیخ الاسلام امیر قطب الدین
محمد المدنی
امیر نظام الدین
قاضی رکن الدین
صدر الدین
قیام الدین
علی
احمد
زین الدین
صدر الدین
امیر قطب الدین محمد الثانی
قاضی علاء الدین
قاضی محمود
قاضی احمد
مولانا سید محمد معظم


مولانا سید محمد معظم
مولانا سید محمد اسحاق
مولانا سید محمد فضیل
دیوان خواجہ احمد صاحب
سید ہدایت اللہ
حضرت سید شاہ علم اللہ
جد امجد حضرت خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی
سید محمد ہدی
سید محمد جی
شاہ ابوحنیفہ
شاہ آیت اللہ
سید عبدالرحیم شہید
قاضی سید امین اللہ
سید محمد نور
حضرت شاہ محمد عدل عرف شاہ لعل
خویش حضرت شاہ علم اللہ
قاضی سید محمد شامل
سید محمد عرفان
سید محمد صابر
سید محمد ضیاء
قاضی سید محمد یقین
مولانا محمد تقی
مولانا سید محمد واضح
حضرت شاہ ابوسعید
حضرت مولانا سید محمد امین عرف اگھا میاں
جد مادری حضرت شہیدؒ
محمد شاہ
صلاح الدین
سید محمد مقیم
امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ
اکبر شاہ
نور الدین
مولانا شاہ سید محمد معین
سید غلام جیلانی
علی محمد
زین العابدین
سید محمد نعیم
حضرت مولانا سید محمد ظاہر
سید سعید الدین صابر
مولانا حکیم سید عبدالعلی
سید محمد طہٰ
سید عبداللہ عرف سید محمد معین
حضرت شاہ ضیاء النبیؒ
سید رشید الدین
حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی
جد مادری مفکر اسلامؒ
سید خلیل الدین
سید محمد مسلم (مصنف کے دادا)
ڈاکٹر سید حسن حسنی (صاحب سوانح کے نانا)
سید حسن مجتبیٰ
سید رشید احمد
مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی
مولانا محمد واضح رشید ندوی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
مولانا سید محمد ثانی حسنی
سید محمد صابر
مولانا حکیم عبدالحی حسنی
سیدہ امۃ العزیز صاحبہ
زوجہ سید رشید احمد
امۃ اللہ تسنیم صاحبہ
مترجمہ زاد سفر
مولانا حکیم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب حسنیؒ
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
پانچ صاحبزادیاں
مولانا سید محمد الحسنیؒ
مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی
مولانا عمار عبدالعلی حسنی ندوی
حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

﴿ دوسرا باب ﴾

ولادت، خاندانی پس منظر، ماحول اور تعلیم وتربیت

والدین کا عقد مسنون

حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی کے مشورہ سے مولانا سید محمد الحسنی صاحب کا رشتہ ڈاکٹر سید حسن مثنیٰ حسنی فرزند حافظ سید محمد معین عبداللہ میاں کی صاحبزادی سے طے پایا۔ یہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے۔ اور تین سال بعد ۱۵؍ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ مطابق یکم نومبر بروز منگل بعد عصر دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی کی مسجد میں عقد ہوا۔ مصنف تذکرہ محمد الحسنیؒ لکھتے ہیں:

> ’’اس مبارک عقد میں لکھنؤ کے کافی مہمان شریک ہوئے، علماء بھی اور اہل محلّہ بھی، اس میں محمد میاں کے استاد مولوی عبداللہ صاحب بھی تھے، محمد میاں شاندار عمامہ باندھے ہوئے بہت خوبصورت لگ رہے تھے، بعض لوگوں کے اصرار سے اس وقت (عصر) کی نماز بھی محمد میاں نے پڑھائی، نماز عصر کے بعد نکاح ہوا، مہر، مہر فاطمی کے حساب سے رکھا گیا، نکاح غالباً مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب نے پڑھایا اور دوسرے دن رخصتی ہوگئی،

شادی کے وقت محمد میاں کی عمر ۲۰ سال تھی۔"(۱)

ولادت۔عقیقہ۔تحنیک

حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ کے نواسے اور نواسیاں کئی تھے، اور بڑی نواسی کا نکاح بھی ہو چکا تھا، لیکن ابھی پوتا نہیں تھا، ۱۹۵۷ء کا سال شروع ہوا، اور قمری مہینہ رجب المرجب کی ۲۷/تاریخ ۱۳۷۶ھ کے سال کا نصف گزرنے کو آیا کہ یہ نوید جانفزا آئی کہ اس خاندان کے چراغ سے ایک چراغ اور روشن ہونے کو ہے، ماہ جنوری کا اختتام ہوا چاہتا تھا کہ ۲۹/تاریخ کو ۲ بجے دن کے وقت لکھنؤ میں اسی مکان میں جو مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب کا مکان ومطب کہلاتا تھا ایک اور عبداللہ پیدا ہوئے، اوروں کا نام عبداللہ نہیں تھا، یہ نام چونکہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو پسند ہے، جس کا تذکرہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ دادا نے اس لئے یہی نام تجویز کیا، اور سنت کے مطابق ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ اور جب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی لکھنؤ تشریف آوری ہوئی اور معمول کے مطابق آپ کے مکان کو قدوم میمنت سے سرفراز فرمایا تو حضرت کی خدمت میں پیش کیے گیے اور حضرت نے دعا دی اور تحنیک فرمائی، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی رقمطراز ہیں:

> "شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا معمول تھا کہ وہ لکھنؤ کے قیام میں ہمیشہ ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ کے گھر میں قیام فرماتے تھے، بھیا کی ولادت کے بعد جب حضرت تشریف لائے، تو ڈاکٹر صاحب نے تحنیک کی سنت ادا کروائی"۔

خاندانی پس منظر

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی اسلاف

(۱) سوانح مولانا سید محمد الحسنیؒ از:۔مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ صفحہ: ۱۱۱-۱۱۲

اوران کے علمی ودینی مقام اوران کی اصلاحی ودعوتی خدمات کا تذکرہ پچھلے باب میں قدرے تفصیل سے گذر چکا ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان اسلاف کو جہاں ایک طرف سخت ابتلاءات سے گذرنا پڑا تو دوسری طرف انہوں نے اپنی بقیہ زندگی کس طرح دین کوفروغ دینے اور اسلام کی اشاعت کے کام میں لگادی، اور خانوادۂ نبوت کے افراد کو جو کامیابی طریق نبوت پر چلنے میں ملی دوسرے راستہ سے نہ مل سکی، اورشروع میں ہی حضرت حسن السبط الاکبرلرسول اللہ(ﷺ) نے یہ بات اپنے بھائی حضرت حسین السبط الاصغرلرسول اللہ(ﷺ) سے کہہ دی تھی کہ اللہ نے ہمارے خاندان میں نبوت رکھی ہے، اس لئے ہماری کامیابی اسی راہ پر چلنے میں ہے۔(یعنی دعوت وارشاد اور تعلیم وتربیت کے کام میں) دوسرے راستہ میں نہیں (یعنی کاروبارحکومت راس نہیں آئے گا)''حضرت حسن کی روایت ہے''انی واللہ ما أری أن یجمع اللہ فینا–أھل البیت–النبوۃ والخلافۃ''،(۱)اوررسول اللہ(ﷺ) نے دعافرمائی تھی ''اللھم اجعل رزق ال محمد قوتاً'' (۲) کہ بارِالہا! آل محمد کا رزق بقدرضرورت رکھیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا پیغام دیتی ہے کہ خانوادۂ نبوت سے انتساب رکھنے والوں کے لئے ایک یہ مقام بھی ہے کہ وہ دنیا کے کام میں دل نہ لگائیں اوراسباب تعیش کو اختیار نہ کریں۔یہی وجہ ہے کہ سادات یعنی خانوادۂ نبوت سے انتساب رکھنے والے افرادواشخاص کو مال کی فراوانی اوراسباب تعیش کبھی راس نہیں آئے، اورزہدوفقران کوخوب راس آیا، اوردین ودعوت کے لئے اپنے کوکھپانا ان کی ترقیات کا خوب ذریعہ بنا۔مولانا سید عبداللہ حسنی کا سادات کی جس شاخ سے تعلق ہے وہ اس میں بہت ممتاز رہی ہے، یعنی حضرت امیرکبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد المدنی کی نسل میں حضرت قاضی محمود بن العلاء نصیرآبادی کی اولاد اور خاندان جس میں حضرت شاہ علم اللہ، حضرت سید احمد شہید، مولانا خواجہ احمد نصیرآبادی، مولانا شاہ سید ضیاء النبی، مولانا سید محمد امین نصیرآبادی، مولانا عبدالحی حسنی اورحضرت

(۱،۲) الاستیعاب لابن عبد البر، ص:٤٤٢۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسے نابغۂ روزگار اور یکتائے زمانہ اور عظیم مصلح ومجدد شخصیات پیدا ہوئیں۔اس پس منظر میں مدیر بانگ حرالکھنؤ مولانا علاء الدین ندوی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں جو انہوں نے مولانا سید عبداللہ حسنی کی شخصیت کی تشکیل وتعمیر کے پس منظر میں لکھا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

”انسان کی تشکیل وتعمیر اور اس کی ترقی واقبال مندی میں تین بنیادی عناصر کارفرما ہوتے ہیں:۱-خاندانی پس منظر۲-ماحول ۳-تعلیم۔مولانا اس خاندان کے چشم وچراغ تھے جو بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:اس خاندان کے آخری مورث شاہ سید علم اللہ جو عالمگیر کے زمانے میں تھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت سید آدم بنوریؒ کے فیض سے مستفیض اور مشرق کے دیار میں ان کے خلیفۂ خاص تھے، اس خاندان کے ممتاز افراد مجدد دہلویؒ کے فیض درس اور فیض صحبت سے سیراب تھے، اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کی برکتیں اور سعادتیں جمع ہوگئیں (۱)

اس خاندان کا ماضی اور حال، اس کا نام اور کام اس کی شہرت دوام وسربلندی کی خاطر شوق شہادت کی روحانی غذا دی جاتی ہے، جہاں تک علم وتعلیم کی بات ہے تو اس خاندان سے اس کا رشتہ اتنا مضبوط اور پائیدار ہے گویا علم وادب اور خاندان علم اللہی لازم ملزوم ہوں، ماحول کی بات کریں تو شرافت ونجابت، دریا دلی اور سماحت قلبی، انسان دوستی، اورغم گساری، انسان دوستی اور تواضع وانکساری، اس خاندان کے افراد کی گھٹی میں پڑی ہوئی

(۱) سیرت سید احمد شہید جلد اول،ص:۳۹

ہے۔ مجدد الف ثانیؒ اور مجدد ولی اللہ دہلویؒ کے فیض سے اس
خاندان کی شکل میں سہ آتشہ تیار ہوا، حضرت شاہ علم اللہ کے
خاندان ہی کے گل سرسبد تھے مولانا عبداللہ حسنی ندوی......''(۱)

نشوونما

آپ کی نشوونما اپنے دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے ظلِ عاطفت میں ہوئی۔ ساڑھے چار سال کا یہ عرصہ آپ کے لئے بڑا مبارک ثابت ہوا۔ دادی صاحبہ کا انتقال ہوا تو عمر ۷-۸ ماہ تھی، ان کی محبتیں اور توجہات بھی پائیں، اس گھر میں آپ کے جو قریب العمر بچے اور بچیاں تھیں ان کے ساتھ نشوونما ہوئی، راقم کے چچا مولانا ڈاکٹر سید احمد الحسنی جو ان کی بڑی پھوپھی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، ان سے چار سال بڑے ہیں، دوسری پھوپھی کے صاحبزادے مولانا سید سلمان حسینی ندوی جو ان سے عمر میں ڈھائی سال بڑے ہیں، اور انہی پھوپھی کے صاحبزادے مولانا سید اسحاق حسینی ندوی مرحوم جو ان سے عمر میں ڈیڑھ سال چھوٹے ہیں، چوتھی پھوپھی کی بڑی صاحبزادی جو ان سے عمر میں ڈیڑھ دو سال بڑی ہیں، اور جو بھائی بہن کچھ بڑے ہیں جیسے بڑی پھوپھی کی صاحبزادیاں اور صاحبزادگان، دوسری پھوپھی کی صاحبزادی اور صاحبزادگان کا بھی ساتھ رہا، پہلی اور دوسری پھوپھی کا گھر ان کے گھر سے الگ لیکن قریب اور پڑوس تھا اور دوسری پھوپھیوں کی اولاد گھر میں ساتھ ہی رہتی تھیں، پھر جب اور بڑے ہوئے تعلیم شروع ہوئی، دوسرے اور افراد خاندان اور عزیز واقارب نے تعلیم کے لئے لکھنؤ کا سفر کیا، تو ان میں مولانا سید عبیداللہ حسینی ندوی (داماد مولانا سید ارشد مدنی صاحب فرزند ارشد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ) ہیں جن کی والدہ آپ کے والد اور نانی صاحبہ کی ماموں زاد بہن ہیں، اور مولانا سید محمد عرفان حسینی ندوی جن کے والد سے آپ کا یہی رشتہ تھا آپ

(۱) اداریہ، بانگ حراء لکھنؤ، مارچ ۲۰۱۳ء

کے ہم عمر تھے، ان دونوں نے آپ کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء سے تعلیم حاصل کی اور بعض آپ کے ہم عمر بھائی بند وہ بھی ہیں جو ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کرنے آئے اور آپ کے گھر ان کی آمد و رفت ہوئی لیکن ان کی تعلیم جاری نہ رہ سکی، ان کا بھی آپ کو خیال رہتا، ان لوگوں کو بھی آپ سے ہمیشہ تعلق رہا ان میں جناب زبیر فریدی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عزیزوں میں عمر نظامی صاحب بھی آپ کے ہم عمر ہیں، مولانا سید عبید اللہ صاحب نے حفظ کی تکمیل کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں آپ سے پڑھا بھی، مولانا نے بھی ان کی ہم عمری اور رفاقت کا خیال رکھا، اور بعد میں بھی حجاب قائم نہیں ہونے دیا، دوستی کا مزاج مولانا میں کبھی نہیں رہا، نہ خود اپنے لئے پسند کیا نہ ہی دوسروں کے لیے۔ ہم عمروں میں اجنبی اور بڑا بن کر رہنا بھی گوارہ نہ تھا، بے تکلف ہوتے مگر حدود میں رہ کر اور اس کا برابر خیال رہتا کہ کوئی بات ایذاء کا سبب نہ بنے، آبائی وطن تکیہ کلاں دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی دریائے سئی کے کنارے واقع ہے، اس عہد کے لوگ پیراک تھے آپ نے بھی پیراکی کی، ایک بار آپ اور آپ کے ساتھی مولانا عرفان صاحب کے ہاتھ پیر قابو میں نہ رہے لیکن اللہ نے کسی کو ذریعہ بنا کر محفوظ رکھا، آگے اللہ کو آپ سے بڑے کام لینے تھے، شکار کا بھی شوق تھا، لیکن بقدر ضرورت اور اس میں وقت ضائع نہیں کیا، اور کھیل کود سے بھی دور رہے، بعض کھیلوں کو لڑکوں کو لیے پسند کیا لیکن کرکٹ کو نقصان دہ سمجھا۔

مولانا کی نشو و نما میں جس طرح دادی، دادا کا حصہ رہا، نانا نانی کا بھی رہا، ذکر کی لذت، قناعت کا جوہر وہاں سے حاصل کیا، پھوپھیوں کی خوب صحبت ملی، اور ان سے وہ فکر و غم بھی ملا کہ کس طرح انسانیت راہ یاب ہو اور فلاح پائے، سبھی پھوپھا یعنی: ۱- جناب سید محمد مسلم حسنی، ۲- مولانا سید محمد طاہر حسینی منصور پوری، ۳- مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمہم اللہ تعالیٰ، ۴- مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ۵- مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہما وأطال اللہ بقاہما، دین میں ترقی اور صلاح کے لئے فکر مند اور کوشاں

رہنے والے تھے گھر میں اپنوں کا اور علم و ادب کا چرچا ہوتا اس سے متاثر ہونا فطری اور طبعی بات تھی۔

ربانی علماء کے سایۂ عاطفت میں

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کے لئے یہ بڑی سعادت اور عزوشرف کی بات تھی کہ ان کو اپنے وقت کے اونچے درجے کے ربانی علماء کا سایۂ عاطفت اور ان کی بھرپور توجہات بچپن سے ہی ملیں، ان کے دادا مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنی جو فرشتہ صفت ہستی خیال کیے جاتے تھے اور ان کی تکریم بڑے مشائخ وعلماء کرتے تھے، ایک غیر معمولی انسان اور عظیم مربی شخصیت تھے، پھر خاندان کی دوسری اہل علم وصلاح شخصیات تھیں، اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے دعوتی جدوجہد کا زمانہ شباب پر تھا، اور دین وملت کو تقویت پہونچانے کے مختلف النوع کاموں کو وہ دونوں ساتھ مل کر انجام دے رہے تھے، ان حالات اور ماحول میں ان کی نشوونما ہوئی اور ان حضرات کی صحبت نے ان کو بڑا نفع پہونچایا۔ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی دام مجدہ مدیر الفرقان نے بڑا اچھا تجزیہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''مسئلہ اس ذوق ومزاج کے تذکرہ کا ہے، جو ان دونوں بزرگوں -والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی- کی باہم رفاقت نے ایک پورے حلقے کا بنا دیا تھا، جس میں صفائے باطن کے لئے خانقاہی اعمال بھی تھے، اور ......والوں سے نیاز مندانہ تعلق اور ہر ایک کی قدردانی کا معمول بھی تھا، اور ''خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات'' کے ساتھ ''وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل'' بھی تھی، جس میں صحافت اور حالات حاضرہ پر نظر کے ساتھ ساتھ تبلیغی جدوجہد کی قدر بلکہ اس میں انہماک بھی تھا، ......غرض کہ ان دونوں بزرگوں کی عدیم

المثال رفاقت کی وجہ سے جس میں سے ایک دیوبند اور دیوبندیت کی اور دوسری ندوہ اور ندویت کی شخصیت مثالیہ تھے، واقعۃً ایک نہایت مکمل متوازن اور جامع مکتب فکر وجود میں آیا تھا۔"(۱)

مولانا سید عبداللہ حسنی علیہ الرحمہ کو علماء حق، اہل قلوب اور ربانی شخصیات کی صحبت اٹھانے اور خدمت میں بیٹھنے کا شوق بچپن سے تھا، اور آپ کے گھر وقت کے ممتاز مشائخ، علماء، دعاۃ ومصلحین نزول فرما ہوتے، اور بعض قیام بھی کرتے۔ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ عظیم القدر مولانا سید محمد الحسنیؒ نے اس سلسلہ کو قائم رکھا، مولانا سید عبداللہ حسنی علیہ الرحمۃ کی ولادت سے پہلے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، خود اپنے تقاضے سے تشریف لا چکے تھے، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی تو لکھنؤ میں یہی منزل تھی، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا ابوالمحاسن سجاد بہاری اور بڑی اہم دینی، علمی، سیاسی شخصیتیں آئیں، آپ کی ولادت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی حیات میں ہوگئی، اور حضرت کی لکھنؤ تشریف آوری ہوئی، اور مکان پر حسب معمول تشریف بھی لائے، پھر جب حضرت کی علالت کا زمانہ شروع ہوا تو آپ کے دادا مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب، مولانا علی میاں صاحب، والد مولانا سید محمد الحسنی صاحب دیوبند گئے، اور حضرت کو بڑی مسرت وفرحت حاصل ہوئی، اور حضرت نے سب کی خیریت، حال اور معمولات پوچھے اور سبھی کو دعائیں دیں۔

بزرگوں میں حضرت مولانا عبدالباری ندوی جو آپ کے دادا کے رفیق خاص اور حضرت تھانوی کے خلفاء میں تھے کی شفقت وتوجہ حاصل ہوئی، اور مولانا عبدالسلام قدوائی جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے رفیق خاص تھے کی

(۱) ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، مارچ ۲۰۱۳ء

عنایتیں حاصل ہوئیں، حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی بھی اس مکان پر آئے اور قیام کیا اور ان سے بھی آپ کو استفادہ کا موقع ملا، صوفی عبد الرب صاحب علیہ الرحمہ نے ان سے خاصی مناسبت محسوس کی، اس کے علاوہ اور جو علماء و مشائخ آئے آپ ان کی خدمت کو اپنے لئے عین سعادت جانتے تھے، کھیل وغیرہ سے دلچسپی نہ تھی، اور نماز کی طرف شروع سے بڑی رغبت تھی۔

تعلیم

حروف شناسی اور مکتب کی تعلیم گھر میں اور محلّہ کے اساتذہ سے حاصل کی، مولوی سلیم صاحب سلطان پوری، مولوی مرتضیٰ صاحب لکھنوی، ماسٹر سجاد صاحب، مولوی ایوب صاحب وغیرہ سے اور مولانا محمد ثانی حسنی، مولانا محمد طاہر منصور پوری جو آپ کے گھر کے ہی افراد تھے اور مولانا سید محمد مرتضیٰ مظاہری جو گھر سے متصل گھر میں رہتے تھے استفادہ کیا، ابتدائی تعلیم کے آپ سب سے زیادہ احسان مند مولانا ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی حال معاون ناظر تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رہے اور ان کے ندوہ کے قیام میں یہ معمول بنائے رکھا کہ جب تعلیمی سال شروع ہوتا اور نئے تدریسی سال کا آغاز ہوتا تو ابتداء میں اپنے ان استاذ کی دعا لے لیتے پھر تدریس کا آغاز کرتے، ڈاکٹر صاحب نے ان کی اس خوبی کا اظہار راقم سے کیا، محلّہ کے مکتب کی تعلیم کے بعد معہد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی دار العلوم ندوۃ العلماء کی تعلیمی تفصیلات اس طرح ہیں:

حدیث شریف میں ریاض الصالحین: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور ان کے تلمیذ ارشد مولانا وجیہ الدین صدیقی ندوی مرحوم سے پڑھی۔

مشکوۃ شریف مکمل: مولانا وجیہ الدین ندوی مرحوم سے پڑھی۔

سنن ترمذی اول: مولانا عبد الستار اعظمی (معروفی) مرحوم سے اور جلد ثانی

مولانا ضیاء الحسن اعظمی مرحوم سے پڑھی۔

سنن أبوداؤد اول: مولانا ضیاء الحسن اعظمی ندوی وقاسمی سے اور جلد دوم مولانا محمد برہان الدین سنبھلی زید مجدہم سے پڑھی۔

صحیح مسلم اول: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی زید مجدہم سے اور جلد ثانی مولانا ضیاء الحسن اعظمی مرحوم سے پڑھی۔

صحیح بخاری اول و دوم مکمل: شیخ الحدیث مولانا عبدالستار اعظمی معروفیؒ سے پڑھی۔

السیرۃ النبویہ لابن ھشام: مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ سے اور مصری عالم شیخ ابراہیم مطاوع یوسف سے پڑھی۔

اسرار شریعت وعلم کلام میں الارکان الاربعۃ مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ سے اور حجۃ اللہ البالغۃ مصنفہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی زید مجدہم سے پڑھی۔

اصول حدیث میں مقدمہ ابن الصلاح اور علم رجال حدیث میں بستان المحدثین مؤلفہ سراج الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی زید مجدہم سے پڑھی۔

تفسیر میں بیضاوی شریف حضرت مولانا ابوالعرفان خان ندوی جونپوریؒ نے پڑھائی۔

قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر استاذ کے حوالہ سے عالیہ اولیٰ میں جو علیت کے مرحلہ کا پہلا سال ہے مولانا محمد برہان الدین سنبھلی زید مجدہم سے پڑھا۔ دوسرے سال میں مولانا ناصر علی ندوی علیہ الرحمہ نے پڑھایا۔ تیسرے اور چوتھے یعنی آخری اور آخری سے پہلے سال میں شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد اویس نگرامی ندوی علیہ الرحمہ نے پڑھایا۔

اُصول تفسیر میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی معرکۃ الآراء کتاب الفوز الکبیر فی أصول التفسیر حضرت مفتی محمد ظہور ندوی مدظلہ نے پڑھائی۔

علم الفرائض میں سراجی فی المیراث مولانا مفتی محمد ظہور ندوی مدظلہ نے پڑھائی، اور اصول فقہ میں زیر داخل نصاب کتاب مولانا بشیر حسین لکھنوی علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔

علم فقہ میں نورالایضاح مولانا خطیب احمد ندوی فرخ آبادیؒ سے، قدوری مولانا بشیر حسین لکھنویؒ سے، شرح الوقایہ مولانا سید نورالحسن لکھنویؒ سے۔

ہدایہ اول مولانا حبیب الرحمٰن سلطانپوریؒ سے، ہدایہ دوم مولانا ناصر علی ندوی لکھنویؒ سے اور ہدایہ سوم (فضیلت اول میں) مولانا مفتی محمد ظہور ندوی اعظمی مدظلہ سے اور ہدایہ ثالث میں کتاب الکفالۃ سے آخر تک مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی ندوی مدظلہ سے پڑھی۔ مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی (داماد و برادرزادہ گرامی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ) اسی زمانہ میں جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء منتقل ہوئے تھے۔ ہدایہ رابع بھی مولانا ناصر علی ندوی علیہ الرحمہ سے پڑھی۔

علم قرأت و تجوید مشہور عالم قرآنی درسگاہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں جو علم تجوید کا مرکز ہے اور حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب مرحوم کا قائم کردہ ہے، داخل ہوکر قرأت حفص کا علم حاصل کیا اور مشق کی۔ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، مولانا محمد خالد غازی پوری، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی، مولانا سلیم اللہ صاحب چار رفقاء تھے، مگر دو استادوں میں منقسم تھے، مولانا سید عبداللہ حسنی اور مولانا محمد خالد غازی پوری، معروف خوش الحان قاری اور مشہور مجود قاری محمد وسیم صاحب کے درجہ میں داخل ہوئے اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی اور مولانا سلیم اللہ صاحب قاری مشتاق احمد صاحب پرتاپ گڑھی صاحبزادہ گرامی عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری کے

درجہ میں داخل ہوئے اور قرأت حفص کی سند اپنے ان استادوں سے حاصل کی۔

حدیث شریف میں صحیح البخاری کے سال میں جو دار العلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت کے بعد کے مرحلہ فضیلت فی الشریعۃ کا آخری سال ہے فضیلت دوم اور بخاری شریف کا سال کہلاتا ہے، وہ درجہ میں بخاری شریف بڑے اہتمام سے پڑھتے اور بعد عصر کا معمول بخاری شریف میں الگ سے استفادہ کا بنایا تھا چنانچہ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی اور مولانا عبدالمجید ندوی آسامی نے علامۂ وقت حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی خدمت میں ان کے مکان پر حاضر ہوکر پڑھنے کا معمول بنایا، یہ لوگ قرأت کرتے اور حضرت مولانا تشریح فرماتے، پورے سال اس کا معمول رہا، اور صحیح البخاری کا ایک ربع ان حضرات نے حضرت مولانا نعمانی قدس سرہ سے پڑھا۔

ادب اور انشاء میں آپ نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی سے بڑے درجات میں استفادہ کیا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے سبع معلقات فضیلت دوم میں پڑھی۔ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ حال مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعبیر اور حماسہ پڑھی، اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ سے انشاء اور دیوان حضرت حسان بن ثابت الانصاریؓ پڑھا۔ ثانوی درجات میں مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری زید مجدہ نے عربی سوم میں القراءۃ الراشدہ (ثالث) اور مولانا عبدالنور (نور عظیم) ندوی مرحوم نے معلم الانشاء پڑھائی۔ مولانا شمس الحق ندوی دام مجدہ نے نحو وصرف کے اسباق پڑھائے اور ان ہی کے گھنٹہ میں یہ شرف بھی آپ کو اور آپ کے درجہ کو حاصل ہوا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی درجہ تشریف لائے اور بیٹھے، حضرت مولانا سید عبدالغفار ندوی نگرامی علیہ الرحمہ نے بھی نحو وصرف پڑھائی اور القراءۃ الراشدہ اول بھی پڑھائی۔

عربی اشعار میں مجموعۃ النظم مولانا عبدالماجد ندوی سے جو بعد میں جدہ سعودیہ منتقل ہوگئے تھے پڑھی اور یاد کی۔مختارات من أدب العرب حصہ اوّل بھی ان ہی سے پڑھی، اور مختارات ثانی مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ سے پڑھی، معقولات میں منطق مولانا بشیر حسین لکھنوی مرحوم سے اور فلسفہ وحکمت مولانا ابوالعرفان خاں ندویؒ سے پڑھی۔انگریزی مختلف درجوں میں مختلف اساتذہ سے پڑھی اور انہی اساتذہ سے انگریزی سے ملحق عصری مضامین، سیاسیات، اقتصادیات وغیرہ بھی پڑھی، ان اساتذہ میں سرفہرست جناب محمد سمیع صدیقی مرحوم کا نام ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بھی انگریزی کے استاد اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بھی انگریزی کے استاد ہیں، یہ بہت باحیثیت اور باکمال شخص تھے اور تعلیمی لائن کا اچھا تجربہ رکھنے کے ساتھ اچھے منصب پر فائز رہ چکے تھے، مگر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے اپنی خدمات پیش کرکے اس ادارے کو بڑا فائدہ پہنچایا۔

دوسرے اساتذہ علوم عصری میں جناب شاہد علی مرحوم، جناب نیاز احمد مرحوم، جناب ضمیرالدین مرحوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور ماسٹر جلال الدین صدیقی رائے بریلوی سے بھی ان علوم میں درجہ میں استفادہ کیا جو اب تبلیغی مصروفیات میں ترقی کرکے سرگرم اور بزرگ مبلغ دین اور مرکز نظام الدین دہلی میں مقیم ہیں اور تقاضہ پر ملک وبیرون ملک کے سفر پر بھی رہتے ہیں۔

ثانوی درجات میں آپ کو شیخ عبدالوہاب زاہد حق ندوی حلبی شامی مفتی عام جنوبی کوریا سے بھی استفادہ کا موقع ملا، اور شروع ہی میں عرب استاد سے پڑھنے کا جو فائدہ ملنا چاہئے تھا وہ آپ کو حاصل ہوا اور جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ فضیلت میں ایک ممتاز مصری عالم استاد ابراہیم مطاوع یوسف سے بھی پڑھا، اس طرح مصروشام دونوں کا رنگ آپ نے لیا۔

جغرافیہ اور جزیرۃ العرب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے

پڑھا، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ سے حدیث میں ریاض الصالحین کا کچھ حصہ اور ادب عربی میں الادب العربی بین عرض ونقد، قصیدہ بردہ، سبع معلقات بھی پڑھا۔ اور علامہ ابن ہشام کی السیرۃ النبویہ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی الارکان الاربعہ مولانا واضح رشید ندوی نے پڑھائی۔ السیرۃ النبویہ لابن ہشام کے منتخبات داخل نصاب تھے اور پھر عبدالسلام ہارون کی تہذیب سیرت ابن ہشام داخل ہوگئی تھی، سیرت نبوی کے کچھ اسباق مصری عالم شیخ ابراہیم مطاوع یوسف نے بھی پڑھائے، فضیلت ثانی میں طریقت کے اسرار و حکم پر حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی زید مجدہم سے پڑھی البتہ اس کے بعض اسباق مولانا ابوالعرفان خاں ندوی علیہ الرحمہ سے بھی پڑھے، مولانا ابوالعرفان خاں صاحب کی آپ کو جو شفقت وتوجہ حاصل تھی اس سے ان کے لیے خارجی اوقات میں استفادہ کی شکلیں نکلیں اور متعدد سفروں میں ساتھ رکھ کر ان علوم سے بھی واقف کرایا جن سے عموماً طالب علم درجہ میں واقف نہیں ہو پاتا ہے، آپ ان کی شفقتوں کا خاص طور پر تذکرہ فرماتے۔ عالی اور علیا درجات میں سب سے زیادہ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی سے علوم شرعیہ میں اور مولانا سید محمد واضح رشید ندوی سے ادب وانشاء میں زیادہ استفادہ کا موقع ملا، یہ دونوں حضرات دہلی سے اپنی مشغولیات ترک کرکے آئے تھے، اور ان سے استفادہ کے مواقع دارالعلوم ندوۃ العلماء نے زیادہ فراہم کئے تھے۔

رمضان المبارک میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بعض کتابوں کا درس دیتے تھے، بعض عوام کے لیے اور بعض خواص اور طلباء کے لیے، ان میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

رفقائے درس

رفقاء درس میں کچھ وہ حضرات ہیں جو مکتب ومعہد سے ساتھ رہے، جیسے

مولانا عبدالرحمٰن بٹ تبتی صاحب ندوی (کشمیری حال مقیم دبئی)، مولانا محمد خلیق ندوی لکھنوی وغیرہ اور کچھ شروع میں صرف بعض اسباق میں ساتھ رہے، جیسے محترمی جناب ضیاء عبداللہ ندوی بقول ان کے ان دونوں کا قرآن مجید ساتھ شروع ہوا تھا، لیکن درجہ کی تقسیم میں آگے پیچھے رہے، ضیاء صاحب عمر میں بھی بڑے ہیں، درجہ میں بھی آگے تھے، بعض وہ رفقاء جو عالمیت میں رفیق نہ رہے لیکن فضیلت میں ساتھ ہوئے جیسے مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی حال نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا سید بابر حسین ندوی بھوپالی نائب قاضی بھوپال وغیرہ۔

آپ کے رفقاء درس میں چند اہم نام اس طرح ہیں:

۱- مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری: بعض کتابوں کا ساتھیوں کو مذاکرہ کراتے تھے، خاص طور پر ہدایہ کا۔ اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سینئر استاذ حدیث ہیں اور طلباء کے مشرف اعلیٰ۔

۲- مولانا ڈاکٹر احمد علی ندوی: اس وقت بین الاقوامی شہرت یافتہ فقہ کے بڑے عالم اور فیصل ایوارڈ یافتہ ہیں، جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ سے وابستہ ہیں۔

۳- مولانا معاذ احمد ندوی اندوری: ملاوی میں مقیم ہیں، اور دعوت وتعلیم کا بڑا کام کررہے ہیں۔

۴- مولانا محمد یعقوب ندوی: دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ حدیث وادب ہیں، اور رفیق درس کی طرح رفیق تدریس بھی شروع سے رہے ہیں، اور ایک دوسرے کا دونوں ہی بڑا لحاظ وخیال رکھتے رہے۔

۵- مولانا عبدالعزیز خلیفہ بھٹکلی ندوی: حال نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء (فضیلت کے رفیق درس)، تکیہ رائے بریلی میں رمضان المبارک کے نظام میں معاون اور ایک طویل غیر ملکی سفر کے رفیق اور رفیق تدریس ہیں۔

۶- مولانا سلیم اللہ ندوی: دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سینئر استاذ حدیث۔

۷- مولانا سعید الرحمٰن فیضی ندوی: ٹورنٹو کناڈا میں مقیم ہیں اور سرگرم خادم دین وملت ہیں۔

۸- مولانا سید بابر حسین ندوی بھوپالی: حال نائب قاضی بھوپال۔

۹- مولانا محمد میران محتشم بھٹکلی ندوی: وشاکھاپٹنم میں مقیم ہیں اور تاجر ہیں۔

۱۰- مولانا عبد الرحمٰن بٹ ندوی: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمت میں ۷ سات سال رہے، اور اب دبئی امارات متحدہ میں مقیم ہیں، اصلاً تبتی (چینی) ہیں۔

۱۱- مولانا شکیل اعظمی ندوی: بحرین میں مقیم ہیں اور انگلش میڈیم اسکول چلا رہے ہیں۔

۱۲- مولانا اطہر ریحان غوری ندوی: جگدیش پور اوتیا میں الہدیٰ انسٹیٹیوٹ کے ذمہ دار ہیں۔

۱۳- مولانا محمد خلیق ندوی عرف کلن صاحب: دین کی خدمت کا بڑا حوصلہ رکھتے ہیں، اور دینی وملی کاموں کے بڑے معاون ہیں، سب سے طویل مدت کے ساتھی اور مولانا کے محب صادق رہے ہیں۔

۱۴- مولانا عبد المجید ندوی آسامی: گوہاٹی میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور گوہاٹی یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی ہیں۔

۱۵- مولانا حیدر علی ندوی نیپالی: (معتمد تعلیم دار العلوم سنسری نیپال) مولانا کے قدیم رفیق درس اور مخلص دوست۔

۱۶- حافظ خالد محبوب ندوی: جدہ ریڈیو اسٹیشن سعودی عرب میں ہیں۔

۱۷- مولانا عبد الجلیل ندوی: (فرزند مولانا عبد السمیع ندوی کانپوری)۔

۱۸- مولانا کرامت اللہ اعظمی۔

۱۹- مولانا فخر الدین: بہار کے رہنے والے اور تعلیمی مشغولیت رکھتے ہیں۔

۲۰-مولانا سید سلیم ندوی: مہتمم دارالعلوم دھارنی ضلع امراؤتی مہاراشٹر۔
۲۱-مولانا دانیال بھٹکلی ندوی: اختصاص فی الحدیث کے طالب علم تھے، قابل ذکر ہیں۔

جن رفقاء کا زیادہ ساتھ رہا ان میں مولانا حیدر علی ندوی نیپالی، مولانا سلیم اللہ ندوی، مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی ثانویہ رابعہ سے ساتھ رہے، مولانا محمد یعقوب ندوی گونڈوی، مولانا محمد میران بھٹکلی، مولانا دانیال بھٹکلی، عالیہ اولی سے ساتھ ہوئے اور پھر ساتھ رہے، مولانا سید بابر حسین ندوی بھوپالی عالیہ رابعہ میں اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی علیا اولیٰ شریعہ (فضیلت اول) میں ساتھ ہوئے، مؤخر الذکر یہ دونوں شخصیتیں حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ کے درجہ کے ساتھی تھے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ محدث جلیل عالم ربانی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ سے صحیح بخاری پڑھنے کا نظام جن ساتھیوں نے بنایا تھا ان میں مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے ساتھ مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی، مولانا ڈاکٹر عبدالمجید آسامی (صدر شعبہ عربی گوہاٹی یونیورسٹی) کے ساتھ ایک نام مولانا حیدر علی نیپالی کا بھی ہے، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ کا یہ طرز تھا کہ وہ مطالعہ کرا کر کہلواتے اور استفسار کرتے تھے کہ شارح نے کیا لکھا ہے اور بخاری شریف کی تین مشہور شروحات فتح الباری، عمدۃ القاری اور ارشاد الساری ایک ایک کے ذمہ کی تھی کہ وہ اس کا مطالعہ کرے، چنانچہ مولانا عبداللہ حسنی فتح الباری کا اور ڈاکٹر عبدالمجید آسامی عمدۃ القاری کا اور خود وہ (مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی) ارشاد الساری کا مطالعہ کر کے حاضر ہوتے، حدیث کی قراءت کے بعد حضرت مولانا مدلل تقریر فرماتے اور تینوں شارحین کا نچوڑ پیش کرتے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فضیلت فی الشریعۃ میں قسم الحدیث میں مولانا عبداللہ حسنی اور مولانا محمد یعقوب ندوی، اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی اختصاص فی الحدیث

کے طالب علم تھے، اور مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی اختصاص فی الفقہ میں تھے۔

درجہ عالمیت کے رفقائے درس

درجہ ہشتم (عالیہ رابعہ شریعہ) کے رفقاء درس جنھوں نے ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت کا امتحان دیا درج ذیل ہیں:

مولانا علی احمد ندوی، مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی، مولانا سید محمد حسن ندوی، مولانا محمد معاذ اندروی ندوی، مولانا حیدر علی نیپالی ندوی، مولانا محمد یعقوب ندوی، مولانا سید بابر حسین ندوی، مولانا سید محمد عبدالجلیل حسینی ندوی (ابن مولانا سید محمد عبدالسمیع ندوی)، مولانا محمد میران محتشم بھٹکلی ندوی، مولانا کرامت اللہ ندوی، مولانا سعید الرحمٰن فیضی (ابن مولانا محبوب الرحمٰن ازہری)، مولانا عبیدالرحمٰن، مولانا محمد سلیم ندوی بن محمد شفیع، مولانا عبدالرحمٰن بٹ ندوی، مولانا محمد احمد، مولانا سلیم اللہ ندوی بن ذاکر حسین، مولانا جمیل احمد ندوی، مولانا ڈاکٹر عبدالجید آسامی ندوی، مولانا فخر الدین ندوی، مولانا سید سلیم ندوی بن بشیر، مولانا ذکر اللہ ندوی، مولانا دانیال بھٹکلی ندوی، مولانا وسیم الدین ندوی، مولانا شکیل احمد ندوی، مولانا محمد صالح نعمانی ندوی، مولانا تمیز الدین ندوی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بیعت وارادت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق بڑی محبت وعقیدت کا اور حضرت شیخ کا بڑی شفقت ومحبت کا رہا ہے۔ حضرت مولانا کے افراد خاندان حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اور آخر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بیعت ہوئے، حضرت اپنے خورد عزیزوں کو آخر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی

طرف متوجہ کرتے اور حضرت شیخ سے خود بھی اس سلسلہ میں عرض کردیتے، ان خوردوں میں مولانا سید خالد حسنی، مولانا سید محمد حمزہ حسنی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی عمر کم تھی، لیکن حضرت شیخ الحدیث سے جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے کہا تو اسی وقت حضرت نے قبول فرمالیا، لوگ اٹھنے لگے تو وہ بھی اٹھ کر جانے لگے، شیخ نے فرمایا تو کہاں جاتا ہے؟ پھر جب سب چلے گئے تو قریب بلا کر شفقت وتوجہ فرمائی اور داخل بیعت وسلسلہ فرمایا۔ خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی حضرت شیخ کی شفقت وتوجہ کے اس نرالے انداز کو کبھی نہیں بھولے، اور اس واقعہ کو اس کی حلاوت کے ساتھ بیان فرماتے۔

حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں زمانۂ طالب علمی سے ہی اپنے جد مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ حاضر ہوتے رہے اور مدینہ منورہ میں حضرت مولانا کے ساتھ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دی اور شفقت ومحبت اور توجہات حاصل ہوئیں، اور اس وقت توجہات اور دعائیں اور زیادہ حاصل ہوئیں جب ان کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی سوانح حیات مرتبہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کی عربی میں تلخیص پیش کی اور وہ پہلے مجلۃ البعث الاسلامی لکھنؤ میں قسط وار اور پھر کتاب کی شکل میں منظر عام پر آئی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے اصلاح وتربیت کا تعلق

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اہل تعلق کو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ان سے استفادہ اور ان کی صحبت نشینی کی تاکید فرمایا کرتے تھے، بعضوں کے متعلق خود حضرت مولانا کو تاکید فرماتے اور بعضوں سے خود کبھی صراحۃً کبھی اشارۃً کہا اور بعضوں کو خطوط کے ذریعہ تاکید فرمائی، لیکن حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کا اس قدر لحاظ فرماتے کہ وہ حتی الامکان حضرت شیخ کی

موجودگی میں دوسروں کو اپنی تربیت میں لینے سے گریز کرتے اور کوئی اصرار کرتا تو دوسروں پر ظاہر نہ کرنے کی تاکید کرتے اور بیعت تو حضرت شیخ، حضرت رائے پوری، حضرت مدنی کے لوگوں کو ان کی وفات کے بعد بھی نہ کرتے۔ چنانچہ یہی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی کے ساتھ بھی ہوا مگر تربیت ونگہداشت میں کوئی کمی نہ کی اور یہ انہی کے پورے ہوکر رہے، اور انہی کے مجاز بیعت ارشاد اور خلیفہ اور پھر خاندانی طور پر وارث حقیقی بھی ہوئے۔

حضرت مولانا کو ان سے تعلق تھا، محبت تھی اور اعتماد بھی تھا اور مستقبل کی بڑی توقعات وابستہ تھیں، اور اس کا کسی نہ کسی طریقہ سے اظہار بھی ہوجاتا تھا، ایک بار راقم الحروف حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اتنے میں خال محترم مولانا بلال حسنی حاضر ہوئے، حضرت نے فرمایا آؤ بلال بیٹھو پھر خال مکرم مولانا سید عبداللہ حسنی آئے، حضرت نے فرمایا آؤ عبداللہ بیٹھو، اور پھر فرمایا: اب کابینہ مکمل ہوگئی۔ (۱)

حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ کی خدمت بابرکت میں

عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں حاضری الہ آباد، پھولپور، پرتاپ گڑھ میں تو ایک دن کے قیام کی نیت سے ہوتی، اور اس میں بھی وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ حاضر ہوتے، ورنہ اکثر وہ اور ان کے بھائی مولانا سید سلمان حسینی ندوی جمعہ کی چھٹی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پہنچ جاتے اور حضرت کی بڑی توجہ ان دونوں پر ہوتی، لیکن اس کا بیج دراصل ان کے ہی مکان پر پڑا تھا جب ان کے والد مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو دعوت دی اور حضرات کی مجلس رکھی تھی، اور پھر حضرت کے دیوان معرفت، عرفان محبت کو ترتیب دینے کا بھی کام کیا اور اس کو شائع کرانے کا بھی اہتمام کیا، جس سے ان کو حضرت کی بڑی توجہ حاصل ہوتی اور مولانا

---

(۱) ذاتی روزنامچہ، مرتبہ راقم

عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ کو اس تعلق سے جوان کے والد سے حضرت کا قائم ہوا تھا بڑا فائدہ پہونچا۔ پہلی زیارت کا حال خود حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ کے قلم سے ملاحظہ ہو وہ تحریر فرماتے ہیں:

''اچانک ایک دن ہمارے مکان کے لب سڑک والے حصہ میں جو مطب کے لئے استعمال ہوتا تھا اور میٹنگ روم میں بھی بدل جاتا تھا، ایک بزرگ تشریف لائے، نحیف ولاغر جسم، قد قدرے دراز، مجاہدے اور ریاضت کے اثرات چہرے سے عیاں، تکلف اور بزرگانہ اداؤں سے دور بلکہ نفور محبت وشفقت کا پتلا بلکہ سراپا محبت وسوز۔

والد صاحب نے بڑھ کر استقبال کیا، حضرت والا ایک عام کرسی پر تشریف فرما ہوئے، والد صاحب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، ایک پیالی چائے کی حضرت کو پیش کی گئی، حضرت نے ایک دو گھونٹ پی اور بات شروع کردی، بات کیا تھی، شہ پارے بلکہ شکر پارے تھے جو کان ودھن میں رس گھول رہے تھے، اور اس میں حقائق ومعارف ایسے آسان انداز میں بیان کیے جارہے تھے کہ دل ودماغ میں اترتے جارہے تھے، اس وقت حضرت نے مقام نبوت وصدیقیت کا فرق اور مرتبہ شہادت اور صدیقیت کا فرق بیان کرتے ہوئے اپنا ایک شعر سنایا تھا ؎

محبت نام ہے مر مر کے جینا نہ کہ مر جانا
ابھی اس راہ سے واقف نہیں ہیں ہائے پروانے

کم عمری اور حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ذہن میں وہ سارے حقائق نہ رہ سکے، جو اس مجلس میں بیان ہوئے تھے، مگر آج بھی

ان کا کیف محسوس ہوتا ہے، اور مجلس بھی نظر آتی جائے، اس پر محبت سے لبریز مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ میں پیالی لے کر چائے مکمل کی اور زیر لب یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ گرمی محفل جائے کہ گرم پیالی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس سوزش وتپش کا نتیجہ ہے جو دل کی انگیٹھی میں عشق ومحبت سے پیدا ہوتی ہے۔(۱)

اجازت حدیث کی سعادت

عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ جو کہ صرف ایک عالم زاہد اور صوفی باصفا اور ولی مرتاض ہی نہ تھے بلکہ وہ اپنے شیخ واستاد حضرت سید بدرعلی شاہ صاحب رائے بریلوی کی طرح حدیث کے بڑے عالم بھی تھے، اور حدیث کی اجازت اپنے انہی شیخ سے ان کو حاصل تھی شاہ صاحب کو اپنے شیخ اور شیخ الکل حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے اور ان کو سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے اور ان کو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی سندوں کو محفوظ کر دیا ہے اور ان پر کتابیں آچکی ہیں۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ایک موقع سے حضرت والا سے عرض کیا گیا کہ حضرت کی سند بڑی قلیل الوسائط ہے، کیوں کہ شاہ بدرعلی صاحب نے حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے حدیث سنی ہے، اگر حضرت اجازت دیں تو تبرکاً بخاری شریف کی حدیث سنا کر سعادت حاصل کی جائے، حضرت نے خوشی کا اظہار فرمایا، بیت المعارف سے بخاری کا نسخہ

---

(۱) نمونۂ سلف از مولانا شمس الحق ندوی، ص:۱۹۱

حاصل کیا گیا اور آخری حدیث کی قرأت کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت نے ترجمہ کرنے کا حکم دیا، جس کی تعمیل کی گئی۔
حضرت یوں تو بار بار اپنی با قاعدہ تعلیم اور سند یافتہ ہونے کی نفی فرماتے رہتے تھے، لیکن مشائخ کی صحبت اور خاص طور سے محدث کبیر حضرت شاہ بدر علی صاحبؒ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کی وجہ سے نظر بڑی گہری اور ذوق بہت اعلیٰ تھا، قرآن اور حدیث کے عجیب نکتے بیان فرمادیتے تھے۔''(۱)

مسلسلات کی اجازت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی حاصل کی، جس کا سلسلہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا، حضرت مولانا عبدالقیوم برہانپوری اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے اوران دونوں کا حضرت شاہ محمد اسحاق سے اوران کا اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اوران کا اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک اوران کا مختلف مشائخ سے سلسلا سینہ بہ سینہ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہ، صحابہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے، گوسندوں پر کلام کیا گیا، اور بعض نے مسلسلات کے تسلسل پر اشکال بھی کیا ہے، لیکن برکت کے طور پر مشائخ اس کی اجازت دیتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلباء کے لیے اپنے وطن دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی اور کبھی جامعہ اسلامیہ فلاح المسلمین رائے بریلی میں اوائل حدیث کا درس اوراس کی اجازت دینے کا اہتمام آخری سالوں میں فرمانے لگے تھے، گومولانا عبداللہ حسنی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حدیث کے استاد تھے لیکن وہ حضرت کے ان دروس میں شریک ہوئے اور بعد میں ان کی جگہ جب حضرت

---

(۱) نمونۂ سلف، از: مولانا شمس الحق ندوی، ص: ۱۹۷

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہ نے اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کیا تو اس میں بھی آپ نے شرکت فرمائی۔ صحاح ستہ کے اوائل کے ساتھ مؤطا امام مالک اور مسند امام احمد کے اوائل بھی اس مجلس اجازت حدیث میں پڑھے جانے کا معمول رہا ہے، اور یہ سند حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی کی ہے جس میں امام شوکانی اور علامہ ابن حجر عسقلانی جیسے اپنے اپنے عہد کے ائمہ حدیث آتے ہیں۔

علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی مجلس اجازت حدیث میں بھی آپ نے شرکت فرمائی، لیکن سب سے یادگار مجلس مسجد نبوی شریف کے قریب اس کے پیچھے کے صحن سے متصل فندق میں اپنے حجرہ میں محدث جلیل حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپوری نے منعقد فرمائی اور مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ہماری خواہش تھی کہ تم ہمارے پاس کچھ وقت گذارتے اور ہم تم کو کچھ دیتے، حدیث مسلسل بالاولیہ، حدیث انما الأعمال بالنیات خود پڑھی، اور خاص کیفیت کے ساتھ مختصر تقریر فرمائی۔ اور ایک دم ایک نعرہ اسم ذات کا بلند کیا، اور بڑے درد وسوز اور خاص کیفیت عشق ومحبت کے ساتھ دعا فرمائی۔ چونکہ اس مبارک مجلس میں راقم اور خال محترم مولانا سید بلال حسنی صاحب بھی شریک تھے، اس لئے ہم سب کے لئے زندگی کے یہ یادگار اور شاندار لمحات تھے، جو اجازت حدیث ان کو حاصل تھیں وہ سب دیں، اور پھر اجازت کے مطبوعہ پرچہ پر اخیر میں مسجد نبوی شریف کی مناسبت سے ایک سطر اپنے دست مبارک سے رقم فرمائی۔ اور حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی سے خود نام کی جگہ اپنا نام لکھنے کو کہا اور ان ہی سے مولانا بلال حسنی صاحب اور کاتب الحروف کا بھی ان کے سندی کاغذات پر نام لکھنے کو فرمایا اور اسی وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے باغ کے کھجور کسی نے پیش کیے، اس میں سے تبرکا ایک ایک کھجور عنایت فرمائے۔ اجازت حدیث چار صفحات پر مشتمل تھی جن میں ان مشائخ کا بھی تذکرہ ہے جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی

کے علاوہ ہیں، جس کی تفصیل استاذ محترم مولانا محمد اکرم ندوی (اوکسفورڈ لندن) کی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے جو حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی سندوں پر ان کی محققانہ تصنیف ہے، البتہ اجازت حدیث کے کلمات ملاحظہ ہوں:

"وإني أجيز المولوی عبد الله بن مولانا محمد (الحسني) بن عبد العلي بن العلامة عبد الحي الحسني صاحب نزهة الخواطر وأوصي نفسي والآخذين عني بتقوی الله جل ذكره، واتباع مرضاته ولزوم سنة خاتم أنبيائه وسيد أصفيائه صلی الله عليه وسلم في سائر الشئون وابتغاء وجه الله تعالیٰ والدار الآخرة في جميع ذلك، والحمد لله الذي بنعمته وفضله تتم الصالحات، صدرت هذه الإجازة من العبد الفقير الیٰ الله تعالیٰ محمد يونس بن الحاج شبير احمد بن شير علي الجونفوري المظاهري في السادس والعشرين من ذي الحجة سنة ١٤٣٢هـ بالمدينة المنورة قريبا من المسجد النبوي."

اس کے علاوہ اور کن مشائخ حدیث سے آپ کو اجازت حاصل ہوئی، اس کا راقم کو علم نہیں۔ البتہ حدیث کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالستار اعظمی معروفی، مولانا ضیاء الحسن اعظمی ندوی، مولانا وجیہ الدین صدیقی اور مولانا ناصر علی ندوی رحمہم اللہ اور مولانا برہان الدین سنبھلی زید مجدہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شروع سے آپ پر خصوصی شفقت تھی، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی خدمت میں ان کے مکان پر جا کر صحیح البخاری شریف کے بعض اجزا پڑھے، اس میں آپ کے رفقاء میں مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی

حال نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا ڈاکٹر عبدالمجید آسامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا حیدر علی نیپالی ندوی بھی ان کے درس میں اپنی شرکت کا ذکر کرتے ہیں، لیکن ان کی شرکت اس ترتیب سے نہیں جیسی ان تینوں کی تھی، جنھیں حضرت مولانا نعمانی نے بخاری کی اہم شروحات فتح الباری، عمدۃ القاری، اور ارشاد الساری کے مطالعہ کو الگ الگ تینوں کے ذمہ کیا تھا اور یہ تینوں اس کے التزام کے ساتھ حاضر درس ہوتے تھے۔

آخر میں ان کو یہ سعادت اور عزت حاصل ہوئی کہ صحیح بخاری شریف کی تلاوت اپنے جد مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سامنے شروع کی، حضرت سنتے اور بعض جگہ کچھ فرماتے بھی، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا کا یہ معمول تھا اپنے ابتدائی خالی گھنٹہ میں حاضر خدمت ہوجاتے، حضرت مولانا نے بخاری شریف حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے دارالعلوم دیوبند میں اور حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پڑھی تھی، اس طرح حدیث شریف میں ان دونوں شیخ جلیل کے وہ ایک عظیم شخصیت کے واسطہ سے شاگرد ہوئے اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے تلمذ کے توسط سے علامہ ہند امام انور شاہ کشمیری کے بھی شاگرد ہوئے، جن کا تدریس حدیث شریف میں طوطی بول رہا تھا۔

اساتذہ کا ادب اور ایک استاد کی شہادت

مولانا ڈاکٹر ہارون رشید صاحب صدیقی معاون ناظر تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا سید عبداللہ حسنی کی مکتب سے ثانویہ کی تعلیم کے حال کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''مولانا عبداللہ میاں کے بچپن کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے، میں ابتداء مرکز تبلیغ واصلاح کے مکتب میں مدرس مقرر ہوا تھا، پھر مدرسہ ثانویہ ندوۃ العلماء اسی دوران میں منتقل ہوا، حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے ایماء پر ۱۹۶۲ء سے شام کے وقت

روزانہ دو گھنٹے ان کے مکتبۂ اسلام جو ماہنامہ "رضوان" کا دفتر بھی تھا، میں خدمت انجام دیتا تھا، یہ سلسلہ ۱۶ سال ۱۹۷۸ء تک چلتا رہا۔(۱) اس لئے مولانا عبداللہ جو اس وقت چھوٹے تھے، تقریباً روزانہ ان سے ملاقات ہوتی تھی، وہ عموماً میرے پاس آکر بیٹھ جاتے اور کچھ پڑھتے تھے، مولانا عبداللہ میاں کی ابتدائی تعلیم متوسطہ تک میری ہی نگرانی میں ہوئی ہے، جب ان کی عربی شروع ہوئی تو انہوں نے اصرار کیا کہ میں گھر پر آپ سے ہی عربی بھی پڑھوں گا، جب کہ میں عربی سے نابلد تھا، میں نے کوشش کر کے ایک ندوی کو ٹیوٹر کے طور پر مقرر کر کے پیچھا چھڑایا، دارالعلوم کا مدرسہ ثانویہ (جواب معہد دارالعلوم کہلاتا ہے) کی تعلیم تک عربی کے سوا تمام مضامین اردو، ہندی حساب وغیرہ عبداللہ میاں کو میں نے ہی پڑھایا، اس لئے ان کا بچپن بہت قریب سے دیکھنے کو ملا، اس دور کے لئے اگر میں قسم کھاؤں کہ میں نے کبھی عبداللہ میاں کو ٹھٹھا مار کر ہنستے نہیں دیکھا، کبھی کسی بچہ سے لڑتے نہیں دیکھا تو میں حانث نہ ہوں گا۔

مدرسہ ثانویہ کی تعلیم مکمل کر کے ہمارے مولانا عبداللہ میاں دارالعلوم کے درجات میں داخل ہوئے، عالم ہوئے، فاضل ہوئے، پھر وہ سارے کام سنبھالے جوان کے لئے مقدر تھے، جن کا اشارہ اوپر کیا جاچکا ہے۔عموماً لوگ جب علم وفضل اور منصب میں بلند ہوجاتے ہیں تو اپنی ابتدائی تعلیم کے اساتذہ کو بھول جاتے ہیں، ہمارے مولانا عبداللہ میاں میں یہ بات نہ

(۱) بسم اللہ سے تکمیل فضیلت کی یہ پوری مدت مولانا عبداللہ حسنی کی تعلیم کی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب کی شہادت سے بڑھ کر اور کسی کی شہادت نہیں ہوسکتی۔محمود

تھی، وہ اپنی ابتدائی تعلیم کے اساتذہ کی ایسی ہی عزت کرتے
جیسے اپنی اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ کی۔(۱)

ایک دوسرے استاد مولانا شمس الحق ندوی ایڈیٹر ''تعمیر حیات'' کا اعتراف ہے:

''اول اول نگاہوں میں ایک دبلے پتلے، سنجیدہ، خاموش طبیعت، آنکھوں پر عینک لگائے دس بارہ سال کے طالب علم کی تصویر گردش کر رہی ہے، جو وقار وتمکنت، خاندانی شرافت ونجابت کے ساتھ مخدوم زادہ ہونے کے سبب بہت عزیز تھا، کیا خبر تھی کہ یہ معصوم وہونہار طالب علم خاندانی روایت کے مطابق دعوت واصلاح کے میدان میں بام عروج پر پہنچ کر اس طرح داغ فراق دے جائے گا، کہ دل کی تڑپ وبے کلی یہ کہنے پر مجبور کرے گی کہ:

جب نام تیرا لیجئے تب چشم بھر آئے
اس طرح جینے کو کہاں سے جگر آئے''(۱)

ڈاکٹر مولانا ہارون رشید صاحب نے ایک اہم بات لکھی نہیں مگر مجھ سے بتائی کہ ان کو لحاظ اس درجہ کا رہتا تھا کہ تعلیمی سال شروع ہونے پر کتابیں شروع کرنے سے پہلے آکر ملاقات کرتے پھر تدریسی سال کا آغاز کرتے۔

مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری دام مجدہ آپ کی سعادت مندی اور صلاح وصلاحیت اور رشد کے آثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ادب واحترام کے ساتھ درجہ میں بیٹھے اور اساتذہ کا ہمیشہ بڑا پاس ولحاظ رکھا، کسی سے کبھی لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھے گئے، کتابیں خود ساتھ لاتے، اور گھر سے جو امین آباد میں گوئن روڈ میں تبلیغی مرکز کے پاس واقع تھا پیدل چل کر آتے، عینک اسی وقت سے

(۱) تعمیر حیات، ۲۵/فروری ۲۰۱۳ء

لگ گئی تھی، یہ ان کی خصوصی پہچان تھی، اس لئے کہ اور طلباء بغیر عینک کے تھے، اس طرح وہ کمزوری صحت کے باوجود محنتی اور جفاکش تھے۔

مشائخ عصر کی خدمت میں

مشائخ عصر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کی شفقتوں وعنایات کا حال پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے، ایک بزرگ شخصیت محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق حقی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے، جن سے تعلق اسی زمانہ سے ہوگیا تھا جب حضرت محی السنۃ حضرت پرتاپ گڑھی کی خدمت میں الہ آباد تشریف لائے، حضرت پرتاپ گڑھی آپ کو وعظ کے لئے کہتے، حضرت محی السنۃ کی خدمت میں ہردوئی حاضر ہونے کا مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے معمول بنالیا اور جب بھی حضرت محی السنۃ کی لکھنؤ تشریف آوری ہوتی وہ اس تشریف آوری سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے، حضرت کے انتقال پر عربی جریدہ الرائد میں جس کے وہ مدیرالتحریر تھے لہذا ایک تأثراتی مضمون میں تحریر کیا جو توازن واعتدال کا بہترین نمونہ ہے۔ حضرت کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ اور حضرت کے دیرینہ رفیق وشریک کار حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے سفر کرتے۔

بقیۃ السلف حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر خاص توجہ وعنایت رہی۔ انہوں نے بعض سفروں میں انہیں ساتھ رکھا، ایک سفر جس کا وہ خود بڑا تذکرہ فرماتے تھے، اس میں حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور بھی تھے، حضرت کے مجاہدۂ ومشقت اور دین وملت کے لئے تڑپ کا اور للّٰہی وربانی صفات کا جو جو انہوں نے سفر میں محسوس کیں ان کا ذکر فرماتے۔

جہاں تک ان کے خاندانی ودینی سرپرست اور شیخ صحبت حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی حسنی ندوی کا تعلق ہے، تو حضرت کو آپ سے بڑی محبت تھی اور آپ پر بڑی عنایت وتوجہ تھی، جوان کے بچپن سے جوانی تک ہر ہر موقع پر ظاہر ہوتی رہی، اس طرح بھی ظاہر ہوتی کہ کوئی چیز خود کھائی اور پھر ان کو شریک فرمالیا، کوئی چیز پی اور پی کر ان کو پینے کو دے دی، ان کی طرف نظر عنایت فرمار ہے ہوتے اور جب یہ حضرت کو دیکھنے لگتے تو حضرت اپنی مشغولیت دوسری طرف کر لیتے۔ ندوہ کے دارالعلوم میں استاذ ہوئے تو حضرت نے تنخواہ لینے سے منع فرمایا اور بعد میں ایک طویل عرصہ گذر جانے کے بعد حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی اور مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے تنخواہ دیے جانے کی بات شوریٰ میں رکھی تو حضرت نے پھر منع نہ فرمایا، مگر خود انہیں یہ فکر طاری رہی کہ کوئی اور ذریعہ نکل آئے تو اس ذریعہ کو بند کردیں۔ قطر میں عالمی سیرت کانفرنس میں اور سعودی عرب حضرت انہیں اپنے ساتھ لے گئے، اور ہندوستان کے سفروں میں خوب ساتھ رکھا، اپنے متوسلین کو ان سے تعلق رکھنے کو فرمانے لگے، گویا مجاز صحبت بہت پہلے سے کیا اور پھر انتقال سے دو ہفتہ قبل باقاعدہ بیعت کرنے کو کہا اور اجازت بیعت وارشاد دینے کے بعد مجھ سے فرمایا: عبداللہ کو ہم نے اجازت دی ہے اور وہ اس کے اہل ہیں۔ بڑے انشراح اور بشاشت سے بات فرمائی، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے مومن کے اخلاق وصفات بیان کرتے ہوئے کہا ہے "ان اَحسن استبشر وان اساء استغفر" مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ عمل کرنے کے بعد دو کیفیت میں کوئی ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، بشاشت کی یا انقباض کی، اچھے عمل کا اثر شکر کی حالت پیدا کراتا ہے اور انقباض کی کیفیت استغفار پیدا کرتی ہے۔

خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو انشراح وبشاشت کی یہ کیفیت بتائی تو انہیں حد درجہ خوشی ہوئی، لیکن یہ خوشی اس احساس کے ساتھ تھی کہ وہ خود اپنے کو ذرا بھی اس کا اہل نہیں سمجھتے بلکہ یہی نہیں ان کو اور جو تعلیمی، دعوتی، اور زبان وقلم کی صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں ان کا بھی اپنے کو اہل نہیں سمجھتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ ایک دعا کا ہم

نے ہمیشہ اہتمام کیا ہے کہ اے اللہ ہمیں بلا استحقاق عطا فرمایا، یہ بس اللہ کا فضل ہے وہ اپنے فضل سے دے رہا ہے، جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا سانحہ ارتحال پیش آ گیا تو انہوں نے جمعہ میں اس کے چند لمحات کے بعد اپنے کو سنبھال کر جو خطاب کیا وہ ان کے ایمان واستقامت اور تعلق مع اللہ کا وہ روشن عمل تھا جس کی نظیر کم ملتی ہے، ان کا تعلق حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے عصبہ کا تھا، یہ اور ان کے دونوں بھائی ان کے وارث ہوتے تھے، فوراً حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو اپنا اور اپنے تمام خاندان کا بڑا اور سرپرست مان کر ان سے نماز جنازہ پڑھانے کو کہا۔ اور پھر اپنی تمام زندگی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو اپنا سرپرست مان کر ان کے مشوروں سے کاموں کو آگے بڑھایا اور برابر ان کو اس کی فکر دامن گیر رہی کہ حضرت ان کو جو مشورہ دے رہے ہیں اس میں ان کا انشراح بھی ہونا چاہئے، ان کو انشراح کی بڑی فکر رہتی تھی، اور اسی طرح ان کو اپنے دوسرے چچا حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا بھی خیال رہتا اور ان کی بھی رہنمائی حاصل کرتے۔

خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو اور جن اصحاب قلوب اور اصحاب علم ومعرفت کی توجہات حاصل ہوئیں ان میں پشاور کے معروف بزرگ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی بھی ہیں جنہوں نے اپنے سفر لکھنؤ میں ان کو دیکھ کر ایسے جملے ارشاد فرمائے تھے جس سے آگے چل کر بڑے کام انجام دینے کا اشارہ ملتا تھا، اور آپ پر انہوں نے بڑی توجہ وشفقت فرمائی تھی۔

گنگوہ میں حکیم عبدالرشید نھو میاں جو شیخ الشیوخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے پوتے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مجاز صحبت تھے نے آپ کے ساتھ تو بڑی تکریم واعزاز کا معاملہ فرمایا، جب وہ اپنے سفر گنگوہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ تفسیر مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی بھی ساتھ تھے، انہوں نے حضرت حکیم صاحب نھو میاں سے ان

کا تعارف کرایا، خال معظم رحمۃ اللہ علیہ اس کو اپنے بزرگان خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا عبدالحی حسنیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نسبت کا اثر خیال فرماتے تھے۔ سلسلہ تھانوی کے معروف اور صاحب نسبت بزرگ حضرت صوفی سید عبدالرب صاحب جب رائے بریلی تشریف لائے مولانا عبداللہ حسنی صاحب اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں طالب علم تھے، لیکن اس موقع پر رائے بریلی میں موجود تھے، برابر ساتھ تھے، حضرت صوفی صاحب کو ان سے خاص مناسبت ہوگئی تھی فرمایا، عبداللہ کو مجھ سے مناسبت ہے، حضرت رائے پوریؒ کے خلیفہ حضرت صوفی انعام اللہ لکھنویؒ بھی آپ کی باطنی استعداد کے بڑے قائل تھے۔

خال معظم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا بڑا شوق شروع سے رہا، اور جس صاحب دل بزرگ کا پتہ چل جاتا اس کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا۔ اور یہی نہیں وہ جہاں کہیں جاتے بزرگوں کا حال معلوم کرتے اور پوچھتے یہاں کوئی ایسا شخص تو نہیں جس کا حال لوگوں سے مخفی ہو اور وہ اللہ والا ہو۔ چنانچہ سفر دیوبند میں ان کو ایک ایسے بزرگ کا پتہ چلا کہ وہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے لوگوں میں ہیں، ان کے خلیفہ ہیں، اور لوگوں سے اختلاط نہیں رکھتے، بس قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، وہ لوگوں سے ملتے جلتے نہیں ہیں، لیکن حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نسبت سے ان کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے آپ کا بڑا خیال فرمایا۔(۱)

خانقاہ رائے پور کے مشائخ بھی آپ کا بڑا خیال فرماتے، حضرت مولانا

---

(۱) یہ بزرگ مولانا محمود صاحب تھے جو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے سالہا سال کے خدمت گزار رہے اور خلیفہ بھی تھے، دیوبند میں اس دن وفات پائی جس دن امام حرم مکی شیخ عبدالرحمٰن السدیس دیوبند تشریف لائے تھے اور نماز جمعہ پڑھائی اور خطبہ دیا تھا اور لاکھوں لاکھ لوگ جمع تھے اس موقع پر دیوبند کی مسجد رشید کے میناروں سے ان کی خبر وفات ودعائے مغفرت کی ندا بلند ہوئی گو انتظامی دشواری کی وجہ سے نماز جنازہ مؤخر ہوئی۔

مفتی عبدالقیوم رائے پوری، حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری وغیرہ اسی طرح سہارنپور میں حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی، حضرت مولانا محمد یونس جونپوری، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اجراروی سے وہ اپنے سہارنپور اور اس کے اطراف سفر میں ہوتے تو ضرور نیاز حاصل کرتے اور دعائیں لیتے۔ اور آخر میں کاندھلہ کے تین اہم سفر یادگار اسلاف حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم کی خدمت میں کیے اور کچھ دن رہ کر قیام کیا۔ اس موقع پر حضرت کی بڑی توجہ ان کو حاصل ہوئی، اور حضرت سے محبت وعقیدت کا تعلق بڑھا۔ آخر میں جب وہ بہت بیمار ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس بیماری میں مولانا نے تقرب الی اللہ کے بڑے مقامات طے کیے ہیں، اور تیمارداروں سے کہا کہ آپ ان کی خدمت کر کے یہ مقامات حاصل کیجئے۔

دہلی کے سفروں میں جب تک حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حیات رہے، ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بعد میں بھی نظام الدین مرکز سے اپنے روابط قائم رکھے، لکھنؤ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کے مواقع بہت ملے اور جب حضرت مولانا نعمانیؒ کے اعذار بڑھ گئے جس کی وجہ سے ان کا باہر آنا کم ہوتا، اور دینی پروگراموں میں بھی شرکت نہ ہو پاتی تو حضرت مولانا نعمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ایک بار راقم الحروف کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے، حضرت مولانا پر ان کو دیکھتے ہی خاص کیفیت طاری ہوگئی، اور آواز بھرّا گئی، خال معظم نے دعا کے لئے کہا حضرت مولانا نعمانی نے فرمایا، اس دعا کو ہم نے اپنے معمول میں بنالیا ہے، "اللھم اغفرلی ولوالدیّ ولکل من له علی حق"۔

اس میں یہ اشارہ تھا کہ آپ کے لئے دعا کیوں نہیں کریں گے، آپ کا تو ہم پر حق ہے، پھر حضرت مولانا نعمانیؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور گریہ طاری رہا۔ مشہور شیخ طریقت وربانی عالم حضرت مولانا عبدالرحیم مجددی جے پوری کی عنایت بھی

آپ پر بہت رہی اور ان کی آپ پر شفقت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ سفر وحضر میں آپ کو اپنے ساتھ رکھیں اور آپ کی ظاہری وباطنی صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہونچائیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو اللہ نے جو محبوبیت ومقبولیت عطا فرمائی اس میں وہ اپنی نفی کرتے ہوئے محض اللہ کا فضل قرار دیتے تھے اور ظاہری اسباب میں والد کا اخلاص، بھائی صاحب کی تربیت اور والدہ کی دعاؤں اور مشائخ کی توجہات کا ذکر فرماتے۔ خال معظم رحمۃ اللہ کو بھی مشائخ کی توجہ اور دوسروں کی دعاؤں کی بڑی فکر رہتی، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی عجب وکبر سے بچ جاتا ہے۔ تربیت ان کو اپنے والد کی خوب اور پھر ان کے چچا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی اچھی طرح ملی، اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا موقع اللہ نے خوب دیا اور ان کی خوب دعائیں حاصل کیں۔

معمولات

ایک بار راقم الحروف نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے تنہائی میں یہ بات دریافت کی ابا جان! روحانی ترقی کن باتوں سے زیادہ ہوتی ہے، تھوڑے توقف سے فرمایا، ذکر وعبادت، اخلاص واستقامت کے ساتھ ہو، اور دعوتی کام ایمان واحتساب کے ساتھ ہو۔ خال معظم رحمۃ اللہ نے ان دونوں اعمال کو پوری توجہ واستقامت سے اختیار کیا اور اصلاح وتربیت کے کام کا جو میدان ملا اس میں انہوں نے اس سے کام لیا کہ اللہ کے خاطر دوسروں کے لئے اپنے کو وقف کردیں، جو جب آجائے اس کے لئے در کھلا رہتا، دکھ درد سنتے اور دوا تجویز کرتے، ایک آتا اپنی بات کہہ کر جاتا، دوسرا تیار رہتا، صبح سے سلسلہ شروع ہوجاتا نماز سے فارغ ہوتے کوئی نہ کوئی اپنا حال لئے کھڑا رہتا اور ساتھ ہولیتا، ناشتہ اور کھانے میں بھی لوگوں کو شریک کرلیتے، ندوہ کے اوقات میں تعلیمی گھنٹوں میں طلباء کی تعلیم وتربیت کا کام اور گھنٹوں

کے علاوہ دفتر میں دعوت اور اصلاح وتربیت کی غرض سے آنے والے اپنا کام لے کر حاضر ہو جاتے۔ الرائد کے مدیر التحریر تھے اس کے لئے مضمون لکھنا، اور ہدایات دینا، مجلسی افادات کے ساتھ پروگرام میں تقریر کے لئے جانا، اور عصر بعد گھر کے باہری حصہ میں خاتون منزل کا وہ کمرہ جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے لئے خاص تھا، مجلس ہوتی، جس میں شہر کے لوگ اور ندوہ کے احباب طلبا اور بعض اساتذہ آتے، کتاب پڑھی جاتی اور آپ کچھ ارشاد فرماتے، حاضرین مجلس بڑا نفع محسوس کرتے اور آپ سے اصلاحی تعلق قائم کر کے تعلق مع اللہ کی سوغات لیتے، ظہر بعد قیلولہ کا معمول اتنا ہی تھا جتنا سنت سے ثابت ہے۔ رات میں بھی اتنا ہی سوتے کہ رات کا آخری حصہ متاثر نہ ہو، یہ حصہ دعا مناجات ذکر ونماز کا ہوتا، ذکر کے دوران اشعار بھی شوق پیدا کرنے واے اور اللہ سے محبت پڑھانے والے پڑھتے، رات میں کیفیت سے کیے گئے یہ اعمال دن میں تازگی بخشتے اور حوصلہ بڑھاتے، غیر مسلموں میں دعوت کے کام کا جذبہ ساری فکروں پر غالب تھا، اور عالمی سطح پر اسلام کے تعارف کی فکر آپ کو بے چین کیے ہوئے تھے اور آپ نے چین، آسٹریلیا کے لیے افراد تیار کر کے بھیج دیئے تھے، جنوبی افریقہ کے لئے بھی افراد تیار کر رہے تھے۔

یورپ سے ان کو امیدیں کم تھیں اس کے باوجود یورپ کی فکر سے غافل نہ تھے، اور بعض تعلق والوں کے ذریعہ جنہیں یورپ میں قیام کے مواقع حاصل ہو گئے تھے، ان میں بھی پیغام حق پہنچائے جانے کے فکر مند اور کوشاں تھے، ایک بار ایک جماعت نے محلہ کی مسجد میں قیام کیا، جس کا تعلق مصر سے تھا اور وہ لوگ غیر مسلموں میں اسلام کا پیغام حق پہنچانے کا نہ صرف جذبہ رکھتے تھے بلکہ اپنی اس کوشش کا نتیجہ بھی دیکھ چکے تھے، جو مصر کے قریبی ایک افریقی ملک زمبابوے میں جو کام کیا تھا، مولانا نے ان سے گھر بلا کر بات سنی، اور پھر بات رکھی، اس طرح وہ کوئی ہی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے جس میں دعوتی فائدہ نظر آئے، اور حال ان کا یہی ہوتا "ان أجری الا علی رب العالمین"۔

﴿ تیسرا باب ﴾

ندوۃ العلماء سے وابستگی
تعلیم وتدریس اور اصلاح ودعوت

بحیثیت مدرس کے تقرر

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ ۱۹۷۷ء کے اواخر میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فضیلت فی الحدیث میں اختصاص کی تکمیل کے بعد جنوری ۱۹۷۸ء میں استاد مقرر ہو گئے، اسی ماہ آپ کے ساتھیوں میں مولانا محمد یعقوب ندوی اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی کا بھی تقرر رہوا۔

زیر تدریس کتابیں

آپ کے زیر درس جو کتابیں رہیں ان میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب قصص النبيين سے لے کر جو درجہ سوم عربی میں پڑھائی جاتی تھی عالمیت کے آخری سال میں بخاری شریف کے ابتدائی منتخب ابواب اور قرآن کریم کی ابتدائی دوسورتیں سورہ بقرہ، وسورہ آل عمران کی تفسیر، سنن امام ترمذی جلد دوم مکمل اور جلد اول کے منتخب ابواب بھی کئی سال پڑھائی، اور پھر فضیلت کے سال اول میں ارکان اربعہ جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی معرکۃ آراء کتاب ہے، اور

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی علم اسرار شریعت پر معرکۃ آراء تصنیف حجة الله البالغة زیر درس رہیں۔

مشکوۃ شریف بھی آپ نے ایک مدت تک پڑھائی، خود راقم الحروف کو آپ سے مشکوۃ المصابیح جلد اول کے آخری ابواب اور مشکوۃ شریف جلد ثانی کا اکثر حصہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس کے علاوہ عالمیت کے آخری سال میں راقم کے ساتھیوں نے سنن ترمذی میں کتاب الزکوۃ اور کتاب الصیام بھی پڑھی۔

مشکوۃ شریف کی تدریس میں آپ کے زیر مطالعہ اس کی اہم شروحات حضرت ملا علی قاریؒ کی مرقلة المفاتيح ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی التعليق الصبيح اور حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کی مرعاة المفاتيح رہتی تھیں، اور صحیح بخاری کی تدریس میں امام ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح البارى ، اور جامع ترمذی کی تدریس میں علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تحفۃ الاحوذی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے علمی افادات پر مشتمل کتاب الكوكب الدرى، اور علامہ محمد یوسف بنوری کی معارف السنن زیر مطالعہ رہیں اور سنن ترمذی کی کتاب الزکوۃ کے درس کے زمانہ میں علامہ یوسف القرضاوی کی فقہ الزکوۃ کا بھی اہتمام سے مطالعہ فرماتے، علامہ قرضاوی کی بعض آراء سے اختلاف کرتے ہوئے ان کے تبحر علمی کے بڑے قائل تھے۔ اردو شروحات میں سنن ترمذی کے مطالعہ میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی درس ترمذی اور صحیح بخاری کی تدریس میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی فضل البارى بھی مطالعہ میں رکھتے، نواب قطب الدین دہلوی کی مظاہر حق شرح مشکوۃ المصابیح کے بھی بڑے معترف اور قدرداں تھے۔

قرآن مجید کی تفسیر میں انھیں عربی میں علامہ ابن عاشور کی التحرير و التنوير بہت پسند تھی اور وہ اس کو مطالعہ میں رکھتے تھے، اردو تفاسیر میں وہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی معارف القرآن، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کی

معارف القرآن ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر ماجدی کو اہمیت دیتے تھے، اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن کو بھی ضروری قرار دیتے تھے۔ ان کے علاوہ جن کتابوں کے مطالعہ کا وہ اہتمام رکھتے جن سے تدریس وتقریر اور افادہ کے دوسرے طریقوں میں مدد لیتے اور علم میں رسوخ بڑھاتے تھے، ان میں حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی کی حدیث وسنت پر لاجواب کتاب ترجمان السنۃ کے مطالعہ کا خصوصی اہتمام تھا اور دوسروں کو بھی اس کے مطالعہ کا مشورہ دیتے تھے۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی، خطبات مدراس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تاریخ دعوت وعزیمت، اور نبی رحمت، منصب نبوت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مواعظ وملفوظات کا خود مطالعہ کرتے اور دوسروں کو ترغیب دیتے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات کا مطالعہ اور حضرت سید احمد شہید کی صراط مستقیم حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید کی منصب امامت، تقویۃ الایمان کے مطالعہ کو بھی ضروری قرار دیتے تھے، دین کے لیے قربانی پیش کرنے کا حوصلہ پیدا کرانے کے لیے حضرت سید احمد شہید پر قصصی اسلوب میں لکھی گئی کتاب وقائع احمدی سے واقعات بھی سناتے اس کتاب کا آپ نے بڑے اہتمام سے مطالعہ کیا تھا جب کہ غیر مطبوعہ تھی، اور اب انہی کی ترغیب وتشویق سے منظر عام پر آچکی ہے۔

حجۃ اللہ البالغۃ کی تدریس میں اپنے متنوع اور وسیع مطالعہ سے کام لیتے اور اس میں آپ کا انداز تدریس لگا بندھا نہ ہوتا، مصنف کی منشاء، زمانہ کے حالات اور طلباء کے مزاج کو سامنے رکھ کر وہ بات کرتے جو حسب حال اور الہامی ہوتی، بغیر مطالعہ کے درس نہ دیتے چونکہ حجۃ اللہ البالغہ کی کوئی شرح سامنے نہ آئی تھی، حضرت مولانا سعید احمد

پالن پوری کی رحمۃ اللہ الواسعۃ کو سامنے رکھتے، بہت سے مقامات پر انہیں شارح سے اختلاف ہوتا اور ایک متبحر مدرس کا یہ حق بھی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی "الأرکان الأربعۃ" کے وہ بہت قائل تھے، اور یہی نہیں اس کتاب کے اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم ومحدث حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی اس قدر معترف تھے کہ ایک موقع پر فرمایا کہ اگر میری جوانی ہوتی تو میں اس کو پڑھاتا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا بھی پورا حق ادا کیا۔

شخصیت کی تشکیل میں مولانا تین شخصیات کے مطالعہ کا خاص طور سے مشورہ دیتے اور فرماتے تھے کہ یہ تین شخصیتیں نہ ہوتیں تو ہندوستان اور برصغیر میں اسلام صحیح طور پر باقی نہ رہ پاتا، اور بدعات وخرافات بہت داخل ہو جاتیں، اور وہ اسلام کا حصہ سمجھی جانے لگتیں، ایک حضرت مجدد الف ثانی امام احمد سرہندی، دوسرے امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید اور تیسری شخصیت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔

اس طرح تصنیفات کے مطالعہ میں وہ پانچ شخصیتوں کی تصنیفات کے مطالعہ کا خاص طور پر مشورہ دیتے، فرماتے دو دیوبند کی ہیں اور تین ندوہ کی۔

۱- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔
۲- حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔
۳- حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ۔
۴- حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ۔
۵- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ۔

ان کے نزدیک ان کی کتابیں خواص اور علماء واساتذہ اور دانشوروں کے لیے ضروری اور علم دین میں رسوخ کے ساتھ فکری بلندی اور بالغ نظری پیدا کرنے کے لیے ضروری ہیں، اصلاحی فائدہ اور عام مطالعہ کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی فضائل اعمال، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کی معارف القرآن

اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتابوں میں معارف الحدیث اور اسلام کیا ہے؟ سیرت کی کتابوں میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی ''النبی الخاتم'' اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی ''خطبات مدراس'' حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ''کاروان مدینہ''، ''نبی رحمت'' ''منصب نبوت'' مولانا عبدالماجد دریابادی کی ''ذکر رسول'' کے بھی مطالعہ کا مشورہ دیتے، اور آخر میں جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی سیرت پر معرکۃ الآراء کتاب ''رہبر انسانیت'' اور قرآن کریم پر کتاب ''قرآن مجید انسانیت کی ایک رہبر کامل کتاب'' سامنے آئی تھی تو اس کے عام کرنے کی بھی ان کو بڑی فکر ہوئی، وہ قرآن مجید اور سیرت نبوی کو انسانی سیرت سازی اور مثالی شخصیت کی تشکیل اور صالح انسانی زندگی کی فکر میں سب سے مؤثر اور رہنما ذریعہ سمجھتے تھے کہ ایک رب العالمین کا فرمان وقال ہے اور دوسرا ذریعہ محبوب رب العالمین کا حال وکردار ہے، ہر شخص کی کتاب پڑھنے مے روکتے تھے، اس لئے کہ یہ چیز انتشار ذہنی کا باعث ہوتی ہے۔ اور انسان کے فکر وحال کا اثر کتاب پر ضرور ظاہر ہوتا ہے اور قلب کی چھاپ اس کی تحریر پر پڑتی ہے۔ اس لئے صاحب تقویٰ اہل علم کی کتابیں مطالعہ میں رہنی چاہئے، فرماتے: پتہ نہیں کس کس مقصد سے لوگ کتابیں تصنیف کر رہے ہیں اور مضمون نگاری کر رہے ہیں، جب نیت اور مقصد ہی صحیح نہیں تو مقصود کیا صحیح ہوگا، حجۃ اللہ البالغۃ کے درس میں اس کتاب کی اہمیت وافادیت اور تاثیر کو بتاتے ہوئے فرمایا کہ ''پہلے لوگ ایک کتاب لکھتے تھے، لیکن وہ کتاب لاکھوں کو فائدہ پہونچاتی تھی، لیکن اب حال یہ ہے کہ لاکھوں کتابیں لکھی جاتی ہیں، لیکن ایک کو بھی فائدہ نہیں پہونچتا، پہلے سو صفحے پڑھتے تھے پھر ایک صفحہ لکھتے تھے اور اب ایک صفحہ پڑھ کر سو صفحے لکھتے ہیں، آج پڑھے کم، لکھے زیادہ ہیں۔'' اسی طرح مطالعہ وتحقیق اور فکر کے کام پر نئی نئی بے سروپا باتیں پیش کرنے والوں کے متعلق فرماتے کہ:

''آج محققین اور مفکرین نہیں ہیں بلکہ محققین اور متفکرین ہیں''۔

حجۃ اللہ البالغۃ کے درس کی چند مثالیں

مولانا رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ اپنی عمر اور زمانہ تدریس کے آخری چند سالوں میں پڑھائی، اور اس کے ذریعہ جہاں بڑے علمی عقدے حل کئے، وہیں اس سے اصلاح وتربیت اور شخصیت سازی کا بھی کام لیا، ان کے درس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت شاہ صاحب نے عقل کلی کا تذکرہ کیا ہے، مولانا نے حضرت مولانا علی میاں ندوی کے حوالہ سے فرمایا کہ عقل کی چار قسمیں ہیں۔

۱- عقل لسانی، عقل ذہنی، عقل قلبی، عقل روحی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا کہ عقل لسانی سب سے زیادہ متاثر کرنے والی ہے، اندر کچھ نہیں لیکن بات سے متاثر کرنا ہے۔

عقل ذہنی: بہت دور کی کوڑی لاکر دوسروں کو متاثر کرنا ہے، یہ بھی گھٹیا چیز ہے۔

عقل قلبی: اتنی لطیف ہوتی ہے کہ مشاہدہ سے نوعیت کا ادراک کرے، یہ قیافہ شناسی کی عقل ہوتی ہے، جیسے بغیر کسی سے بتائے خاندان کا پتہ لگالے، اور مزاج کا ادراک کرے۔

عقل روحی: سب سے اونچی اور آخری درجہ کی عقل ہے، جس کو عقل روحی حاصل ہوتی ہے، وہ کھانے کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ پاکیزہ ہے یا غیر پاکیزہ، حلال ہے یا حرام، اور ایسے لوگ گزرے ہیں کہ جنہوں نے کھانے کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کو روک لیا، حرام کھانے میں بدبو آتی ہے اور یہ چیز مشق سے حاصل ہوتی ہے، سونگھ کر جاننے کا معاملہ عقل قلبی سے تعلق رکھتا ہے، لیکن عقل روحی میں بغیر سونگھے جان لیا جاتا ہے، عقل روحی روح کی لطافت و پاکیزگی سے محسوسات کے ادراک کا کام ہے، اور یہ سبھی اقسام عقلی سے اعلیٰ وافضل ہے۔

درمیان درمیان میں بعض اصطلاحات کی بڑی بلیغ تعریف کرتے، جیسے روح

ربانی کے تعلق سے فرمایا اس کونفس ناطقہ بھی کہتے ہیں، یعنی جذبات پر عقل کو غالب رکھے اور عقل پر شریعت کو غالب رکھے یہ ہے صحیح تربیت۔ اور سعادت کے متعلق فرمایا کہ یہ حقیقۃ براہ راست روح ربانی کا فیض ہے۔

محبت سے اور اس سے آگے کے درجہ عشق پر یہ نکتہ بیان فرمایا کہ عشق مجازی عشق ہے ہی نہیں بلکہ یہ فسق ہے، عشق کبھی فنا نہیں ہوتا اس لئے یہ لافانی ہی سے ہوسکتا ہے، اور لافانی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، عشق مجازی میں کبھی کبھی مبتلا ہونا یہ شباب کی بات ہے، اور اس میں پھنس کے رہ جانا یہ نامردی کی بات ہے، انسان ہونے کے ناطے کبھی گناہ ہوجائے تو توبہ کرلے لیکن اس میں پھنس کے رہ جانا یہ نامردی کی بات ہے۔ سماحت کی اصطلاح شاہ صاحب نے استعمال کی ہے، مولانا نے اس کو بڑے دلنشیں انداز میں سمجھایا اور مثال دی کہ؛

حضرت ذوالنفس الزکیہ سے خلیفہ منصور عباسی نے جنگ کی اور کئی مرتبہ کی، ہر مرتبہ شکست کھائی، آخر پریشان ہوگیا کسی سے پوچھا کہ فتح کی کیا صورت ہے؟ تو ان بزرگ نے جواب دیا، انہی سے پوچھتے جن سے مقابلہ ہے۔ چنانچہ خلیفہ منصور عباسی نے خود ان سے پوچھا کہ مقابل پر غلبہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے، حضرت نفس زکیہ نے فتح وغلبہ کا طریقہ بتایا، پھر اس بتائے ہوئے طریقہ سے منصور نے فتح حاصل کی، یہ تاریخ کا انوکھا اور عجیب واقعہ ہے، یہ سماحت ہے جو حضرت ذوالنفس الزکیہ سے وابستہ تھی اور اس نے حضرت کو سچ کہنے پر مجبور کیا۔

اسی طرح اور واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ سماحت جس صفت سے جڑ جاتی ہے وہ صفت نکھر جاتی ہے، سماحت کا تعلق ہر صفت سے ہوسکتا ہے، اگر یہ سخاوت سے جڑ جائے تو سخاوت کو کمال درجہ تک پہونچادیتی ہے، اور اگر سماحت شہوت اور شرم گاہ سے وابستہ ہوگئی تو اس کو عفت وپاکدامنی کی انتہا تک پہونچادیتی ہے، اسی طرح اگر عقل ودماغ سے وابستہ ہوجائے تو یہ روحانی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے، اسی

طرح ہر صفت سے یہ وابستہ ہوسکتی ہے۔

حیاء کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ امتناع من القبیح کا نام حیاء ہے، قبیح کی بھی تین قسمیں ہیں، قبیح شرعی، قبیح عقلی، قبیح عرفی۔

قبیح شرعی پرعمل کرنے والا فاسق کہلائے گا۔

قبیح عقلی پرعمل کرنے والا پاگل کہلائے گا۔

قبیح عرفی پرعمل کرنے والا سنکی اور کھسکا ہوا کہلائے گا۔

قبیح عرفی کی مثال یہ دی کہ کوئی شریف یا کوئی عالم راستہ پر کھانا کھائے تو کھانا تو جائز ہے لیکن مروت کے خلاف ہے، یا کوئی دینی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرر ہا ہو اور لباس مغربی پہنے یا نماز میں ٹوپی نہ پہنے تو یہ جائز تو ہے لیکن ایسے شخص کو سنکی اور کھسکا ہوا کہیں گے۔

"إنہ کان ظلوماً جھولاً" پر فرمایا کہ اس آیت میں انسان کو ظلوماً جھولاً فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان عالم اور عادل ہوسکتا ہے، کہ جو جاہل اور ظالم ہوتا ہے تو گویا اس میں عالم اور عادل ہونے کی صلاحیت رکھی ہے، اس لئے وہ علم حاصل نہ کرکے جاہل ہوتا ہے، عدل نہ کرکے ظالم ہوتا ہے، یہ اس کا ذاتی قصور ہے۔(۱)

حجۃ اللہ البالغہ کے درس کی خصوصیت

مولانائے محترم کے ایک شاگرد مولوی عبدالہادی اعظمی ندوی بیان کرتے ہیں:

> ''مولانا بہت سہل انداز میں تشریح فرماتے اور بات کھول دیتے، مثالیں خوب بیان کرتے، اور واقعات بھی اسی ضمن میں خوب سناتے، اصلاحی اور تربیتی پہلو غالب رہتا، طلباء کے مستوی کا

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ کے یہ درسی افادات برادرم مولوی نعمان احمد ندوی ابن وقار احمد صاحب (نان گاؤں، امراؤتی، مہاراشٹر) کی کاپی سے نقل کیے گئے ہیں۔

خیال رکھتے ہوئے ہر پہلو کو واضح کرتے، اور کوئی موضوع جو اس سے متعلق ہوتا تشنہ نہ رہتا۔

صاحب کتاب حضرت شاہ صاحب کے بہت قائل تھے، اور ان کی آراء کو ترجیح دیتے تھے، ان کو حضرت شاہ صاحب کا یہ طریقہ بہت پسند تھا کہ انہوں نے مشکوۃ المصابیح کی ترتیب کو سامنے رکھ کر محض تشریحی انداز اختیار نہیں کیا بلکہ ان کا جو مقام اور ملت سے جو مطالبہ ہے اس کو عصر حاضر کے اسلوب میں پیش کیا، اور وہ اس میں اتنے کامیاب ہوئے کہ یہ ان کا تجدیدی کارنامہ قرار پایا ہے، اور ان کا یہ تجدیدی کارنامہ صرف ان کے عہد اور دور تک محدود نہ رہا بلکہ آگے کی صدیوں پر بھی اثر انداز ہوا۔"

"الأركان الاربعه" کے درس کی خصوصیت وامتیاز

مولوی ظفیر الاسلام ندوی میرٹھی بیان کرتے ہیں:

"الأركان الأربعة" میں کتاب الصلوٰۃ کا درس فضیلت اول میں مولانا نے دیا ان کا طریقہ یہ تھا کہ کتاب کی عبارت پڑھوا کر پھر اس پر روشنی ڈالتے چونکہ طلباء عالمیت کا مرحلہ طے کر چکے تھے اس لئے حل عبارت اور لغوی تشریح کی ضرورت نہ تھی اس لئے عبارت سے زیادہ اصل مضمون اور مقصد پر زور دیتے اور اسرار و حکم کو خوب واضح کرتے، اور ان ارکان اسلام کے سلسلہ میں امت جس غفلت کی شکار ہے اور جو لوگ بے اعتدالی اور گمراہی میں مبتلا ہوئے ہیں اس کے اسباب وعلل بیان فرماتے، اور فرق ضالہ ومضلہ اور فرق منحرفہ ومحرفہ پر سخت نکیر کرتے، اور بتاتے کہ کن اسباب ووجوہات کی وجہ سے وہ ہدایت سے دور ہوئے اور گمراہی

کے شکار ہوئے اور آج بھی ایک بڑی تعداد اسی گمراہی میں مبتلا ہے، اور کبھی بے اعتدالی اور غلو کی وجہ سے آدمی کو ایسی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں جس سے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے کو ان ارکان کا مکلف نہیں سمجھتا، اور اپنے کو اس سے بالاتر خیال کرنے لگتا ہے، وہ ان خطرات سے بھی خبردار کرتے۔"

درس تفسیر کی خصوصیت وامتیاز

مولوی عبدالہادی اعظمی ندوی بیان کرتے ہیں:

"درس تفسیر بہت آسان، سادہ اور دلنشیں اور عام فہم ہوتا، طلباء کی استعداد کا خاص خیال رکھتے، قرآن کی اصلاحی و تربیتی اور تذکیری پہلو پر زیادہ زور رہتا، اور آیات قرآنیہ کی عصر حاضر کی روشنی میں تشریح فرماتے، اور اس زمانہ میں ان سے کیا پیغام ملتا ہے اس کو واضح فرماتے اور اسی طرح آیات قرآنیہ کے ادبی اور بلاغی پہلو پر بھی خاص زور رہتا، مولانا تفسیر عثمانی کے بہت قائل تھے۔

آیات قرآنیہ کی تفسیر آسان مثالوں اور صحابہؓ کے واقعات کی روشنی میں فرماتے، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کے اقوال بھی نقل فرماتے، بہت زیادہ گہرائی میں طلباء کی سطح اور معیار کو دیکھتے ہوئے جانا پسند نہ کرتے بلکہ آیات قرآنیہ کے لب لباب اور مقصد و مطالبہ کو بیان کرتے اور اصلاح و تربیت کی طرف توجہ دلاتے، اور قرآن مجید سے تعلق پیدا کرنے اور مضبوط کرنے اور اس کی عظمت کو دھیان میں رکھ کر اور گناہوں سے بچتے ہوئے استفادہ کی طرف متوجہ کرتے، کہ دل کی پاکیزگی سے دل پر قرآن خود کھلتا چلا جاتا ہے۔"

صحیح بخاری کے درس کی خصوصیت

مولوی عبدالہادی اعظمی بیان کرتے ہیں:

”استاذ محترم حضرت امام بخاری کی عظمت وجلالت شان اور علمی مقام ومرتبہ اور فقہی شان کے بھی بہت قائل اور مداح تھے، خصوصاً تراجم ابواب جو امام بخاریؒ نے قائم کیے ہیں اور ان کے ذریعہ جن پہلوؤں اور نکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے بھی بہت قائل تھے۔

درس آسان، سادہ اور دلنشیں ہوتا، طلباء کے معیار کا خاص خیال رکھتے، درس میں سب سے زیادہ زور اخلاص اور تربیت کے ساتھ محنت سے علم حاصل کرنے اور کمال پیدا کرنے پر ہوتا، سند پر زیادہ بحث نہ کرتے ہوئے اصل متن حدیث پر ہی گفتگو فرماتے، اور نکات کو گھول گھول کر بیان کرتے، اگر کسی کے ذہن میں کوئی بھی اشکال ہوتا، تو اس کو مثالوں کے ساتھ حل کرتے اور دور کرتے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کے درس بخاری سے مولانا اہم باتیں طلبہ کو بتاتے، اور وہ ان کے علمی مقام کے بہت قائل تھے۔ اس کے ساتھ علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیقات اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اقوال سے بھی طلباء کو محظوظ کرتے۔

مولوی سید محمد یوسف سلمان الحسینی نے اپنے عربی مضمون میں ان کے درس کی خصوصیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

”کان رحمه الله قد درّس کتب الحدیث والتفسیر خصیصاً ومشکوة المصابیح وسنن الترمذی بالأخص

وحجة الله البالغة وعرف بين طلّابه بلطائف المعارف والنكات العلمية الدقيقة فأحبوه وأعجبوا بأسلوبه الممتع المزوج بروح التزكية واليقين وأخلاق فاضلة حسنة مع تواضع جم، واخلاص أتم." (۱)

اور ایڈیٹر الداعی دارالعلوم دیوبند مولانا نورعالم امینی نے چند جملوں میں ان کے درس کی خصوصیات کو اس طرح پیش کیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

"عمل أستاذاً في دارالعلوم ندوةالعلماء على مدى أكثر من ثلاثين سنةوقام بتدريس تفسير القرآن الكريم والحديث النبوى ومايتعلق به من العلوم واستفاد منه الطلاب كثيراً لكونه آلا فامألوفا، سهل التلقين، لبق الأداء جميل الاعطاء، كثير العطف والرفق بتلامذته والمستفيدين منه." (۲)

تہذیب الاخلاق کا درس اور رمضان المبارک کے ایام

تہذیب الاخلاق حضرت مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی (متوفی ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۹۲۳ء) کا حدیث شریف کا وہ مجموعہ ہے جو ریاض الصالحین کے طرز پر توحید اخلاص وعبودیت، محبت واتباع رسول، اکرام مسلم، اور آپسی حقوق اور آداب زندگی اور اعمال قلوب اور آخر میں ادعیہ واذکار سے متعلق وہ حسین گلدستہ احادیث تیار کیا ہے جو بعض حیثیت سے انفرادی نوعیت رکھتا ہے۔ اس کو ان کے فرزند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنے تحقیق وتعلیق اور مقدمہ کے ساتھ شائع کرایا، اور پھر قطر حکومت نے بڑی تعداد میں تقسیم کرایا۔ ۱۴۰۳ھ یا ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۳-۱۹۸۴ء) کی بات ہوگی کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے

---

(۱) الرائد سنۃ ۵۴-العدد ۱۶-۱۷ (۲) ایضاً السنۃ: ۳۷ العدد: ۵

مصنف کے پرپوتے (ابن ابن الابن) حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی کو تاکید فرمائی کہ وہ اس کتاب کو سامنے رکھ کر درس حدیث کا رمضان المبارک میں وقت گزارنے والوں کے لیے اہتمام کریں، تعمیل حکم میں مولانا نے درس تو دینا شروع کیا لیکن طبیعت میں جو انکساری، اور تواضع تھی اس کے باعث مسجد کے ایک کونے میں جیسا کہ مجھے یاد پڑتا ہے دریا کی طرف والے باہری حصہ میں مولسری کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر درس دینا شروع کر دیا اور ایک دو ندوی طالب علم کو لے کر بس بیٹھ جاتے، مختصر تشریح اور اس میں اصلاحی وتربیتی انداز ہوتا۔ ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء کی بات جو یاد پڑتی ہے کہ میں اور برادر محترم مولانا خالد بیگ ندوی اور غالباً مولانا محمد اعجاز قطب ندوی اور کوئی ایک آدھ اور ورنہ ہم ہی دونوں ہوتے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ذرا بھی کمیت اور کثرت کی فکر نہ ہوتی، لیکن دھیرے دھیرے خوشبو پھیلتی گئی، اور درس میں شرکت کرنے والے بغیر کسی تحریک وتحریض کے بڑھتے چلے گئے، اور سال بہ سال معاملہ بڑھتا ہی گیا، اور آخری عشرہ میں تو غیر معمولی حال ہوتا، اور جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کے لیے دور دور سے خواص وعلماء اور داعی ومفکر اور اصحاب لوح وقلم حاضر ہوتے تو وہ اس درس میں بھی شریک ہوتے، اور بڑے متاثر ہوتے۔ مشہور محقق ومصنف مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی، اور مولانا عتیق احمد صاحب بستوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کو دیکھا کہ انہوں نے اس میں شرکت کے بعد اپنے گہرے تاثر کا اظہار ہم لوگوں کے درمیان اور خود صاحب درس سے بھی کیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے وکیل کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابھا اور مدیر بانگ حرا لکھنؤ مولانا علاء الدین ندوی اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پچھلی صدی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے سینہ کو اللہ نے شریعت کی حکمت اور دین کے اسرار اور رموز

سے لبالب بھر دیا تھا اور زبان وقلم کو اس کا ترجمان بنادیا تھا، پھر اس حکمت ودانائی کا عکس جمیل حضرت قاری محمد طیبؒ کی تقریر وتحریر میں نمایاں رہا، اور کچھ ایسا ہی رنگ (مجھ ناچیز کو) مولانا عبداللہ حسنیؒ کے حکیمانہ وعظ وارشاد اور نکتہ آفرینوں سے مملو درس وتدریس میں نظر آیا''(۱)

مولانا محمد اقبال ندوی فلاحی (استاد دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر) نے جن کا سالہا سال سے رائے بریلی میں رمضان المبارک کے کچھ ایام گزارنے کا معمول ہے ان کے درس کا امتیاز اس طرح راقم سے بیان کیا کہ:

''ادھر رائے بریلی تکیہ میں رمضان المبارک میں کئی سال ان کے درس حدیث اور بیانات سے مستفید ہوتا رہا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں ان کو تحریری وتقریری خوبیوں سے نوازا تھا وہاں زبردست تدریسی ملکہ سے ان کو مالا مال کیا تھا، رمضان المبارک میں ان کا درس حدیث اپنے اندر گوناگوں خوبیاں لیے ہوئے تھا، وہ بہترین ادیبانہ لیکن عام فہم انداز میں ہوتا جس سے عالم اور عامی بیک وقت محظوظ ہوتے، اور اگر چہ اس کا رنگ اصلاحی ہوتا لیکن خالص تحقیقی ٹھوس علمی نکات سے بھی پر ہوتا۔

مغربی تہذیب اور فکر کی خامیوں کو بیان کرتے ہوئے اس کے مقابلہ میں اسلامی تہذیب اور نقطۂ نظر کی محققانہ انداز میں برتری ثابت کرتے، اصلاح معاشرہ اور اصلاح رسوم پر زور دیتے۔''

خاص طور پر توحید، سنت اور محبت وسلوک اور صحبت وآداب زندگی میں مولانا ایسے نکات ولطائف سے محفل کو گرما دیتے کہ ایمانی حرارت اور جذبہ وولولہ پیدا ہوجاتا اور

---

(۱) بانگ حرا، مارچ ۲۰۱۳ء

توحید کے مسئلہ میں وہ اس طرح ہوتے کہ جیسے منجنیق ہوں اور کوئی ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے، ہر قسم کی بدعت اور شرک کے معمولی اثر کی بھی ایسی سخت نفی اور ایسی اس سے بیزاری ظاہر کرتے کہ شرک وبدعت کا نام آتے ہی آدمی کو متلی ہوجائے، خود ان کا یہی حال تھا وہ اس میں شمشیر براں بنے ہوئے تھے، محبت کے سلسلہ میں اللہ کی محبت کو اس طرح بیان کرتے کہ اس کی حلاوت سننے والے پالیتے اور اللہ کے علاوہ جس سے بھی محبت کی بات آتی وہ اللہ کے لئے آتی، اور اس میں رسول اللہ (ﷺ) کی محبت سب سے بڑھ کر رکھنے کو اس طرح بیان کرتے کہ کم از کم اس وقت سامع مجلس سے اس کیفیت کے ساتھ اٹھتا کہ سب محبتیں حب رسولؐ کے آگے ہیچ ہیں، اور اسی محبت رسول (ﷺ) کو ایسا بیان کرتے کہ اہل بیت رسول اور اصحاب رسولؐ سے بھی محبت ہو اور اسی توازن اور اعتدال کے ساتھ ہو جس کے یہ حضرات مستحق ہیں، اور ان میں اللہ کے یہاں جس کا جو مرتبہ ہے جیسے سابقین اولین اور ان میں بھی جو ان کے اکابر ہیں اور پھر درجہ بدرجہ دوسرے حضرات اسی طرح ذریت طیبہ جنہیں رسول اللہ (ﷺ) سے خونی رشتہ ہے جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا: فاطمة بضعة منی"(۱) اور ازواج مطہرات جنہیں رسول اللہ (ﷺ) کے لباس کی حیثیت حاصل ہے، "هن لباس لكم وأنتم لباس لهن"(۲) اور سبھی اہل ایمان کے لیے ان کا درجہ ماں کا اللہ نے رکھا ہے کہ "وأزواجه أمهاتكم"(۳) اور پھر ہر ایمان والا فرد اور مسلمان شخص کہ اس کی عزت وآبرو اور ناموس تکریم واعزاز کی مستحق ہے اور والدین اور ان کی نسبت سے سبھی اقارب واعزہ اور ان کے اہل تعلق اور پھر جو نیک لوگ ہیں ان کی صحبت وہم نشینی اور ہر چیز کے جو اصول وآداب ہیں ان کا خیال دھیان میں رکھ کر زندگی گزارنے مقامات قرب وولایت طے کراتا ہے۔ ایسے دلنشیں انداز میں ان حقائق کو بیان کرتے کہ دل میں ایک ایک بات اترتی جاتی، اور ایمان تازہ ہوتا جاتا۔ آخر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور

---

(۱) صحيح البخاري، رقم الحديث: ۳۵۱۰ (۲) البقرة: ۱۸۷ (۳) الأحزاب: ٦

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی بھی اپنے معتکف میں ہوتے ہوئے سنتے اور پھران کے درس کی تاثیراوراثر پذیری پر اپنا تاثر بھی بیان کرتے، اوران پراسے محض اللہ کا فضل خاص قرار دیتے، اور بعض دروس کو کتابی صورت میں لانے کی بھی تاکید کرتے، چنانچہ ''نیک صحبت کی ضرورت'' کا رسالہ اسی تحریک وتحریض پر منظر عام پر آیا، اور حقیقت توحید، حقیقت اخلاص، اور اہل بیت کرام، اصحاب کرام سے متعلق بھی کتابچے تیار ہیں، اور بھی دروس ضبط تحریر میں لائے جارہے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بات کا خاص اہتمام فرمایا کہ جوابواب درس میں آنے سے رہ جاتے، اہتمام کرتے کہ اگلے سال ان پر پہلے گفتگو ہوجائے، اس طرح عبادات، اذکار وادعیہ کی احادیث بھی جنہیں احادیث سلوک کہا جاسکتا ہے، احادیث معاشرت ومعاملات کے ساتھ زیر درس آئیں اور متعدد سالوں کا درس ریکارڈ بھی ہوتا رہا، اوراس طرح ایک بڑا ہی اچھا ریکارڈ محفوظ ہوگیا، اور آخر سالوں میں ویب سائٹ کے ذریعہ بھی اسے نشر کیا گیا، اور دنیا کے مختلف ملکوں میں مقیم اہل تعلق اور دیگر لوگوں نے سنا اور استفادہ کیا۔

رمضان المبارک میں درس حدیث کے علاوہ جمعہ کی نماز کی امامت وخطابت کی بھی ذمہ داری تھی، اور پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے جو عیدین کی نماز کی امامت فرماتے اور خطبہ دیتے، ضعف ونقاہت اور بڑھتے ہوئے اعذار کی وجہ سے بتدریج سال بہ سال پہلے امامت پھر خطابت کی بھی ذمہ داری مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل کردی تھی، اور بعد میں ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے بھی اسی سلسلہ کو قائم ودائم رکھا۔ سنت اعتکاف کو بھی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ۱۴۲۱ھ سے تاعمر ۱۴۳۳ء تک جاری رکھا، ایک رمضان ان سالوں میں ایسا گذرا جو آپ نے حرمین شریفین میں گذارا اور مسجد نبوی علی صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام میں عشرۂ سوم کا اعتکاف بھی کیا۔

عصر بعد ختم خواجگان جس میں دس بار درود شریف، ۳۶۰ بار لا ملجأ و لا منجا من اللہ إلا إلیہ پھر ۳۶۰ بار سورۂ ألم نشرح ، پھر ۳۶۰ بار لا ملجأ و لا منجا من اللہ إلا إلیـــہ اور آخر میں دس بار درود شریف کا معمول ہے۔ اور مصائب وابتلاءات سے خلاصی کا مجرب عمل ہے، آپ نے ہمیشہ شرکت کا معمول رکھا، اور آخر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دعا کراتے اور کبھی آپ دعا کراتے ، دعا جہری ہوتی اور پورے عالم اسلام اور عالم انسانیت کے مسائل کو سمیٹ لیتی اور آپ پر انسانیت کی ہدایت کی فکر اور اسلام کے غلبہ اور فروغ واشاعت کا جذبہ غالب رہتا۔

ختم تراویح میں بعض دفعہ آپ نے ہی دعا کرائی اور لیالی القدر میں مسجد میں خاص طور پر ۲۷ ویں شب اور کبھی ۲۹ ویں شب میں آپ نے ایسی ایسی دعا کرائی کہ دل لرز گئے ، اور لگتا تھا کہ آسمان پھٹ جائے گا اور برس پڑے گا، لوگ دور دور سے آتے اور متمنی ہوتے کہ آپ دعا کرائیں، آپ کی دعا چھوٹی بڑی سب ضرورتوں کا احاطہ کیے ہوتی ، اقارب ، اہل خاندان، محسنین ، اکابر امت ، اور سبھی بہی خواہان ملت ، اور رہبران قوم داعیان دین، مبلغین اسلام اور پورے عالم اسلام کے لئے آپ کی شفقت عام ہوتی اور محبت سے دل لبریز ہوتا ، اور دعا میں دل دردمند کے ساتھ فکر ارجمند کا بھی ظہور ہوتا، اس کے ساتھ اپنی بے چارگی ، بے بسی، اعتراف عجز وخضوع، بے مائیگی ، بے سروسامانی کا پورا اظہار اور اللہ کے فضل اور جود وسخا کا یقین کامل اور امید ورجا کا پورا استحضار اللہ سے وہ قرب پیدا کر دیتا جو دعا کا ہی خاصہ ہے۔

جمعیۃ شباب اسلام کی رکنیت

مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے زمانہ طالب علمی میں اپنے چند رفقاء (جن میں خاص طور پر مولانا محمد خالد غازیپوری ، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ، مولانا سید عبداللہ حسنی قابل ذکر ہیں) کے ساتھ نوجوانان اسلام کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور دین وملت کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے انجمن شباب اسلام کی بنا

ڈالی، اوراس کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سرپرستی اوراپنے ماموں مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کی رہنمائی حاصل کی، ان کا جذبہ یہ بھی تھا کہ جوفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی پیش کررہے ہیں اس کے حامل افراد تیار ہوجائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب تقریری وتحریری کام طلبہ سے ابھی سے لیا جائے گا، اس لیے سالانہ اور ماہانہ تربیتی کیمپ لگتے اور ہفتہ واری پروگرام بھی ابتدائی سالوں میں محلّہ کی مسجد پکریا والی مسجد کے زیریں حصہ میں ہوتا، اور کوئی عصری وملی موضوع لے کر گفتگو ہوتی، چند سالوں کے لیے یہ نظام موقوف ہونے کے بعد پھر جب جاری ہوا تو جمعرات وجمعہ کوکسی علاقہ میں کام کے لیے جانے کا پروگرام بنتا اور کوئی ہفتہ کسی اللہ والے کی صحبت سے مستفید ہونے کے لیے سفر کا ہوتا، خصوصاً الٰہ آباد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی کی خدمت میں حاضری، اس میں مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ کے شانہ بشانہ رہے، اور جمعیۃ شباب اسلام کے تاسیسی رکن رہے اور جب کسی مسئلہ فقہیہ پرانھیں اختلاف رائے ہوا تو اس کو ظاہر کرکے جو مفید رائے اور مشورہ ذہن میں آیا وہ دے کر بھائی کی خیرخواہی اور ملت کی بہی خواہی کا ثبوت دیا، مختلف مقامی مقامات پران دونوں کے ساتھ سفروں میں ہمراہی کا شرف راقم عاجز کو بھی رہا، اور بعض مقامات پر دیکھا کہ میلوں یہ لوگ پیدل چل کر اور گرد وغبار کو سہہ کر گئے، اور اصلاح ودعوت اور تبلیغ دین کا کام تقریر وخطاب اور ملاقاتوں کے ذریعہ ملنے آنے والوں اور گھروں پر جاکر دعوت دے کر احیائے دین کی کوششیں کیں۔

ندوۃ العلماء میں بین الاقوامی دعوت کانفرنس کا انعقاد

"مؤتمر العلماء المسلمين للنظر في قضايا الدعوة الإسلامية"

دعوت اسلامی کے امور پر غور کرنے کے لئے علمائے اسلام کے باہمی مشورے سے اس مذاکرۂ علمی کا انعقاد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی

ندویؒ کی سرپرستی میں ۱۹۹۷ء میں ہوا، معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اس مذاکرۂ علمی ودعوتی کو بین الاقوامی کانفرنس بنانے میں اہم رول ادا کیا، جس کا خاکہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے پیش کیا تھا، اور اس کے لیے جو دفتر قائم کیا جہاں سے ساری کارروائی چلنی تھی اس کا ذمہ دار مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی استاذ دار العلوم کو بنایا، اس انٹرنیشنل کانفرنس میں جو موضوعات غور وفکر وتحقیق کے مقرر کیے گئے تھے اس میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی اور مولانا سید محمد واضح رشید ندوی اور مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی بھی مشورے میں شریک تھے۔

اس مذاکرۂ علمی کے مرکزی موضوعات تھے:

الف-دعوت الی اللہ کے مسائل۔ ب-مذہبی تعلیم سے متعلق امور۔

ج-باطل اور گمراہ فرقوں سے متعلق امور۔

(الف) دعوت الی اللہ کے مسائل:

۱-دور حاضر میں سرگرم عمل قوتوں کا جائزہ اور دعوت اسلامی کے مختلف راستے۔

۲-دعوت اسلامی کے راہ میں حائل رکاوٹوں اور مشکلات کا جائزہ اور ان کے ازالہ کی تدابیر پر غور۔

۳-دعوتی عمل میں نشاط وسرگرمی لانے سے متعلق تجاویز اور مشورے۔

۴-دعوتی تحریکات اور اداروں کے ساتھ تعاون کے مختلف پہلوؤں پر غور۔

۵-دعوت دینی کے لئے مبلغین کی تربیت کا نظام۔

(ب) مذہبی تعلیم سے متعلق امور

۱-غیر سرکاری خصوصاً غیر اسلامی ممالک میں اسلامی مدارس کے نصاب تعلیم کا جائزہ۔

۲-جو سہولتیں میسر ہیں ان کا جائزہ اور جن کی ضرورت ہے اور موجود نہیں ہیں

ان کے حصول کے ذرائع پر غور مذہبی خدمات میں نئے وسائل سے استفادہ پر غور۔

۳-علماء و مبلغین کی جماعت تیار کرنے کے لئے نصاب تعلیم میں گنجائش رکھنے کے مختلف پہلوؤں پر زور۔

۴-مسلمانوں کی علمی و دینی پسماندگی اور اس کے ازالہ کی تدابیر پر غور۔

(ج) باطل اور گمراہ فرقوں سے متعلق امور

۱-فرق باطلہ کی سرگرمیوں اور ان کے دعوؤں کا جائزہ۔

۲-ان سے صحیح اسلامی عقیدہ و مذہب کو پہونچنے والے نقصانات کا جائزہ اور ان سے بچاؤ کی عملی تجاویز پر غور۔

اور آخری حصہ سفارشات و تجاویز کا تھا۔

مؤتمر کے مدیر عام کے مکتب سے یہ دعوت نامہ جاری ہوا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے خیر مقدمی کلمات پیش کیے اور اس میں فرمایا کہ ندوۃ العلماء نے آپ کو اس اجتماع کی دعوت دے کر کوئی نئی بات نہیں کی ہے، ندوہ کا کام و پیغام شروع سے یہ رہا ہے کہ اسلامیت کی بقا اور امت کے افراد کی صحیح اسلامی تربیت اور اس کی بہتر تشکیل اور عصر جدید کے جدید حالات اور مسائل کو سمجھ کر ان کے مطابق لائحہ عمل اور حالات کے مطابق امت کی رہنمائی کے لیے صحیح افراد کی تیاری کے لئے وسائل اختیار کیے جائیں بایں طور کہ ایک تعلیم یافتہ مسلمان اپنے عہد کے تقاضے کے مطابق رسوخ علم کے ساتھ کامیاب رہبر اور کامیاب معلم بن سکے۔

چونکہ اس بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد کا اصل محرک قادیانیت کا مسئلہ تھا جو جگہ جگہ پھر اپنے پنجے گاڑنے کی کوشش میں تھی، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ:

”برصغیر سے انگریزی استعمار فوجی وسیاسی سطح پر ختم ہوا، لیکن اسلام دشمن اور سازشی طریقہ کار کو جاری رکھنے کے لحاظ سے

استعمار باقی رہا اور قادیانیت کے فتنے کے ساتھ ان کی ہمدردی اور تعاون برقرار رہا، اس کی وجہ سے یہ فتنہ مزید پھیلنے اور بڑھنے لگا، اور ذرائع ابلاغ کی ترقی کر جانے کی صورت میں ان کو بھی اپنی تخریبی کوشش بڑھانے کا موقع مل گیا، اس وقت اس فتنہ کی وسعت بھی بڑھ گئی ہے اور اس میں ترقی بھی ہو رہی ہے، لہذا تمام اہل غیرت اہل دین کی ذمہ داری ہے کہ اس پر غور کر کے ضروری تدابیر اختیار کریں۔"(۱)

"اس کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کی طرف مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے توجہ دلائی اور فرمایا قادیانیت کے علاوہ مختلف سمتوں سے اسلامی فکر و مزاج کو خراب کرنے کی تدابیر میں بھی اضافہ ہوا ہے، اور قومی تعصب کے اس دور میں پورے عالم اسلامی میں قومی و نسلی تعصبات کے اثر سے نیز الحاد و بے دینی کی دعوت و کوشش سے نظام تعلیم و ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مسلمان عوام اور نوجوانوں کے ذہنوں کے اسلامی رخ کو بگاڑنے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے، اس خطرہ سے بچانے کے لئے بھی ضروری تدابیر پر غور کرنا ہے، اور اسلام چونکہ شریعت اور دعوت دونوں کا مجموعہ ہے، شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرنا اور دعوتی عمل کے ذریعہ اپنی بات دوسروں تک پہنچانا اس کی خصوصیت ہے۔"(۲)

ناظم ندوۃ العلماء، معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، اور مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کی سرپرستی و نگرانی میں کانفرنس دفتر کی ذمہ داری مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے پوری

---

(۱) تعمیر حیات ۲۵ر نومبر، ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۷ء (۲) تعمیر حیات ۲۵ر نومبر، ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۷ء

تندہی سے اٹھائی، اور طلباء ونو جوان اساتذۂ دار العلوم کو ساتھ لے کر لٹریچر کی تیاری، اور مختلف پہلوؤں سے کانفرنس کو کامیاب بنانے کی بھی کوشش کی اور اس طرح ایک اچھی کار پرداز جماعت بھی تیار ہوئی، جہاں تک دوروزہ کانفرنس کو چلانے اور مجلسوں کی نظامت کی بات ہے تو اس میں مولانا عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء کے ساتھ مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب بھی معاون وشریک رہے، اور جب وہ عربی میں ادا کئے گئے انطباعات کو عربی قالب میں ڈھالتے اور پھر اردو میں ادا کردہ خیالات وافکار کو عربی میں پیش کرتے اور مدعو شخصیت کے مقام اور کام کی نسبت سے اس کی تکریم واعزاز کرتے ہوئے دعوت سخن دیتے تو وہ ایسا منظر ہوتا جس کی طرف نگاہیں اٹھی کی اٹھی رہ جاتیں اور کان اسی میں رہ جاتے، اور خاص طور پر انہوں نے امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ السبیل علیہ الرحمۃ کا عربی میں قادیانیت کے خلاف خطاب کا فصیح و بلیغ اردو ترجمہ کر کے اور دوسرے عرب علماء ومفکرین کے خطابات کو اسی لحہ اردو میں منتقل کر کے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا تھا، مولانا سید عبداللہ حسنی رحمہ اللہ کا کام خاموش کام تھا، وہ افراد سازی اور مردان کار کی تربیت کے ذریعہ اور مختلف صلاحیت والوں کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر اور لٹریچر کی تیاری کے ذریعہ کانفرنس کو زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز بنانے میں مصروف عمل تھے، اور اس کے ذریعہ نوجوانوں کی ایک ٹیم جس داعیانہ اسپرٹ کے ساتھ میدان عمل میں آئی اس نے پھر مولانا کو خاموش نہیں بیٹھنے دیا، اور اس کے بعد سے ان کے یہ دس پندرہ سال ایسے ثابت ہوئے جس نے انہیں داعیان دین کی صف اول میں لا کھڑا کیا اور داعی اسلام ان کے نام کا جز بن گیا۔

اس عالمی ودعوتی کانفرنس میں دنیا بھر کے چوٹی کے علماء ومفکرین اساتذہ ومصنفین ودعاۃ ومبلغین نے شرکت کی اور یہ وہ شخصیتیں تھیں جو عالم اسلامی کی سرکردہ شخصیات میں شمار کی جاتی ہیں۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا مقالہ جو کانفرنس کا کلیدی مقالہ تھا اس میں انہوں نے قادیانیت کو نبوت محمدیؐ کے خلاف

بغاوت اور دنیا کے خلاف بدترین سازش قرار دیا، مولانا کا یہ خطاب عربی میں تھا، جس کا اردو ترجمہ نہیں ہوا، اور اردو میں خطاب بھی فرمایا، جس میں ملک کے اندر مسلمانوں کی جدید نسل کے لئے جو خطرات درپیش ہیں اور نئی نسل کو الحاد وارتداد کے راستہ پر ڈالنے کی دانستہ یا نادانستہ جو کوششیں جاری ہیں ان سے خبردار کیا جائے اور اس کے مداوا کے لئے ہندی مسلمانوں کو پوری فکر وہوشمندی کے ساتھ کام کرنے اور توجہ وقربانی دینے پر آمادہ کرنے کے لئے اپنے اس خطاب میں درحقیقت دل وجگر نکال کر رکھ دیا ہے۔ یہ خطاب تعمیر حیات کے شمارہ ۲۵ رنومبر، ۱۰ ردسمبر ۱۹۹۷ء مشترکہ شمارہ میں ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

انسانی دردوسوز اور دعوتی فکرمندی اور جدوجہد

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی میں جو انسانی درد، ملی حمیت، دینی غیرت اور احساس ذمہ داری تھا، اس نے ان کو پھر کسی پل چین سے بیٹھنے نہ دیا، اور وہ بڑے مؤمنانہ حوصلہ وعزیمت کے ساتھ ان تینوں کے مقابلے اور نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کی کوشش میں پوری طرح کمربستہ ہوگئے، اور اس کے لئے انہوں نے لٹریچر کے ذریعہ اور خطابات کے ذریعہ، اور ملاقات ومراسلات کے ذریعہ متوجہ کرنے اور لوگوں کو کھڑا کرنے کا کام کیا، وہ اس اجلاس سے قبل کیرالہ کا ایک بڑا ہی کامیاب دعوتی دورہ کر کے آئے تھے، جس میں ان کے سامنے امت کے بگاڑ کی مختلف شکلیں آئی تھیں، اور عقیدہ وفکر کے تعلق سے خاص طور پر جو بگاڑ اور فساد معاشرہ میں مچا ہوا تھا اس کو انہوں نے جا کر خود دیکھا تھا اور ہر جگہ انہوں نے تصحیح عقیدہ اور اصلاح نفس کی بات پورے زور وشور اور قوت ووضاحت سے رکھی جس سے وہاں کے لوگوں کو ان سے وہ تعلق اور لگاؤ اور انس ومحبت ہوئی جو ایسے شخص سے خاص طور پر پیدا ہوجاتی ہے جو اس کی ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس سفر کی روداد برادرم جمال محی الدین ندوی نے جو ان کے داعی ومیزبان اور رفیق ورہبر سفر تھے عربی میں قلمبند کی ہے جو جریدۃ''

الرائد'' (۱۹۹۷ء) میں دو قسطوں میں شائع ہوئی ہے۔ عالمی دعوتی کانفرنس سے قبل اس دعوتی سفر نے ان میں اچھا تجربہ پیدا کر دیا تھا، ملت کے لئے درد و سوز بڑھا دیا تھا۔ چنانچہ ان کو مسلسل یہ فکر دامنگیر تھی کہ کس طرح لوگوں کو حق کی طرف لانے کی کوشش کی جائے اور باطل کے خطرات سے محفوظ رکھا جائے اور اسلام کی حقانیت کس طرح غیروں پر واضح کی جائے۔ اسی دوران مشہور مجاہد داعی اور یمن کی عظیم مصلح شخصیت شیخ عبدالمجید زندانی کی کتاب انگریزی میں ''أنــه الـحـق'' آئی اور سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں جب ان کے پاس پہونچی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس کو عام کرنے کی ان کی بڑی فکر و کوشش رہی۔

محمد الحسنی ٹرسٹ کا قیام

مولانا نے بڑے بلند دینی و دعوتی مقاصد کے لیے اپنے والد مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کی یادگار میں محمد الحسنی ٹرسٹ قائم کیا، اور اس کے ذریعہ کئی اہم کتابیں طبع کرائیں، اور دوسری زبانوں میں ترجمہ کرا کر بڑے پیمانہ پر عام کرنے کا کام بھی کیا، اس کی بڑی اور اہم پیشکش حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب ''قرآنی افادات'' ہے جو حضرت مولانا کی تحریر و تقریر کے ذخیرہ سے جمع کرا کر مولوی رسال الدین حقانی ندوی سے مرتب کرائی تھی۔

دعوتی مشن

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ایک دعوتی مشن کے ساتھ سامنے آئے، دعوت توحید و سنت کو عام کرنے کے لئے ملک کے اندر ایک خطہ سے دوسرے خطہ تک بڑے سفر کیے، خاص طور سے شروع میں پنجاب، ہماچل، ہریانہ اور اتر پردیش کے مغربی علاقے کے خوب اصلاحی دورے کیے، اور ان علاقوں کے لوگ آپ سے قریب بھی بہت ہوئے، ان تمام دوروں میں جو ملک کے اندر آپ نے کیے، کیرالہ کے دورے

سب سے مؤثر اور مفید ثابت ہوئے۔مولانا عبدالشکور قاسمی (۱) نے اس سلسلہ میں جو بیان کیا ہے وہ پیش کیا جارہا ہے، ان کا بیان ہے:

''۱۹۹۷ء میں پہلی مرتبہ مولانا کیرالہ تشریف لائے، محبی فی اللہ مولوی جمال ندوی ساتھ تھے، رات بارہ بجے سلیپر کوچ میں آئے، کوچین سے لے کر تری واندرم تک بس میں سفر کیا، ادھر سے کالی کٹ آئے، تری واندرم میں صبح سے لے کر مغرب تک بیان فرمایا۔

اس کے بعد ۲۰۰۰ء میں مفکر الاسلام فاؤنڈیشن کے افتتاح کے لئے تشریف لائے، ۲۰۰۱ء کو جنوب کیرالہ میں سفر فرمایا، اس مرتبہ سو سے زائد لوگ داخل سلسلہ ہوئے، ۲۰۰۳ء میں پھر کیرالہ کا سفر ہوا، ۲۰۰۵ء میں دارالعلوم اور سید حسنی لائبریری کی بنیاد ڈالی، ۲۰۰۷ء میں پیام انسانیت کے سلسلہ میں سفر فرمایا، ۲۰۱۱ء میں آخری سفر جلسہ سیرت النبی کی مناسبت سے فرمایا:

سفر میں حضرت مولانا کی جو خصوصیات مشاہدہ میں آئیں اور یہ تھیں کہ کھانا وغیرہ سب میں سادگی پسند کرتے تھے، ہمیشہ دینی کاموں کی ترغیب دیتے تھے، ایک مرتبہ کے علاوہ ہر مرتبہ مختصر مگر پرمغز بیان فرمائے، رات دیر سے سوتے، تب بھی تہجد اور اذکار کی پابندی فرماتے، ہم ڈر ڈر کر حالات بتائے مگر مولانا تشجیعی کلمات فرماتے، سبھی کو یاد کرتے اور شفقت فرماتے، آخری مرض میں پریشانی کے وقت میں کیرالہ کے ایک ایک ساتھی کے بارے میں پوچھا تھا، کیرالہ کے مدارس کے دورے میں ان کے

---

(۱) راوی مولانا عبدالشکور قاسمی کیرالہ (رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مواعظ وملفوظات ونصائح سے بھی لوگ خوب مستفید ہوئے۔
درس قرآن کی مجلس میں فرمایا: قرآنی تفسیر بہت ہی اچھا کام ہے، مگر بہت احتیاط کی ضرورت ہے، ورنہ خطرناک ہیں، یہ بجلی کے گھر کی طرح ہے۔
طلباء سے فرمایا: اخلاص اور اختصاص پیدا کرو، علم اور ذکر دونوں ایمان واعمال کی بنیاد ہیں۔
اور فرمایا: صحبت صالحین مردم سازی میں اکسیر ہے، عورتوں کو علوم دینیہ پڑھانا چاہئے مگر پردہ کی پابندی بے حد ضروری ہے۔
فرمایا: حضور (ﷺ) کے بارے میں مقالہ لکھوانا غیر مسلموں میں دعوت کا آسان طریقہ ہے، اور فرمایا: قادیانیت اسلام کی سخت ترین دشمن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، کان أمة قانتاً۔

دینی ودعوتی پروگراموں میں شرکت وتعاون

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ دینی دعوتی علمی وادبی پروگراموں میں بھی شرکت فرماتے، خاص طور سے ان پروگراموں میں جن میں ان کے جدامجد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی شرکت ہورہی ہوتی، یہاں پر ہم ان چند پروگراموں کا ذکر کریں گے جن کا تذکرہ حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے کاروان زندگی میں کیا ہے۔

ان پروگراموں میں ایک اہم پروگرام اردو اکادمی اتر پردیش کی طرف سے ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی کی کوشش واہتمام سے منعقد ہوا، جو حضرت مولانا سید عبدالحی حسنی کی علمی دینی ودعوتی وادبی خدمات سے متعلق اور ان کی حیات کارناموں کے سلسلہ میں تھا، مولانا مرحوم نے اس میں اپنے مقالہ کے ساتھ شرکت فرمائی تھی، یہ

۱۶-۱۷ مارچ ۱۹۹۷ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔

دوسرا اہم پروگرام لکھنؤ سے باہر کا تھا اور جودھپور میں پیام انسانیت کے جلسہ سے متعلق تھا اور حضرت حاجی عبدالغفور صاحب کے قائم کردہ مدرسہ کی نئی عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب کا تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

"اس تقریب کے علاوہ شہر کے متعدد دینی و تعلیمی مرکزوں میں بھی جانا ہوا، پیام انسانیت کا ایک عمومی جلسہ ہوا، جس میں اصل خطاب عزیز القدر مولوی عبداللہ حسنی (فرزند برادر زادہ عزیز مولوی سید محمد میاں مرحوم، سابق مدیر البعث الاسلامی) کا ہوا، جو اپنے رفیق سفر عزیز القدر مولوی سید محمود حسنی ندوی استاد مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی کے ساتھ ٹونک جے پور ہوتے ہوئے جودھپور آئے تھے۔"(۱)

جلسہ کے آخر میں راقم نے بھی جو جودھپور کے دوروزہ قیام میں ضعف ونقاہت کا شکار رہا، جلسہ میں شرکت کی، اور خطاب کیا۔"(۲)

یہ پروگرام مارچ ۱۹۹۸ء کے پہلے ہفتہ میں ہوا تھا۔

۱۱/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو کانپور میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد حلیم مسلم کالج گراؤنڈ چمن گنج میں ہوا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

"۱۱/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ہمارے قدیم بزرگ وکرم فرما حاجی منت اللہ صاحب مرحوم ساکن جاج مئو کانپور کے فرزند عزیزی اسحاق گاڑی لے کر ہماری قیام گاہ دائرہ شاہ علم اللہ میں آگئے اور راقم اپنے رفیق ومعاون حاجی عبدالرزاق اور عزیزی مولوی

---

(۱) اس سفر میں برادر عزیز مولانا معاذ احمد کاندھلوی ندوی بھی ساتھ تھے اور ٹونک میں مولانا عامر صدیقی ندوی نے میزبانی کی تھی اور ساتھ رہے تھے۔ (۲) کاروان زندگی جلد ہفتم، صفحہ: ۸۵

عبداللہ حسنی و عزیزی مولوی محمود حسن حسنی سلمہ کے ساتھ کانپور روانہ ہوگیا۔ وہاں دن بھر ان کی وسیع وآرام گاہ میں قیام وآرام کیا، اس عرصہ میں پریس کے بعض نمائندے اور بعض ہندو لیڈر ملے اور ان سے مکالمہ رہا۔ جناب مولانا سید اسعد مدنی صاحب بھی جن کو جلسہ کی صدارت کرنی تھی ملنے تشریف لائے، اور ملاقات کا شرف بخشا، عصر کے بعد جاج مئو میں واقع حاجی منت اللہ صاحب مرحوم کے خاندان کے وسیع احاطہ میں بعض اداروں کے افتتاح کی تقریب منعقد ہوئی اور وہاں کے ساکنین سے خطاب رہا۔

۱۱/اکتوبر کو شب میں ۹ بجے جلسہ گاہ کی طرف روانگی ہوئی، راستہ میں جانے والوں کا ایک سیلاب اور جوش وخروش کے مناظر دیکھنے میں آئے، کانفرنس کے انعقاد کی جگہ پہونچے تو ہجوم کی کثرت کی وجہ سے ڈائس تک پہونچنا مشکل ہوا، وہاں پہنچ کر نظر ڈالی تو حاضرین کا ایک سیلاب نظر آیا، جو خلافت تحریک کے بعد سے جلسوں میں کم دیکھا گیا ہے، لوگوں کا اندازہ ہے کہ کم سے کم ایک لاکھ کا مجمع ہوگا جو ایک دوسرے سے ملا ہوا ایسا بیٹھا تھا جیسے اینٹیں جوڑ دی گئی ہوں۔(۱)

دبئ حکومت نے بین الاقوامی اسلامی شخصیت ایوارڈ سال ۱۴۱۹ھ کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو دینا طے کیا۔ حکومت دبئ کا جہاز اسپیشل طور پر حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کو لینے آیا تھا، حضرت مولانا نے شروع میں بڑی معذرت کی، لیکن وہاں سے بہت اصرار اور پھر حکومت دبئ کی طرف سے یہ کہے

---

(۱) کاروان زندگی جلد ہفتم، صفحہ:۱۹۲

جانے پر کہ شیخ کے نہ آنے پر حکومت کی بدنامی و بے عزتی ہوگی اور بیرونی ممالک کے ممتاز فضلاء کو بھی دعوت دی گئی ہے، حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ "راقم نے توکلاً علی اللہ اور اضطراراً سفر کا فیصلہ کرلیا"۔ اس سفر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، حاجی عبدالرزاق صاحب، الحاج محمد عثمان صاحب اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی اس چھوٹے جہاز پر لکھنؤ ایئرپورٹ سے دبئی ساتھ گئے اور پھر دبئی میں تقریب ایوارڈ منعقد ہوئی، جس میں حکام وزراء، اعیان بلدہ اور سرکردہ شخصیات کا اجتماع تھا، حضرت مولانا نے اپنا ایک مضمون جو ساتھ لے گئے تھے اس موقع پر سنایا اور علامہ اقبال کا یہ شعر ؎

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربیؐ سے ہے عالم عربی

پڑھا، پھر عربی ترجمہ کر کے سنایا، مولانا فرماتے ہیں:

"راقم نے اس شعر کا عربی میں ترجمہ بھی کیا، جس پر ولی عہد نے گہرے تاثر کا اظہار کیا۔ راقم اس مضمون کو اور اس صاف گوئی اور اظہار حقیقت کو اس سفر کا حاصل اور اس کی بضاعت سمجھتا ہے۔"(۱)

اس پروگرام کے علاوہ اور بھی چیدہ چیدہ مجمعوں کو خطاب کیا۔ اور ۶ رجنوری ۱۹۹۹ء کو جا کر ۹ رجنوری ۱۹۹۹ء کو لکھنؤ واپسی ہوگئی، اور یہی خصوصی طیارہ جو لے کر گیا تھا واپس لایا۔

پھر ۲۰ رجنوری ۱۹۹۹ء (ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ) کو دہلی میں تقریب ایوارڈ جو حکومت برونائی کی طرف سے انٹرنیشنل ایوارڈ تھا جس کے لئے حکومت برونائی کے وزیر خود آئے تھے اور لکھنؤ آکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو ان کی خدمات علمی

---

(۱) کاروان زندگی ہفتم، ص: ۲۲۲

و دینی کے اعتراف میں پیش کرنا چاہتے تھے، جو حکومت اتر پردیش کی رکاوٹ کی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا، دہلی میں یہ تقریب ایک انٹرنیشنل ہوٹل میں منعقد ہوئی، وہ وفد جو حضرت مولانا نے بھیجا تھا اس میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی بھی تھے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تیمارداری

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا حادثۂ وفات اور اس سے پہلے علالت کا تشویشناک زمانہ سبھی افراد خاندان، اہل تعلق اور سبھی مسلمانوں کے لئے بڑی فکرمندی کا تھا، اس موقع پر لوگوں کے جس تعلق و محبت کا اظہار حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے لئے ہوا وہ کم دیکھنے میں آیا ہے، وہ کیا بیمار ہوئے ملت بیمار ہوگئی، انسانیت بیمار ہوگئی، اور خدمت اور تیمارداری کی سعادت اور دعا کی توفیق لوگوں نے خوب حاصل کی، اور جس کے جو نصیب میں تھا وہ اس نے لیا۔ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے خاصا خاصا وقت اپنے جد معظم کے لئے فارغ کیا، اور وضو کرانے میں شرکت کا خاص اہتمام کیا، اور خوب دعائیں لیں، اس کے علاوہ اس مشن کے فروغ میں وہ اور مستعدی سے کام لیتے نظر آئے جو حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ کا رہا تھا، وہ جس خلوص و محبت اور تعلق و یکسوئی سے زیادہ سے زیادہ وقت دینے کی کوشش کرتے اس سے ان کو خوب توجہات حاصل ہوئیں اور دعائیں ملیں، بالآخر ان کی صلاحیت باطنی و استعداد قلبی کو دیکھ کر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۵؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو بعد نماز ظہر متصلاً اجازت بیعت و ارشاد اور خلافت سے سرفراز کیا اور بعد میں راقم سے یہ اظہار بھی فرمایا کہ ہم نے عبداللہ کو اجازت دی ہے اور وہ اس کے اہل ہیں۔

مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب کو جب راقم نے یہ بات بتائی تو ان کے لئے یہ بڑی مسرت و فرحت کی بات ہوئی کہ یہ اظہار بتاتا ہے کہ جو حضرت نے کہا ہے وہ انشراح قلبی سے کہا ہے۔ ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو رائے بریلی جانے کا پروگرام

بنا، اور مولانا عبداللہ حسنی صاحب بھی ساتھ گئے، درس حدیث وہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں دے رہے تھے، حضرت شاہ علم اللہ کی مسجد میں دینا شروع کر دیا۔(۱) درمیان میں بھی وہ تشریف لے گئے تا کہ وہاں رمضان میں مقیم لوگوں اور گھر کی خواتین اور بچوں کی دلجوئی ہو جن کے دل حضرت مولانا کے بغیر مرجھائے ہوئے تھے بدھ ۲۸/ روزے کو حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہ اور ان کے ساتھ سبھی لوگ جو رمضان کے ایام ساتھ گذارنے آتے تھے اور لکھنؤ میں ساتھ تھے، ساتھ ہی رائے بریلی آئے، ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب خال معظم رحمہ اللہ کے ساتھ گاڑی پر تھے وہ خال معظم کے ساتھ اپنی کیفیت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت مولانا کی آخری علالت کے دوران ان کی خدمت میں میری دوبارہ حاضری ہوئی، میں ان دنوں اپنی ملازمت کے سلسلہ میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا، دونوں حاضریوں میں جو وقت نصیب آیا، مولانا عبداللہ صاحب کا ساتھ رہا، میں دیکھتا تھا کہ وہ انتہائی محبت کے ساتھ حضرت مولاناؒ کے آس پاس ہوتے تھے، وضو کا وقت ہوتا تو 'جو میں نے دیکھا' مولانا سید بلال عبد الحی حسنی صاحب وضو کرانا شروع کرتے، لیکن پاؤں دھلانے کا وقت آتا تو مولانا عبد اللہ صاحبؒ یہ خدمت خود انجام دیتے۔ حضرت مولانا کے انتقال سے صرف چند دن پہلے ہی مکہ مکرمہ سے لکھنؤ حاضر ہوا، پھر حضرت مولانا کے ساتھ رائے بریلی تکیہ کا میرا بھی سفر ہوا، وہی سفر حضرت مولانا کا ندوہ سے

---

(۱) پہلے اور دوسرے عشرہ میں مولانا محمد عباس گیاوی ندوی صاحب یہ تمام ذمہ داریاں انجام دیں کہ انہوں نے حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمۃ سے اجازت لے کر پورے ماہ کے اعتکاف کی نیت کر لی تھی تا کہ جگہ آباد رہے جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، اور انہوں نے ایک قرآن شریف یا اس سے زیادہ کی تلاوت کا روز کا معمول بنالیا تھا، تقبل اللہ منہ و أجزل ثوابہ

رخصتی کا سفر تھا، رمضان شریف کا مہینہ تھا حضرت مولاناؒ کے
رمضان کے مہمان ندوہ میں ہی ان کے ساتھ تھے، جب حضرت
مولانا ڈاکٹروں کی اجازت سے رمضان گزارنے کی نیت سے
تکیہ روانہ ہوئے، تو ایک پورا قافلہ کاروں اور بس میں حضرت
کے ہمراہ تھا، میں اور مولانا عبداللہ صاحبؒ ایک ہی کار میں
تھے، اور اس تاریخی سفر میں حضرت کے کارواں میں شریک
ہونے کو اپنے لیے باعث عزت وشرف سمجھ رہے تھے، راستہ میں
بھی ان کی معیت کی برکت سے ایمان افروز باتیں ہوتی
رہیں، اور خیر و برکت کا ماحول پورے سفر میں قائم رہا۔''

جمعۃ المبارک ۲۲؍رمضان المبارک کو بالآخر وہ حادثۂ جانکاہ پیش آہی گیا، جس کا کھٹکا لگا ہوا تھا، پھر بھی یہ ناقابل یقین صورت حال تھی، جس نے خبر سنی سکتہ میں رہ گیا، کوئی بدحواس ہوگیا، کوئی رو رو کر بے قابو ہوگیا، کسی کی سانس اوپر نیچے ہونے لگی، عجیب بات یہ تھی کہ حضرت نے خلاف معمول فرمایا کہ عبداللہ سے کہنا نماز تھوڑی تاخیر سے شروع کریں، آخر ایسا ہی ہوا، جمعہ میں جو خطاب خطبہ کے ساتھ دیا اس میں انہوں نے اس میں وہ سب نکال کر رکھ دیا جو دبائے ہوئے تھے، لیکن صبر واستقامت، تسلیم ورضا کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے۔ خطاب جمعہ میں اس حادثہ سے جو امت اسلامیہ کو پیغام ملتا ہے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے، دلوں کو نرم رکھتے ہوئے پورا پورا پہنچا دینا چاہا، کیسے آواز نارمل رہ سکتی تھی، کیسے وہی گھن گرج باقی رہ سکتی تھی، کاش یہ خطاب قلمبند ہوتا اور ضبط تحریر میں آتا، یہی ان کے ولی ووارث اور ان کے حامل علوم ومعارف تھے، ہوش وحواس کو پوری طرح قائم رکھتے ہوئے اپنے بڑے کو الوداع کرتے ہوئے فوراً اپنا بڑا ڈھونڈھ لیا، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے بھرائی ہوئی آواز میں دل گیر ہوتے ہوئے عرض کیا کہ نماز آپ ہی پڑھائیں گے، انہی نے نماز پڑھائی

اور قبر میں ان کے ساتھ خود مولانا سید عبداللہ حسنی بھی اترے، وہ قبرستان نماز سے پہلے ہی پہونچ گئے تھے، میں بھی ان کے ساتھ ہولیا تھا، اس سے بڑی سہولت ہوئی، ان پر اس حادثہ سے جو بار پڑا اس کو انہوں نے اپنے تقویٰ وطہارت اور علم وفہم کے پروں سے بہ آسانی اٹھالیا، اب یہ بھی اپنا بار چھوڑ گئے اور ایک مشن، ایک تحریک ایک دعوت دے گئے، یہ تھے اپنے اسلاف کے سچے وارث اور جانشین۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حادثۂ وفات کے بعد پھر مولانا سید عبداللہ حسنی کسی پل چین سے نہ بیٹھے، نہ بیماری کی پرواہ کی، نہ صحت کا خیال رکھ سکے، بس ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو آگے بڑھانے، ان کی تصنیفات کو عام کرنے، ان کے پیغام کو گھر گھر پہونچانے اور ملک ملک عام کرنے کے جذبہ سے سرشار ہوکر وہ دامے درمے سخنے آگے بڑھتے چلے گئے۔ بیرون ممالک میں جنوبی افریقہ کا اہم دورہ حضرت کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ کیا، جس میں مولانا عبدالعزیز خلیفہ بھٹکلی ندوی بھی تھے، پھر حجاز مقدس آئے اور عمرہ کی سعادت حاصل کی، اس سفر کی روداد خود مولانا عبداللہ حسنی ندوی نے قلمبند فرمائی تھی جو ۱۴-۱۵ صفحات پر مشتمل ہے، میری نظر سے گزری ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر دعوتی اور اصلاحی تھا، کتنا مؤثر ہوا، یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جنوبی افریقہ کا سفر نہ فرما سکے تھے۔

چوتھا باب

اندرون ملک دعوتی وتبلیغی اسفار کا ایک جائزہ

پہلے کیرالہ کی روداد نمونہ کے طور پر پیش کی جارہی ہے، جس سے ان کی مقبولیت ومحبوبیت اور مرجعیت کا کسی حد تک اندازہ لگانا آسان ہوگا، کہ امت کے طبقات میں مختلف النوع لوگ کس طرح آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہوتے چلے گئے تھے، مکہ مکرمہ میں مقیم استاذ محمد الانصاری نے جو قلمبند کرایا وہ نذر قارئین کیا جارہا ہے۔ استاذ انصاری نے ۱۹۹۷ء میں جس سفر کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی روداد الرائد میں شائع ہوچکی ہے۔ اس کا یہ موقع نہیں البتہ کیرالہ کی طرف مسلسل اور پے در پے سفروں کی یہ اجمالی رپورٹ ہے جو ۲۰۰۰ء سے لے کر ۲۰۱۱ء تک کی ہے، جو اس طرح ہے۔

۱۹۹۷ء میں مولانا سید عبداللہ حسنی کے ساتھ جمال ندوی کے ساتھ کیرالہ کا پہلا سفر ہوا۔

کیرالہ کا ایک یادگار سفر اور اس کے غیر معمولی اثرات ونتائج

ماہ ستمبر ۱۹۹۷ء مطابق ۲۷ ربیع الثانی و ۱۳ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ کے پندرہ روزہ الرائد کے مشترکہ شمارہ اور ماہ اکتوبر کے آغاز کی اشاعت میں مولوی جمال الدین ندوی (کیرالا) کے قلم سے حضرت مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کے سفر کیرالا سے متعلق ایک مفصل رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس کا عنوان ہے "جولة علمية و دعوية فی ولاية كيـرالا" اس کو بعض مقامات پر کچھ وضاحت کے ساتھ اور بعض زائد تفصیل کو

حذف واختصار کر کے نذر قارئین کیا جارہا ہے، وہ لکھتے ہیں:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ایماء پر استاذ مکرم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے کیرالا کا دعوتی تعلیمی سفر ۱۴۱۸ھ کی ششماہی امتحان کی ندوہ کے ایام تعطیلات میں اختیار کیا، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی استاذ تفسیر وحدیث و فقہ شافعی دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مولوی جمال الدین ندوی ساتھ تھے، کیرالا جو اسلامی نشاطات کا حامل ہندوستانی صوبہ ہے، اور وہاں تعلیم عام ہے، مدارس ومساجد اور اسلامی جمعیات ومؤسسات ومراکز وہاں بکثرت پائے جاتے ہیں، اس کثرت میں وحدت پیدا کرنے کی طرف مولانا نے توجہ دلائی اور وہاں کی محترم اور سرکردہ شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور مسلم عصری تعلیمی، دعوتی اور رفاہی اداروں میں بھی تشریف لے گئے، اور وہاں کی ممتاز اہل علم، اور سیاسی وسماجی شخصیات سے بھی ملاقاتیں کیں، مولانا نے جو صحیح اور معتدل اسلامی فکر وتخیل پیش کیا، اور جماعت بندی، گروہ بندی کے نقصانات باور کرائے اس کا لوگوں نے اثر لیا، اسی طرح اصلاح عقائد کے کام کو سارے کاموں پر ترجیح دینے کو کہا، اس لیے کہ عقیدہ صحیح نہ ہو تو کوئی بھی نیکی نفع نہ پہنچائے گی اور اسی طرح عمل میں اخلاص نہ ہو تو وہ عمل نفع نہیں پہنچاتا ہے۔

مولانا نے پچیس سے زائد محاضرات دیئے اور تقریریں کیں اور ایک موقع پر جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ موجود تھا، جن میں ڈاکٹر، انجینئر، صحافی اور بڑے تاجر اور صنعت کار تھے، خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مسائل کا حل کتاب وسنت اور سیرت مطہرہ میں ہے، دوسروں کی ترقی آگے دیکھنے میں ہے اور نئے نئے اختراعات و اکتشافات میں ہے لیکن امت مسلمہ کی ترقی پیچھے جانے میں ہے، یہاں تک کہ وہ اس جماعت ونسل سے جا ملے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر ہدایت وتربیت پروان چڑھی یا پھر اس نسل سے جا ملے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یا دوسرے درجہ میں صحابہ کے معتمد افراد سے دین سیکھا اور ہدایت پائی تھی، اسی فکر وعمل سے گروہ بندی

ختم ہوگی اور سب ایک امت بن کر رہیں گے، اسی وقت اللہ کی نصرت آئے گی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿ألا إن حزب الله هم المفلحون﴾.

یہ خطاب کوچین (اروناکولام) میں ہوا، اس سے قبل مولانا کالی کٹ اور اس کے مضافات اور مولانا عبدالشکور قاسمی کے گاؤں وغیرہ بھی تشریف لے گئے تھے، مولانا کے خطاب کے بعد مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی نے خطاب کیا اور انھوں نے بھی اسی موضوع کو اختیار کرکے وحدت اسلامی اور تضامن اسلامی کی دعوت دی، پھر یہ حضرات کوچین کے دارالایتام میں گئے، جہاں طلبہ کو خطاب کیا اور ابھی ان کی کیا ذمہ داری ہے اور بعد میں ان کو تیار ہوکر کیا ذمہ داریاں نبھانی ہیں، ان اہم امور کی طرف سادہ انداز میں توجہ دلائی، پھر معروف اخبار روزنامہ ''چندریکا'' کے دفتر تشریف لے گئے جو مسلم لیگ کا ترجمان ہے، پھر روزنامہ ''مادھیمم'' کے دفتر گئے یہ بھی مسلمانوں کا ہی اخبار ہے، اور یہ دونوں اخبار لاکھوں کی تعداد میں روز نکلتے ہیں، اور ان کے ذریعہ ندائے حق گھر گھر پہنچ جاتی ہے، ورنہ عموماً اخبارات اور صحافت پر قبضہ غیر مسلموں کا ہے، اور شمالی ہند میں اردو صحافت شیعوں اور بریلویوں کے زیر اثر ہے، پھر ایک اسلامی مرکز کی زیارت کی جہاں ہفتہ واری درس قرآن کا اہتمام ہے اور لوگ شریک ہوتے ہیں، جو کالجوں اور عصری اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں، ان کے سامنے مولانا نے عربی زبان واہمیت اور اس سے واقفیت کی دینی ضرورت پر توجہ دلاتے ہوئے قرآن مجید کی عظمت کا احساس پیدا کرنے اور اس کو اپنی زندگیوں میں دستور حیات کے طور پر لانے کی طرف متوجہ کیا، اور یہ باور کرایا کہ بغیر عربی زبان کا ذائقہ پیدا کیے اس پر پورے طور پر عمل نہیں کیا جاسکتا، اور جب عربی میں کمزوری ہوتی ہے تو لفظ کے معنی صحیح نہ سمجھنے کی صورت میں زندگی سنت کی پٹری سے ہٹ کر بدعت کے راستہ پر آجاتی ہے، اور فرمایا قرآن مجید کی تفسیر کے دو پہلو ہیں، ایک علمی پہلو ہے دوسرا عملی پہلو، مکمل طور پر اصلی کے بجائے ترجمہ پر اعتماد کرلینے سے اس کا عملی پہلو متاثر ہوتا ہے، معہد اسلامی کی طرف سے سید قطب شہیدؒ کی تفسیر

قرآن ''فی ظلال القرآن'' کا ملیالم میں ترجمہ کیے جانے پر بحیثیت علمی کام کے سراہتے ہوئے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے بعض وہ پہلو بھی ہیں جو علمی تفسیر کے اصولوں پر پورے نہیں اترتے، اس لیے محض ترجمہ سے مراد واضح نہیں ہوگی، اس لیے عربی میں فہم واتقان پیدا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، پھر سلف کی تفسیر کی روشنی میں رہنمائی حاصل کی جائے۔

اس کے بعد مولانا جامعہ کوثریہ تشریف لے گئے جس کی سربراہی ممتاز و معروف داعی مولانا محمد موسیٰ فرما رہے ہیں، اور اس جامعہ نے بڑے کارگزار علماء و افاضل تیار کیے ہیں، جو ریاست کیرالا اور ملک و بیرون ملک میں خدمت دین کا کام کررہے ہیں، یہاں مولانا نے قرآن مجید اور علم دین کی مناسبت سے عربی زبان میں مہارت پیدا کرنے کی طرف بڑی مدلل گفتگو فرمائی اور عجمی ممالک میں یہ عظیم سنت جس طرح مردہ ہوگئی ہے، مدارس کے ذریعہ اس کا احیاء آسان ہے، اس لیے کہ مدارس میں طلبہ واساتذہ عربی مراجع سے ہی استفادہ کرتے ہیں تو کیوں اس سنت کا احیاء نہ ہو جس کا تعلق زبان سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان میں گفتگو فرماتے، خطاب فرماتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی عربی زبان بولتے تھے۔

اس کے بعد مولانا جامعہ حسنیہ تشریف لے گئے یہ بھی ایک بڑے تاجر وعالم دین شیخ حسن کا قائم کردہ ہے جو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے اور اب اس کو ان کے صاحبزادے حاجی عبدالستار صاحب جو ایک بڑے داعی ومبلغ اور تاجر ہیں چلا رہے ہیں، اور ان کے صاحبزادگان نے دینی تعلیم حاصل کی ہے اور دعوت وتبلیغ کے کام میں سرگرم عمل ہیں، یہاں صدر جمعیۃ علماء ہند کیرالا کے مولانا محمد موسیٰ باقوی سے ملاقات ہوئی انھوں زبردست خیر مقدم کیا اور ایک بڑا اہم استقبالی جلسہ ہوا، مولانا عبداللہ حسنی نے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضوں پر زوردار خطاب فرمایا، اور توجہ دلائی کہ اس کا بڑا تقاضہ یہ ہے کہ تمام اقوال واعمال اور

احوال و کیفیات تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی طریقہ وسنت کو ملحوظ رکھا جائے ،اور خاص طور پر عقیدہ وفکر اور رجحانات میں اس کا خیال رہے، تبھی اس کا صحیح اثر زندگی کے دوسرے جوانب وگوشوں پر محیط ہوگا،عقیدہ میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نہ رکھنے سے بدعت وشرک کی ظلمت آجاتی ہے، جس سے اعمال سنت کے مطابق انجام نہیں پاپاتے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت وشان رفعت ان اعمال و کیفیات اور عقائد ورجحانات سے حاصل ہوئی جو اللہ کو پسند تھے، اب اگر کوئی ان ہی کی اقتداء کرے گا تو وہ بھی اللہ کا محبوب بن جائے گا، ورنہ اس راستہ پر تو آ ہی جائے گا جو اللہ کو محبوب وپسند ہے، اور جس کا اس نے مطالبہ کیا ہے اور اس پر جو انعام اس کی طرف سے ہے اس کا وعدہ کیا ہے اور فرمایا ہے:

﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله و يغفرلكم ذنوبكم﴾ الخ. اور جو صفات وکمالات مختلف انبیاء اور رسولوں میں متفرق تھے وہ سب اللہ نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جمع کردیئے تھے اور ایک جگہ انبیاء کے ذکر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں فرمایا: ﴿فبهداهم اقتده﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مقام و درجہ اللہ نے عطا فرمایا جو صرف ان کے ہی لیے خاص ہے اور وہ مقام محمود ہے۔

مولانا کے اس ایمان افروز خطاب کا سبھی حاضرین وسامعین پر بڑا اثر مرتب ہوا پھر مولانا محمد موسیٰ باقوی نے اپنے گہرے تاثر کا اظہار مائک پر آکر کیا اور وفد کو الوداع کہتے ہوئے جذبات تشکر وامتنان کا اظہار کیا۔

پھر یہ وفد ورکلا گیا جہاں جامعہ منانیہ واقع ہے جس کی ذمہ دار جمعیۃ علماء ہند کی شاخ جنوبی کیرالا ہے، اس کا سنگ بنیاد مفکر اسلام حضرت سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے رکھا تھا، اور اس کے صدر وناظم مولانا محمد عیسیٰ صدر دائرۃ المعارف الاسلامیہ جنوبی کیرالا ہیں جو کہ بڑے مصنف اور مالا بار زبان کے ماہر اور اس میں سیرت نبوی کے موضوع پر

کئی کتابوں کے مصنف ہیں، وہ اسٹیشن پر استقبال وخیر مقدم کے لیے بذات خود تشریف لائے اور بڑے خلوص و محبت سے پیش آئے، یہاں جامعہ کے علماء واساتذہ سے ملاقات کے بعد مسجد میں مولانا عبداللہ حسنی نے بعد مغرب خطاب فرمایا جس میں طلبہ کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے عصر حاضر میں مدارس ومکاتب دینیہ کی ضرورت اور ان کے کردار، عربی زبان میں رسوخ پیدا کرنے اور اس کو رواج دینے کی ضرورت واہمیت کی طرف توجہ دلائی، اور فرمایا: یہی زبان واحد زبان ہے جو زندہ ہے اور زندہ رہے گی، اور اپنی اصل حالت کے ساتھ ہمیشہ سے باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی اور کوئی زبان بھی اپنی حالت ایک مدت تک قائم رکھ پاتی ہے پھر اس کی وہ حالت قائم نہیں رہتی، لیکن اللہ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کر کے اس کی حفاظت کا دائمی سامان فراہم کر دیا اور یہی زبان ہے جو دنیا کے بعد کی زندگی آخرت میں بھی قائم رہے گی، اس زبان کے حروف کلام اللہ کے حروف ہیں، جن کی ادائیگی پر اجر وثواب ہے۔

عربی زبان کے زندہ زبان ہونے کی انھوں نے مثال دیتے ہوئے ثبوت کے طور پر کہا کہ شیخ زین الدین مخدوم نے فتح المعین عربی میں کتاب لکھی اور اس کی شرح عربی میں ایک مصری عالم نے کی، آج وہ یہاں کیرالا کے کئی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور اس کا افادہ عام ہے بہ نسبت مقامی زبان کے کہ ان کا افادہ محدود ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عمل کو اپنی حیات طیبہ کے آغاز سے اس کے آخری لمحہ تک اختیار کیا ہو وہ صرف عربی زبان کے الفاظ ہیں، مادر معظمہ کی گود سے لے کر اللہم الرفیق الاعلیٰ تک یہ سب جو زبان سے ادا کیا وہ عربی الفاظ وحروف کے علاوہ اور کیا ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی مسلسل اور دائمی سنت ہے جس میں کبھی انقطاع نہیں رہا، بچپن سے جوانی، جوانی سے کہولت، کہولت سے شیوخت یہاں تک کہ آخر وقت تک یہی زبان پر رہی، اگر ہم اس زبان کو اپنی زندگیوں میں انفرادی واجتماعی طور پر زندہ کریں گے تو اس میں ایسی برکات ظاہر ہوں گی جن سے

ہمارا ظاہر و باطن یکساں منور ہوگا، اور سماج سے بدعات وخرافات، اوہام و رسوم اور منکرات کے ازالہ میں آسانی ہوگی، کہ ان برائیوں کی شناعت دل و دماغ میں اسی درجہ میں بیٹھتی چلی جائے گی جس درجہ میں کتاب وسنت میں بیان کی گئی ہے۔

رات یہاں گزارنے کے بعد کیرالا کے دارالحکومت تری وانتا پورم (تری وندرم) مولانا اور ان کا وفد گیا، اس وفد میں یہاں کے مولانا عیسیٰ اور مولانا عبدالمجید باقوی بھی ساتھ تھے، مدرسہ ہدایت العلوم بفوندرا گئے، یہاں بھی زبردست خیر مقدم ہوا، رئیس الجامعہ مولانا کویا قاسمی، مولانا سلیمان باقوی، استاذ عابدالہادی، استاذ ارشد القاسمی سے ملاقات ہوئی، ان نوجوان علماء نے پروگراموں کے منعقد کرنے میں جو پلاننگ اور کوششیں کیں وہ غیر معمولی تھیں جامعہ کے فارغین وفضلاء کو جمع کر کے مختلف موضوعات پر جلسے رکھے اور یہاں کی بزرگ اور ذی علم شخصیت مولانا محمد نوح قاسمی نے اس کی سرپرستی کی اور پھر بڑا اہم استقبالیہ خطاب ان کے سامنے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی شخصیت اور ان کی دعوت وفکر اسلامی میں خدمات پر کیا، اس کے بعد ان کے پوتے مولانا سید عبداللہ حسنی نے ظہر سے قبل محاضرات دیئے، پھر عصر بعد، عشاء بعد ان کے محاضرات کا سلسلہ جاری رہا، اور مدرسہ محمدی کے طلبہ کو جن اوصاف وخصوصیات کا حامل ہونا چاہیے ان پر روشنی ڈالی اور تفرقہ بندی کے بجائے اسلامی وحدت پر لوگوں کو لانے کے لیے ان کی صلاحیتوں کو اختیار کرنے پر زور دیا جن سے بات کا وزن پیدا ہوتا ہے اور وقت کے تقاضوں اور دنیا کے حالات پر نظر رکھنے اور اسلام اور مسلمانوں کو جن چیلنجز کا سامنا ہے ان کو سمجھنے اور کتاب وسنت اور سیرت نبوی کے روشنی اور فتنوں کے مقابلہ میں ربانی علماء اور مصلحین امت کا جو طریقہ کار رہا ہے اس کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا کہا، اور موجودہ فتنوں اور خطرات میں قادیانیت کے فتنہ اور خطرہ کو نبوت محمدی کے خلاف بغاوت قرار دیتے ہوئے دوسروں کو اس فتنہ سے بچانے کی طرف بھی توجہ دلائی، اس لیے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی طاقتوں

کی تقویت سے پورے اسلحہ کے ساتھ اور میڈیا کے ذریعہ یہ خطرہ سامنے آیا ہے۔

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی نے اپنے خطاب میں جامعہ ہدایت الاسلام بفو ندرا کی خدمات اور اس کے فضلاء کو خراج تحسین پیش کیا۔

پھر تری وندرم سے کالی کٹ اور وہاں سے یہ وفد بھٹکل روانہ ہوا، ایک ہفتہ کا یہ کیرالا کا دورہ تھا جس کا چوتھا دن مولانا عبدالوہاب مظاہری کے مدرسہ کی زیارت اور وہاں خطاب پھر کولم کی نذر رہوا، مولانا عبدالوہاب مظاہری اپنے تعلق وعقیدت سے کولم میں ساتھ رہے، شہر کولم میں واقع مدرسہ منارالہدیٰ بھی تشریف آوری ہوئی، یہ جناب کمال احمد صاحب کا قائم کردہ ہے جو بڑے داعیوں میں ہیں، یہاں بھی طلبہ کے سامنے خطاب فرمایا جو مختصر تھا، پھر مسلم انجینئرنگ کالج گئے، اس کے احاطہ کی مسجد میں وہاں کے اسٹوڈنٹ وغیرہ جمع ہو گئے ان کو اسلام پر مکمل اعتماد پیدا کرنے کی دعوت دی کہ یہ یقین ہونا چاہیے کہ اسلامی تعلیمات میں ہمارے مسائل کا حل ہو چاہے وہ عقائدی ہوں، ارکانی ہوں، معاشی ہوں، سیاسی ہوں اور چاہے آج کے حالات کے نت نئے مسائل وقضایا ہوں، ہمیں شریعت کی روشنی میں حل کرنے چاہئیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (سورة البقرة:۲۰۸) انسانی گاڑی بغیر اس کے چل ہی نہیں سکتی، یہی شریعت مطہرہ پوری انسانیت کا قانون زندگی اور دستور حیات ہے، اور فرمایا: دینی اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیجیے، خاص طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتابوں کا ضرور مطالعہ کیجیے، ان کی کتابیں، انگریزی میں بھی آگئی ہیں، انھیں دیکھیے۔

اس کے بعد مولانا حسن رشادی کی مسجد میں جہاں وہ امام وخطیب ہیں خطاب کیا، پھر کنکوڈ تشریف لائے جہاں اس وفد کے رہبر مولوی جمال الدین ندوی کی اقامت گاہ ہے اور ایک رات قیام فرمایا اور عوام الناس کے لیے مسجد میں ایک

خطاب بھی کیا، پھر جامعۃ الانوار تشریف لے گئے جو مشہور خطیب کیرالا استاذ عبدالناصر المعدنی کی جامعہ ہے اور اس کے صدر مولانا ابوبکر باقوی ہیں، یہاں بھی طلبہ واساتذہ کو خطاب کیا، اور انھیں سیرت نبوی کے مطالعہ کا مشورہ دیا اور یہ کہ مطالعہ سرسری نہ ہو بلکہ گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ ہو، پھر کولم میں واقع جامعہ حسنیہ تشریف لے گئے، اسلامی دعوت وتبلیغ اور کتاب وسنت کی تعلیم عام کرنے میں خطہ کیرالا کا یہ بڑا معتبر اور معروف ادارہ ہے،(۱)

کالی کٹ میں اسٹیشن میں خیر مقدم کے لیے استاذ یوسف محمد الندوی موجود تھے، انھوں نے ایک ہوٹل (فندق) میں قیام کا نظم کیا تھا، کالی کٹ میں تین دن رہے، یہاں ڈاکٹر بہاء الدین ندوی اور کیرالا کے معروف خطیب ورہنما شخصیت عبدالصمد صمدانی جو ممبر پارلیمنٹ ہیں مسلم لیگ کی طرف سے اور حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی شخصیت سے بڑے متاثر اور ان کے مرید ہیں ملنے کے لیے آئے، دارالایتام ویناد میں طلبہ اور ذمہ داروں کے درمیان پروگرام ہوا، دارالہدیٰ اکیڈمی مولوی بہاء الدین ندوی لے گئے وہ اس کے صدر ہیں، وہاں محاضرہ کے بعد عبدالصمد صمدانی (یکے از

---

(۱) وفد کے رہبر مولوی جمال الدین ندوی یہاں سے پڑھ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء بغرض تعلیم و استفادہ رہے اور پھر مولانا عبداللہ حسنی کی سرپرستی میں تعلیم وتربیت پائی اور ایک سال حضرت مفکر اسلام کے ساتھ ان ہی کے مشورہ پر گزارا اور خدمت کی، مفکر اسلام اور ندوۃ العلماء کی فکر ودعوت کی اس وقت دنیا کو اس کی وسطیت واعتدال کی وجہ سے جو زیادہ ضرورت ہے اس کی مولوی جمال صاحب نے کیرالا میں اور زیادہ ضرورت محسوس کر کے مولانا عبداللہ حسنی اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی کا یہ دورہ کرایا اور اس کے ایسے اچھے اثرات ظاہر ہوئے کہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی کو ان کی واپسی پر تأثرات سننے کے بعد حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عبداللہ فاتح کیرالا ہیں۔
جامعہ حسنیہ میں مولوی عبدالشکور قاسمی استاذ تھے جو کہ کیرالا میں وفد میں شامل ہو گئے تھے اور برابر سبھی پروگراموں میں ساتھ رہے، اور مولانا کو وہ اور مولوی جمال ایسے مقامات پر لے گئے جہاں آنا جانا آسان نہ تھا، بس سے، عام گاڑیوں سے، اور جہاں پیدل چلنا پڑا وہاں وہ پیدل، گو ہر طرح سے دعوت وتفہیم دین کے لیے دشواریاں باعث راحت قلب بن گئیں۔

قائدین مسلم لیگ کیرالا) کے مکان پر تشریف لائے، اوران کا معہد بھی دیکھا اور وہاں خطاب بھی کیا، مطالعات قرآنی سے متعلق یہ بیان بڑا معلومات افزا اور روح پرور تھا، یہاں سے مدرسہ جوہر الہدیٰ تشریف لے گئے جس کے صدر استاذ محمد النظامی ہیں اور استاذ یوسف محمد ندوی یہاں اس وقت استاذ تھے، یہاں مسلم خواتین بھی معلمات ہیں، مولانا نے اپنے خطاب میں خواتین کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے امہات المومنین کی عفت وحیا کو سامنے رکھنے کو کہا اور اسلامی ثقافت اور مغربی ثقافت کا جو فرق ہے اس فرق کو بھی ملحوظ رکھنے کو کہا کہ ہماری بہنوں کو ہر حال میں اسلامی ثقافت ہی اختیار کرنی چاہیے، اور اسلام نے جو حدود مقرر کیے ہیں ان ہی حدود کا پابند رہنا ہے، اور اس بات سے آگاہ کیا کہ مغربی طاقتیں اور استعماری ذرائع عورتوں کی عزت و ناموس کو ختم کرنے کے درپے ہیں، اس لیے اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

آخر میں مولانا نے علماء کیرالا کو ندوۃ العلماء کی زیارت اور وہاں کے مشائخ سے ملاقات کی دعوت دی، جس ہوٹل میں قیام تھا وہاں کیرالا کے ندوی فضلاء اور علماء کی ایک تعداد جمع ہوگئی تھی، جن میں خصوصیت سے استاذ محی الدین ندوی قابل ذکر ہیں، جو پرانے ندوی ہیں اور کامیاب ملیالم مترجم بھی ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ارکان اربعہ کا ملیالم میں ترجمہ کر چکے ہیں، مولانا نے ان سب کے سامنے ندوۃ العلماء کے قیام کا مقصد اور اس کی فکر کی افادیت سامنے رکھی تا کہ اس کی روشنی میں آگے بڑھیں۔

ندوی فضلاء کے اس اجتماع کے بعد کالی کٹ کے جن مسلم تعلیمی و دعوتی اداروں میں مولانا تشریف لے گئے ان میں مرکز ۃ الدعوۃ، مرکز ندوۃ المجاہدین السّلفیہ میں اخبارات نے مولانا پروگرام کی تفصیلات بھی شائع کیں، خاص طور پر چندریکا اور مادھیم روزناموں نے اور انٹرویو بھی شائع کیے۔

مولانا کے مرافق اور رہبر سفر مولوی جمال الدین ندوی اور مولانا عبدالشکور

قاسمی، استاذ محمد الانصاری ان سبھی کا کہنا ہے کہ مولانا کی ایک بڑی صفت یہ ظاہر ہوئی کہ ان کی کیرالا میں عربی کے ایک داعی صحافی استاذ حدیث اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے حفید اقرب کی حیثیت سے تعارف ہوا تھا، اس سفر نے جہاں ان کی شخصیت کے مختلف دبے ہوئے گوشے کھولے، ان میں ایک بڑا وصف یہ ظاہر ہوا کہ وہ عربی زبان کے ایک فصیح البیان خطیب بھی ہیں، پورے سفر میں انھوں نے عربی زبان میں خطاب کیے، اس لیے کہ کیرالا میں علماء اور مدارس کے لوگ اور بھی لوگ بلاد عربیہ سے تجارتی اور ملازمت وغیرہ کے روابط کی بنا پر عربی زبان کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اس میں بات بھی کرتے ہیں، ہندوستان کے دوسرے علماء کی بہ نسبت کہ ان سے اہل کیرالا بلا واسطہ مستفید نہیں ہو پاتے، مولانا سے بلا واسطہ مستفید ہوئے اور ان کی طرف قلوب خوب مائل ہوئے اور دل و دماغ نے ان کی فکر انگیز باتوں کو قبول کیا۔

چنانچہ اس سفر سے جو دروازہ کھلا اس سے ایسے مخلص مردان کار دستیاب ہوئے جنھوں نے اس فکر کو اوڑھ لیا اور پھر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے انتقال کے بعد سے تو مختلف ادارے بھی وجود میں آئے، اور ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور اساتذہ کے کئی اہم سفر کلقور، کالی کٹ، کولم کائم کولم، اور تری وندرم وغیرہ کے ہوئے، اور مولوی عبدالشکور قاسمی نے حسنی اکاڈمی قائم کر کے حضرت مفکر اسلام کی کتابوں کی اشاعت کا بھی زبردست کام انجام دیا ہے جس کو انھوں نے اور ان کے رفقاء نے ملیالم میں منتقل کیا، یہ یادگار دعوتی تعلیمی دورہ مدراس کے راستہ سے براہ کالی کٹ ہوا اور پھر تری وندرم سے کولم، کائم کولم، کالی کٹ اور ان کے مضافات میں پیغام رشد و ہدایت دیتے ہوئے براہ بھٹکل اختتام پذیر ہوا۔

بھٹکل گو کیرالا میں نہیں ہے، کرناٹک میں ہے لیکن ندویوں کا ندوۃ العلماء کے بعد دوسرا بڑا مرکز ہے، اور اہل علم و دین کا مستقر اور سب سے بڑا استقبال گاہ ہے، کوئی قریب تک پہونچ جائے یا گذرنے لگے تو پھر ندوی غیر ندوی کی قید

نہیں، داعی ہو یا ادیب، عالم ہو یا دانشور، اس کو بھٹکل آنا اور اترنا ہی ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جبکہ رفیق سفر بھٹکل کے ہی مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی تھے تو پھر یہ کیسے ممکن نہ ہو، پروگرام ہوئے ملاقاتیں ہوئیں، اور بعض بڑے اہم امور اور گوشوں کی طرف متوجہ کیا، اور مادیت سے روحانیت کا سفر کرایا۔" (۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی وفات کے بعد ان کے سب سے زیادہ سفر کیرالہ کے ہوئے۔ جس کی تفصیلات استاذ محمد الانصاری ندوی اس طرح بیان کرتے ہیں:

۲۰۰۱ء میں عبدالغفور صاحب اور مولانا عبدالشکور قاسمی مفکر اسلام فاؤنڈیشن کے سلسلہ میں مشورہ کے لئے لکھنؤ آئے اور مولانا سے مشورہ کرکے واپس گئے۔

چنانچہ ۲۰۰۲ء میں بھٹکل کے راستہ سے مفکر اسلام فاؤنڈیشن کے افتتاح کے لئے کالی کٹ تشریف لائے، مولانا الیاس بھٹکلی اور مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل بھی بھٹکل سے ساتھ ہوگئے تھے، مفکر اسلام فاؤنڈیشن کا افتتاح ہوا اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی ودعوت" کا ملیالم میں ترجمہ ہوا۔

اسی سفر میں مدرسہ فوزیہ میں بھی تشریف لائے، جس کے صدر حضرت مولانا عیسیٰ صاحب ہیں، اور وہاں زبردست پروگرام منعقد ہوا۔ مولوی صادق بوڑیوی ندوی رفیق سفر کے طور پر مولانا کے ساتھ تھے، مولانا کو حیدرآباد بھی جانا تھا، اسٹیشن تاخیر سے پہونچے، ٹرین پہونچ چکی تھی، لیکن رکی رہی، یہاں تک کہ مولانا پہونچ گئے، یہ مولانا کی کرامت محسوس ہوئی۔ اسی سفر میں چند اہم لوگ بیعت ہوئے، ڈاکٹر حسن آنکھ کے مشہور ڈاکٹر جن کے دادا کیرالہ میں ایجوکیشن منسٹر رہ چکے ہیں، بیعت ہوئے۔ ۲۰۰۳ء میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ فلائٹ سے مولانا

---

(۱) کیرالہ کے اس پہلے تفصیلی دعوتی سفر کی روداد جریدہ "الرائد" (عربی) ندوۃ العلماء میں ۱۹۹۷ء میں ملاحظہ فرمائیے۔

سید عبداللہ حسنی ندوی، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی، تری وندرم ایئرپورٹ پر نزول فرما ہوئے، تری وندرم کی بڑی مسجد میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا زبردست خطاب ہوا، جس کا ترجمہ مولانا اسحاق صاحب نے کیا، چونکہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر منتخب ہونے کے بعد حضرت مولانا رابع صاحب تشریف لائے تھے، اس کی وجہ سے جگہ جگہ بڑا پرتپاک خیر مقدم ہوا، اور ۱۰۰ سے زائد شالیں پیش کی گئیں جو سب کی سب سفر میں ہی حضرت نے پیش کر دیں۔ مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے اہل کیرالہ پہلے سے ہی بڑے مانوس اور معتقد تھے ان کا جگہ جگہ خطاب ہوا۔

مولانا عبداللہ حسنیؒ کے ۲۰۰۳ء - ۲۰۰۵ء میں بھی کیرالہ کے سفر ہوئے۔ ۲۰۰۶ء میں پھر بڑا اہم سفر ہوا۔ ۱۵ دن کیرالہ میں رہے، پورے سفر میں تری وندرم سے لے کر ممبئی تک ساتھ رہا۔ اس سفر میں ماشاء اللہ بہت بڑی تعداد میں لوگ بیعت ہوئے، اس سفر میں کولام ضلع میں اوچھرا کے دارالعلوم کو جگہ دینے والے ڈاکٹر احمد صاحب بیعت ہوئے جو کہ ایم ڈی ہیں، اور کئی اسپتال چلا رہے ہیں، اسی سفر میں دارالعلوم الاسلامیہ اوچھرا کا سنگ بنیاد مولانا سید عبداللہ حسنی نے رکھا، اس کے بانی و مدیر مولانا عبدالشکور قاسمی ہیں، لیکن فکری طور پر اس کے بانی مولانا سید عبداللہ حسنی ہیں، انہی کے فکر و تخیل کی روشنی میں ہم لوگ کیرالہ میں اپنا تعلیمی و دعوتی نظام آگے بڑھا رہے ہیں۔

مولانا عبداللہ حسنی کولام ضلع میں مولانا عبدالوہاب کے یہاں ویکل کے مدرسہ میں تشریف لائے، وہاں ڈاکٹر عبدالغفار صاحب نے بیعت کی جو ۳۰ سال مدینہ منورہ میں خدمت انجام دے چکے ہیں، اور تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن ہیں، اور عرفہ ہاسپٹل کے ذمہ دار ہیں اور سونے کے ایک مشہور تاجر بدرالدین صاحب بیعت ہوئے، اور بھی اہم شخصیات بیعت ہوئیں، جن میں علماء، حفاظ، تبلیغ والے اور عام لوگ اور مختلف طبقوں کے حضرات تھے۔

پھر کائم کولام میں الجامعۃ الحسنیہ میں زبردست تقریر ہوئی، وہاں کے چند علمائے کرام اور تبلیغ والے بیعت ہوئے، وہاں قیام صرف ایک دن رہا، یہاں مولانا

سے ملنے کے لئے بھٹکل سے مرکز نظام الدین دہلی کی شخصیت مولانا محمد غزالی ندوی صاحب آئے تھے۔ ان کا جامعہ حسنیہ کے ذمہ دار ومتولی حاجی عبدالستار صاحب سے بعض معاملات میں اشتراک عمل ہے، اس سفر میں عبدالستار سیٹھ صاحب مولانا کی شخصیت سے بڑے متاثر ہوئے، جس کا سبب مولانا کا زہدواستغناء تھا، دوسری بات یہ ظاہر ہوئی کہ سیٹھ صاحب کی صاحبزادی کو ڈلیوری کا مسئلہ تھا اور دشواری ہورہی تھی، مولانا سے دعا کے لئے کہا، مولانا نے دعا کی اور یہ دعا بتائی کہ "ثم السبیل یسّرہٗ" سات بار پڑھ کر پانی میں دم کرکے پلائیں، چنانچہ اس پر عمل ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں بسہولت ولادت ہوگئی، اور آپریشن کی ضرورت نہ ہوئی۔ فون پر سیٹھ صاحب نے بتایا کہ اس پر عمل میں دس منٹ ہوئے ہوں گے کہ یہ خوشخبری ملی کہ ولادت ہوگئی، اس سے ان کے گھر کی مستورات اور افراد خاندان کو مولانا سے بڑا تعلق ہوگیا۔

مولانا پھر آلوا گئے، یہاں بھی لوگ بیعت ہوئے، آلوا میں مولانا ایک دن رکے تھے، یہاں ملاقات کے لئے بڑا مجمع جمع ہوا، یہاں مولانا نے بتایا کہ خواب میں حضرت مولانا علی میاں کی زیارت ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ تم فاتح کیرالہ ہو، تواضعاً مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ تم دوسروں کو نہ بتانا کہ لوگ اتنی بڑی تعداد میں بیعت ہوئے، اس لئے کہ ہماری یہ حیثیت نہیں ہے، ہم چھوٹے ہیں، بس حضرت کی برکت اور ان کی نسبت کا اثر ہے۔

اسی سفر میں سیدھے کنانور گئے اور کالی کٹ نہیں گئے، اور انس مولوی کا مدرسہ جو چھوٹا مدرسہ تھا انہوں نے اپنے مدرسہ عین المعارف بلایا جو کرائے کی بلڈنگ میں تھا وہاں حضرت مولانا کی عصر بعد مجلس ہوئی، جس میں علماء، حفاظ اور بڑی حیثیت کے لوگ جمع ہوئے، مولانا نے ایک گھنٹہ عربی میں بہت زوردار مؤثر بیان کیا، وہاں کے علماء نے کہا، ہم نے ایسا بیان تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے سنا ہے، اس بیان کا ترجمہ مولانا عبدالشکور قاسمی نے کیا۔

اس سفر میں انس مولوی صاحب اپنے گھر میں مولانا سے بیعت ہوئے، اور

مولانا احمد کبیر الکوثری بیعت ہوئے، وہ مدرسہ منبع الانوار واڑہ گڈھا کے مہتمم ہیں اور مولانا ارشد قاسمی بیعت ہوئے، اس کے علاوہ علماء حفاظ اور تبلیغ کے لوگ بڑی تعداد میں بیعت ہوئے۔

۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء میں کیرالہ کے سفر ہوئے، ان سفروں میں لوگ آپ سے اپنی مستورات کے ساتھ بیعت ہوئے، مستورات کو پردہ کے پیچھے رکھ کر رومال وچادر سے بیعت کیا، اور اصلاحی خطابات ہوئے، جن میں اصلاح عقائد اور ازالۂ بدعات ومنکرات پر بہت زور تھا۔

۲۰۱۰ء میں کوچین ایئرپورٹ آئے، پھر آلوہ آئے، مولانا عبدالشکور قاسمی کے گھر پر آلوہ بھی تشریف لے گئے، وہاں مشہور خطیب وقائد جناب عبدالصمد صمدانی سابق ممبر پارلیمنٹ وقائد مسلم لیگ نے مولانا سے خصوصی ملاقات کی اور بیعت کی، یہ آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ صمدانی صاحب کے اجلاس میں بھی کالی کٹ تشریف لے گئے، جس میں پانچ لاکھ لوگ جمع تھے، یہ اجلاس ایک سال میں ایک بار کالی کٹ میں ہوتا ہے، مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے اس جلسہ کا افتتاح کیا، پھر کالی کٹ میں بھی لوگ بیعت ہوئے، دوسرے دن کنانور گئے، عین المعارف گئے، جہاں رابطۂ ادب اسلامی کا جلسہ تھا اور مولانا نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی نمائندگی کی اور نیابۃً افتتاح کیا، صدارت حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے کی تھی، مولانا عبداللہ حسنی نے قرآن مجید کی ادبی خصوصیات سے متعلق اس سیمینار میں بعض ایسے نکات ولطائف کی طرف متوجہ کیا کہ لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔

ڈاکٹر محمد صادق مشہور آئی سرجن برہمن ہیں، اور رائل فیملی کے فرد اور ایم ڈی ہیں، وہ بھی بیعت ہوئے، اور بیعت کے بعد خاص تعلق کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ مولانا سے تعلق قائم ہونے کے بعد اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے تعلق بڑھا اور بڑا روحانی فائدہ ہوا۔

یہ ڈاکٹر محمد صادق اور ڈاکٹر محمد حسن جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، مولانا کی صحبت میں وقت گزارنے رمضان میں ان کی خانقاہ تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی بھی آئے، اعتکاف کیا اور بڑی حیثیت ہونے کے باوجود خادمانہ طور پر وقت گزرا۔

۲۰۱۱ء میں مولانا مرحوم کا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے ساتھ بھٹکل کے پچاس سالہ جشن تعلیمی میں شرکت کرتے ہوئے کیرالہ کا سفر ہوا، جس میں کنانور میں انس مولوی کے مدرسہ عین المعارف کی مسجد کے افتتاح کا پروگرام بھی تھا، اور کولام میں سیرت النبیؐ کے تعلق سے بڑے جلسہ کا انعقاد تھا، اور آگے کے پروگرام بھی تھے، مگر کولام سے سیرت النبیؐ کے جلسہ میں شرکت فرما کر کوچین کے راستہ سے جہاز سے دہلی روانہ ہوگئے۔ ٹرین میں ریزرویشن کنفرم نہ ہونے کی وجہ سے جہاز کا سفر طے ہوا، اور کوچین میں مولانا سعید احمد غزالی ندوی کے یہاں قیام کیا، اور بعض مقامات کی سیر بھی کی کوچین تک مولانا کے دو بھانجے مولوی منصور حسن حسنی اور مولوی محمد امین حسنی ساتھ تھے، یہ مولانا کا آخری سفر کیرالہ کا تھا، وہ اپنے قدوم میمنت سے بار بار گویا ہر سال کیرالہ کو نوازتے رہے، اس سے جو خوشبو پھیلی ہے اس سے لوگ معطر ہوتے رہیں گے، کام چل پڑا، افراد تیار ہوگئے ہیں، تری وندرم میں پوا چل میں آپ کا قائم کردہ ادارہ مدرسہ دارارقم آپ کی یادگار ہے، جس کو مولوی جمال ندوی نے سنبھالا اور اس کو پروان چڑھایا اور دوسرے دعوتی کام اور تحقیقی مراکز بھی ہیں، کیرالہ کو جو آخری سرا ہندوستان کا ہے اس کا رشتہ شمالی ہندوستان سے استوار کیا۔(۱)

اورنگ آباد

مولوی جنید فاروقی ندوی بیان کرتے ہیں: اورنگ آباد میں غیر مسلموں میں دعوتی کام اور پیام انسانیت کے کام کو آگے بڑھانے میں یہاں کے نوجوان بعض جامعہ کاشف العلوم کے فارغین اور کچھ عصری تعلیم یافتہ لوگ تھے ان کے ذریعہ آئے ہوئے نو

---

(۱) یہ تفصیلات استاذ محمد الانصاری مالاباری کے بیان کردہ ہیں۔

مسلم حضرات تھے جو کہ حضرت مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی کام کر رہے تھے آپ ہی کے مشورہ سے دعوتی کام میں کارنر میٹنگ پیام انسانیت کے عنوان سے کی گئیں، جس کے ذریعہ سے غیر مسلم حضرات اور پڑھے لکھے برادران وطن میں اسلام کی عملی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنیکی رہنمائی وسرپرستی میں اور حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی صاحب کے مشورے سے ایک ایک قدم اٹھایا گیا، اس کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ جو غیر مسلم حضرات قریب آئے انہوں نے حیرانی کے ساتھ کہا کہ کیا اسلامی تعلیمات یہ ہیں؟ ہم تو اسلام کو انسانیت کے لیے خطرہ سمجھتے تھے لیکن پیام انسانیت کے ذریعہ سے ہم جب ایک جگہ جمع ہوئے اور ایک دوسرے کو دیکھا تو سمجھ میں آیا کہ اسلام تو انسانیت کی بقا کی ضمانت ہے۔

اورنگ آباد میں نوجوان طلبہ کے درمیان حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے مشورہ سے مضمون نویسی کے مقابلے منعقد کیے گئے، جس میں عمر کی کوئی قید نہیں تھی، اس طرح سال میں ایک مرتبہ اور بعض وقت دو مرتبہ اس طرح ڈھائی سال میں اورنگ آباد میں تین مضمون نویسی کے مقابلے اور ایک جنرل نالج کوئز مقابلہ رکھا گیا، جنرل نالج کوئز مقابلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے تعلق سے ایسے سوالات کیے گیے جن کے بارے میں عوام میں غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں، اس کے ذریعہ سے کئی لوگوں نے سیرت کو پڑھا، اور اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی سے بے انتہا متاثر ہوئے، اور انہوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی ہر انسان کے لیے رہنما اور آئیڈیل ہے اس کام کے اندر حضرت مولاناؒ کے دست مبارک پر اورنگ آباد میں کئی نوجوان بیعت ہوئے اور کئی نوجوانوں نے جام توحید کو پیا، مولاناؒ نے اورنگ آباد کے کام کرنے والوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ حضرت مولانا علی میاںؒ کے شاگرد رشید اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا ریاض الدین فاروقی ندوی سے مشورہ لیں، اور ان کے پاس کچھ کام کی رپورٹ پیش کریں، حضرت مولاناؒ نے اورنگ آباد کے اطراف جالنا، مالیگاؤں، کوپرگاؤں، سلوڑ، وغیرہ میں کام

کرنے کی تلقین کی، الحمد للہ ہر جگہ پیام انسانیت کی ٹیمیں اپنا کام کر رہی ہیں، اور اس کے ذریعہ کئی لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں، اور نوجوان طبقہ جام توحید سے بہرہ ور ہو رہا ہے، حضرت مولانا عبد اللہ حسنیؒ نے ایک خاص انداز سے نو ہدایت یافتگان میں تربیت کا ایک نظام بنایا تھا۔

چوں کہ ہر شخص جماعت میں جانے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا، اور اس کے گھریلو حالات بگڑنے کا اندیشہ ہوتا تھا، اس کو دیکھتے ہوئے حضرت نے نوعیت کے اعتبار سے تربیت کا نظام بنایا تھا، اس میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بغیر کسی لڑائی کے اور بغیر کسی کراہیت کے نو ھدایت یافتگان میں اپنے اخلاق و کردار کے ذریعہ اپنے اہل خانہ کو یا تو اسلام کا قائل کر دیا، یا انہیں بھی جام توحید پلا دیا، حضرتؒ کو دعوت بالعمل پر زیادہ زور دیتے تھے، اور اخلاقی اعتبار سے پیش آنے کی تلقین فرماتے تھے، حضرتؒ نے نوجوانوں کے درمیان باتوں میں ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ وسائل پر زیادہ بھروسہ نہ رکھو، اللہ کی ذات سے اپنے آپ کو جوڑو، چونکہ حالات و وسائل اللہ کے تابع ہیں، حضرت مولاناؒ نے ناتجربہ کار اور کوئی حیثیت نہ رکھنے والے لوگوں کو ایسی شفقت دی اور محبت دی اور انہیں رب العالمین سے تعلق پر ابھارا کہ وہ کچھ کام کر سکیں، حضرتؒ کی برکتیں اور مخدوم گرامی حضرت مولانا رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی دعاؤں سے کچھ کام سامنے آیا، جو کہ محض اللہ کا فضل اور بلا استحقاق نوازے جانے کا نتیجہ ہے، اورنگ آباد کو یہ فخر حاصل رہا کہ جس طرح حضرت مولانا علی میاںؒ اسے ہندوستان کا غرناطہ کہا تھا، اور اپنی خصوصی توجہات دی تھیں، اس طرح ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے بھی اس کو اسی طرح توجہات سے نوازا، ان دونوں حضرات کی دعاؤں سے اور پھر حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کی توجہات نے رہنمائی فرمائی، اور حضرت مولانا کو ایسا شرح صدر اور اطمینان یہاں آکر ہوا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا دل اورنگ آباد بہت لگتا ہے، اور بار ہا آنے کو جی چاہتا ہے۔

آندھرا پردیش، اڑیسہ اور کرناٹک وتمل ناڈو میں دعوتی سرگرمیاں

حافظ ابو الکلام نصیر آبادی جو کہ نصیر آباد رائے بریلی کے رہنے والے تھے اور مدرسہ ضیاء العلوم کے طالب علم تھے لیکن تعلیم مکمل نہ کر سکے تھے، اور آندھرا پردیش کے نہایت پسماندہ علاقہ وزیانگرم جو وشاکھا پٹنم سے سوکلومیٹر کے فاصلہ پر بڑا پسماندہ علاقہ ہے، قرآن سنانے کے لیے گئے، دینی اعتبار سے وہاں کے جو حالات تھے اور عقائد میں جو بگاڑ تھا اور غیر مسلموں کی تہذیب سے مسلمانوں کا جو اختلاط تھا، جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کو پہچاننا مشکل تھا، وہ ساری صورتحال مولانا سے عرض کی ان کے مشورے سے مفکر اسلامؒ سے بیعت کا تعلق قائم کیا، اس علاقہ میں چاروں طرف چار سوکلومیٹر میں دینی مکاتب کا وجود نہیں تھا، مولانا کے مشورے سے مکتب قائم کیا، اور غیر مسلموں میں بھی دعوت کا سلسلہ شروع کیا، حافظ صاحب سے تمام مکتب فکر کے لوگ اس لیے جڑے کہ انہوں نے سب کا پورا خیال رکھا، وہاں کے لوگوں نے خود مولانا سے بیان کیا، کہ ہمارے حضرت کی جو فکر ہے، اور ہم سب کی جیسی رہنمائی کر رہے ہیں، ہم لوگ اپنے آپ کو جماعتوں گروہوں میں بٹنے کے بجائے ایک ساتھ مل کر کام کریں گے، مولانا نے ٹرین سے وہاں کا ایک طویل سفر بھی کیا، اور اس علاقہ کے مسلمانوں اور غیر مسلم حضرات سے خطاب بھی کیا اور حالات کو بہتر بنانے کے لیے مولانا سید ارشد نسیم ندوی (حیدر آباد) کو ناظم بنایا اور خود پوری سرپرستی فرماتے رہے، اب الحمد للہ ایک بڑا ادارہ وجود میں آچکا ہے، اور آس پاس مکاتب کا جال پھیل چکا ہے، اور مساجد کے قیام کے ذریعہ جس میں مولانا محمد ایوب صاحب بھٹکلی ندوی اور شیخ یوسف قاراجا ندوی کا تعاون بھی حاصل ہوا، وہاں کی سربرآوردہ شخصیت جس کا علاقہ میں بڑا رسوخ ہے اور وہ وہاں کا راجہ ہے، وہ بھی ان کی تعلیمی کوششوں کی بڑی قدر کرتا ہے، اور ساتھ میں پیام انسانیت کا کام بھی جاری ہے، مولانا نے ایک موقع پر فرمایا میں یہاں کے کام سے بڑا مطمئن ہوں، اور اللہ کا شکر گذار ہوں۔

مولانا نے مولانا محمد حسن ندوی رائے بریلوی کو بھی ۱۹۸۹ء میں آندھرا میں چلکوری پیٹ ضلع گنٹور میں تعلیم ودعوت کے کام کے لیے بھیجا تھا، اور وہاں انہوں نے ایک سال قیام کیا، پھر مولانا نے ان کو ہر اتوار کو وہاں کے دیہاتوں میں جانے کا مشورہ دیا، اور یہ کام الحمد للہ تقریباً پورے سال مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان فرق کیے بغیر جاری رہا۔

تلگو زبان میں وہاں کے رہنے والوں کے لیے ترجمے کیے جاتے ہیں، مولانا کی بڑی خواہش تھی کہ تلگو زبان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا اسلام کے تعارف کا لٹریچر مقامی زبان میں منتقل ہو، اور برابر انہیں اس کی فکر وتلاش رہتی تھی، اور اس کے لیے مولوی مقبول احمد ندوی وجے داڑہ مولوی عبد المستعان ندوی اور مولانا وصی اللہ ندوی کو الگ الگ کاموں پر لگایا، اور برابر توجیہ وارشاد کا کام جاری رکھا، جس سے حیرت انگیز نتائج ظاہر ہونے لگے اور مولوی وصی اللہ ندوی نے بڑا تعلیمی ادارہ بھی قائم کر لیا، جس میں ان کو مولانا غلام وستانوی اور الحاج محمد سائب سکری بھٹکلی اور مرحوم عبد الغنی محتشم بھٹکلی صاحب کا خصوصی تعاون حاصل ہوا، اور یہ مولانا عبد اللہ حسنی ندوی سے ان کے تعلق اور ان کی کوششوں پر اعتماد سے تھا، چنانچہ مولوی وصی اللہ ندوی جو اصلاً تمل ناڈ کے رہنے والے ہیں، مولانا کے مشورے سے آندھرا کے ان پسماندہ علاقوں میں ارتداد کے مقابلہ اور دین کے فروغ اور علم کی اشاعت کے کام کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے، اور برابر مولانا سے رابطہ میں رہے اور جب قادیانیت کا فتنہ اٹھا تو اس کا بھی طاقتور طریقہ سے انہوں نے مولانا کی رہنمائی میں مقابلہ کیا، مولانا محمد حسن ندوی کہتے ہیں کہ انہوں نے آندھرا میں ایسے زمانہ میں قیام کیا کہ مولانا کے لٹریچر کا اور ان دعوتی دوروں کا جو مولانا کے مشورے سے اتوار کو ہوتے تھے جس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایسے گاؤں دیہات میں جو دین سے بالکل بے گانہ ہو گئے تھے اور جو کمیونزم کے عقیدہ کا اور اس کے کلچر کا شکار ہو گئے تھے سال بھر کی محنت میں اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو اپنی طرف کھینچا

اور دین اسلام کے دستر خوان سے فیضیاب کیا اور وہ سب تائب ہو گئے۔

حیدر آباد کے لوگوں میں مولوی قطب الدین ندوی مولوی نور الدین ندوی مولوی فصیح الدین ندوی نے اپنی دعوتی تعلیمی سرگرمیوں کے ذریعہ اور مولوی مصور حسین ندوی بستوی نے لڑکیوں کی تعلیم کا ادارہ ایک تعلیمی پسماندگی کے شکار علاقہ میں قائم کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا، اور حیدر آباد اور آندھرا کے مولانا کے مسلسل سفر ہوتے رہے، اور حیدر آباد میں کئی کئی دن قیام بھی کیا، اور مضافات کی بھی فکر رکھی، ۲۰۱۱ء کی بابت محبوب نگر میں واقع دار العلوم سبیل الہدیٰ کے مہتمم مولانا محمد طاہر قاسمی کے فرزند مولوی رضوان ندوی جو دار العلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم تھے ان کے اصرار پر تشریف لے گئے جس میں راقم بھی ان کے ساتھ تھا، اس طرح آندھرا کی مولانا کو خصوصی فکر رہی، جس کے شاندار نتائج نظر آرہے ہیں۔ حیدر آباد میں اسلامی رنگ کے حامل اسکول کے نظام کے فروغ کی کوششوں میں انہیں مصباح صاحب کی کوششوں کی خاص طور پر بڑی قدر تھی، اور ان کی ہمت افزائی کے لیے بھی وفات سے ایک سال قبل سفر کیا تھا۔

جہاں تک اڑیسہ کا تعلق ہے تو وہاں مولانا کے نمائندے مولوی عبد الرحمٰن ندوی کٹک کی خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اور مولانا نے اڑیسہ کے متعدد سفر کیے، اڑیسہ میں ان کو برہم پور کے رفیق صاحب پر خاص اعتماد ہو گیا تھا، اور ان کے ذریعہ لوگ خوب ایمان میں داخل ہو رہے تھے جب بھی کوئی تقاضہ سامنے آتا بس مولانا کی تشریف آوری دعوتی کام کے لیے مہمیز کا کام دیتی تو مولانا رخت سفر باندھ لیتے، اڑیسہ کے ایک سفر میں تو راقم سطور کا بھی ساتھ رہا، اور مولانا سید عنایت اللہ صاحب کٹکی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء بھی مولانا سے وہاں کے کام کے سلسلہ میں مشورے لیتے تھے اور مولانا ان کی بھی رہنمائی کرتے تھے۔ جون ۲۰۰۹ء میں آندھرا پردیش اور اڑیسہ کے اضلاع کا طویل اور بڑا مفید دورہ مولانا مرحوم نے

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ کیا، جس میں راقم الحروف بھی تھا، اس سفر میں وجے واڑہ اور گنتور میں پیام انسانیت کے اہم جلسے بھی ہوئے اور تعلیم و دعوت کے بڑے رہنما پروگرام ہوئے۔

مولانا اپنے کام کے بعض ساتھیوں کو اڑیسہ وہاں کے دعوتی تقاضوں پر روانہ کرتے رہتے، اور کچھ کچھ وقفہ سے کوئی خوشخبری ضرور مل جاتی، اور یہ مولانا کے لیے بڑی طاقتور غذا ہوتی اور لگتا کہ ان میں نئی روح پڑ گئی، کرناٹک میں مولوی ایوب رشادی ندوی نے اور ان کے ساتھیوں نے میسور کو مرکز بنا کر جو تعلیمی و دعوتی کام شروع کیا اس میں انہوں نے مولانا سے برابر سرپرستی حاصل کی، اور مولانا نے ان کے تقاضوں پر وہاں کے سفر بھی کیے اور اپنے مقام پر بھی رہ کر رہنمائی کرتے رہے آج اس کے اثرات بڑے ظاہر و باہر ہیں۔

اور مولوی خالد بیگ ندوی نے تمکور کو مرکز بنا کر جس بڑے دعوتی اور تبلیغی کام کا آغاز کیا، اور پھر کرناٹک کی دینی و تعلیمی پسماندگی کے شکار علاقوں میں اٹھ رہے فتنوں کے تعاقب کا جو کام کیا اس میں روز اول سے تادم آخر مولانا ان کی بھرپور رہنمائی کرتے رہے اور دوسروں کو بھی ان حقائق کی طرف جوان کے ذریعہ مولانا کے سامنے تھے متوجہ فرماتے رہے، اس کے علاوہ بنگلور اور کرناٹک کی ساحلی پٹی بھٹکل اور اس کے اطراف کے لوگ بھی مولانا کے دعوتی فکر میں رفیق بن کر اپنے اپنے علاقوں میں دینی تعلیمی اور دعوتی کوششوں میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں، ان میں خصوصیت سے مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی نے مولانا کی رہنمائی حاصل کی اور بڑے وسیع پیمانے پر تعارف اسلام کا کام کیا جس کے اثرات دوسرے ملکوں میں بھی نظر آ رہے ہیں، جس میں خاص طور سے ایمانیات اور سیرت نبوی پر مسابقاتی کوئز کے مقامی اور ملکی سطح کے غیر معمولی پروگرام اور کتابوں کی اشاعت کا غیر معمولی طریقہ کار سامنے آیا، جس سے بہت بڑی تعداد نوجوانوں کی اسلام سے متعارف ہوئی، اور بعض کو اللہ تعالیٰ نے اسلام

میں داخل ہونے کا شرف بھی عطا کیا، مولانا کو مولانا الیاس ندوی کے کام کی بڑی قدر تھی اور ان کی لکھنؤ آمد پر وہ دعوتی اور تعلیمی کام وتحریک سے جڑے لوگوں کو جمع کر کے اوران کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتے جس سے بڑا فائدہ ظاہر ہوا۔

تمل ناڈ میں جو جنوبی ہند کا بڑا اہم اور سرحدی خطہ ہے، اس میں مولانا نے اپنے بعض ندوی فضلاء کو متوجہ کر کے تعلیمی و دعوتی اور تعارف اسلام کے کام کیے، اور ایک اہم پروگرام میں انہیں جناب رفیق احمد صاحب (جو مدراس کے بڑے تاجر اور داعی صفت انسان ہیں) نے مولانا قاری محمد قاسم صاحب انصاری بھوپالی مقیم مدراس کے ذریعہ دعوت دی، اور پھر وہاں کی ایک دردمند داعی شخصیت مولانا سید منصور اسلم ندوی سے بھی ملاقات ہوئی جن کے ہزاروں مکاتب تمل ناڈ کی ریاست میں چل رہے ہیں، اور اصلاح عقائد وازالہ منکرات کا اپنے درس قرآن کے ذریعہ جو مختلف مقامات پر روز کی ترتیب سے دیتے ہیں دعوتی کام انجام دے رہے ہیں، بڑے فعال اور متحرک داعی شخصیت ہیں، وہ پھر لکھنؤ میں بھی مولانا سے آکر ملے، اور بعض اہم امور میں مشورے کیے مولانا کا مدراس میں جو خطاب ہوا تھا وہ امت کی اصلاح کی کوشش کرنے اور غیروں کو دعوت اسلام دینے پر ابھارنے کا ایسا مؤثر خطاب تھا جس نے سبھی عمائدین اور عام حاضرین جلسہ کو بہت جھنجھوڑا، اسی موقع پر دارالعلوم عمرآباد کے بعض فضلاء سے بھی رابطہ قائم ہوا جو برادران وطن میں دعوتی کام کا بڑا جذبہ اور فکر رکھتے ہیں، مولانا نے ان کو بھی مفید مشوروں سے نوازا، مولانا مدراس کے اپنے اس سفر میں جو مدراس کا ان کا آخری سفر ثابت ہوا تھا راقم کو بھی ساتھ لے گئے تھے اس راقم کو مولانا کے دل دردمند، استغناء، اور انابت الی اللہ اور یقین وتوکل علی اللہ کی بہت سی وہ صفات مشاہدہ میں آئیں، جن کے اظہار کے لیے ایک پورا دفتر چاہیے در حقیقت اس کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں، اور آندھرا کے علاقوں کی فکر مولانا نے بظاہر سب سے پہلے مولانا محمد حسن ندوی رائے بریلوی کا وہاں پورا ایک سال لگوا کر اور

پھر حافظ ابوالکلام نصیر آبادی کی رہنمائی کے ذریعہ دعوتی کام کو آگے بڑھایا، اس طرح ۱۹۸۹ء سے مولاناؒ کی وفات یعنی ۲۰۱۳ء تک کا جائزہ لیا جائے، تو ان کے کار دعوت کی مدت پورے ۲۴ سال کا احاطہ کرتی ہے، یہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عظیم سنت حاصل ہوئی جو ان کے اختیار کی نہیں تھی، محض اللہ کا فضل وعطیہ تھا۔

گجرات کا سفر

مولانا مرحوم نے گجرات کے بھی کئی اہم اصلاحی ودعوتی سفر کیے، مولانا ولی اللہ عبدالرحمٰن ندوی (ممبئی) کی دعوت پر گجرات میں ان کے وطن کڈی میں ایک اسپتال کے افتتاح کی مناسبت سے تشریف لے گئے، اور پیام انسانیت کے ایک اہم پروگرام میں جمبوسر میں شرکت کی، گڈھا میں مولانا سیف الدین صاحب کے مدرسہ جامع العلوم والتربیۃ الاسلامیہ کو دیکھ کر ان کو اپنے خواب کی تعبیر نظر آئی، اور آخری سفر المرکز الاسلامی انکلیشور کا کیا، گجرات کے ایک سفر میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (سورت) بھی تشریف لے گئے، وہاں کے شیخ الحدیث اور معروف مربی شخصیت حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری مدظلہ کی فرمائش پر ایک مجمع کو خطاب بھی کیا، جو بڑا ہی روح پرور تھا، اس موقع پر حضرت مولانا مفتی محمد ابوالقاسم نعمانی مدظلہ حال مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی تشریف فرما تھے، حضرت مولانا خان پوری مدظلہ نے آپ سے بڑی مناسبت محسوس کی، اس مناسبت کا حضرت خان پوری نے خود آپ سے اور دوسروں سے بھی اظہار کیا، اور آپ کے لیے دعاؤں کا غیر معمولی اہتمام کرنے لگے، خال معظم رحمہ اللہ کو بھی ان سے بڑا تعلق ہوگیا تھا، راقم سے فرمایا: جن سے صرف ملنے کے لیے سفر کیا جاسکتا ہے دیگر علمائے گجرات میں وہ یہ ہیں: مولانا سید ذوالفقار احمد مرحوم، مولانا مفتی محمد ابراہیم آچھودی، مولانا عبداللہ کاپودروی، مولانا مفتی احمد دیولوی بھی آپ کے قدرداں اور آپ کے دل میں ان کا احترام تھا، خاص طور پر مولانا عبداللہ کاپودروی سے اس لیے بھی تعلق تھا کہ ان کا تعلق آپ کے

والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی مرحوم سے بھی گہرا رہا تھا۔ مولانا اقبال فلاحی ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ فلاح دارین ترکیسر، گجرات سے متعلق مولانا مرحوم کی فکر و خدمات کو ان کے سفروں کے حوالہ سے اس طرح بیان کرتے ہیں:

"آخری سالوں میں گجرات کے مسلمانوں نے بھی ان سے دینی استفادہ کیا، دار العلوم گودھرا اور خصوصاً اس کے ناظم تعلیمات مولانا مفتی محمد ابراہیم آچھودی مدظلہ کی دعوت پر کئی مرتبہ دورے کئے، ایک مرتبہ پانولی حضرت مولانا قاری عبدالحمید کی دعوت پر تشریف لائے تھے، اس موقع پر دار العلوم فلاح دارین کو بھی اپنی زیارت سے مشرف فرمایا، اور طلبہ کو اپنے مؤثر و بلیغ خطاب سے نوازا، ۲۰۱۰ء جنوری میں جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں کل ہند رابطہ ادب اسلامی کا سمینار ہوا، اس موقع سے شہر جمبوسر میں ایک جگہ مسلمانوں اور برادران وطن کے مذہبی اور تعلیمی لوگوں کے مجمع عام کو پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے خطاب کیا، نیز آخری نشست میں تو اپنے اچھوتے انداز سے رابطہ ادب اسلامی کی اہمیت، ادب کے کردار اور اس سلسلہ میں ندوۃ العلماء کی خدمات کو اجاگر کیا۔

۲۰۱۲ء کے جون کے مہینہ کی کسی تاریخ میں گجرات میں انکلیشور کے مرکز اسلامی کے سالانہ جلسہ میں اہمیت دین، ضرورت علم اور علماء کے کردار اور ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں بہت پر مغز اور بلیغ خطاب فرمایا، مدارس کے ذمہ داران جو اس موقع پر حاضر تھے انھوں نے بھی تمنا ظاہر کی کہ آئندہ سالوں میں حضرت مرحوم کے ان کے مدرسوں میں دورے اور بیانات ہوں، میں اس جلسہ

میں شریک تھا، دوسرے دن عالی پور "ہدایت الاسلام" کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مجتبیٰ صاحب کی دعوت پر گئے، پھر دارالعلوم ترکیسر تشریف لائے، میں نے اپنے مکان پر اساتذہ و طلبہ کو جمع کیا، حضرت مولانا نے اس موقع پر بلاغت واعجاز قرآن نیز غیر مسلموں میں دعوت کے موضوع پر بڑی قیمتی باتیں ارشاد فرمائیں، دقیق تفسیری نکات بیان کیے، جن سے اساتذہ کو تفسیر میں حضرت مرحوم کے رسوخ کا اندازہ ہوا، ہم لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرتؒ کا پھر دورہ ہوتا کہ وسیع پیمانہ پر استفادہ کیا جاسکے۔"

لداخ وکشمیر کے سفر

لداخ میں وہاں کی انجمن معین الاسلام کی دعوت پر مولانا سید عبداللہ حسنی اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی یکم ستمبر ۱۹۹۲ء کو تشریف لے گئے، جامع مسجد لداخ کے امام وخطیب اور امیر واعظ لداخ مولانا محمد عمر ندوی نے مولانا سید عبداللہ حسنی سے گزارش کی کہ نماز جمعہ وہ پڑھائیں، اور خطبہ دیں، اور خطاب عام کی نماز کے بعد اردو میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی سے فرمائش کی چنانچہ ۳؍ستمبر کو اسی ترتیب سے پروگرام ہوا، اور لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا، شیعہ حضرات بھی موجود تھے ان کے دل بھی متاثر ہوئے، پھر اسلامیہ پبلک ہائی اسکول لداخ جو کہ انجمن معین الاسلام کے تحت چل رہا ہے بڑا پروگرام ہوا اس میں مولانا سید عبداللہ حسنی نے خطاب کیا، اور تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور یہ بھی فرمایا کہ یہاں کا منظر اور پہاڑ وسبزہ کو دیکھ کر مکہ مکرمہ کی یاد آگئی، پھر اتحاد ومحبت سے مل کر رہنے پر زور دیا، اور جس طرح آپ انسانی بنیاد پر مل کر رہ رہے ہیں، اس میں آپ حضرات پورے ملک کے لیے نمونہ بن سکتے ہیں، کہ یہاں مسلمان ، ہندو، کرسچن، سکھ، بدھ مت، سنی، شیعہ اور کون کون جماعتیں فرقے ہیں مگر آپسی

معاملات میل ملاپ اتحاد و محبت سے طے کرتے ہیں، اس کی ہر جگہ ضرورت ہے اور حق کی آواز اس کے ذریعہ دوسروں کے ذہن و دماغ میں زیادہ تر اترتی ہے۔

مدرسہ علوم القرآن بھی تشریف لے گئے، جو لداخ کا سب سے اول قائم کردہ ہے، اس میں بھی ان دونوں نے خطاب کیا، شیعوں کے انگلش میڈیم اسکول بھی گئے، وہاں بھی طلبہ اور اساتذہ کو نصیحت کی، اور صحیح اسلامی فکر اختیار کرنے اور علوم اسلامیہ میں رسوخ پیدا کرنے کی طرف متوجہ کیا، خلاصہ یہ کہ ان دونوں کے دورہ لداخ کا لداخیوں پر بہت اچھا اثر پڑا، اور وہاں کی امن و بھائی چارہ کی فضا میں تقویت پیدا ہوئی، مولانا عبد اللہ حسنی نے پیام انسانیت کے کام کی طرف توجہ دلائی، تا کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں سے انس اور اسلام کے پیغام سے تعلق پیدا ہو، اور مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ مقامی لداخی زبان کو نظر انداز نہ کریں اور اس میں مہارت پیدا کریں، اور پھر اس میں اسلامی لٹریچر تیار کریں، کیونکہ زبان کی بڑی اہمیت ہے، کشمیر کے تاجروں نے دونوں کے اعزاز و تکریم میں الگ پروگرام کیا اور استقبالیہ دیا، اور وہ لوگ جو ہدایا اور تحائف پیش کرنے لگے تو مولانا نے فرمایا کہ اس سے عادت خراب ہوتی ہے اور نیت میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، ہم لوگوں کا معمول دعوتی سفر میں ہدیہ قبول کرنے کا نہیں ہے، یہ سفر تین دن کا رہا، اور تشنگی باقی رہی، اس سفر میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی طبیعت آکسیجن کی کمی کی وجہ سے جو سطح سمندر سے ساڑھے گیارہ ہزار فٹ بلندی پر ہے خاصی ناساز ہوگئی، جس کی وجہ سے کئی پروگراموں میں وہ حصہ نہ لے سکے، اور مولانا سید عبد اللہ حسنی پر بوجھ زیادہ پڑا، بچوں سے قرآن مجید بھی سنا، مولانا محمد عمر ندوی کے بچے محمد اسماعیل اور محمد مجیب جو ۷ اور ۵ سال کے تھے ان کا قرآن سن کر حوصلہ افزائی کے لیے انعامات بھی دیئے۔

جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے تو اس خطہ کے کئی سفر کئے فیاض احمد راتھر صاحب بارہ مولہ (برادر اکبر مولوی فیروز ندوی) نے بتایا کہ بارہ مولہ میں مولانا سید عبد اللہ حسنی

نے آیت قرآنی "ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة"، آیت پڑھ کراس کا ترجمہ وتفسیر بیان کی، اس مجمع میں مختلف خیال کے لوگ جمع تھے جن میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مختلف جماعتوں کے خاص طور پر جماعت اسلامی کے لوگ تھے اس موقع پر مولانا نے مسلمانوں کی ذہنی وفکری تربیت ورہنمائی کے لیے صحیح اسلامی لٹریچر کی فراہمی کی افادیت کو واضح کیا، اور دعوت وتبلیغ کی راہ میں انبیاء اور رسولوں کے طریقہ کو نمونہ بنا کراس خدمت کی انجام دہی کی طرف توجہ دلائی، کہ جس طریقہ دعوت کو اختیار کرنے کو کہا جارہا ہے، اس کی صلاحیت واستعداد یوں ہی پیدا نہیں ہوجاتی اس کے لیے دین کے صحیح مطالعہ اور دینی نظام تعلیم کے مرحلہ سے بھی گزرنے کی ضرورت پڑتی ہے، دعوت وتبلیغ کا جو وسیع نظام ہے، اور طریقۂ کار ہے، اس آیت کریمہ کی روشنی میں مولانا نے اس کی پوری تفصیل بیان کی، مولانا کے خطاب سے لوگوں پر بڑا گہرا اثر پڑا، اور مردوں اور عورتوں کی ایک تعداد نے الگ گفتگو کے ذریعہ بھی اپنے اشکالات دور کیے، اور بے حد لوگ بیعت بھی ہوئے۔

اس سفر کے محرک وداعی مولانا عدنان ندوی (مہتمم مدرسہ سراج العلوم سری نگر) اور مولوی فیروز احمد لاتھر ندوی (بارہ مولہ) تھے، اور ایک ہفتہ یہ بڑا داعیانہ دورہ رہا، جس میں سری نگر اور بارہ مولہ ضلع کے زیادہ پروگرام ہوئے، غالباً یہ سفر ۲۰۰۸ء میں ہوا تھا۔ جموں کا سفر مولانا شکیل احمد ندوی کی دعوت پر کیا، اور انہوں نے سفر کو کامیاب اور زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے کی کوشش کی، جموں میں ان کی دعوتی وتعلیمی خدمات بڑی لائق قدر رہیں۔

آسام کا سفر

اسی طرح آسام میں بنگلہ دیش کی سرحد سے متصل بدر پور اور کریم گنج کا سفر مولانا کا اہم سفر تھا اور امیر شریعت آسام مولانا طیب الرحمٰن صاحب کی دعوت پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو جانا تھا، قرعہ فال آپ کے نام نکلا، آپ بتاتے

تھے کہ اس سفر سے بڑا فائدہ ہوا، بڑے حقائق کھلے، کہ کس طرح دین وایمان کی حفاظت کا کام ہمارے اکابر نے کہاں کہاں کیا ہے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے خلفاء مولانا احمد علی صاحبؒ، مولانا عبدالجلیل صاحب اوران دونوں کے خلفاء نے جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں کس طرح افراد کی ہدایت وتربیت کا کام انجام دیا ہے، اور کیسا ان لوگوں میں جذبۂ ایمانی پایا جاتا ہے۔

مولوی محمد ذاکر حسین آسامی راوی ہیں:

"غالباً ۲۲ فروری ۲۰۰۴ء بروز اتوار سرزمین آسام میں ضلع کریم گنج کے قصبہ بدر پور کے ایک بہت ہی مشہور ومعروف ادارہ الجامعۃ العربیۃ الاسلامیۃ کا سالانہ جلسۂ دستار بندی جو ختم بخاری شریف کے عنوان سے منعقد ہوا تھا، اور یہ جلسہ ہر سال ماہ فروری میں حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی منعقد ہوتا ہے، جس میں ہندوستان کی کسی نہ کسی عظیم شخصیت کو مدعو کیا جاتا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۲۰۰۴ء کے اس جلسہ میں آسام کے امیر شریعت حضرت مولانا طیب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا تھا، حضرت نے اس دعوت کو شرف قبولیت سے نوازا، آسام کے لوگوں کے چہروں میں خوشی کی لہریں دوڑنے لگیں، پرجوش تیاریاں ہونے لگیں، حکومت بھی اپنی پوری توانائیاں صرف کرنے لگی، لوگوں کا جوش وولولہ دوبالا ہوگیا جب ان کو پتہ چلا کہ اس سال کے مہمان خصوصی کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہے،

بس ساری چیزیں ایک جگہ پر تھیں کہ پروگرام کے دو دون قبل حضرت امیر شریعت کے پاس فون آیا کہ حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم کی طبیعت ناساز ہے، لہٰذا وہ جلسہ میں شرکت نہیں کرسکیں گے، اور اپنے جانشین کے طور پر مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھیج رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ نے اس جلسہ کو بڑی تازگی اور رونق بخشی، اور حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم کی ایسی نیابت کی کہ کسی کو پتہ نہیں چلا کہ یہ کوئی اور ہیں، لوگ آپ کے اخلاق کریمانہ سے آپ کی مؤثر گفتگو سے، آپ کی جادو بیانی سے اور خاص طور پر آپ کی بزرگی وشرافت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

مولانا نے سفر کا آغاز ۲۱ فروری ۲۰۰۴ء بروز سنیچر کو لکھنؤ ایئرپورٹ سے کیا اور مغرب کے بعد کلکتہ ایئرپورٹ پر پہنچے، وہاں چند لوگوں نے آپ کا استقبال کیا اور سیدھے حضرت مولانا طاہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ عالیہ اسلامیہ میں لے گئے، وہیں مولانا نے رات گزاری، فجر سے پہلے ہی کلکتہ ایئرپورٹ تشریف لے گئے، ساڑھے پانچ بجے فلائٹ پر سوار ہوئے اور سلچر (آسام) ہوائی اڈہ پر تقریباً ساڑھے سات بجے پہنچے، جیسے ہی آپ ہوائی اڈہ سے باہر نکلے تو ایک جم غفیر نے آپ کا استقبال کیا، جس میں علماء کرام، معززین شہر اور حکومت کے لوگ بھی تھے، اس موقع پر انتظامیہ کی طرف سے اسکواڈ دستہ کا خصوصی نظم کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے جلسہ گاہ پہنچنے میں کافی

سہولت ہوئی، سارے لوگ آپ کو لے کر بہت خوشی خوشی روانہ ہوئے، راستے بھر گاڑیوں کا قافلہ نظر آرہا تھا، تقریباً اسی (۸۰) کلومیٹر طے کرنے کے بعد سابق امیر شریعت صوبہ آسام حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر پہنچے، وہاں پر ایک بڑی تعداد آپ کے انتظار میں تھی، سب نے آپ کا شاندار استقبال کیا، ناشتہ سے فراغت ہوئی، آپ نے آرام فرمایا، پھر غسل فرمایا، ساڑھے گیارہ بجے جلسہ گاہ جانے کے لیے تیار ہوگئے، اس طرح قصبہ بدرپور ایک عظیم شخصیت کی آمد سے مشرف ہوا، جسکا سلسلہ تقریباً ۶۵ سال سے جاری ہے۔

اس مدرسہ کے سنگ بنیاد کا عمل ایک ایسی شخصیت کے دست مبارک سے انجام پایا جو اپنے علم وعمل، تقویٰ وپرہیزگاری اور اخلاص وللّٰہیت کے اعتبار سے چہاردانگ عالم میں یکتائے روزگار کی حیثیت رکھتی تھی، جس کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس جلسہ کو زینت بخشنے والے چند علماء کرام کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں: حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ، حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم۔

جہاں تک مولانا سے میری ملاقات کا تعلق ہے تو میں اس وقت بہت چھوٹا تھا، حفظ کا ایک طالب علم تھا، ہر سال جب فروری کا مہینہ آتا تو لوگوں میں ختم بخاری کا جلسہ موضوع گفتگو ہوتا،

بسا اوقات میں اپنے بھائیوں سے اس جلسہ کی خوبی، رونق اور اس کے مہمانوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنتا تھا، یہ سب باتیں سننے کے بعد اس جلسہ میں شرکت کرنے کے لیے میرا دل بالکل بے چین ہوگیا، لیکن اس کا کیا راستہ ہے جبکہ میں چھوٹا ہوں، ایک دن میں دادا جان حضرت امیر شریعت مولانا طیب الرحمٰن صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اوران کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو انھوں نے میرے اس داعیہ کو دیکھ کر فوراً کہا ''ٹھیک تم اس دن گیارہ بجے آنا'' پھر میری خوشی کی انتہا نہ رہی، گھر آیا اور امی کو بتایا، امی بہت خوش ہوئیں۔

چنانچہ وہ دن آیا، میں نے اچھا لباس پہنا اور خوشبو لگائی، اور دادا کے گھر گیا اور ان کے ساتھ روانہ ہوگیا، بارہ بجے ہم مہمان معظم کی قیام گاہ تک پہنچ گئے، حضرت امیر شریعت کے پہنچنے سے پہلے مہمان مکرم مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کو اطلاع دی گئی، جیسے ہی امیر شریعت صاحب کمرہ میں داخل ہوئے، مہمان مکرم آگے بڑھے اور معانقہ کیا، ناشتہ پیش کیا، پھر دونوں حضرات جلسہ گاہ کے لیے روانہ ہوگئے، جیسے ہی کمرہ سے باہر نکلے تو میڈیا کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، جو آپ سے اسلام اور موجودہ صورت حال کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی تھی، دونوں حضرات نے تقریباً تیس منٹ تک میڈیا کے لوگوں کے سوالات کے جوابات دیئے، پھر جلسہ کے لیے ایک بجے روانہ ہوئے، جامعہ کے تمام طلباء آپ کے استقبال کے لیے راستہ کے دونوں طرف صف بستہ ہوگئے، آگے پولس گاڑی پھر مہمان مکرم کی پھر امیر

شریعت صاحب کی اور اس کے پیچھے تمام گاڑیاں، اس وقت کا منظر بہت ہی عجیب وغریب اور دلکش تھا، تمام طلباء جبہ پہنے ہوئے تھے، اور سب کے سروں پر سفید رومال تھے، اور سب کے سب اللہ اکبر کا نعرہ لگا رہے تھے، منظر کیا ہی حسین و جمیل جس کو کوئی فراموش نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ ہم جلسہ گاہ تک پہنچ گئے، مولانا کے احترام میں سارے لوگ کھڑے ہوگئے اور اللہ اکبر کا نعرہ لگانے لگے، پھر ظہر کی نماز ہوئی، مولانا نے امارت شرعیہ کا جھنڈا لہرایا، پھر دعا کی، اسٹیج پر تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد مولانا آرام کے لیے مہمان خانہ چلے گئے اور پھر مغرب کے بعد اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے، اس وقت تک لوگوں کا ایک سیلاب امنڈ پڑا تھا، پھر آپ کا تعارف آسامی زبان میں حضرت امیر شریعت نے کرایا، اور یہ بتایا کہ ہمارے مہمان مکرم عربی پندرہ روزہ اخبار ''الرائد'' کے ایڈیٹر ہیں جو عرب دنیا میں مشہور ومعروف ہے، پھر مولانا نے بہت ہی بلیغ ومؤثر تقریر کی، مولانا نے اپنی تقریر کا آغاز حمد وثنا سے کیا، پھر مولانا طیب الرحمٰن صاحب کے نام میں جو طیب کا لفظ ہے اس پر تیس منٹ تک بیان کرتے رہے، طیب کے کیا معنی ہیں، جب کوئی شخص طیب ہوجاتا ہے تو اس کا کیا کہنا وغیرہ وغیرہ، پھر بخاری شریف اور عقائد پر گفتگو کرکے اپنی تقریر ختم کی۔

لوگ آپ کی آمد سے بہت خوش ہوئے، آپ کے اخلاق کریمانہ، حسن گفتگو، شرافت وتقویٰ وبزرگی دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، جب آپ کا انتقال ہوا تو میں نے مولانا یوسف علی صاحب کو جو اس تعلیم گاہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس ہیں، اور

حضرت امیر شریعت کے بعد دوسری بزرگ اور بڑی قد آور شخصیت آسام کی ہیں، فون کر کے بتایا، چونکہ امیر شریعت سے رابطہ نہیں ہو سکا اس لیے میں نے مولانا یوسف صاحب سے کہا کہ وہ حضرت امیر شریعت کو اطلاع دے دیں، چنانچہ انھوں نے فوراً اطلاع کر دی، دوسرے دن جامعہ میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، سب نے مولانا کے لیے دعا کی اور مولانا کی وفات کو عالم اسلام کا خسارہ قرار دیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ کئی مرتبہ مجھے مولانا کی خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، جب بھی مولانا معہد دار العلوم ندوۃ العلماء جاتے تو مہمان خانہ میں مولانا کے پاس بیٹھنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملتا، ایک مرتبہ مولانا شبیر احمد صاحب ناظر معہد سکروری دار العلوم ندوۃ العلماء فرزند حاجی عبدالرزاق صاحب نصیر آبادی خادم خاص حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے میرا تعارف کرایا، اور بتایا کہ یہ آسام کے امیر شریعت مولانا طیب الرحمٰن صاحب کے رشتہ دار ہیں، مولانا نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پاس بٹھا لیا، اور بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ محنت سے پڑھو اور دادا کی طرح بڑے عالم بنو۔''

شمالی مشرق ہند ریاست منی پور کا ایک تبلیغی اور اصلاحی دورہ

منی پور کا دورہ بھی تاریخی رہا، گو وہ آسام کے دورے سے الگ تھا، مولوی محمد نجم الدین ندوی (ریسرچ اسکالر دار عرافت، رائے بریلی) کہتے ہیں:

''برصغیر ہند کے ایک چھوٹے صوبے منی پور میں جہاں اب عیسائیت کا دور دورہ ہے، جب کہ یہ صوبہ اپنی قدامت کے اعتبار

سے اگر دیکھا جائے تو بہت پرانا ہے، کیونکہ تواریخ کی کتب سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا چین جاتے ہوئے یہاں پر آنا معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہی سے یہاں لوگ آباد ہو چکے تھے، ایسے تاریخی علاقہ میں جہاں اب اس کے اسلامی نشانات کو مٹانے کی غیر محسوس طریقہ پر منظم کوششیں بھی کی جارہی ہیں، جن کو میڈیا کے ذریعہ بروئے کار لایا بھی نہیں جاتا، ایک صاحب بصیرت انسان ملت کے لیے درد رکھنے والے شخص داعی اسلام مولاناؒ کا جانا ضروری ہی نہیں بلکہ فرض تھا، کیونکہ صوبۂ منی پور میں آج جو اسلامی رمق ہے وہ خود مولانا ہی کے جد امجد حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے خلفاء بالخصوص مولانا کرامت علی جونپوریؒ کی کوششوں سے ہے، اس لیے آج جب کہ ان کی کوششوں کو ایک زمانہ ہو گیا تھا، اور قندیل اسلامی بجھی جارہی تھی اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ خانوادۂ حضرت سید احمد شہید کا کوئی وارث اس پرانی یاد کو دوبارہ جا کر تازہ کرے، لہذا مولاناؒ نے وہاں کے حالات کا معتبر حضرات سے جائزہ لینے کے بعد سفر کی تاریخ متعین فرمادی، اور دہلی سے بذریعہ طیارہ تین لوگوں کا قافلہ جس میں آپ کے علاوہ ایک استاد دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری جنہوں نے فکر بوالحسنی کو صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ بالکل پی لیا ہے، اور دوسرے مولانا نجیب الحسن صاحب ندوی (داماد مولانا محمد رضوان ندوی مرحوم سابق استاد دار العلوم ندوۃ العلماء) بھی رفیق سفر تھے، مولانا نے وہاں پہونچ کر مختلف دینی اداروں کا دورہ

کیا، اور وہاں کے علماء اور عوام سے خصوصی ملاقاتیں بھی کیں، اور وہاں پر ہونے والے دعوتی کام کی سطح کا جائزہ لیا، جائزہ میں مولاناؒ کی رائے یہ ہوئی کہ دعوت تبلیغ کے کام کو وسعت دینے کی شدید ضرورت ہے، اور یہاں چونکہ پڑھنے لکھنے کا ماحول زیادہ ہے اس لیے مسلمان حضرات اپنے بچوں کو یونیورسٹیوں میں بھیجنے سے قبل صحیح اسلامی فکر کے حامل مدارس میں داخل کرائیں، تاکہ اسلامی گھروں میں فکر اسلامی کا رسوخ ہو، مولاناؒ نے ان نظریات کا خیال وہاں کے علماء کے سامنے رکھا اور فرمایا: کام محنت اور اخلاص کے ساتھ کیجئے انشاء اللہ نتائج ضرور بالضرور رونما ہوں گے، ہمارے حضرت مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ مخلص کا سفینہ ڈوبتے ڈوبتے بھی نکل جاتا ہے، اور بغیر اخلاص والا شخص نکلتے نکلتے ڈوب جاتا ہے، اسی طرح کام کرنے والے حضرات کو ابھارتے ہوئے مزید فرمایا: کہ کام کرنے کی حکمت کے ساتھ اگر یہاں پر کوئی سوجھ بوجھ رکھتا ہو، تو زمین بڑی نرم ہے، کام کرنا بھی آسان ہے، یعنی یہاں کے لوگوں میں بات کے سننے کا اور ماننے کا بہت جذبہ محسوس ہوتا ہے۔

ذیل میں ہم مولاناؒ کی ان [illegible] کو نقل کرتے ہیں، جو وہاں کے طلباء یا ذمہ دار طبقہ کے سامنے وہاں کے حالات کو دیکھتے ہوئے مولاناؒ نے مختلف نشستوں میں بیان فرمائیں اور اپنے تاثرات کو دوسروں کے سامنے رکھا:

علماء کے طبقہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو امانت دی ہے اس کو پہونچانے میں یا اس کے حصول میں

کوتاہی سے نہ صرف سماج ہی پر اثرات پڑیں گے بلکہ تم کو بھی اللہ رب العزت نور علم کے حصول سے محروم کر دیں گے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم علم میں اس طرح کی پختگی پیدا کریں، جس کو دیکھ کر دوسرے لوگ ساکت رہ جائیں، ورنہ اس ماحول کی تبدیلی کا کام اگر ایسے علماء کرنا چاہیں جو اخلاص سے بھی خالی اور علم بھی کم تو بہت ممکن ہے کہ وہی ہو جو مولانا عبدالباریؒ نے فرمایا تھا کہ ''آج کل لوگ اپنی اصلاح کرتے نہیں بلکہ دوسروں کی کرنے لگتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مصلح تو بن نہیں پاتے لیکن ان کا مثلہ ضرور بن جاتا ہے۔

دارالعلوم مرکز التبلیغ لیلونگ ضلع تھوبال منی پور میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے بڑی سبق آموز نصیحتیں فرمائیں، باتیں ایسی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا مولاناؒ کو یہاں کی صورتحال سے طبعی طور پر بہت تکلیف ہوئی ہے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف اس قوم کی زبان کا ماہر بنا کے بھیجا، اور ہر نبی کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی قوم کو ان کی زبان میں پیغام پہونچائیں، اس لیے آپ سب لوگوں کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی مادری زبان کو اچھی طرح سیکھیے، اس جذبہ سے سیکھیے کہ ہم کو دین حق کی ترجمانی کرنی ہے، فرمایا: ساتھ ہی ساتھ آپ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ لوگ عربی زبان پر بھی مہارت کماحقہ حاصل کریں، کیونکہ وہ دائمی زبان ہے، اور قرآن کی زبان ہے، اور قرآن کو تا قیامت رہنا ہے، اور باقی چیزوں کے تعلق سے تو خود ہی آیا ہے کہ ''یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ

أم الکتاب''، فرمایااور پھریوں بھی ضرورت اس اعتبار سے بھی ہے کہ ہمارااصل دینی سرمایہ جو ہے وہ سب عربی زبان ہی کے اندر ہے، مولاناؒ اسی کے ساتھ ساتھ طلباء کومتوجہ کیا کہ وہ پڑھنے پر توجہ خوب سے خوب دیں، یہ بھی کہا کہ: آپ لوگ ان حاصل کیے جانے والے علوم کواس نیت سے حاصل کیجئے کہ ہمارااس کے ذریعہ سے علیم سے جڑنا آسان ہوجائے، کیونکہ انسان جب اس سے جڑ جاتا ہے تو پھراوپر سے بھی برکات وثمرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے،اور شیطانی وساوس سے بھی حفاظت رہتی ہے۔

مدرسہ مدینۃ العلوم یائر یپوک میں حضرت نے طلبہ کوان کی حیثیت یاد دلاتے ہوئے اور محنت کرنے اور اسلاف کے طریقہ پر چلنے کے لیے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: آج کل ہمارے طلبہ کا ایک عام ذہن یہ بن گیا ہے کہ وہ مدارس میں صرف سہولیات دیکھتے ہیں، کہ کہاں کھانا اچھا ہے کہاں سختی کم ہے، کہاں لائٹنگ کا نظام اچھا ہے، حالانکہ اسلاف کا طریقہ یہ نہیں تھا بلکہ ان کا کہنا ہی یہ تھا کہ سہولت والی زندگی سے سب کچھ آسکتا ہے لیکن بغیر مشقت اٹھائے دین الٰہی کی صحیح سمجھ آجائے یہ بڑی مشکل بات ہے، تو ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ لوگ چونکہ قوم کی امانت ہیں، کہ اس سب سے صرف نظر کر کے آپ حضرات خوب محنت کریں، اور سلف میں سے کسی نہ کسی کواپنے لیے ضرور نمونہ بنائیں۔

مختلف قسم کے مذاہب سے تعلق رکھنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آج ایک چیز کا بہت نعرہ لگایا جارہا ہے

اور ہوا اس کے بالکل مخالف رہا ہے، وہ یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں عقل کا استعمال کرو، اور کرتے بالکل نہیں ہیں، اگر اخبار میں کوئی ایسی بات آجائے جو ناممکن ہو بس اخبار پر اعتماد کر کے اس کو بھی سچا سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ ہمارا قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ پہلے تحقیق کرو سچ ہے کہ جھوٹ، بعد میں مانو، "اذا جاء کم فاسق بنبأ فتبينوا" تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پہلے ایک دوسرے کو سمجھیں، عقل کا استعمال کریں، کوئی اشکال ہو اس کو رفع کریں، کیونکہ مذہب کوئی بھی ہو آپس میں عداوت نہیں سکھاتا، بلکہ محبت کرنے کا ہی پیغام دیتا ہے، لہذا میری آپ حضرات سے گذارش ہے کہ آپ آپس میں ایک دوسرے سے مل کر رہیے، اور دوسرے کی مجبوریوں پر کان لگایئے، اس کے درد میں شریک ہویئے، تاکہ یہ علاقہ جو آج انسانیت کا دم توڑ رہا ہے، پھر سے اقوام عالم میں امید نو لیکر اٹھے، بلکہ دوسروں کو بھی انسانیت کا صحیح پیغام دے۔

دعاۃ کے طبقہ سے خصوصی ملاقات میں فرمایا: آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے داعی تیار ہوں جو لوگوں کے مزاج سے صحیح طور پر واقف بھی ہوں، اور رسوخ فی العلم بھی ہو، اور اس کے بعد حکمت سے کام کیا جائے، جس میں سب سے ضروری یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں کھلے دروازے سے داخل ہوں بند دروازے کو کھولنے کی کوشش نہ کی جائے، ورنہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ بنا کام بھی بگڑ جاتا ہے، فرمایا: آج اگر داعی اس حکمت کو اپنالیں، تو کام بہت جلد بڑھ جائے گا اور "تحریک پیام

انسانیت‘‘ اس کی کھلی مثال ہے۔

یہ تھیں مولاناؒ کے سفر منی پور کے خطابات کی وہ مختصر جھلکیاں جو مولاناؒ نے وہاں کے مختلف طبقوں میں بیان کئے، مولاناؒ نے وہاں دس سے زائد محاضرات دیئے، جن میں سے ہر ایک کا مقصد یہی تھا کہ موجودہ صورتحال کو اسی طرح اور اسی اخلاص کے ساتھ بدلنے کی ضروت ہے جس طرح حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے خلفاء نے بدلنے کی محنت کی اور وہ اس میں یقیناً کامیاب ہوئے، اسی فکر کو مولاناؒ نے وہاں کے خطبات میں لوگوں کے ذہنوں کی رعایت کرتے ہوئے مختلف انداز سے بیان فرمایا۔ مولاناؒ کے اس دعوتی واصلاحی دورہ کے بعد وہاں کے لوگوں پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے، حتیٰ کہ کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جس نے مولاناؒ کی بات سے اتفاق نہ کیا ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد سے نہ جانے کتنے لوگوں نے اپنے بچوں کو جو کالج کے طالب علم تھے مدرسہ کی نذر کردیا، یہاں تک کہ مولاناؒ کو تھوڑی ہی مدت کے گذر جانے کے بعد وہاں کے لوگوں نے ندوی حضرات سے بلانے کا بڑا ہی پرزور مطالبہ کیا، لیکن چونکہ مولاناؒ کا دورہ ۱۴۲۰ھ میں ہوا تھا اور وہاں سے واپسی کے تھوڑے دنوں بعد ہی علالت کا سلسہ شروع ہوگیا تھا اس لیے دوبارہ جانے کا موقع اس حیات مستعار سے لینا مشکل ہوگیا، رب کریم سے امید ہے کہ مولاناؒ کے اس اخلاص پر مبنی کیے گیے دورہ سے ہم اہل منی پور کو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور روحانی طور پر فائدہ پہونچائے گا اور ملت میں اس کے غیر معمولی فوائد محسوس کئے

جائیں گے۔

راجستھان ومدھیہ پردیش کے اسفار

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے راجستھان، مدھیہ پردیش کے ان علاقوں کے بار بار سفر کیے جہاں بڑی دینی زبوں حالی ہے، یہ زبوں حالی اور تعلیمی پسماندگی، مسلم قوم کو ارتداد کی طرف لے جارہی ہے، مولانا کے راجستھان میں جے پور، جودھپور، کوٹہ، سوائی مادھوپور، ٹونک کے کئی اہم سفر ہوئے اور ان علاقوں میں اوران کے علاوہ دوسرے علاقوں کے لیے افراد تیار کر کے بھیجے تھے جوان علاقوں میں دین ودعوت کے فروغ کا کام مختلف ذرائع سے اور مدارس ومکاتب کے ذریعہ انجام دے رہے ہیں، جن میں خاص طور پر مولوی شاہد ندوی، مولوی زبیر ندوی، مولوی عامر صدیقی، مولوی عادل خاں ٹونکی، اور مولوی عبداللہ جے پوری ندوی حال مقیم جدہ قابل ذکر ہیں، اور مولوی شیخ ابرار احمد ندوی اور مولوی عبدالرشید ندوی کو ندوہ کے لیے چنا، اور ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر علمی وتحقیقی اور تدریسی وتربیتی کام پر لگایا، دوسری طرف مدھیہ پردیش میں بھوپال، ودیشا، سرونج، اور اس کے مضافات اور دوسرے مقامات کے برابر دورے جاری رکھے، اور وہاں کے افراد کو تیار کر کے تعلیمی ودعوتی کاموں میں لگایا، وہاں کی شخصیات سے آپ کو آپ سے ان لوگوں کو خاص تعلق خاطر پیدا ہوگیا تھا، اور وہاں کے لوگ مولانا سے ملنے اور مشورہ لینے کے لیے عازم سفر ہوتے، چنانچہ سرونج کا مدرسہ......اور بھوپال کا معہد الدراسات الاسلامیہ جو مولانا قاضی مشتاق علی ندوی کا قائم کردہ ہے اور خصوصی کے درجات کے نظم کے ساتھ کئی کھیپ تیار کر چکا ہے، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مہاراشٹر کے اسفار

مہاراشٹر کا سفر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی وفات کے بعد

پہلا دوررس اصلاحی اثرات کا حامل سفر تھا، جہاں امراوتی کے بیبی گاؤں میں بڑی تعداد میں لوگوں نے اصلاحی تعلق قائم کیا اور بیعت ہوئے، اس سفر کے داعی مولوی سید طلحہ ندوی مرحوم برادرزادہ محترمی جناب ڈاکٹر سید قمر الدین ومحترمی ڈاکٹر جناب سید اشرف الدین تھے، اور مولانا مرحوم کے رفیق سفر مولانا عبدالسلام خطیب ندوی بھٹکلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء تھے۔

مہاراشٹر کے بار بار آپ کے سفر ہوئے، خاص طور پر امراوتی اور اس کے اطراف میں آپ کی توجہ زیادہ رہی، ناگپور سے بیبی گاؤں پھر امراوتی اس کے بعد نیر پرسوینت ضلع ایوت محل کا ہوا۔

مولانا سید احمد صاحب ندوی ناندگاؤں قاضی ضلع امراوتی کے رہنے والے ہیں، ان کی سرپرستی میں وہاں ایک مدرسہ حیات الاسلام کے نام سے چلتا ہے اور علاقہ کی مقتدر شخصیت ہیں، وہ ساتھ رہے اور روحانی طور پر اصلاحی وابستگی اختیار کر کے مجاز طریقت بھی ہوئے۔

ناگپور میں مولانا عبدالہادی ندوی کے زیر اہتمام بڑا جلسہ ہوا۔

بیبی گاؤں میں غیر مسلموں اور مسلمانوں کے مشترک مجمع کو خطاب کیا، بہت بڑی تعداد غیر مسلموں کی تھی، مسلمانوں نے غیر مسلمانوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا، امراوتیمیں ایک کالج ہنومان دھرم شالہ میں پروگرام ہوا، غیر مسلموں کی کافی تعداد تھی۔

نیر پرسوینت ضلع ایوت محل وہاں میمن جماعت خانہ میں جامعہ اسلامیہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے تحت شاندار پیام انسانیت کا پروگرام ہوا۔

نیر سے پھر امراوتی گئے، وہاں واحد فنکشن ہال میں پروگرام ہوا، اس میں سوامی جی اور حضرت مولانا کی تقریریں ہوئیں۔

پھر مالیگاؤں گئے، مالیگاں اور کوپر گاؤں میں پیام انسانیت کے نام سے

پروگرام ہوئے۔

اس کے علاوہ اورنگ آباد، ممبئی کے کئی جلدی جلدی سفر آپ نے کیے اور یہاں آپ کو کام کرنے والوں کی ایک اچھی تعداد ہاتھ آئی، اورنگ آباد میں مولوی جنید فاروقی ندوی فرزند حضرت مولانا ریاض الدین فاروقی کے کام سے آپ نہ صرف مطمئن بلکہ ان کی تاثیر اور ان کے خلوص و فعالیت کے قائل تھے، اسی لیے ان پر آپ کی عنایتیں بڑھتی گئیں، ممبئی کے لوگوں میں مولوی عمران ندوی، مولوی رشید احمد ندوی، مولوی معتمد ندوی، مولوی اسماعیل بھولا ندوی، مولوی شفیق الرحمٰن ندوی، اور بھیونڈی کے احباب خاص طور پر مولانا مجاہد ندوی، اور بعد میں ڈاکٹر پاٹنکر، مولانا شاہد ناصری قاسمی، اور مولانا ابوظفر حسان ندوی کے ساتھ ہو جانے سے آپ کے مشن کو بڑی تقویت ملی۔

دوسری ریاستوں کے دورے

ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کی بات مولانا مرحوم پر پوری طرح صادق آتی ہے، کشمیر کا بھی مولانا کا بڑا کامیاب دورہ ہوا تھا، اور اس میں مولانا نے بڑی مشقت اٹھا اٹھا کر پروگراموں میں شرکت کی تھی۔

اسی طرح مغربی بنگال اور متحدہ پنجاب ہریانہ ہماچل پردیش اور آندھرا اور کرناٹک کے اضلاع کی فکر تھی، جہاں سے اکثر لوگ غافل ہیں وہ ان ریاستوں کے علاقوں میں طالب علمانہ زندگی کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد سے جانے لگے تھے، اور وہاں کے افراد کو ندوہ میں تیار کر کے اور بعض کو اپنے ساتھ سفر و حضر میں ساتھ رکھ کر تیار کرتے، اور جہاں جیسی ضرورت محسوس کرتے وہاں اس کے مطابق کام کی طرف خصوصی توجہ دلاتے، اسی طرح بہار، اڑیسہ اور اتر پردیش کے مغربی اور مشرقی اضلاع کے بار بار دورے کیے، اور وہاں کی ضرورت کا خیال کر کے انہی میں سے

افراد تیار کر کے وہاں بھیجے اور پھر جیسے تقاضے محسوس کئے اس کے مطابق ان مقامات کے سفر کئے، اور جہاں کی جو کمی اور ضرورت دیکھی اس کی طرف توجہ دلائی اور ہر جگہ اصلاح عقائد اور توحید پر بے لچک گفتگو کی، اور پورے استغنا کے ساتھ رہے، اور اس پیغمبرانہ شان کو ہمیشہ نمونہ بنایا: ما أسئلكم عليه من أجر ان أجرى الا على رب العالمين (سورة الشعراء: ١٢٧) دوسری طرف انہیں یہ چیز بے چین کئے ہوئی تھی کہ لوگوں کا ایمان اندر سے نکلا جا رہا ہے، توحید کی حساسیت ختم ہوگئی ہے، اور شرک ومظاہر شرک کی نفرت مٹتی جا رہی ہے۔ وہ کبھی کبھی کہتے اور بڑے درد وسوز سے فرماتے اسلام کے نئے مہمانوں کی آمد کے مقابلہ نکلنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، وہ اس کے اسباب پر بھی غور کرتے اور ان اسباب ومحرکات کے سدباب کی فکر کرتے، قرآن کی عظمت کم ہونے، حدیث کے انکار اور اس کی اہمیت کے دل سے نکلنے، صحابہؓ اور اہل بیت کی محبت کم ہونے اور بلکہ ان میں سے بعض کی فضیلت کے انکار اور اس کے نتیجہ میں گستاخی اور اولیاء اللہ کی شان میں بے احترامی اور شعائر اللہ کی بے ادبی وبے تعظیمی کے بڑھ جانے کو وہ دین سے محرومی کا بڑا سبب قرار دیتے اور اس کے نتیجہ میں ارتداد کا خطرہ ظاہر فرماتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے ملک کی ہر ریاست کی طرف فکر وتوجہ کی اور کیرالہ سے کشمیر، بنگال سے پنجاب، منی پور سے ہماچل، نیپال کی ترائی سے گجرات کے ساحل تک ہر جگہ انہوں نے جا جا کر پیغام حق، پیام توحید وسنت پہنچایا، اور واضح لفظوں میں دعوت الی التوحید دی، اور مقامی وعلاقائی زبانوں کی واقفیت حاصل کر کے ان میں کام کرنے کے لئے افراد تیار کئے۔ چنانچہ آندھرا کی تیلگو، کرناٹک کی کنڑ، تمل ناڈو کی تمل، کیرالہ کی ملیالم اور بنگال کی بنگالی زبانوں میں لٹریچر تیار کرائے اور ترجمے کرائے اور افراد تیار کر کے ان زبانوں میں کام کرنے پر آمادہ کیا۔ خود کتابیں نہیں لکھیں، لیکن مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتابوں میں انتخاب کر کے خاص طور

پر اسلام کا تعارف جو انگریزی میں اسلام این انٹروڈکشن (Islam an Introdection) کے نام سے معروف انگریزی معلم ومترجم ڈاکٹر عبادالرحمٰن نشاط صاحب کے ترجمہ سے شائع ہوئی خوب عام کرائی، اور حضرت مولانا کی ہی قصص النبیین کا ترجمہ مختلف مقامی زبانوں میں خوب عام کرایا۔

یہ دونوں کام حضرت مولانا کی حیات میں ہی مکمل ہو گئے تھے، اور اس سلسلہ میں ان کو حضرت کی خوب دعائیں حاصل ہوگئی تھیں، بعد میں حضرت کی وفات کا حادثہ پیش آیا تو انہوں نے اس کو مشن اور تحریک کے طور پر اوڑھ لیا اور یہی جذبہ وفکر سب فکروں اور جذبہ پر حاوی ہو گیا۔ اس سے ایک طرف مسلمانوں کو اسلام پر جمنے کا حوصلہ ملا، اور غیر مسلموں کو اسلام کی آغوش میں آنے کی توفیق ملی۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم.

راجستھان کا ایک دعوتی سفر

شیخ انصاف احمد ندوی رقمطراز ہیں:

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی سرپرستی اور مولانا شیخ ابرار احمد ندوی اور مولانا عبدالرشید ندوی کی نگرانی میں ۶۰۰ کلومیٹر دور ،۶ روزہ ''دعوتی اور تعلیمی بیداری'' کے عنوان سے سفر ہوا، لکھنؤ سے ہمارے سفر کا آغاز ۱۴ مئی ۲۰۰۹ء بروز جمعرات ہوا، ۱۵ مئی کو بعد نماز مغرب مولانا کا خطاب عام راجستھان کے ضلع باراں کی معروف تحصیل چھیپا بڑود کے تبلیغی مرکز میں ہوا، مولانا نے دعوت کی اہمیت ووسعت اور اس کی ضرورت کا احساس دلایا، اور ہم نے نوجوانوں سے خصوصی ملاقاتیں کی، اور وہ نوجوان جو انٹر یا بی اے وغیرہ کر چکے ہیں ان کی دینی تعلیم حاصل کرنے کی

ذہن سازی اور تشکیل کی، ایسے طلبہ کے لیے دار العلوم ندوۃ العلماء میں پانچ سالہ ''خصوصی عالمیت'' کا نصاب ہے، انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ ہم نے اسلامی لٹریچر پہونچایا، اور دینی رسالے تعمیر حیات، بانگ حراء، سچا راہی بھی جاری کرائے گئے۔

۱۶ مئی کو مولانا تاریخی قصبہ ''منوہر تھانہ'' پہونچے، جو دار العلوم کے اساتذہ مولانا شیخ ابرار احمد ندوی اور مولانا عبد الرشید ندوی کا وطن ہے، مولانا نے یہاں کی جامع مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد عوام سے مختصر خطاب فرمایا جو اخلاص وللّٰہیت کے موضوع پر دلوں کو گرمانے کے لیے بہت مؤثر تھا، یہاں خواتین کے مجمع سے بھی خطاب ہوا، آپ نے حقائق وواقعات کی روشنی میں بتایا کہ مسلم خاتون کی ذمہ داری کیا ہے اور وہ پردہ میں رہتے ہوئے کیا کچھ کرسکتی ہیں۔

بعد نماز مغرب منوہر تھانہ سے قریب دوسرے قصبہ بانس کھیڑا میں مدرسہ خیر المدارس کی دعوت پر مولانا نے عوام کے بڑے مجمع سے خطاب کیا، یہ مدرسہ مولانا کی سرپرستی میں مولانا فہیم الدین ندوی اور مولانا فرید ندوی چلا رہے ہیں یہاں ۵۰ کلو میٹر تک کے افراد کا مجمع جمع ہوگیا تھا، مولانا کے تعلق مع اللہ کی طرف توجہ دلائی، اور خصوصا اہل مدارس کو خطاب کرکے فرمایا: اپنا تعلق عبد الرزاق سے نہیں، رزاق سے قائم کیجیے، پھر مدارس میں وہ خیر وجود میں آئے گا، جس کا آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔

۱۷ مئی کو راجستھان کے باراں شہر میں پروگرام تھا جس کی کاوشیں ایک ماہ سے جاری تھیں، یہاں پورے شہر کا ہر طبقہ

خلوص سے پروگرام کو کامیاب بنانے میں لگا ہوا تھا، یہاں پورے دن مختلف نشستوں میں پروگرام ہوئے، گیارہ بجے دن سے ایک بجے تک نوجوانوں سے بڑے ہال میں خطاب ہوا، سامعین سے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ظہر کی نماز کے بعد شہر کے پانچ محلوں میں خواتین سے پانچ مقامات پر خطاب ہوئے۔

عصر کے بعد مولانا نے عمائدین شہر اور مضافات سے آنے والے بھائیوں سے خطاب کیا اس میں بھی اچھا خاصہ مجمع جمع تھا، عشا کے بعد جلسۂ عام تھا، اس میں مولانا کے خطاب سے پہلے ہم نے تعلیمی بیداری، مدارس اسلامیہ کی اہمیت وضرورت ،ملت اسلامیہ کو درپیش خطرات کو موضوع بنا کر اپنے جذبات کا اظہار کیا، اس جلسہ کی کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس تین گھنٹے کے پروگرام میں لوگوں کی آمد ہی آمد تھی، اور آنے والوں میں سے ایک شخص بھی جاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، سکون کا ایک سماں بندھا ہوا تھا، جس سے ہم جیسے کوتاہ بینی کو بھی صاف معلوم ہورہا تھا کہ لوگ کتنے پیاسے ہیں، جلسہ کا اختتام مولانا کی دعا پر ہوا۔

۱۸ر مئی کو جودھپور کے لیے روانگی ہوئی، درمیان میں کوٹہ شہر میں قاضی انوار احمد صاحب کے فرزند مولوی زبیر ندوی کی دعوت پر دو گھنٹہ کا قیام تھا، جس میں خواتین کے اجتماع سے خطاب ہوا، پھر اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی تربت پر فاتحہ پڑھتے ہوئے بیاور کے مدارس کے معائنہ کرتے ہوئے جودھپور کے معروف قصبہ پی پاڑ میں عوام کے بڑے مجمع سے پیام

انسانیت کے عنوان سے خطاب کیا، اس میں اطراف واکناف کے علماء اور اہل مدارس کی بھی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی۔

۱۹ رمئی کو دن میں دس بجے جامعہ عربیہ جودھپور کی دعوت پر مولانا ابو الکلام آزاد اسکول میں اسلامک بینک کے افتتاحی پروگرام میں خطاب ہوا، مارواڑ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے ڈائریکٹر عتیق الرحمٰن صاحب نے مولانا کا مارواڑی تہذیب کے مطابق پگڑی باندھ کر پرتپاک استقبال کیا، اس پروگرام میں غیر مسلم دانشور اور بی ایڈ کے طلبہ وطالبات کی بڑی تعداد شریک تھی، جس نے مولانا کے خطاب کو سنا اور اچھا اثر لیا۔

اسی دن بعد نماز مغرب مسلم اسکول کے وسیع سبزہ زار پر پیام انسانیت کا جلسہ ہوا اس جلسہ میں مولانا عبدالقادر صاحب ندوی استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء، سوامی لکشمی چندر آچاریہ، کمار راجیو جی، ڈاکٹر سنجے پانڈے، مولانا عاصم ندوی اور پیام انسانیت کے ترجمان مصباح احسن ندوی صاحب نے بھی شرکت کی، یہاں مولانا نے پیام انسانیت کی اہمیت وضرورت پر بات کی، پروگرام کی کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اطراف واکناف سے شرکت کرنے والوں نے اپنے اپنے شہروں اور قصبوں میں ایسے پروگرام کرنے کی دعوت دی۔

اس انوکھے جلسہ کے تعلق سے ہندو اور مسلمانوں کی یکساں دلچسپی اور اپنے گہرے تاثرات کے اظہار نے دلوں پر گہرا اثر ڈالا، جو یہ احساس دے رہے تھے کہ پیام انسانیت کے جلسے ہزاروں، لاکھوں انسانوں کے دلوں کی آواز اور وقت کی ضرورت ہے۔

پانچواں باب

بین الاقوامی دعوتی اسفار

مکہ معظّمہ کا سفر

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بین الاقوامی علمی و دعوتی اسفار کی ابتداء سفر حجاز مقدس سے ہوئی اور مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں حاضری دے کر پھر عالمی سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے دولۃ القطر گئے، یہ سفر ان کا اپنے جد مخدوم و معظم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے مرافق کے طور پر ہوا تھا، چونکہ حرم شریف میں اس وقت ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جو نا قابل بیان ہیں اور تشدد کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی جس کی وجہ سے حکومت کے اہل کاروں کو سخت قدم اٹھا کر کاروائی کرنی پڑی اور اس وجہ سے مکہ معظمہ پہنچ کر بھی وہ عمرہ کی سعادت حاصل نہ کر سکے تھے اور بعد میں چند ماہ کے بعد پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ساتھ آ کر عمرۃ القضاء کی سنت کی سعادت حاصل کی۔

تیسری عالمی سیرت کانفرنس منعقدہ قطر

جہاں تک عالمی سیرت کانفرنس کا تعلق ہے وہ دولۃ القطر میں اس کے دار الحکومت دوحہ میں ۱۹۷۹ء/۱۴۰۰ھ میں منعقد ہوئی، اس میں حکومت قطر نے تمام مسلم

وغیر مسلم ممالک کی چیدہ وچنیدہ مسلم شخصیات کو دعوت دی تھی، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رقم طراز ہیں:

> ۵-۹ محرم ۱۴۰۰ھ، (۲۶-۳۰ر نومبر ۱۹۷۹ء) کو قطر کے دارالحکومت میں تیسری عالمی سیرت کانفرنس بڑی شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہونے والی تھی، میں اس کی مجلس انتظامی وانتخابی کمیٹی کا بھی رکن تھا، میری شرکت ضروری تھی، میں پنجشنبہ ۳ر محرم کو عزیزی عبداللہ کی معیت میں بحرین کے راستہ دوحہ روانہ ہوگیا، اسی جہاز پر جس میں ہمارا سفر ہو رہا تھا، رابطہ کا نمائندہ وفد اپنے سکریٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان کی قیادت میں روانہ ہو رہا تھا، ہم لوگوں کا ساتھ ہوگیا، دوحہ میں وہاں کے سب سے بڑے ہوٹل (Gulf Hotel) میں ہم سب حکومت کے یہاں مہمان ہوئے۔(۱)

یہ تیسری عالمی سیرت کانفرنس تھی جس کے افتتاحی اجلاس میں عالمی وفود کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو کلمۃ الوفود پیش کرنا تھا، مولانا کے خطاب نے سیرت پاک کی روح پیش کی، جس کا تمام حاضرین پر گہرا اثر پڑا، اور اس خطاب ہی کو حاصل اجلاس سمجھا گیا، مولانا سید عبداللہ حسنی کو اس موقع پر عالم اسلام وعالم عرب کی مؤثر شخصیات سے نہ صرف مستفید ہونے کا موقع ملا بلکہ ان کو تبادلۂ خیال اور ملاقاتوں میں صحیح اسلامی فکر اور دعوت کا صحیح طریقہ پیش کرنے کا بھی موقع ملا۔

مولانا عبداللہ حسنی نے اس عالمی سیرت کانفرنس اور اپنے سفر کی روداد قلمبند کی تھی جو تعمیر حیات کے شماروں میں ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۹ء اور ۱۰ر جنوری ۱۹۸۰ء میں

(۱) کاروان زندگی، جلد دوم، صفحہ ۲۸۷

ملاحظہ کی جاسکتی ہے، اس کے اہم مندرجات ہدیۂ ناظرین ہیں۔ مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندوی رقم طراز ہیں:

''۵؍محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کو دولۃ قطر میں عالمی سیرت کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں ہر ملک کے چوٹی کے علماء و مفکرین شریک ہوئے، اس وقت کانفرنس ہونا کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ اب ایک فیشن بن گیا ہے، لیکن یہ کانفرنس اور دوسری کانفرنسوں سے مختلف نوعیت کی تھی اور کماً و کیفاً بہت بڑھی ہوئی تھی، کچھ تو اس کے داعی کا جذبہ و خلوص کچھ وقت کی اہمیت و تقاضے، کچھ موضوع کی عظمت اور اس سے تعلق و محبت نے اس کی اہمیت اور نافعیت کو دوچند کر دیا تھا، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کے طفیل مجھے بھی اس میں شرکت کی سعادت بخشی اور عالم اسلام کے چیدہ و برگزیدہ علماء و مفکرین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، عالم اسلام کا شاید ہی کوئی بڑا عالم و مفکر ہو جو اس میں شریک نہ ہوا ہو۔ (انشاء اللہ ان میں اہم حضرات کے نام آگے آئیں گے)۔

یہ اپنے موضوع کی تیسری کانفرنس تھی پہلی ۱۳۹۶ھ میں پاکستان میں منعقد ہوئی جس کا بہت دنوں تک چرچا رہا اور خاص طور سے پاکستان و ہندوستان کے اکثر و بیشتر علماء شریک ہوئے، دوسری ۱۳۹۷ھ میں ترکی میں منعقد ہوئی اور تیسری کانفرنس ۱۴۰۰ھ میں قطر میں منعقد ہوئی۔

حضرت مولانا کا پہلے پروگرام یہی تھا کہ بمبئی سے دوحہ تشریف لے جائیں لیکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی ایک اہم کمیٹی کی مشاورتی میٹنگ میں شرکت کی غرض سے مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے اور ڈھائی دن قیام کر کے وہاں کے سعودی وفد (جن میں رابطہ کے سکریٹری جنرل شیخ علی الحرکان بھی تھے) کے ساتھ جدہ سے دوحہ کے لیے روانہ ہوئے، جہاز بحرین سے بدلنا تھا وہاں ایک دوسرے سعودی وفد سے ملاقات ہوگئی جو ریاض سے آرہا تھا، اس میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ وغیرہ تھے، اب یہ پورا قافلہ

ایک ہی جہاز سے اسی دن جمعرات کی شب کو دوحہ پہنچا، وہاں ایئر پورٹ پر لوگ موجود تھے، وہاں سے ہم لوگ سیدھے Gulf Hotal روانہ ہوگئے، وہاں پہونچ کر کمرہ بک ہونے میں زیادہ تاخیر نہیں ہوئی اور جلد ہی ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں پہنچ گئے، جلسہ شنبہ ۵/محرم الحرام ۱۴۰۰ھ سے شروع ہونا تھا لیکن ڈیلیگیٹ تیزی سے پہنچ رہے تھے اور اس وقت بھی اچھی خاصی تعداد پہنچ گئی تھی اور دوسرے دن جمعہ کی شام تک تو اکثر حضرات تشریف لا چکے تھے، دوسرے دن افتتاحی جلسہ تھا، اس دن حضرت مولانا کے نام ایک خط آیا کہ عالم اسلام سے جو وفود آئے ہیں، ان کے نمائندے کی حیثیت سے تقریر آپ کو کرنی ہے، آپ مقالہ تیار کرلیں، حضرت مولانا نے فرمایا کہ اتنی جلدی تو تیاری ممکن نہیں جو اللہ تعالیٰ کہلوائے گا کہہ دیا جائے گا، ورنہ یہاں چوٹی کے علماء ومفکرین موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔

دوسرے دن جلسہ کا افتتاح وہاں کے بادشاہ خلیفہ بن حمد آل ثانی کو کرنا تھا لیکن بیرونی سفر کے باعث وہ حاضر نہ ہو سکے، ان کی نیابت میں ان کے بیٹے نے جو ولی عہد ہیں اور وزیر دفاع بھی ہیں، کانفرنس کا افتتاح اور خلیفہ صاحب کا مقالہ پڑھ کر سنایا، جس میں اپنی خوشی ومسرت اور ملک کی خوش بختی وسعادت کا اظہار کیا گیا تھا اور اسلام کی خدمت کرتے رہنے اور اس کے لیے سینہ سپر رہنے کا عزم ظاہر کیا گیا تھا، اس جلسہ کی صدارت بھی ولی عہد کو کرنی تھی، یہ افتتاحی جلسہ قیام گاہ سے تقریباً ۸ یا ۱۰/میل دور ہونا تھا، موٹر گاڑیاں تیار تھیں، تقریباً ہر دو شخصوں پر ایک گاڑی مقرر تھی اور بعض اہم لوگوں کے لیے تو مستقل ایک ایک گاڑی دی گئی تھی، حضرت مولانا کے لیے بھی ایک گاڑی خاص تھی، موٹروں کا یہ جلوس چند لمحوں کے بعد ہال کے پاس تھا، جہاں عالم اسلام کے علماء ومفکرین اور دانشور جمع ہو رہے تھے، ہال پورا بھرا ہوا تھا اور ہال نہایت آراستہ وپیراستہ، زیب وزینت سے مزین اور اس کے دونوں جانب خوش نما ودلآویز کتبے آویزاں تھے، ان پر ﴿إن هذه أمتكم أمة واحدة﴾ اور ﴿ولكم في رسول

اللہ أسوۃ حسنة﴾ دو آیتیں کندہ تھیں، لوگ اسٹیج کی طرف دیکھ رہے تھے اور سکوت طاری تھا کہ اچانک اناؤنسر نے اعلان کیا کہ چند لمحوں بعد اس مبارک تقریب کا آغاز قاری محمد طبلاوی تلاوت قرآن پاک سے کریں گے، تلاوت کلام پاک شروع ہوئی تو سما بندھ گیا اور پوری فضا اس نورانی وعطر بیز کلام سے معطر ومنور ہوگئی، تلاوت کے بعد قطر کے ولی عہد نے (جو اس کانفرنس کا افتتاح کر رہے تھے) قطر کے بادشاہ خلیفہ بن حمد آل ثانی کا وہ مقالہ پڑھ کر افتتاح کیا جس سے وہ خود افتتاح کرنے والے تھے، اس میں انھوں نے علماء ومفکرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ امیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں کہ جس مقصد کے لیے یہ کانفرنس منعقد کی جارہی ہے اس کو بروئے کار لایا جائے، وہ مقصد یہ ہے کہ پوری انسانیت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سنت وطریقۂ کار کو ہم پیش کریں تاکہ پوری انسانیت کو تاریکیوں سے نکال کر نور الٰہی کی طرف لائیں، اور آج مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے فخر ومسرت محسوس ہورہی ہے کہ حکومت قطر شرع وقانون اور عقیدہ ومسلک میں اسلامی اصول کی پابند ہے اور اس نے تعلیم کا مقصد ہی یہ بنا رکھا ہے کہ ایسے نوجوان تیار ہوں جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھنے والے، اسلام پر فخر کرنے والے اور اس کی تعلیمات کے پیروکار ہوں اور میں یہ اعلان کر کے سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ انشاء اللہ حکومت قطر ان قراردادوں وتوصیات کو نافذ کرنے میں جو آپ حضرات پیش فرمائیں گے ہراول دستہ ثابت ہوگی۔

اس کے بعد وہاں کے چیف جسٹس شیخ عبداللہ بن زید المحمود کی تقریر ہوئی، تقریر مرصع اور ایک حد تک مقفع تھی، اس میں انھوں نے سنت کی اہمیت اور سیرت کی افادیت کے پہلو پر زور دیا اور دشمنان اسلام کی سیرت رسول وسنت مطہرہ کے خلاف ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا اور ان کو ہر وقت ان کے مقابلہ کے لیے تیار اور ان کی دسیسہ کاریوں سے ہوشیار رہنے کو کہا، اور تیسرا مقالہ موتمر اسلامی کے نائب صدر ظفر الاسلام صاحب نے سنایا۔

چوتھی تقریر حضرت مولانا کی تھی جو عالم اسلام سے آئے ہوئے وفدوں کی نیابت میں کرنی تھی، آپ کی بے چینی و بے قراری سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گویا آپ زبان حال سے کہہ رہے ہوں

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

آپ نے تقریر تو مختصر فرمائی لیکن ایسی کہ دل و روح کو گرما دیا، آنکھیں نم ہوگئیں اور ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا سماں بندھ گیا اور تقریر کے اختتام پر سامعین مبارک باد دینے کے لیے ٹوٹ پڑے، یہ تقریر ٹیلی ویژن سے دو مرتبہ مکمل نشر کی گئی جن سے پورے ملک میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، جیسے دین دار طبقہ کی عید ہوگئی ہو۔

مولانا نے تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''یہ میرے لیے بڑی شرف کی بات ہے کہ عالم اسلام کے ایسے بڑے بڑے علماء اور ایسی محترم شخصیتوں کی نیابت کروں اور آپ سے کچھ عرض کروں، اس خدمت کے انجام دینے میں مجھے بڑا شرف حاصل ہوا کیونکہ اس کانفرنس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پر اور سنت کی ترویج کے سلسلہ میں منعقد کی جارہی ہے۔''

پھر مولانا نے فرمایا کہ: ''آسمانی شریعتوں، سلیم فطرتوں اور اخلاقی تعلیمات کا جس چیز کی رذالت اور پستی پر اتفاق ہے وہ احسان فراموشی اور ناشکری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لئن شكرتم لأزيدنكم ولئن كفرتم إن عذابي لشديد﴾ اور دوسری جگہ آیا ہے: ﴿ألم تر إلى الذين بدلوا نعمة الله كفرا وأحلوا قومهم دار البوار﴾۔''

پھر فرمایا: ''یہ تیسری کانفرنس موزوں وقت اور موزوں جگہ میں ہو رہی ہے، جہاں تک وقت کا تعلق ہے وہ پندرہویں صدی ہجری کی آمد آمد ہے اور جگہ جزیرۃ العرب ہے۔

اب جزیرۃ العرب پر واجب ہے کہ اسلام جیسی نعمت کو پہنچائے اور احسان فراموشی سے کام نہ لے اور میں صاف کہتا ہوں کہ احسان فراموشی اور ناشکر گزاری نہ ہو کیونکہ یہ وہی عظیم نعمت ہے جس نے جزیرۃ العرب کو عزلت نشینی، جنگ و جدال اور گھناؤنی جاہلیت سے نکالا اور اسی بعثت محمدی نے جزیرۂ عرب کو کچھ نہیں سے سب کچھ بنا دیا، مجھے اس وقت خلیفہ ہارون رشید کا وہ جملہ یاد پڑتا ہے جو اس نے ایک بادل کے ٹکڑے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا جب وہ ٹکڑا وہاں سے بغیر برسے چلا جا رہا تھا، اس نے اپنے سر کو اس طرف اٹھایا اور کہا: ''جہاں جی چاہے برسو، ٹیکس تو ہمارے ہی پاس آئے گا۔'' اگر ہارون کو عمر نوح مل جاتی اور ساڑھے نو سو سال زندہ رہتا تو نہ وہ بغداد کا حاکم ہوتا اور نہ عراق کا، چہ جائیکہ ایسی حکومت جس کی کوئی حد و انتہا نہیں بلکہ میں اللہ پر بھروسہ کر کے دو قدم اور آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہ تمام علم کے ساتھ جس سے اللہ نے ان کو نوازا تھا اور جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''اے اللہ! اس کو حکمت عطا فرما اور فہم دین سے نواز۔'' بھی زندہ رہتے بلکہ میں ایک قدم اور آگے بڑھتا ہوں کہ اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی زندہ ہوتے اور بعثت محمدی نہ ہوئی ہوتی تو ''لا سمح اللہ

بـــذلك" توان کو مکہ کی امارت حاصل نہ ہوتی اور ان کی مجال نہ ہوتی کہ مکہ مکرمہ میں اس طرح سر اٹھا کر چلتے چہ جائیکہ اس وسیع و عریض عالم میں، جو کچھ بھی اس وقت جزیرۃ العرب میں دکھائی دے رہا ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیض اور آپ کی بعثت کا کرشمہ ہے۔"

اور آخر میں فرمایا: "خدا کی قسم! اگر اسلام خدانخواستہ ایک بالشت زمین پر حکومت کی طاقت نہ رکھتا تو صرف عقیدۂ توحید اس کی بڑائی اور ناقابل زوال ہونے کے لیے کافی تھا، کیونکہ اسلام نے ایسا عقیدہ پیش کیا ہے کہ جس سے کھرا و ستھرا پاک وصاف کوئی عقیدہ انسانیت نے نہیں پایا، وہ عقیدہ توحید و رسالت کا عقیدہ ہے، آخرت پر ایمان کا عقیدہ ہے، اور اچھی قدروں اور لازوال اخلاق کو ماننے کا عقیدہ ہے، اگر اسلام کو ایک بالشت زمین بھی میسر نہ ہوتی تو اس کے لیے یہ چیزیں بھی اس کے فخر کے لیے کافی تھیں کیونکہ اس کے پاس ایسا بیش بہا خزانہ اور ایسا قیمتی سرمایہ موجود ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور وہ اس کا تعلق مع اللہ ہے، بندہ کا اپنے خالق سے ربط ہے گرچہ اس کو حکومت قائم کرنے کا موقع نہ ملے۔

ہم سب کو اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس میں کوئی بھی کوتاہی نہ کرنی چاہیے، لیکن ایک مسلمان شخص عمر نوح بھی پالے اور اس کی کوشش کرتا رہے اور حکومت نہ قائم کر سکے تو اس پر کوئی ملامت نہیں اور نہ اس کی کوئی پکڑ ہے کیونکہ اس کے فخر کے لیے اس کا عقیدہ کافی ہے اور یہ عقیدہ اسلام کے

عطیات میں سے پہلا عطیہ ہے اور یہی وہ اسلام ہے جس پر ہم
کو بجاطور پر فخر ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔"

اس کے بعد کانفرنس کے اصل داعی و منتظم شیخ عبداللہ ابراہیم انصاری کی تقریر تھی، شیخ عبداللہ انصاری صاحب جو وہاں کے امور دینیہ کے صدر ہیں، وہ نہایت مخلص اور علم دوست انسان ہیں، متواضع، اللہ والے معلوم ہوتے ہیں، ان کی تقریروں سے ان کا دردِ دل وسوز دروں جھلکتا تھا جو ایک ناپید چیز ہوگئی ہے، انھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"وفادار قوموں کا یہ شعار رہا ہے کہ وہ اپنے علماء وحکماء اور اسلاف کا تذکرہ ہمیشہ کرتی اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے کی فکر کرتی رہی ہیں جس کے لیے انھوں نے کانفرنس اور جلسے منعقد کیے ہیں، ان کی سیرت پر جو مقالات اور بحثیں پیش کی جاتی ہیں وہ اس لیے کہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہوں اور وہ ان کو اپنے لیے نمونہ بنا سکیں اور ہم ایسے شخص کی سیرت کو پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں جو انسانیت کا ہادی و رہنما ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

ایسے پریشان کن حالات اور مصائب وآلام سے گھری ہوئی زندگی میں جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی ضرورت ہے اور کسی چیز کی نہیں، اس وقت دنیا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنا کر اور سنت پر عمل کر کے ہی امن وچین کی زندگی اور راہ نجات پا سکتی ہے اور اس گھٹا ٹوپ اندھیرے کو

صرف نور محمدی ہی دور کر سکتا ہے، آج لوگوں کو سب سے زیادہ اس کی حاجت ہے۔"

اور آخر میں شکر ادا کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"آپ حضرات اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں حاضر ہوئے، راستوں کی تکلیفیں برداشت کیں، تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو صرف ایمان یہاں کھینچ کر لایا ہے اور اس سے پہلے مقالات تیار کرنے میں آپ نے کد و کاوش کی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیرتی پہلو نمایاں ہو اور لوگ اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں، تو میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بہتر سے بہتر بدلہ نصیب کرے اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل طاعت کو طاقت و شوکت بخشے اور اہل معصیت کو ذلیل و خوار کرے اور ہر آنے والا دن ہمارے لیے ہر اعتبار سے بہتر ثابت ہو۔ آمین۔"

اس کے بعد شکریہ کے ساتھ افتتاحی جلسہ کے اختتام کا اعلان ہو گیا اور تمام حضرات اپنے مستقر پر واپس آ گئے۔

اس دن افتتاحی جلسہ کے بعد ایک تعارفی اجلاس کا اعلان ہوا جو اسی ہوٹل کے بڑے ہال میں ہونا طے ہوا، مغرب کے بعد تمام مندوبین وہاں جمع ہو گئے، تھوڑی دیر تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہونا ہے، لیکن پوچھنے پر یہ معلوم ہوا کہ یہاں جمع ہونا ہی تعارف ہے، جس کو خواہش ہے کہ کسی شخص سے تعارف حاصل کرے، اس کے ذمہ اس کو ڈھونڈنا اور تعارف حاصل کرنا تھا جو ایک دشوار کام تھا اور وہاں ایک دشواری یہ بھی تھی کہ ذمہ داران جلسہ نے اس ہال میں بفے سسٹم کر رکھا تھا جس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ہم کسی فیشن ایبل گھرانہ میں جو مغرب زدہ ہو چکا ہو، دعوت ولیمہ میں حاضر ہوئے ہیں یا کسی اسٹوڈیو میں تصویر کھنچوانے کے انتظار میں ہیں، یہ چیزیں ہم جیسے

ہندوستانیوں کے لیے نامانوس اور اجنبی تھیں اور ایک حد تک ناپسندیدہ۔

حضرت مولانا تو ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور جو لوگ حضرت سے ملاقات کے شائق تھے وہ آ کر ملاقات کرتے رہے اور میں چل پھر کر یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے ملاقات ہوگئی اور ان سے وہاں بھی تھوڑی دیر استفادہ کا موقع مل گیا، مولانا نے اثنائے گفتگو اس تعارفی جلسہ پر تبصرہ فرماتے ہوئے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، خیر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد لوگ اپنے کمروں میں لوٹ آئے۔

دوسرے دن رابطہ کے سکریٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان کی صدارت میں جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی اور شیخ علی الحرکان نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اب وقت آچکا ہے کہ ہم کثرت کلام ولفاظی ترک کردیں اور عمل وجد وجہد کے میدان میں اتر آئیں، اور لوگ اب ہم کو ایسی شکل وصورت میں دیکھیں جو سلف صالح سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہو، اور جس چیز پر ہم کو نظر رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم صرف ان کانفرنسوں میں گفتار کے غازی ہی بن کر نہ رہ جائیں بلکہ ہم کو کردار کا بھی غازی بننا ہے، اس کے بعد تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انتظامیہ کمیٹی اور اس کے مخلص سربراہ کی کوششوں کو سراہا اور ان کو اس کی مبارک باد پیش کی اور ان کوششوں کے بارآور ہونے اور اعمال صالحہ کی توفیق کی دعا پر اپنی تقریر کا اختتام کیا۔

پھر انھوں نے کانفرنسوں کے صدر اور کنڈکٹر کے اختیار کا مسئلہ اٹھایا اور معزز سامعین سے رائے طلب کی، تھوڑی ہی دیر میں ان حضرات کے نام طے ہوگئے جو حسب ذیل ہیں:

صدر: شیخ عبداللہ بن ابراہیم انصاری۔ نائب صدر: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔ دوسرے نائب صدر: ڈاکٹر یوسف القرضاوی۔ کنڈکٹر: ڈاکٹر عزالدین بن ابراہیم۔

اس کے بعد شیخ عبداللہ انصاری نے تقریر فرمائی اور کانفرنس کے آئندہ ہونے والے پروگرام کی وضاحت کی اور فرمایا کہ محنت تو پوری کی گئی ہے لیکن کمال کا بالکل دعوی نہیں کیونکہ اصل کمال تو مالک دوجہاں کا ہے جس نے اس کی توفیق بخشی پھر کانفرنس کی اس طرح تفصیلات بیان فرمائی۔

ہم نے تمام موضوعات کو چار حصوں میں تقسیم کردیا ہے:

۱- سنت بحیثیت قانون وطریقۂ زندگی۔۲- مسئلہ تربیت اور نوجوان۔

۳- دعوت واعلام۔۴- مصادروتراث۔

اس طرح کی چار کمیٹیاں مقرر کردی ہیں، ہر کمیٹی میں موضوع کے مطابق مقالے پیش کردیئے جائیں گے اور اس کمیٹی کو اپنے پروگرام کی تشکیل کا پوراپورا حق ہوگا۔

اس کے بعد کمیٹیوں کے حسب ذیل عہدہ دار چنے گئے:

۱- سنت بحیثیت قانون وطریقہ زندگی کے صدر: تیونس کے ڈاکٹر حبیب بلخوجہ۔نائب صدر: استاذ مناع القطان۔کنڈکٹر: شیخ صلاح ابواسماعیل۔

۲- مسئلہ تربیت اور نوجوان کے صدر: ڈاکٹر کامل باقر۔نائب صدر: ڈاکٹر عبدالہادی تازی۔کنڈکٹر: احمد رجب عبدالمجید۔

۳- دعوت واعلام کے صدر: شیخ محمد غزالی۔نائب صدر: ڈاکٹر ادیب صالح۔ کنڈکٹر: ڈاکٹر ابراہیم زید کیلانی۔

۴- مصادروتراث کے صدر: شیخ عوض اللہ صالح۔نائب صدر: ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری۔کنڈکٹر: ڈاکٹر مصطفی اعظمی۔

یہ سب کمیٹیاں فندق الخلیج Gulf Hotal سے تھوڑی دور دوسرے ہوٹل میں (جو وہاں کے ایک دین دار آدمی کا ہے) اور فندق الواحہ کے نام سے مشہور ہے، منعقد ہوئیں اور جن مختلف ہالوں میں انتظام تھا ان کے نام صحابہ کرام کے ناموں پر

رکھے گئے تھے، جو ہال سنت کمیٹی کے لیے تھا وہ حضرت صدیقؓ ہال سے موسوم تھا، جو ہال تربیت کمیٹی کے لیے تھا اس کا نام عبداللہ بن عباسؓ ہال تھا اور جو ہال دعوت کمیٹی کے لیے تھا اس کو حضرت فاروقؓ ہال کہتے تھے، اور مصادر کمیٹی کے ہال کا نام انس بن مالکؓ ہال تھا، اس طرح یہ ہال مختلف اوقات میں حاضرین کانفرنس کی بحث ومناقشہ کا مرکز بنے رہے، یہاں ان چند اہم شخصیات کے نام بھی سنتے چلئے جو تقریباً اکیاون ملکوں کی نمائندگی کررہے تھے، ہندوستان کی اہم شخصیات میں سے حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدیر برہان دہلی، مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند اور حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نیابت میں ان کے بیٹے مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا مختار احمد صاحب ندوی اور مولانا عبدالرحمٰن رحمانی وغیرہ تشریف لائے تھے، پاکستان سے حکیم محمد سعید صاحب جسٹس افضل چیمہ صاحب، مولانا محمد تقی عثمانی، پروفیسر خورشید احمد صاحب اور امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد صاحب وغیرہ، عراق کے موصل یونیورسٹی کے عمادالدین خلیل، اردن کے شیخ اسعد بیوض اور اردنی یونیورسٹی کے شیخ مصطفیٰ زرقا، فلپائن کے شیخ احمد نتو، سوڈان کے کامل التاجر جوام درمان یونیورسٹی کے صدر ہیں، ملیشیا کے معہد الدعوۃ الاسلامیہ کے صدر شیخ عبدالجلیل حسن، سعودی عرب سے رابطہ کے سکریٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان نشرواشاعت کے ڈائرکٹر محمد محمود حافظ، مشہور خطیب ومصنف محمد محمود صواف، مشیر حکومت سعودی ڈاکٹر معروف الدوالیبی، شام کے محمد المجذوب جو مدینہ یونیورسٹی کے استاذ ہیں، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ دمشق یونیورسٹی کے لیکچرر شیخ محمد سعید رمضان البوطی، کویت کے وزیر اوقاف یوسف جاسم الحجی اور شیخ عبداللہ العلی المطوع، رباط یونیورسٹی کے لیکچرر مشہور عربی شاعر عمر بہاء الامیری، عمان کے مفتی اعظم احمد بن احمد الخلیلی، مصر کے وزیر اوقاف جو دارالعلوم دیوبند میں استاذ بھی رہ چکے ہیں، عبدالمنعم النمر، عبدالعزیز کامل، مشہور مصنف وخطیب اور داعی الی اللہ محمد الغزالی جو مکہ یونیورسٹی میں استاذ ہیں، مشہور

کاتب اسلامی انور الجندی، افغانستان کے محمد ہاشم مجددی، عبدالستار سرت، ترکی کے سابق نائب وزیراعظم حزب اسلامی کے صدر جناب نجم الدین اربکان، امارت عربیہ کے وہاں کے چیف جسٹس احمد بن عبدالعزیز المبارک اور ان کے مشیر مولانا تقی الدین صاحب ندوی، جنوبی افریقہ سے مولانا ڈاکٹر سید حبیب الحق صاحب ندوی اور مولانا ڈاکٹر سید سلمان بن علامہ سید سلیمان ندوی، بحرین ہائی کورٹ کے وکیل یوسف احمد صدیقی، عراق کے علمی اکیڈمی کے ممبر محمد شیث خطاب، اس کے علاوہ جو اہم تقریریں اور مقالے پڑھے گئے وہ بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں، کچھ تو اسی ہال میں پیش ہوئے، جس میں اس کانفرنس کا افتتاح ہوا تھا، اور کچھ جامع مسجد میں اور اتوار کو ایک علمی کمیٹی بھی منعقد ہوئی جس میں پانچ اہم علماء: ڈاکٹر مہدی بن عبود، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے حصہ لیا اور اس کمیٹی کو کنڈکٹ عرب کے مشہور شاعر استاذ بہاء الامیری نے کیا، اس کمیٹی کا موضوع ''شرع میں سنت کا مقام اور اسلامی زندگی میں اس کی حیثیت'' تھا۔

دوشنبہ کو پروفیسر فواد سزگین جو عالمی فیصل ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں نے ''یورپ کی ترقی میں اسلامی عربی علوم کی تاسیس کا مسئلہ'' کے عنوان سے ایک تقریر کی۔

منگل کو مغرب بعد جامع مسجد میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ''سیرت النبی اور مسلمانوں کی حالت'' کے عنوان سے ایک مفصل تقریر فرمائی۔

بدھ کو تیونس کے عالم شیخ حبیب بلخوجہ نے ''افریقہ اور مراکش میں سنت کا اہتمام'' کے عنوان سے ایک تقریر کی، وہاں تقریروں کا بہت اچھا اثر رہا، اور لوگ ذوق وشوق سے شریک ہوئے، حضرت مولانا کی تقریر میں تو وہ حضرات بھی شریک ہوئے جن کے بارے میں امید نہیں تھی (حالانکہ مولانا کی یہ تقریر مستقر سے کافی دور تھی) اور اکثر وہاں آئے ہوئے علماء شریک ہوئے۔

اسی طرح دعوتوں اور ٹی پارٹیوں کا بھی ایک غیر متناہی سلسلہ تھا، لیکن حضرت

مولانا ایک دو کے علاوہ شریک نہیں ہوئے اور وہ تمام دعوتیں اسی طرح پر تکلف ہوتیں جو عربوں کی فیاضی اور دریا دلی اور مہمان نوازی کے شایان شان تھی جو ابھی تک قصے تھے وہ حقیقت بن کر سامنے آ کر رہے اور ان عرب اسلاف کی یاد تازہ ہو کر رہی جو خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلایا کرتے تھے اور اپنا چراغ گل کر کے مہمانوں کی خاطر داری کرتے تھے جس کی جھلکیاں کچھ نہ کچھ آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

شروع میں یہ بات رہ گئی کہ انھوں نے پہلے ہی سے ہوٹل کے کمروں میں وہ تمام سامان پہنچا دیا تھا جو مندوبین کو ہدیہ کرنا تھا، جو شخص بھی اپنے کمرے میں داخل ہوتا وہ سامان کو اپنی جگہ سلیقہ سے رکھا ہوا پاتا، ان میں سے جو کتابیں ہدیہ میں ہر مندوب کو پیش کی گئی تھیں وہ حسب ذیل ہیں جو بلاشبہ ایک بیش قیمت تحفہ تھیں:

۱- ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کی کتاب "خلق القرآن"۔

۲- شیخ ابوزہرہ کی تین جلدوں میں کتاب "خاتم النبیین"۔

۳- ڈاکٹر محمد علی مالکی کی "انوار المسالك"۔

۴- علامہ سید علوی مالکی کی "نفحات الاسلام من البلد الحرام"۔

۵- شیخ یحییٰ ابوبکر عامری کی "الرياض المستطابة"۔

۶- شیخ محمد عزت دروزہ کی دو جلدوں میں "سيرة الرسول صلى الله عليه وسلم صور مقتبسة من القرآن الكريم"

۷- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب "السيرة النبوية" (جس کا اردو ترجمہ "نبی رحمت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے) اور "خاتم النبيين" (یعنی قصص النبيين للأطفال کا پانچواں حصہ)۔

۸- ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی "السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي"۔

۹- عبدالحمید خطیب کی "سيرة سيد ولد آدم"۔

۱۰-مؤرخ لسان الدین خطیب کی "أوصاف الناس فی التواریخ ......" اوران کی دوسری کتاب "معیار الاختیار فی ذکر المعاھد والدیار"۔

۱۱-جلال الدین سیوطی کی "المھذب فیما وقع فی القرآن المعرب" اوراس پر ڈاکٹر التہامی رامی الہاشمی کا مقدمہ ہے۔

اس کانفرنس میں ولی عہد سے ملنے کا بھی انتظام کیا گیا تھا، اثناء کانفرنس امیر قطر بھی آگئے، ان سے بھی حاضرین کی ملاقات ہوئی، ان کے دیوان خاص میں تمام علماء حاضر ہوئے اوران سے مصافحہ ہوا۔

اسی طرح جلسہ کی کاروائیاں جاری رہیں اور جو کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں انھوں نے اپنا کام مکمل کرلیا اور تمام قراردادیں جن پر تقریباً ایک ہفتہ کے قریب صرف ہوا تھا وہ اپنی اصل صورت میں سامنے آگئیں تا کہ آخری اختتامی جلسہ میں سنائی جاسکیں، جن مقالات پر بحث ومناقشہ ہوا ان کی تعداد ۳۷ تھی جو مختلف ممالک سے موصول ہوئے تھے، ان میں جو قراردادیں پاس ہوئیں ان کی مجموعی تعداد تقریباً ۶۰ تھی، ان میں سنت مطہرہ کے متعلق ۲۱، نوجوان اور مسئلہ تربیت کے متعلق ۱۴، دعوت واعلام کے بارے میں ۹، تراث ومصادر کے بارے میں اور چھ عام قراردادیں تھیں، ان میں سے بعض اہم یہ ہیں:

۱-فلسطین کا مسئلہ ایک اسلامی مسئلہ ہے اوراس کا آزاد کرانا ہر مسلمان کا اسلامی فریضہ ہے۔

۲-جن ممالک میں اسلامی دعوت کے کام کرنے والوں پر پابندیاں عائد ہیں یا وہ دباؤ میں ہیں یا ان پر زیادتیاں کی جارہی ہیں، کانفرنس ان کے ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔

۳-کانفرنس مسلمانوں سے عام طور پر اور امراء وحکام سے خاص طور پر اپیل کرتی ہے کہ وہ اس صدی کا اسلامی تعلیمات کو اپنا کر اوراپنے روشن ماضی کی طرف

لوٹ کر استقبال کریں اور کتاب اللہ اور سنت رسول کو سامنے رکھ کر اپنی زندگیوں کو سنواریں، انھیں کے احکام رائج کریں کیونکہ اس سے نصرت الٰہی اور تائید غیبی حاصل ہوسکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ولينصرن الله من ينصره، إن الله لقوى عزيز﴾.

ان میں ایک قرارداد میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ''سیرۃ النبی'' اور مولانا مودودی کی ''سیرۃ النبی'' کا ترجمہ کرایا جائے۔

اور چوتھی سیرت کانفرنس مراکش نے منعقد کرنے کی پیشکش کی جو قبول کی گئی اور ۱۴۰۲ھ میں پندرہویں صدی کے جلسوں کے اختتام کے طور پر ہونا طے پایا۔

ان قراردادوں کے بعد لبنان کے مفتی شیخ حسن خالد نے اپنا مقالہ پڑھا، اس میں انھوں نے اپنی مسرت کا اظہار کیا کہ آپ نے اس میں شرکت نصیب فرمائی اور کہا کہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اچھی اور پاکیزہ زندگی گزارنے کا ذریعہ بنادے، جس طرح ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ایک زمانہ کا آغاز ثابت ہوا، جو تکلیف و آلام کے بعد شروع ہوا۔

دوسرے مقرر تھے ترکی کے نائب وزیر اعظم اور حزب اسلامی کے صدر نجم الدین اربکان، انھوں نے تقریر ترکی زبان میں کی جس کا ترجمہ ہو رہا تھا، انھوں نے فرمایا:

> ''ہماری پسپائی و ذلت اور وہ تمام امراض چاہے اخلاق سے متعلق ہوں یا اعمال۔ سب کا سبب ہماری اسلام سے دوری اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض ہے، وہ تمام امراض جن میں ہم مبتلا ہیں اور وہ تمام بیماریاں جو ہمیں روگ کی طرح کھائے جا رہی ہیں، یہ اسی کا نتیجہ ہیں، ہمیں چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنا کر اور ان کے اسوہ کو نمونہ بنا کر اپنے ان امراض کو دور کریں۔''

تیسرے مقرر تھے حکومت مالی کے سفیر سیدی محمد یوسف جبری جو سعودی عرب میں سفیر ہیں، انھوں نے اپنی تقریر کے آخر میں فرمایا:

اگر ہم میں کا ہر شخص مخلص ہو جائے اور اللہ کے لیے بالکل خالص نیت کے ساتھ لگ جائے تو کام آسان ہو جائیں، ہم کو جو کچھ مغرب نے دیا اس کو آزمایا اور جو مشرق نے دیا اس کو بھی پرکھا لیکن کامیابی نہیں ہوئی، کیا اب وقت نہیں آگیا ہے کہ ہم اس کو دیکھیں جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی بلکہ رب المشارق والمغارب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، ہمارے اسلاف نے آزمایا تو انھوں نے مشرق و مغرب میں امن و سلامتی کا جھنڈا لہرا دیا، ہم نے اس کو اپنی زندگیوں سے نکال دیا تو مشرق و مغرب کا لقمہ تر بن گئے، اب ہم وہ زندگیاں نہیں بنا سکتے جبکہ ہم مخلص نہ ہوں، اللہ کے ساتھ، اپنے نفس کے ساتھ اور اپنی امت کے ساتھ، جب ہم یہ کرلیں گے تو ان تمام چیزوں سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے، جس میں ہم پھنس چکے ہیں۔"

آخری تقریر کانفرنس کے صدر شیخ عبداللہ ابراہیم انصاری کی تھی، جس میں انھوں نے تمام مندوبین، شرکاء، کام کرنے والوں اور ان تمام حضرات کا جنھوں نے ان کا ہاتھ بٹایا شکریہ ادا کیا، بادشاہ و ولی عہد کا شکریہ ادا کیا، جنھوں نے ان کے اس کام کی تکمیل میں پوری مدد فرمائی، آخر میں انھوں نے فرمایا کہ:

"مجھے اس سے امید ہے کہ چوتھی کانفرنس اس وقت ہوگی جب مسلمان متحد، اللہ کے احکام نافذ اور جاری اور اللہ کے دشمن پسپا ہو چکے ہوں گے۔"

اس کے بعد اناؤنسر نے جلسہ کے اختتام کے لیے قاری محمد طبلاوی صاحب

کودعوت دی کہ قرآن مجید کی آیات سے جلسہ کا اختتام کریں، تلاوت کے بعد کانفرنس کے صدر شیخ عبداللہ بن ابراہیم انصاری نے حضرت مولانا(۱) سے درخواست کی کہ آخر میں دعا فرمادیں، اور خود ہی اعلان فرمایا اور حضرت مولانا نے ایک پراثر دعا فرمائی جس سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل بے قرار اور اس کیفیت واثر کے ساتھ کانفرنس کا اختتام ہوا۔

اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اور اس کو سارے انسانوں اور خاص طور سے مسلمانوں کے لیے باعث خیر وبرکت کرے اور سنت کے اتباع اور سیرت کی پیروی کا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین۔"(۲)

ملیشیا اور تھائی لینڈ کا سفر

مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم کا کسی بیرون ملک کا حجاز مقدس کے دوسفر میمون اور قطر کے سفر کے بعد جو عالمی سیرت کانفرنس کی مناسبت سے تھا اور ابوظہبی سے ہوتے ہوئے ہندوستان واپسی ہوئی تھی اور تینوں سفر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوئے تھے، ملیشیا اور تھائی لینڈ اور پھر متحدہ عرب امارات کے سفر ہوئے، مؤخر الذکران دونوں سفروں میں وہ اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی ساتھ تھے۔

مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اپنی ڈائری (مذكراتي) میں ان دونوں سفروں کی تفصیلات تحریر فرمائی ہیں، جن کی روشنی میں چند معلومات پیش کی جارہی ہیں۔

ملیشیا کے دو فعال اور سرگرم ندوی عالم نصری مالیزی اور احمد فہمی زمزم جوان دونوں کے شاگرد تھے، ایرانی انقلاب کے ملیشیا پر اثرات سے بڑے فکر مند تھے کہ اس سے ملیشیا کے نوجوانوں میں شیعیت کے تعلق سے غیر معمولی تأثر پایا جارہا ہے اور بعض نوجوان علماء شیعہ ہوبھی گئے، اس لیے یہ لوگ اپنے ندوی اساتذہ کا ایک دورہ ملیشیا

---

(۱) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ (۲) تعمیر حیات ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۹ء اور ۱۰ر جنوری ۱۹۸۰ء بقلم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

کرانا چاہتے تھے، مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے جون ۱۹۸۱ء (شعبان ۱۴۰۱ھ) میں انڈونیشیا کا جب قاضی فاروق بھٹکلی ندوی کے ساتھ سفر کیا تھا تو انھوں نے وہاں ان اندیشوں کو محسوس کیا تھا جو ایرانی خمینی انقلاب سے نظر آرہے تھے اور اس کے پڑوسی ملک ملیشیا سے متعلق بھی اس کی اطلاعات ملی تھیں، اس لیے انھوں نے چاہا کہ ملیشیا بھی ہولیں، مگر قانونی دشواریوں کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا، البتہ ندوہ میں مالیزی طالب علم اور ملیشیا میں ندوی فارغین کا تقاضا برابر زور پکڑ رہا تھا، چنانچہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے مشورہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے شرح صدر کے بعد اس موقع پر جو ملیشیا میں رابطۃ الجامعات الاسلامیۃ ریاض (سعودی عرب) ایک بین الاقوامی کانفرنس تعلیم و تربیت اور فارغین مدارس کی ذمہ داریوں کے موضوع اور اسلامی جامعات و مدارس کے مسائل و قضایا کو سامنے رکھ کر منعقد کر رہی تھی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بھی اس میں مدعو تھے، ندوۃ العلماء کے اساتذہ کی طرف سے بھیجے جانے کا فیصلہ ہوا، اور بحیثیت ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی طرف سے ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی علیہ الرحمہ نے نمائندگی کی۔

ادھر استاذ نصری ندوی نے اپنے اور استاذ فہمی زمزم ندوی اور شیخ نعمت مدیر معہد التربیۃ الاسلامیہ کے ترتیب دیئے ہوئے پروگرام کے تحت اس کی اطلاع بھیجی کہ وہ یکم ستمبر ۱۹۸۸ء کو لکھنؤ آئیں گے، اور کچھ دن ساتھ رہ کر ۲۳ ستمبر کو ملیشیا کا سفر کرائیں گے، مولانا سلمان صاحب اور مولانا عبداللہ حسنی نے یہ اطلاع بھیجی کہ ان دونوں کا ملیشیا کا سفر اسی تاریخ میں ہو رہا ہے جس تاریخ کو وہ لکھنؤ آنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور رابطۃ الجامعات الاسلامیہ اور منتدی الشباب کی مؤتمر میں شرکت کے لیے یہ سفر طے پایا ہے، اس لیے وہ اپنے پرگرام اسی سفر کے ساتھ جوڑ لیں، ندوۃ العلماء کے مالیزی طالب علم تاج العارفین نے ویزا ٹکٹ وغیرہ کی کاروائی مالیزی سفارت خانہ سے

تیزی سے مکمل کرائیں اور یہ لوگ پہلے دہلی گئے پھر وہاں سے بذریعہ طیارہ کوالالمپور جو ملیشیا کی راجدھانی ہے روانہ ہوئے، دہلی میں مولانا سید ابوبکر حسنی کی قیام گاہ سبھی اعزہ و اقرباء کی منزل ہوتی تھی، دہلی کا قیام منگل اور بدھ ۳۰-۳۱ راگست کو وہیں رہا، اور یکم ستمبر ۱۹۸۸ء ۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۰۹ھ بروز جمعرات کو کوالالمپور کے لیے روانہ ہوئے، کوالالمپور ایئرپورٹ پر ندوی فضلاء خالد موسیٰ، عبدالمجید اور علی رجب وغیرہ استقبال کے لیے حسب توقع موجود تھے، مؤتمر کے رضاکار مندوبین کے استقبال کے لیے تھے، ان کی وجہ سے ایئرپورٹ کی کاروائی تیزی سے پوری ہوئی، لیکن ان سے یہ کہہ دیا گیا کہ ہمارے اور بھی پروگرام ہیں، ۴ رستمبر کو مؤتمر کے افتتاحی جلسہ میں ہم لوگ پہنچ جائیں گے، اس لیے قیام وطعام کی بندشوں سے ابھی آزاد رکھا جائے۔

چنانچہ پہلے مرکز ابیم یعنی مرکز حرکۃ الشباب المسلم بمالیزیا (مالیزی زبان میں جس کا مخفف ابیم ہے) گئے، اس کے ملک بھر میں علاقائی مراکز ہیں، جس سے دین کی طرف لانے اور صحوۃ اسلامیہ کا کام لیا جارہا ہے، اس کو استاذ انور ابراہیم نے قائم کیا تھا، مگر ان کے باقاعدہ سیاست میں داخل ہوجانے اور منصب وزارت قبول کرلینے کے بعد اب اس کے رئیس استاذ صدیق فاضل تھے، یہاں سے ترنغانو کا سفر کیا، یہ سفر سلطان صلاح الدین ایئرپورٹ کوالالمپور سے سلطان محمود ایئرپورٹ ترنغانو کا صرف ۴۰ منٹ میں طے ہوا، ملیشیا کا حکومتی نظام اس طرح ہے کہ گیارہ ولایات (صوبے) ہیں اور ہر ولایہ (صوبہ) کا حاکم سلطان ہے، اور ان سبھی سلطانوں میں سے ایک سلطان السلاطین ہوتا ہے، جس کی مدت سلطنت صرف پانچ سال ہوتی ہے، یہ طریقۂ حکومت زمانہ بعید سے چلا آرہا ہے، جہاں تک وزارت کا تعلق ہے وہ الیکشن (انتخابات) کے ذریعہ ہوتا ہے، اس وقت ملیشیا کے وزیر اعظم محاضر محمد تھے، اس طرح ملیشیا میں شہنشائیت کے دامن میں جمہوریت ہے، اور یہ دونوں نظام بلا کسی ٹکراؤ کے چل رہے ہیں، اور پورا امن قائم ہے۔

ترنغانو میں استقبال کرنے کے لیے ایئرپورٹ پر استاذ نصری ندوی موجود تھے، جو کہ سفر کے بڑے محرک اور دوسرے بڑے داعی تھے، ترنغانو کی عظیم اور مقبول ترین شخصیت شیخ عبدالہادی کی مسجد اور مکان پر گئے، حالانکہ وہ سفر پر تھے، اور شیخ محمد اواغ (اوانگ) جنھوں نے ۱۹۶۵ء میں ندوۃ العلماء میں پڑھا تھا اور دارالعلوم دیوبند کے بھی فاضل ہیں بھی ایک طاقت ور دینی وعلمی شخصیت ہیں، ان سے ملاقات کی پھر صوبہ کلنتان میں ایک دوسری سرکردہ شخصیت شیخ عبدالعزیز نیک سے بھی ملاقات کی، وہ بھی دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور حزب اسلامی کی مجلس علماء کے دیوان کے صدر ہیں، پارلیمنٹ کے رکن بھی رہ چکے ہیں، ان کی تعلیمی اصلاحی اور دعوتی خدمات بڑی لائق تحسین ہیں، ان دونوں ہندی عالموں نے محسوس کیں، کلنتان میں استاذ نصری ندوی کے مکان پر گئے، اور صوبہ کلنتان کے مرکز ابیم بھی تشریف لے گئے جہاں مرکز کے ذمہ دار استاذ وان حسن نے اپنے رفقاء کے ساتھ زوردار استقبال کیا، کلنتان ترنغانو سے دوسو میل کے فاصلہ پر ہے، استاذ نصری ندوی کے مکان سے پچاس کلومیٹر کے فاصلہ پر سلسلہ غزالیہ کی عظیم المرتبت شخصیت شیخ عثمان محمدی کی خانقاہ ہے، وہاں یہ دونوں حضرات مقامی رہبر حضرات کے ساتھ گئے، ان کا حلقہ ارادت بڑا وسیع ہے، اور ان کا امام غزالی کی کتاب ''احیاء علوم الدین'' کا درس بڑا مقبول ومعروف ہے، ان صاحب سلسلہ بزرگ نے مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا بڑی تکریم وتقدیر کے ساتھ استقبال کیا، اور ان دونوں نے ان میں کشش اور جاذبیت محسوس کی، یہ ایک شیخ طریقت اور مربی جلیل ہونے کے ساتھ انگریزی ادب کے استاذ اور عربی کے بھی واقف کار بزرگ ہیں، اور ملایا یونیورسٹی میں محاضر رہ چکے ہیں، انھوں نے شیعی خطرات کا اظہار کرتے ہوئے اس کو اپنے ملک کے لیے خاص طور پر بڑا خطرہ بتایا، یہاں سے پھر کوالالمپور روانہ ہوئے، جہاں رابطۃ الجامعات الاسلامیہ کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کرنی تھی، افتتاحی اجلاس کی اہم شخصیتوں میں

ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی رئیس رابطۃ الجامعات الاسلامیہ العالمیہ اور استاذ انور ابراہیم بحیثیت وزیر تعلیم ملیشیا خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ مؤتمر جامعۃ الاسلامیہ العالمیہ (۱) ملیشیا اور المرکز اسلامی ملیشیا کے اشتراک وتعاون سے منعقد ہوئی تھی، شیخ عبداللہ ترکی، استاذ انور ابراہیم اور ڈاکٹر عبدالرؤوف رئیس الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ ملیشیا سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔

دوشنبہ کو ۵ ستمبر کو مولانا سلمان حسینی ندوی نے دورۃ المعلمین والمعلمات میں محاضرہ دیا اور کوالالمپور سے پچاس کلومیٹر دور یہ دورہ تدریبیہ وزارت تعلیم ملیشیا نے چار روزہ رکھا تھا۔

منگل ۶ ستمبر کو قاعۃ المرکز الاسلامی کے پروگرام میں شرکت کی اور بعض اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں، جن میں شیخ یزید جعفر کی شخصیت خاص طور پر قابل ذکر ہے، اور ایرانی انقلاب سے متعلق گفتگو کی اور اس انقلاب سے علماء ملیشیا نے جو غیر معمولی تأثر لیا ہے اس کے ازالہ کی کوشش اور اس کے پیچھے جو بڑا فریب ہے اس کو دونوں عالموں نے واضح کیا اور صاف طور سے شیعوں کے متعلق اس نظریہ کو واضح کیا کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں، اور ان کا طریقہ اور عقیدہ ہمارے دین وعقیدے سے بالکل جدا ہے، شام کو تبلیغی مرکز بھی گئے، جہاں مقامی امیر جماعت تبلیغ محمد یوسف صاحب اور دوسرے ذمہ داروں نے استقبال کیا، جماعت میں نکلنے کی وجہ سے یہ لوگ اردو سے واقف تھے، عشائیہ مستشار ثقافی سعودی عرب کی طرف سے تھا، جس میں رات کے دس بج گئے پھر ہوٹل میں آرام کیا۔

۷ ستمبر بدھ کو طے پایا کہ دارالارقم کا معائنہ کیا جائے، یہ پیشکش علی رجب الندوی نے کی تھی، جمعرات ۸ ستمبر کو دارالارقم گئے جو کوالالمپور سے ۱۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، شیخ الارقم استاذ اشعری محمد ہیں اور دارالارقم کے بڑے اصلاحی تعلیمی اور

(۱) اسی طرح کی اسلام آباد پاکستان میں اور بنگلہ دیش میں بھی جامعات قائم کی گئیں، جس کا پہلا تجربہ سعودی عرب میں الجامعۃ الاسلامیہ کا عمل میں لانے سے کیا گیا تھا۔

دعوتی کام اور قابل قدر سماجی ورفاہی خدمات ہیں اور معتدل فکر رکھتے ہیں، ایرانی انقلاب کو غیر اسلامی تصور کرتے ہیں، دار الارقم کے اعضاء بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہیں اور ہر صوبہ ہر شہر میں اس کی شاخیں ہیں، اور باہر امریکا، برطانیہ، تھائی لینڈ اور جہاں ملیشیائی افراد بستے ہیں وہاں اس کی شاخیں ہیں۔

دار الارقم سے واپسی پر مؤتمر کے بعض پروگراموں میں شرکت کے ساتھ بعض اہم اداروں اور شخصیات سے ملاقاتیں کیں، اور دینی وفکری رہنمائی یہاں کے علماء اور خواص کو کی، اور اسلامک یونیورسٹی کا تفصیلی معائنہ کیا، دیوبند کے اساتذہ میں مولانا عبدالخالق مدراسی اور طلباء میں خاص طور سے مفتی سید محمد سلمان منصور پوری اور ندوۃ العلماء کے طلبہ میں مولانا مشہود السلام ندوی، مولانا عبدالباسط ندوی، مولانا شاہد ندوی وغیرہ تھے۔

کوالالمپور سے مؤتمر کے اختتام پر پھر کلنتان تشریف لے گئے ایئرپورٹ پر شیخ نعمت، استاذ احمد فہمی زمزم، استقبال کے لیے موجود تھے، معہد التربیۃ الاسلامیہ گئے، یہاں بڑے جلسہ کی تیاری تھی، تلاوت کلام پاک، استقبالی وخیر مقدمی تقریروں اور اناشید کے بعد مولانا سید عبداللہ حسنی کی تقریر پہلے ہوئی پھر مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے خطاب کیا، ندوی فاضل استاذ احمد فہمی زمزم کے مکان پر جلسہ کے بعد رات کا قیام رہا، ۹ر ستمبر جمعہ کا دن تھا، جمعہ کی نماز مسجد سلطان عبدالحلیم میں الوسٹر شہر میں ادا کی گئی، اور نماز کے بعد بعض حضرمی حسینی سادات کی دعوت قبول کی جو شیخ نعمت سے متعلق ہیں اور صدر مرکز ابیم کے مکان پر گئے، معلوم ہوا کہ یہاں ابیم کے بانیوں میں شیخ نعمت اہم شخصیت ہیں، جنھوں نے مصر میں اخوان کے طرز پر یہ اسلامی تحریک دینی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے قائم کی۔

مغرب بعد ایک مسجد میں اجتماع عام رکھا گیا تھا، بارش کی وجہ سے زیادہ لوگ شریک نہ ہوسکے پھر بھی اچھا پروگرام ہوا، محرم الحرام کی مناسبت سے ہجرت کو

موضوع بنایا گیا اس لیے محرم الحرام میں ہجرت کے احتفالات منعقد کیے جاتے ہیں، ہجرت کے عنوان سے دعوت و تبلیغ دین کی طرف توجہ دلائی گئی، اور خاص طور پر غیر مسلموں میں دعوت کے کام کی اہمیت کو بتایا گیا، اور رات کا کھانا شیخ نعمت کے مکان پر ہوا۔

سنیچر ۱۰/ستمبر ۱۹۸۸ء کو مختلف تعلیمی ودعوتی پروگرام ہوئے، مرکز الدعوۃ الاسلامیہ فی غیر المسلمین جو تحریک اسلامی ابیم کے تابع ہے وہاں بھی تشریف لے گئے، اور جامعۃ العلوم المالیزیہ بھی گئے لیکن وہاں طلبہ و طالبات میں حیاء کے فقدان اور بے پردگی کو دیکھ کر اظہار قلق کیے بغیر نہ رہے۔

اتوار ۱۱/ستمبر کو پینانگ شہر میں تبلیغی مرکز گئے، وہاں ہندوستانی مسلمان خاصے تھے، مگر اردو خطہ کے نہیں تاملی تھے، اور مرکز اسلامی میں بھی پروگرام ہوئے، ایک ۶۵ منزلہ عمارت میں واقع سپر مارکیٹ سے پورے شہر کا نظارہ کیا، ظہرانہ وہاں کی عظیم القدر دینی شخصیت شیخ عبدالہادی نے رکھا تھا، اس کے بعد مولانا عبداللہ عباس ندوی کو کوالالمپور کے لیے رخصت کیا گیا، اور واپسی میں سپر مارکیٹ سے کچھ سامان خریدنا چاہا کہ ہندوستان گھر کے لیے لے جائیں گے لیکن ماحول کی خرابی اور مہنگائی کی وجہ سے وہاں سے واپس ہو لیے اور صوبہ قدح کی راہ لی، اور محرم الحرام بھی اختتام کو پہنچا۔

دوشنبہ ۱۲/ستمبر ۱۹۸۸ء یکم صفر المظفر ۱۴۰۹ھ کو صوبہ قدح میں کئی پروگرام ہوئے، مولانا عبداللہ حسنی ندوی نے پہلے خطاب کیا، پھر مولانا سلمان حسینی ندوی نے خطاب فرمایا، عبدالمجید ندوی کے یہاں ظہرانہ ہوا، بدرالدین ندوی مالیزی نے اپنے گاؤں میں عصرانہ رکھا، مولانا عبداللہ حسنی ندوی کا ان کے گاؤں کی مسجد میں خطاب بھی ہوا، گاؤں کا مدرسہ بدرالدین ندوی کے والد صاحب کا قائم کیا ہوا ہے، اس کے تجدید واحیاء کی کوشش بدرالدین صاحب کرر ہے تھے، رات احمد فہمی زمزم ندوی کے یہاں گزاری گئی، جبکہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا خطاب مسجد السلطان محمود میں ہوا،

جو قرآن مجید کے موضوع پر تھا۔

منگل ۱۳ر ستمبر-۲ر صفر المظفر کو تھائی لینڈ کا سفر تھا، احمد فہمی زمزم ندوی کے یہاں سے دوپہر کو روانہ ہوئے اور استاذ علی رجب ندوی گاڑی کو ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے دونوں استاذوں کو بذریعہ روڈ تھائی لینڈ کی حدود میں لے گئے مگر تھائی لینڈ جا کر کچھ لمحات میں واپس کر دیئے گئے۔

بدھ ۱۴ر ستمبر-۳ صفر المظفر کو صبح پینا نگ گئے جہاں ویزا کی کاروائی پوری کی گئی پھر دوسرے دن جہاز سے پینا نگ (ملیشیا) سے بنکاک (تھائی لینڈ) گئے اور جمعرات ۱۵ر ستمبر-۴ر صفر المظفر کا دن تھائی لینڈ میں گزرا، لیکن تھائی لینڈ کا قیام نہایت مختصر تھا اور ایک طرح سے بس گزرگاہ رہا، مگر وہاں کے بدترین اخلاقی گراوٹ اور بے حیائی کو دیکھ کر سبھی شرم سے پانی پانی ہو گئے، اور مرتی ہوئی انسانیت پر خوب آنسو بہا کر اپنے وطن روانہ ہوئے، البتہ جمعہ بنکاک (تھائی لینڈ) میں گزارا تھا، تھائی لینڈ کی شخصیات میں شیخ مصطفیٰ حمزہ ندوی، شیخ اسماعیل ندوی، شیخ ابراہیم قریشی ہزاروی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کی یہاں بڑی تعلیمی اصلاحی دعوتی خدمات ہیں، شیخ مصطفیٰ ندوہ کے ۱۹۶۷ء کے فارغین میں ہیں، جبکہ شیخ اسماعیل اور پرانے ہیں، اور جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے معاصر ہیں، اور ایک داعی مجاہد شخصیت ہیں، شیخ ابراہیم قریشی کے والد ہزارہ پاکستان سے آئے تھے اور اب شیخ ابراہیم حکومت میں بھی ایک اثر رکھتے ہیں، اور بڑے مصنف و محقق اور عالم جلیل ہیں، مدرسہ انصار السنہ کے بڑے ہمدردوں میں اور معاونین میں بھی گویا یہ ادارہ ان ہی کا ہے، شیخ مصطفیٰ حمزہ ندوی کے مکان پر بعض شامی مجاہدین و مہاجرین سے بھی ملاقات ہوئی، جو شامی جہاد سے افغانی جہاد کی طرف ہجرت کر چکے تھے، شامی مجاہد نے افغان جہاد کے تعلق سے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ استعماری طاقتیں افغانستان کے مسئلہ کو فلسطین کے مسئلہ کی طرح بنا دیں گی، اور ان کے ذرائع اس میں لگ گئے ہیں، ندوی فضلاء نے جن میں اکثر مولانا سلمان حسینی

ندوی اور مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے شاگرد بھی تھے، اپنے ان اساتذہ سے استفادہ کی تدابیر کیں۔

جمعہ ۱۶؍ستمبر ۱۹۸۸ء، ۵؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ، کا دن بنکاک میں گزار کر رات ایک بجے جہاز سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے، جہاز خاصا لیٹ تھا، دہلی میں فراش خانہ میں چند گھنٹہ گزار کر دن کو گومتی سے لکھنؤ پہنچے، اس طرح یہ سفر پورے نصف ماہ کا ایک بڑا ہی اہم دینی تعلیمی فکری اصلاحی اور دعوتی بنیادوں پر خوب مفید و مؤثر رہا، اللہ تعالیٰ اس کے بہتر سے بہتر نتائج ظاہر فرماتا رہے۔ آمین۔

امارات کا سفر

متحدہ عرب امارات کا سفر جو مستقل طور پر ایک دعوتی پروگرام کے تحت ہوا تھا اس میں شارجہ اور دبئی میں دروس اور تقاریر کے ذریعہ آپ نے اور عم محترم مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے دینی تربیت و رہنمائی کا کام کیا، دبئی میں کیا گیا ایک خطاب جس میں آپ نے مال کے فتنہ کی طرف توجہ دلائی تھی وہ ایک اہم خطاب تھا، آپ نے توجہ دلائی کہ:

> ''آج جو مجمع ہمارے سامنے ہے اس پر اللہ کے جو انعامات و احسانات ہیں، ان پر انھیں شکر ادا کرنا واجب ہے، احسان شناسی ایک ایسا وصف ہے جس کے ذریعہ سے ایک انسان اونچے سے اونچا مقام طے کر سکتا ہے، اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے جن میں آپ نے ان فتنوں سے ڈرایا ہے جو مال سے آتے ہیں، ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ رہا ہے، اس امت کے لیے فتنہ مال ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اندیشوں سے ڈرایا ہے، ان میں مال سے پیدا ہونے والے ان فتنوں کے اندیشے ہیں، یہ بات دیکھنے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی کیسی تربیت

فرمائی تھی، اللہ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کے
ساتھ ہر مسلمان کو اس کا ذمہ دار بنایا ہے، ہر انسان پر انسان کی
حیثیت سے ہر مسلمان پر مسلمان کی حیثیت سے یہ ذمہ داری ہے
کہ وہ اس ذمہ داری کو انجام دے، کمانا اور وہ بھی حلال کمائی بہت
اہم اور بڑی چیز ہے اور ان حالات میں جبکہ حرام آمدنی پھیل رہی
ہو اور حلال و حرام کی تمیز ختم ہو چکی ہے، اپنے اپنے اندر توازن قائم
کریں، دین کو اختیار کرنے کے ساتھ دنیا کی جو جو ضرورتیں ہیں
ان کو ان کی ضرورت کے بقدر اختیار کریں، زبان کے شکر کے
ساتھ یہ شکر بھی ضروری ہے کہ جن کو مدد کی ضرورت ہے ان کی مدد
کی جائے اور خیر کے کاموں میں خرچ کیا جائے، صرف اپنا پیسہ
بڑھانے اور بینک بیلنس کی فکر نہ کی جائے۔"

یہ سفر ۱۹۸۸ء میں ہوا تھا، اور شارجہ میں الکٹرانک میڈیا کے ذریعہ دینی پروگراموں کے فروغ کے لیے جو کوشش حکومتی سطح پر ہوئی تھی اس میں دینی دروس و محاضرات کے لیے مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کو دعوت دی گئی تھی اور ان حضرات نے معاشرہ میں اور خاص طور پر عرب معاشرہ میں جو کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں مال کی فراوانی کے نتیجہ میں اسراف و تبذیر اور مال کی ہوس اور پھر دین سے بے توجہی اور خالص دینی صفات اختیار کرنے سے بے اعتنائی اس کو قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں صحیح ایمانی زندگی گزارنے کی طرف توجہ دلائی، اور اسباب معیشت اور وسائل و ذرائع پر اعتماد بڑھانے کے بجائے مسبب الاسباب پر اعتماد و یقین مضبوط کرنے اور بڑھانے کی طرف توجہ دلائی، بعد میں جب ان دونوں حضرات کو معاوضہ پیش کیا جانے لگا تو صاف طور پر دونوں نے کسی قسم کی اجرت و معاوضہ قبول کرنے سے پوری صراحت و قوت سے انکار کر دیا، مخدومی مولانا

ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم نے راقم الحروف کو یہ بات بتائی، اوران دونوں کے اس اقدام کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ اس کا اثران لوگوں پر بہت پڑا، خودانھوں نے اپنے مضمون میں بھی جو مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے انتقال پر لکھا ہے اس کا تذکرہ کیا ہے، ان کے الفاظ ہیں:

> ''مولانا کو اللہ تعالیٰ نے استغناء وتوکل کی صفت سے بھی نوازا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حاکم شارقہ شیخ سلطان بن محمد القاسمی نے دوایسے علماء کوطلب کیا جوشارقہ ٹی وی سے اردو میں خطاب کرسکیں، اس ناچیز نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ذریعہ مولانا سلمان ندوی و مولانا عبداللہ مرحوم کو متعین کیا، دونوں شارقہ آئے، پروگرام ختم ہونے پر ان کے لیے ایک رقم پیش کی گئی جس کو دونوں نے لینے سے انکار کردیا، اس استغناء کا ان لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا......'' (۱)

پھر یہ دونوں حضرات ابوظبی میں حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب مدظلہ کے رہائش گاہ بھی گئے تھے، مولانا مدظلہ نے ان دونوں کے ساتھ بڑی تکریم واعزاز کا معاملہ کیا، اوران کے اس سفر میں اس بات کی بھی فکر کی کہ ان دینی تعلیمی ودعوتی کاموں میں راستے کھلیں اور بہتر سے بہتر اسباب مہیا ہوجائیں۔

متحدہ عرب امارت کے سفر کی تفصیلات

متحدہ عرب امارات کے سفر کی تفصیلات مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ کی ''مذکراتی'' کی روشنی میں پیش کی جارہی ہیں:

شارقہ کا سفر بدھ ۲۸ ردسمبر ۱۹۸۸ء کو ہوا، دہلی سے فلائٹ تھی، دہلی اوردبئی کی مسافت تین گھنٹہ میں طے ہوئی، اور ساڑھے دس بجے صبح دبئی ایئرپورٹ پر اترے،

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی نمبر ص/ ۲۷

چونکہ یہ سفر حکومت شارقہ کی دعوت پر ہوا تھا اور اسرۂ حاکمہ کی اہم شخصیت شیخ سالم القاسمی اصل داعی اور محرک تھے، اس لیے ان کے نمائندے شیخ ابراہیم المبروک اور احمد الشیخ ایئر پورٹ پر استقبال کے لیے موجود تھے اور اہل تعلق میں مولانا نظام الدین ندوی ،مولانا عبدالمتین منیری تھے، ایئر پورٹ سے شارقہ گئے اور فندق کونیخال میں قیام کیا، جو اس منطقہ کا سب سے بڑا فندق تھا اور حاکم شارقہ کا قصر بھی اس سے قریب تھا، مولانا تقی الدین ندوی سے رابطہ قائم کیا اور پروگرام کے پیش نظر تھے ان پر عمل مولانا تقی الدین ندوی مدظلہ کے مشورہ سے کیا، اس لیے کہ اصل واسطہ داعی اور مدعو کے درمیان وہی تھے، اس لیے ان دونوں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا، چنانچہ بھٹکل کے محتشم عبدالباری صاحب کے یہاں کھانا تناول فرمایا اور پھر مغرب بعد مولانا تقی الدین ندوی صاحب حاکم شارقہ سے ملاقات کے لیے قصر السلطان لے گئے، حاکم الشارقہ سلطان بن محمد القاسمی نے بڑے اکرام ومحبت کا معاملہ کیا، اور ہندوستان میں مسلم مسائل سے متعلق تفصیلی گفتگو کی اور کہا کہ ہم نے اندرا گاندھی سے ملاقات میں کہا تھا کہ جب انھوں نے شکایت کی تھی کہ عربوں کی طرف سے ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے کہ کیوں مسلم اقلیت کی فکر نہ کریں کہ ان میں ضرورت مند، یتیم، غریب اور منہدم مسجدیں ہیں، اندرا نے کہا تھا کہ آپ کا جذبہ اچھا ہے آپ ضرور ایسا کیجیے، اور ہم نے راجیو گاندھی سے ملاقات میں کہا تھا کہ آپ مسلم پرسنل لاء میں مداخلت نہ کریں اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے بڑے علماء کی رائے ومشورہ لیں، حاکم شارقہ نے ندوۃ العلماء کے کام اور منہج کو بھی سمجھنا چاہا، اور ان کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہوئی کہ وہ ہر ایک کے ساتھ تواضع اور محبت واکرام سے ملتے ہیں، اور سبھی عام وخاص اپنے احوال پیش کرتے، اور وہ ہر ایک کی بات توجہ سے سنتے، اور ملاطفت کا معاملہ کرتے ہیں، پھر شیخ سالم القاسمی سے الگ ملاقات کی، اور ان ملاقاتوں میں وہاں کی سرکردہ علمی ودینی شخصیت شیخ علی صالح المحویتی کی بھی رفاقت رہی، اور انھوں نے بھی

کھانے پر مدعو کیا۔

مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے مسجد ملک فیصل میں نماز جمعہ پڑھائی اور بڑا بلیغ و فصیح خطبہ دیا جو اس منطقہ کی سب سے بڑی اور اس لحاظ سے سب سے اہم مسجد ہے جہاں حاکم شارقہ بھی نماز ادا کرتے ہیں، غیر عربی عالم کا یہاں خطاب کبھی نہیں رکھا گیا تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی نسبت و تعلق سے اس اعزاز و تکریم خاص کا معاملہ کیا گیا، اور اس کا اچھا اثر اور نتیجہ ظاہر ہوا۔

جمعہ ۳۰/دسمبر کی رات کو اہل بھٹکل نے دبئ میں ایک نشست رکھی جس میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی صاحب کا خطاب پہلے ہوا اور پھر مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا خطاب ہوا، اس جلسہ کو مولانا عبدالمتین منیری نے کنڈکٹ کیا تھا، اور بھٹکلیز ڈاٹ کام میں یہ دونوں خطاب موجود ہیں۔

سنیچر ۳۱/دسمبر کو رأس الخیمہ گئے اور جامعۃ الامام محمد سعود الاسلامیہ ریاض کے تابع معہد کا معائنہ کیا جس کے مدیر ابراہیم الترکی ہیں جو شیخ عبدالمحسن الترکی کے عزیز ہیں، وہاں سے مولانا تقی الدین صاحب ندوی کی مستقر پر آنا تھا، اور شیخ علی صالح علی صالح الحویتی ساتھ تھے، سفر شروع کرتے وقت امارت قائم کی گئی، اور شیخ علی صالح الحویتی کو امیر چنا گیا، پھر یہ امارت حکومتی امارت کے طور پر سامنے آئی، اور رأس الخیمہ سے العین ابوظبی کے سفر کے رفقاء میں وزارت تقسیم کی گئی، استاذ زہیر ایوبی کو وزیر الاعلام، مولانا سلمان حسینی ندوی کو وزیر التربیۃ التعلیم اور مولانا عبداللہ حسنی کو وزیر الدفاع والداخلیہ اور مولانا ارشاد صاحب کو وزیر الارشاد والسیاحۃ منتخب کیا گیا، اور اس طرح گاڑی پر چلتی پھرتی ایک مختصر اسلامی حکومت قائم کر کے ریہرسل کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ باقاعدہ موقع دیتا ہے تو پھر اسلامی نظام حکومت کس طرح قائم کیا جائے گا اور اس سفر کو لطف اندوز بھی بنایا گیا، اور اچھی گفتگو اور تبادلہ خیال کے ساتھ سفر پورا کیا گیا اور پھر مولانا تقی الدین ندوی کے مستقر پر پہنچ کر عشائیہ تناول کیا۔

دبئ، ابوظبی، رأس الخیمہ کی اہم شخصیات سے ملاقات اور اہم دعوتی پروگراموں میں شرکت کے بعد باقاعدہ اس پروگرام کا سلسلہ شروع ہوا جس کے لیے آپ دونوں کا سفر ہوا تھا، اور مدیر التلفزیون شیخ احمد السالم جو ایک بیرونی سفر پر تھے وہ اس سفر سے واپس آگئے اور دن کے تین گھنٹے اور شام کے دو گھنٹے دونوں شخصیتوں کے طے ہوئے، چونکہ پروگرام چوتھائی گھنٹہ کا نشر ہونا تھا اس لیے حلقہ بہ حلقہ پروگرام کیے، جو تلاوت قرآن کریم، ترجمہ وتفسیر پر مشتمل تھے، چونکہ اسٹوڈیو ایک تھا اس لیے ایک وقت میں ایک ہی شخص پروگرام کر سکتا تھا، مولانا سلمان حسینی ندوی کا دن کا وقت طے ہوا اور شام کا وقت مولانا عبداللہ حسنی ندوی کا طے پایا، حاکم شارقہ شیخ سلطان بن محمد القاسمی نے ریکارڈنگ سننے کے بعد مشورہ دیا کہ دس منٹ کا پروگرام زیادہ مناسب ہے، اس طرح چند روز میں کئی دن کے پروگرام کی حلقہ وار ریکارڈنگ ہوگئی، اور جس مقصد کے لیے سفر ہوا تھا وہ پورا ہوا، واپسی سے پہلے شیخ عبداللہ الحویتی اور شیخ سالم القاسمی نے حاکم شارقہ سے ملاقات صحراء میں ان کی ایک منزل پر طے کی، جہاں وہ اپنے افراد خاندان کے ساتھ وقت گزارنے گئے ہوئے تھے، جہاں وہ بڑی سادگی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ تبادلہ خیال کیا اور کہا کہ ہم نے یہ دینی پروگرام اردو میں اس لیے شروع کیا کہ ہمارے یہاں ہندوستان پاکستان کے اردو داں لوگ خاصے ہیں وہ بھی دینی زندگی گزارنے کی اہمیت کو سمجھیں، خاص طور سے پاکستانی قومیت رکھنے والے لوگ کہ ان کے حالات زیادہ خراب ہیں، اس کے علاوہ ملکی وعالمی حالات اور مسلم اقلیت واکثریت کے مسائل وقضایا پر حاکم شارجہ نے تبادلۂ خیال کیا اور برادرانہ سلوک برتا، نہ کہ حاکمانہ وشاہانہ۔

فندق (ہوٹل) پہنچنے کے بعد شیخ سالم القاسمی نے جو اس سفر کے داعی اور محرک تھے، حاکم شارقہ شیخ سلطان بن محمد القاسمی کی طرف سے ایک چیک مولانا سلمان ندوی صاحب کو اور ایک چیک مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کو پیش کیا مگر دونوں

نے قبول کرنے سے معذرت کردی، زیادہ اصرار پر بھی قبول نہ کیا، آخر انھوں نے کہا کہ شیخ سلطان کے لیے یہ بات پریشانی کا باعث ہوگی، مگر دونوں نے کہا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا، آپ ہم دونوں کی طرف سے معذرت کردیجیے گا۔

اس طرح یہ سفر جو اواخر دسمبر ۱۹۸۸ء کو شروع ہوا تھا، جنوری ۱۹۸۹ء کے پہلے عشرہ کے اختتام پر اختتام پذیر ہوا۔

جنوبی افریقہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو جنوبی افریقہ کے اہل تعلق نے کئی بار بڑی مخلصانہ دعوت پیش کی، اور ان کو رفقاء کے ساتھ چاہے سات آٹھ دعوت دی، اور اس پر ان اہل تعلق کا برابر اصرار و تقاضا رہا، سفر چونکہ طویل مسافت کا تھا اور حضرت مولانا کے اعذار و امراض جہاز پر اپنے طویل مسافت کے سفر کی اجازت نہیں دے رہے تھے، بالآخر فالج کے حملہ نے اور بھی معذور کردیا یہاں تک کہ انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور وہ جن چند اہم ان جگہوں پر نہ تشریف لے جاسکے جہاں لوگوں کی طرف سے بڑا اصرار تھا، ان میں ایک نام جنوبی افریقہ کا بھی شامل ہوگیا، لیکن جنوبی افریقہ کے اہل تعلق کو حضرت کی وفات کے بعد تعلق اور زیادہ بڑھ گیا، اور جب رمضان المبارک میں جس ماہ میں آپ کا سانحہ ارتحال پیش آیا آپ کی فکر کے ناشر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا عبدالعزیز خلیفہ ندوی بھٹکلی ندوہ کی طرف سے جنوبی افریقہ کے سفر پر تھے، اور ان کے ساتھ مولانا عبدالقادر ندوی گجراتی بھی تھے، تو مولانا عباس علی زبیر ٹونکی افریقی (جنہوں نے ان دونوں کی اس سفر میں بڑی میزبانی کی اور ساتھ دیا تھا) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو خط لکھا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے جنوبی افریقہ کو فتح کرلیا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خط پڑھ کر فرمایا مولوی عبدالعزیز فاتح افریقہ ہیں۔

حضرت مولانا کے انتقال کے بعد مولانا عباس علی زبیر صاحب اور جناب ابراہیم پٹیل صاحب نے ہندوستان کا سفر کیا اور لکھنؤ، رائے بریلی آئے، اور حضرت سے متعلق باتوں کو ریکارڈ کیا، اور ان سے نسبت رکھنے والی جگہوں کی تصویریں لیں، اور ویڈیو میں محفوظ کیا، اور یہ وعدہ لے کر جنوبی افریقہ واپس گئے کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور ان کے ساتھ مولانا عبداللہ حسنی ندوی اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی جنوبی افریقہ کا سفر جلد کریں گے۔

اسی دوران حضرت مولانا مدظلہ کو سفر جاپان کا بھی دعوت نامہ موصول ہو گیا، اور انھوں نے پہلے دہلی سے جاپان کا سفر کیا جو گیارہ گھنٹے کا ہوائی سفر تھا اور اس طرح انھوں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اس مقام سے بیرونی سفر کا آغاز کیا، جہاں حضرت مولانا کو دعوت تھی مگر وہ جا نہیں سکے تھے، اور دوسرا سفر بھی ایسے ہی مقام کا ہوا وہ جنوبی افریقہ کا تھا، گیارہ جون ۲۰۰۰ء کو یہ سفر پیش آیا، اس کی روداد مولانا عبداللہ حسنی ندوی نے خود قلمبند فرمائی ہے، اس کے اہم مندرجات ہدیۂ ناظرین کیے جا رہے ہیں۔

سفر افریقہ کی تفصیلات

بروز اتوار گیارہ جون ۲۰۰۰ء کو سہارا ایئر لائنس لکھنؤ سے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے، تین دن ممبئی میں ٹھہر کر ۱۵ جون کو ساؤتھ افریقہ کے لیے روانگی ہوئی، ایئرپورٹ پر جو لوگ موجود تھے مولانا ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”ندوی حضرات استقبال کے لیے موجود تھے، ہر وہ شخص جس نے ندوہ میں چند سال یا چند ماہ بھی گزارے ہیں وہ چشم براہ تھا، دیدہ و دل فراش راہ کیے ہوئے تھا، ہمارے میزبان اور اس سفر کے روح رواں بھائی ابراہیم پٹیل صاحب اور مولانا عباس علی

زبیر صاحب سراپا شوق بنے کھڑے تھے۔''

ملاقاتوں کے بعد عباس صاحب کے قائم کردہ Springs Islamic School جانا ہوا، جو اس علاقہ کے لیے نیا تجربہ ہے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے طلبہ سے کچھ خطاب فرمایا، انھوں نے اپنے خطاب میں طلبہ کو عمارت کی پہلی اینٹ قرار دیا، پسماندگی کا سبب تعلیم سے اعراض بتایا۔

مولانا عبداللہ حسنی کو مولانا عباس علی زبیر صاحب کا طریقہ پسند آیا اس پر انھوں نے اپنا تأثر لکھا ہے کہ:

''عمارتیں نہایت سلیقہ سے خوش نما بنائی گئی ہیں، اسکولوں میں جن جدید چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب مہیا ہیں، جن کو دیکھ کر مولانا کی کشادہ ذہنی، وسعت قلبی اور وقت کے تقاضوں کے سمجھنے کی صلاحیت کا اندازہ ہوا، معلوم ہوا کہ مولانا اس کام کو تحریکی انداز میں انجام دے رہے ہیں، آسٹریلیا میں ان کے کئی اسکول ہیں، اس کو وسعت دے کر بڑے پیانہ پر انجام دینے کا جذبہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی بھرپور مدد فرمائے۔''

۱۶ جون کو بروز جمعہ مولانا سعید بنو ندوی افریقی کے مکان پر یہ حضرات تشریف لے گئے، اور مسجد نور الاسلام میں جمعہ کی نماز سے پہلے مولانا عبداللہ حسنی نے خطاب کیا، مولانا نے غیر مسلموں میں دعوت اور مقامی اعتبار سے اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

مولانا شبیر سالوجی کے دارالعلوم زکریا میں ۱۷ جون سنیچر کو تشریف لے گئے، مولانا عبداللہ حسنی نے اپنا تأثر یہ ظاہر کیا کہ:

''دارالعلوم زکریا ساڑھے دس بجے جانا ہوا، یہ دارالعلوم ہمارے حضرت شیخ الحدیث کے نام پر قائم کیا گیا ہے، وہاں پہنچ کر بڑی

انسیت محسوس ہوئی اوران لوگوں نے بھی بڑی اپنائیت کا ثبوت دیا۔"

دارالعلوم زکریا میں طلبہ میں مولانا عبداللہ حسنی کا خطاب ہوا جس میں انھوں نے عربی زبان کی اہمیت وافادیت، اس کی فضیلت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق بیان کیا اور نوجوانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں بتائیں، یہ خطاب عربی میں تھا مولانا خود ہی اپنی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ:

"طبیعت میں بڑی آمد تھی، انشراح تھا، اس لیے یہ سلسلہ ایک گھنٹہ چلا، اس کے بعد آدھے گھنٹہ تک اردو میں بیان کیا گیا۔"

مزید دارالعلوم زکریا کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"دارالعلوم کے ذمہ دار مولانا شبیر سالوجی صاحب بڑے خوش اخلاق، کھلے ذہن والے عالم معلوم ہوئے، عشاء کے بعد آئے، انھوں نے اپنے تعلق کے اظہار کے لیے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام رکھا، اور ہاں کے مفتی رضاء الحق صاحب جو پنجتار سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے تعارف کرایا، اور حضرت سید صاحب(۱) نہایت والہانہ انداز سے تذکرہ کیا کیونکہ وہ اسی علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں، جو حضرت سید صاحب کے مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے، ہمارے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی بہت محبت اور تعلق سے کیا بلکہ ایک مرثیہ بھی پڑھوایا، جو ایک طالب علم نے بڑے اچھے انداز سے پڑھا، وہ مولانا نے عربی میں کہا تھا، آخر میں مولانا رابع صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر روشنی ڈالی، جس میں خاص طور سے واقعات کی روشنی میں حضرت کے ساتھ جو برکت اور اللہ کی مدد

---

(۱) امیر المجاہدین سید احمد شہید قدس سرہ

تھی اس کو بیان کیا، نیز مزاج وخصوصیات بھی بیان کیں۔"

اتوار ۱۸ جون کو دارالعلوم آزادول میں مولانا عبداللہ حسنی نے عربی زبان کی اہمیت وافادیت عربی میں بیان کی۔

دارالعلوم اسلامک سنٹر میں جو مولانا عباس علی جنا کا قائم کردہ ہے، مستورات کے مجمع میں مولانا عبداللہ حسنی نے خطاب کیا، جس میں انھوں نے مال کی بے اعتدالی اس میں عورتوں کا رول اور حالات کو تبدیل کرنے میں ان کی ذمہ داریاں یاددلائیں جس انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔

مولانا عبداللہ حسنی نے حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی ایک مسجد میں اس تقریر کا بھی خصوصیت سے ذکر کیا ہے، جس میں انھوں نے اکثریت میں کام کرنے کی اہمیت دلائی، (یعنی غیر مسلموں میں تعارف اسلام کی کوشش)۔

۱۹ جون دوشنبہ کو آزادول اسلامک اسکول میں اساتذہ کے سامنے مولانا مرحوم نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تقریر کے حوالہ سے کہا کہ مولانا نے نصاب تعلیم اور اساتذہ کی اہمیت پر بات کی، اس کے بعد دوسوال بڑے دلچسپ آئے، ایک علماء کی طرف سے کہ اسکول میں پڑھانا صحیح ہے یا نہیں، ہمارا وقت تو ضائع نہیں ہورہا ہے، دوسرے انگریزی داں حضرات کی طرف سے کہ سائنسی اور جدید علوم میں اشتغال سے کیا جنت ملے گی، یہ سب کیا کرایا ضائع تو نہیں ہوجائے گا، دونوں کو تسلی بخش جوابات دیئے گئے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی سوالات غلط فہمی کا نتیجہ تھے۔

۲۰ جون کو نیوکاسل دارلعلوم میں مولانا سید عبداللہ حسنی اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دونوں ہی نے خطاب کیا، مولانا عبداللہ حسنی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"عاجز نے عربی میں بات کی جس پر عربی زبان وادب کی اہمیت وفضیلت اور طلبہ کو اسلامی آداب کی رعایت کی تلقین کی، اس کے بعد مولانا نے بھی عربی میں اخلاص کی اہمیت اور فضیلت اور

اسلام میں اس کے مقام پر بات کی۔''

مولانا حسن عبدالقادر مرچی (۱) کے قائم کردہ نابینا بچوں کے ادارے مدرسۃ النور للمکفوفین جانے اور ماؤنٹن پرائز کی مسجد میں حضرت کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ماؤنٹن پرائز کی مسجد میں حضرت مولانا رابع صاحب کی تقریر ہوئی، تعلیم اور میڈیا کی اہمیت وافادیت اور اس زمانہ میں اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی، دوسری قوموں نے خاص طور سے یورپ نے ان ہی دونوں کے ذریعہ ساری دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے، نئی نسل کی ذہن سازی بلکہ سیرت سازی انہی دونوں کی مرہون منت ہو کر رہ گئی ہے، اس لیے ہم مسلمانوں کو بھی ان دونوں چیزوں میں آگے آنا چاہیے اور ان کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہیے۔''

ڈربن میں ۲۰ جون کو ہی استرول کی مسجد میں بعد نماز عشاء ایک پروگرام میں مولانا عبداللہ حسنی علیہ الرحمہ نے خطاب کیا جس میں کہا:

''علم ایک وحدت ہے، اس میں ثنویت نہیں ہے، جو علم جس قدر اپنے اندر نافعیت رکھتا ہے، اسی قدر اس کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔ دوسرے دعوت، اس کے بغیر مسلمان کا مسلمان رہنا مشکل ہے، کیونکہ یا وہ داعی یا مدعو ہوگا، اگر داعی رہے گا تو باقی رہے گا ورنہ اپنا تشخص کھو بیٹھے گا، اور دعوت کے لیے جذبہ دعوت

---

(۱) مولانا حسن عبدالقادر مرچی اصلاً گجرات باشندے ہیں، باپ دادا جنوبی افریقہ ہجرت کر گئے، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمت میں متعدد رمضانوں میں رائے بریلی حاضری اور بڑے ذکر وتلاوت کے ساتھ مہینہ گذارتے، پھر اصلاحی تعلق انہی کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے قائم کیا اور اب ان کے مجاز بیعت وارشاد ہیں، اطال اللہ بقاءہ ونفع بہ الأمۃ۔

ضروری ہے۔"

مولانا عبداللہ حسنی رقم طراز ہیں کہ مولانا محمد رابع حسنی ندوی اتنے میں تشریف لے آئے اورانھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز بیان کی تائید سے شروع کیا۔

بعد مغرب ۲۲ جون کو مدرسہ تعلیم الدین ڈربن میں وکلاء کے ایک مجمع کے سامنے مولانا عبداللہ حسنی نے خطاب کیا، اور بعد عشاء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے دانشوروں اور خواتین کے ایک مجمع کو خطاب کیا۔

۲۳ جون جمعہ کو کیپ ٹاؤن یہ حضرات تشریف لے گئے، یہاں مولانا علی آدم ندوی صاحب وغیرہ دوسرے اور ندوی حضرات نے استقبال کیا، مولانا علی آدم ندوی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خدمت میں کئی سال وقت گزار کر اعتماد اور اجازت بیعت و ارشاد حاصل کر کے جنوبی افریقہ گئے، اور تعلیم کی لائن میں بڑا کام کیا جس کے اثرات جنوبی افریقہ کے ساتھ آسٹریلیا میں بھی ہیں، اسی طرح جوہانسبرگ میں مولانا محمد سعید بنو ندوی حضرت مولانا علی میاں ندوی کے معتمد و مجاز بیعت و ارشاد ہیں وہاں ان کے مکان پر بھی گئے، مولانا عباس علی زبیر ٹونکی اور جناب ابراہیم پٹیل صاحب تو اصل داعی اور اس سفر کے محرک تھے اور مولانا عبداللہ حسنی کی زبان میں میزبان مہربان رہے۔

کیپ ٹاؤن کی صوفی مسجد میں جمعہ کی نماز حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے پڑھائی یہ مسجد شوافع کی ہے، نماز سے قبل حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے تقریر کی، جس میں بقول مولانا سید عبداللہ حسنی علیہ الرحمہ اسلام کی بالاتری، حقانیت اور اسلام کا محفوظ ہونا بیان کیا۔

اسلامیہ کالج کیپ ٹاؤن کی ایک بلڈنگ جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے موسوم شیخ ابوالحسن علی ندوی بلڈنگ ہے، اس کا افتتاح بطور نقاب کشائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے کیا، اس ادارہ کے ذمہ دار مولانا علی آدم ندوی ہیں۔

کیپ ٹاؤن میں یہ حضرات کیمس بیگ بھی گئے جو بڑا پر فضا مقام بحر اٹلانٹک کے ساحل پر ہے۔ ۲۴ جون ۲۰۰۰ء کو صبح بعض اہم مقامات کی سیر کی، مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

''ناشتہ کے بعد اہم پرفضا و دلکش مقامات کی سیر کے لیے نکلے جن میں اہم ترین کیپ پوائنٹ ہے، جہاں کہا جاتا ہے کہ بحر اٹلانٹک اور بحر احمر کا سنگم ہوتا ہے، اور دونوں اپنے منظر سے ''مرج البحرین یلتقیان بینهما برزخ لا یبغیان'' کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

اسی روز جوہانسبرگ کا سفر بھی تھا، جہاں سے پھر آگے کا سفر اور مبارک و مقدس سفر حرمین شریفین تھا، اور عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہونا تھا، چنانچہ مغرب بعد جوہانسبرگ یہ حضرات پہنچ گئے، اور ایک یا دو روز وہاں قیام کر کے پھر عازم سفر حجاز ہوئے۔

حجاز مقدس میں جدہ اتر کر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے میزبان نور ولی صاحب کے مہمان ہوئے اور انجینئر محمد عثمان صاحب حیدر آبادی نے اپنی گاڑی خدمت کے لیے پیش کی اور ساتھ رہے، پہلے مدینہ منورہ میں دربار نبوت میں حاضری دی اور چند دن قیام کیا پھر مکہ مکرمہ بلد امین کی برکتیں لیں، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی حال نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء جو صرف مرافق ہی نہیں بلکہ جنوبی افریقہ کے اس سفر میں رہبر تھے، چونکہ چھ ماہ قبل ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک کامیاب دعوتی سفر کر چکے تھے، اور ندوۃ العلماء کے تعارف کا کام ان کے ذریعہ بڑے مؤثر طریقہ پر انجام پایا تھا، مگر واپسی میں وہ دبئی ہو کر آئے تھے، اس بار ان کو حجاز مقدس حاضری کا شرف حاصل ہوا، اور یہ ان کی پہلی حاضری حجاز مقدس کی تھی، بقول مولانا عبدالعزیز صاحب تقریباً دو ہفتہ حجاز مقدس میں قیام رہا، اس طرح یہ پورا سفر پورے ایک ماہ کا رہا،

مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم کا بیرونی سفر اتنی طویل مدت کا پہلا سفر تھا۔

مصر کا سفر

حجاز مقدس کے علاوہ جن ممالک میں مولانا کے سفر ہوئے ان میں آخری سفر مصر کا ہے، حجاز کو عالم اسلام کے دل کی حیثیت حاصل ہے، اور مسر کو دماغ کی، اور مصر ہی وہ مقام ہے جہاں سے براعظم افریقہ اور براعظم یورپ اور مغرب اقصیٰ کی طرف رسائی آسان ہوتی ہے، مصر عالم اسلام کا ایسا دروازہ ہے جہاں داخل ہونے کے بعد عالم اسلام کے قلعہ کے بھی مقامات میں داخل ہوا جا سکتا ہے، مصر میں یہودیوں، عسیائیوں کی بڑی تعداد ہونے کی وجہ سے تمام تر خرافات کے باوجود ایسی اسلامی بیداری اور دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا جذبہ بھی عام ہے، جس میں ان کا کوئی مسلم ملک نظیر نہیں پیش کر سکتا، مصر کے اندر قیادت کی وہ صلاحیت پائی جاتی ہے جو عالم اسلام کے دوسرے ممالک میں ترکی کا استثناء کر کے نایاب ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے اپنے مرض وفات میں خواہش ظاہر کی تھی کہ اگر زندگی رہی تو حجاز مقدس کا سفر کریں گے، اور یہ کہ صحت ہوگی تو مصر جائیں گے، اور وہاں ان کو جس پیغام کی ضرورت ہے وہ دیں گے، اور دنیا کو جوان کی ضرورت ہے اس کا انہیں احساس دلائیں گے، مزید یہ وصیت فرمائی کہ سلمان، عبداللہ اور نذر الحفیظ مصر، شام اور ترکی کا سفر کریں، ہم ان کے سفر کا خرچ دیں گے، اور وہ وہاں جا کر حجت تام کر دیں، مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے تو شام، ترکی اور مصر کے انفرادی طور پر کئی اہم سفر ہوئے، اور مولانا نذر الحفیظ صاحب نے مصر کے دورے کئے، اور وہاں ایک عرصہ گذار ہی چکے ہیں، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے لیے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے مصر میں اجلاس کی مناسبت سے جس میں ان کا سفر طے تھا، اور حجاز کا بھی

سفر شامل کرلیا تھا، مولانا سید عبد اللہ حسنی علیہ الرحمہ کو ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا، جس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

سفر مصر ماہ شعبان المعظم غالباً ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء میں پیش آیا، مولانا قاہرہ تشریف لے گئے، اس موقع پر ازہر میں زیر تعلیم ندوی طلبہ نے مولانا سے استفادہ کے مواقع نکالے، ہمارے دوست مولانا وحید احمد شبیر ندوی حال مقیم ابوظبی (خواہر زادہ مولانا نثار الحق ندوی مرحوم کاتب خاص و رفیق کار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ) بھی ازہر میں تکمیل کے مرحلہ میں تھے، اور ان کا طلبہ پر اثر بھی تھا، اس لیے کہ درجہ میں ان کے استاذ حدیث نے ان سے حدیث کے اقسام پر درس دلوایا جس سے استاد و طلبہ کو غیر معمولی تاثر و استعجاب بھی ہوا، اور مزید ان کی فصاحت و بلاغت سے طلبہ متاثر تھے اور شعر و نثر کے ذریعہ بھی انہوں نے اچھا اثر قائم کر رکھا تھا، مولانا کی تشریف آوری ان کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھی، کہ انہیں مولانا سے غیر معمولی انس و تعلق تھا، اور مولانا سے ندوہ کے دوران قیام بھی درجہ کے باہر بھی خصوصی استفادہ کیا تھا، اور بڑے علمی و روحانی عقدے حل کیے تھے مولانا کی تشریف آوری پر انہوں نے مولانا کے بعض پروگراموں کے انعقاد میں خصوصی دلچسپی لی، اور اسی طرح دوسرے اور ندوی فضلاء مولوی شاکر فرخ ندوی، اور مولوی صاحب عالم اعظمی ندوی، کا بھی مولانا سے ندوۃ العلماء کے زمانۂ قیام میں خصوصی تعلق رہا تھا، اور یہاں بھی محنت و توجہ اور دلچسپی سے درس و تعلیم میں مشغول تھے اور مولانا کی تشریف آوری سے استفادہ کے جو مواقع ممکن ہوں ان کو اختیار کرنے کی فکر میں تھے۔

چنانچہ مولانا کے جو پروگرام رکھے گئے ان میں ایک اہم پروگرام ان طلبہ کے درمیان رکھا گیا جن کا مختلف ملکوں سے تعلق تھا، مولانا نے ان کو اپنے اپنے ملکوں اور مقامات میں جا کر دین حق کا پیغام پہونچانے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کرنے اور انسانی اخوت و مساوات کے ذریعہ انسانیت کو اسلام کا لباس

پہنانے کی طرف متوجہ کیا کہ آج انسانیت سب سے زیادہ اسی در کی محتاج ہے۔

مولوی صاحب عالم اعظمی ندوی (کلیۃ دار العلوم بجامعۃ القاہرۃ) جن کا ندوۃ العلماء میں زمانۂ تعلیم میں مولانا سے خاص ارتباط رہا تھا، وہ اپنے مضمون میں بعض دوسری اہم باتوں پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''مولانا کی مصر تشریف آوری پر جو مشائخ ندوہ کے ساتھ ہوئی تھی، میں فندق (ہوٹل) میں ان کی خدمت میں صبح و شام حاضری دیتا، اور ان کی خدمت میں یہ بات رکھی کہ مصر کے اسلامی معالم کی زیارت کرادوں مجھے اس کی واقفیت ہے، مولانا نے میری درخواست سن کر حضرت امام شافعیؒ حضرت لیث بن سعد مصری، امام جلال الدین سیوطی، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ کے مقابر و مزارات کی زیارت کی بات فرمائی، میں نے عرض کیا میں ہمہ وقت تیار ہوں، جب بھی آپ فرمائیں گے میں ساتھ رہوں گا، چنانچہ جمعہ کو نماز کے بعد مسجد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جوار میں ایک ہوٹل (مطعم) میں ساتھ کھانا کھا کر قدیم مصر کے مقامات کی زیارت کے لیے نکلے، جن ائمہ دین و اعلام کے مزارات کی مولانا کو تلاش تھی وہ سیدہ عائشہ میں واقع آرام گاہ میں تھیں، چنانچہ امام سیوطی، حافظ ابن حجر عسقلانی، کی قبر پر پہلے جا کر پھر سیدنا حضرت امام شافعی کی قبر پر حاضر ہوئے، گرمی سخت تھی، چلنا زیادہ پڑا تھا، میں نے مولانا کے تکان و تعب کو دیکھ کر واپسی کی جلدی کی، لیکن مولانا نے حضرت امام شافعیؒ کی قبر کے پاس ہی تھوڑی دیر استراحت کو ترجیح دی، اور خاصی دیر وہاں تشریف فرما رہے، صاف محسوس ہو رہا تھا کہ انہیں امام

شافعیؒ سے بڑا قلبی تعلق ہے، اور وہ ان کی شخصیت وروحانیت اور خدمات سے بڑا واقف کار اور معترف ہیں''۔

مولانا شاکر فرخ ندوی ایڈیٹر ''المظاہر'' سہارنپور (فرزند مولانا محمد ناظم ندوی) جوان دنوں ازہر میں زیر تعلیم تھے کہتے تھے کہ مولانا کو آثار قدیمہ میں فرعونیات میں جا کر سخت وحشت ہوئی، اور وہاں سے فوراً نکلنا چاہا، چونکہ وہ مجلس امناء کے ممبر نہ تھے، اس لیے عالمی رابطہ ادب اسلامی کی نشستوں میں جو مشاورتی تھیں شریک نہ ہوئے، بلکہ زیارات مساجد ومدارس اور مقابر کے علاوہ شخصیات سے ملاقاتوں میں وقت گذارا، اور خطابات ہوئے، تبلیغی مرکز میں ایک اہم خطاب کیا، جس میں حسن اخلاق اور معاملات کی سچائی، حقوق کے خیال کے ذریعہ مؤثر ہونے کی ترغیب دی، اس لیے کہ دنیا معاملات سے پرکھتی ہے، اور اس سے اثر قبول کرتی ہے، اور خصوصی وعمومی ملاقاتوں کے بعد اپنا یہ تاثر ظاہر کیا کہ مصر کے متعلق ہمارا جو پہلے تاثر تھا وہ اچھا نہ تھا، یہاں آ کر مشاہدات وتجربات کے بعد اچھا تاثر قائم ہوگیا، اور اندازے سے کہیں زیادہ دینداری نظر آئی، اور فرمایا کہ مزاروں پر گئے، تو وہاں شرک نہیں دیکھا، کہ لوگ قبروں پر سجدہ کر رہے ہوں، اور مرادیں رکھ رہے ہوں، نماز جمعہ مسجد عمرو بن العاص جو بڑی تاریخی اور اولین مسجدوں میں ہے ادا کی، اور وہاں کے امام شیخ اسماعیل فقارو جو مصر کی بڑی شخصیت ہیں، اور ازہر میں استاذ قسم الحدیث ہیں سے ملاقات اور تبادلۂ خیال کیا، اور جن اہم شخصیات سے ملاقاتیں ہوئیں، ان میں ڈاکٹر عبدالحلیم عویس (مرحوم) شیخ مصطفیٰ ابوسلیمان (منصور قاہرہ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اور یہ دونوں حضرات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے روایت حدیث اور سلوک وارشاد میں اجازت یافتہ بھی ہیں، رابطۂ ادب اسلامی عالمی کی مجلس امناء کے سبھی ارکان سے جو دنیا کے مختلف ملکوں کے نمائندے تھے سبھی سے ملاقات کی، جن میں صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی شیخ دکتور عبدالقدوس صالح (ریاض سعودی عرب) مولانا

فضل الرحیم صدر رابطہ ادب اسلامی فرع پاکستان جو حضرت مولانا شاہ محمد حسن امرتسری لاہوری کے صاحبزادہ (اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے ذمہ داروں میں ہیں) اور ڈاکٹر احمد عمر ہاشم رئیس جامعۃ الازہر تھے، ڈاکٹر عبدالمنعم یونس (مرحوم) جو کلیۃ الادب واللغۃ العربیۃ جامعۃ الازہر کے پروفیسر تھے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حجاز کا ایک اور سفر اور دوسرے ممالک میں پیغام حق کی تبلیغ

مصر سے حجاز مقدس واپس ہوئے جہاں رفقائے سفر حاجی عبدالرزاق صاحب نصیر آبادی، جناب شاہد حسین صاحب معاون ناظم ندوۃ العلماء، پہلے سے تھے، اور مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی (مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی) جو مرکزی حج کمیٹی انڈیا کے جدید رکن کی حیثیت سے انتظامی طور پر سفر حجاز پر تھے، اور پھر مصر سے آنے والا یہ قافلہ جس کے سربراہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی تھے ان کے ساتھ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مولانا سید محمد اجتباء ندوی بھی تھے، جو رابطہ ادب اسلامی (العالمیۃ) کے ہندوستان مکتب اقلیمی کے صدر کی حیثیت سے شریک اجلاس ہوئے تھے، اس طرح ایک ذوق ومزاج کے افراد کا ایک اچھا اجتماع حجاز مقدس میں ہوگیا تھا، اور محترمی جناب ضیاء عبداللہ عباس صاحب ندوی نے اپنے تعلق ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے حرم شریف سے بالکل قریب ہوٹل کمرہ بک کرلیا تھا، جس سے بہت سہولت ہوئی، اور یہ حضرات ۲۹ شعبان المعظم کو ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے جب کہ ہندوستان میں ۲۸ تاریخ تھی، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی اپنے مقصد سفر کے باعث انتظامی کارروائیوں میں مشغول ہوگئے اور حرمین شریفین سے استفادہ کے لیے اپنا قیام مزید بڑھایا اور پھر عید کے بعد ہندوستان واپس ہوئے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے حجاز مقدس کے سفر (اگر اس سفر کو بھی شامل کیا جائے) تو حج کے دو (۱۴۲۰ھ، اور ۱۴۳۲ھ) اور عمرے کے پانچ سفر (۱۴۰۰ھ میں

دو، اور پھر ۱۴۲۱ھ ۔۱۴۲۴ھ اور ۱۴۲۸ھ میں) ہمارے علم میں آئی، جن میں عمرہ کا پہلا سفر مکہ مکرمہ کے حالات کشیدہ ہونے کی وجہ سے بغیر عمرہ کے رہا تھا، اور یہ سفر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ساتھ تھا، جس سے متصل سفر قطر کی سیرت کانفرنس کا تھا، جس کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہیں، پھر چند ماہ بعد حضرت مولانا قدس سرہ کے ساتھ ہی حرمین شریفین کا سفر کر کے عمرۃ القضاء کیا، اور اس واجبی سنت کی سعادت بھی حاصل کی۔

غیر ملکی ممالک کے اسفار میں وہ داعیانہ کردار سے کبھی غافل نہ رہے، اور جن ملکوں میں وہ تشریف نہ لے جاسکے وہاں کے افراد کو اور اور جو انفرادی یا وفد کی شکل میں لکھنؤ آئے، یا کسی دوسرے مقام پر ان سے ملاقات ہوئی اور ان ملکوں میں جانے والوں کو یا جنہوں نے رمضان میں رائے بریلی میں آپ کی صحبت اٹھائی اور دروس حدیث اور ذکر کی مجالس میں شرکت کی، انہیں صحیح اور متوازن ومعتدل فکر اور داعیانہ کردار کا حامل بنانے کی کوشش کی، اس طرح وہ بہت سے مقامات وممالک میں نہ جا کر کے بھی اپنی فکر ودعوت کے ساتھ روحانی طور پر پہونچ گئے یہ بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم سنت ہے کہ دوسرے مقامات پر پیغام حق کا حامل وداعی بنا کر افراد کو بھیجا یا وہاں کے وفود میں یہ اسپرٹ پیدا کی، صلی اللہ علی النبی الأمی وعلی آلہ وسلم۔

چھٹا باب

حجاز مقدس کے اسفار، حج بیت اللہ اور عمرے

پہلا سفر حجاز

حج اور عمرے کے لئے حرمین شریفین کے سفر کا آغاز ۱۴۰۰ھ میں ہوا، جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے رابطۂ عالم اسلامی کی دعوت پر اپنے ایک سفر میں مرافق کے طور پر خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا انتخاب کیا، لیکن اس سفر میں حرم میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے پوری مملکت کو ہلا دیا اور پوری ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اور عمرہ کی سعادت بھی حاصل نہ کی جاسکی اور بغیر عمرہ کے احرام کھولنا پڑا، پھر بعد میں حرم مقدس کے ایک دوسرے سفر میں ان کو ساتھ لیا، اور اس کی تلافی کی گئی، اس پہلے سفر کی روداد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے قلم سے ہے جو کاروان زندگی حصہ دوم سے نقل کی جارہی ہے، مولانا رقمطراز ہیں:

> ''ذی الحجہ کی آخری تاریخ ۲۰ رنومبر ۱۹۷۹ء کو میں نور چشم سید عبداللہ حسنی (فرزند محمد الحسنی مرحوم) کی معیت میں نصف شب میں جدہ پہونچا، تاکہ رابطہ کی مقرر کی ہوئی وزارت اوقاف کی اس کمیٹی میں شرکت کروں جو یکم محرم ۱۴۰۰ھ (۲۱ رنومبر ۱۹۷۹ء)

سے مکہ مکرمہ میں اپنا کام شروع کرنے والی تھی، اس کمیٹی کے ارکان میں مملکت سعودیہ کے وزیر اوقاف شیخ عبدالوہاب عبدالواسع، شام کے وزیر اوقاف عبدالستار السید، اردن کے وزیر اوقاف کامل الشریف اور کسی افریقی ملک کے وزیر اوقاف (جن کا نام یاد نہیں رہا) رکن تھے، رابطہ نے اپنی نمائندگی کے لئے اپنے جنرل سکریٹری شیخ محمد علی الحرکان کو اور مجھے منتخب کیا تھا، میں حسب معمول جدہ میں اپنی قیام گاہ عبدالغنی محمد نورولی صاحبان کے مکان پر ٹھہر گیا، ہم لوگ احرام باندھ کر آئے تھے، اور اگلے دن عمرہ ادا کرنے اور کمیٹی میں شرکت کا ارادہ تھا، صبح جب آنکھ کھلی تو ہمارے میزبانوں نے بتایا کہ ابھی مکہ معظمہ سے ٹیلی فون آیا ہے کہ حرم شریف پر ایرانیوں نے قبضہ کرلیا، لیکن تھوڑی دیر بعد انہوں نے اس کی تردید کی کہ ایرانیوں نے نہیں کچھ غالی انتہا پسند عربوں نے وہاں فتنہ برپا کیا ہے، تھوڑی دیر کے بعد رابطہ کے دفتر سے خود ایک ذمہ دار کا ٹیلی فون آیا کہ شیخ ابوالحسن سے کہہ دیا جائے کہ وہ سیدھے حرم آنے کے بجائے فندق مکہ انٹرکانٹی نینٹل میں آئیں۔ اس مشورہ کے مطابق رابطہ کی دعوت میں شرکت کی، شام کو مغرب بعد کمیٹی نے اپنا کام شروع کیا، مملکت سعودیہ کے وزیر اوقاف شیخ عبدالوہاب عبدالواسع سے میں نے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟

انہوں نے کہا: کچھ انتہا پسندوں اور مذہبی دیوانوں نے ہنگامہ برپا کیا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ محمد عبداللہ القحطانی نے یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کو (جبکہ حرم بھرا ہوا تھا، اور حجاج کی ایک بڑی تعداد ابھی

اپنے گھروں کو واپس نہیں گئی تھی) اچانک مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اور لوگوں سے بیعت لینی شروع کی، اس سے سارے حرم میں ہیجان اور پھر پوری مملکت اور عالم اسلام میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی، یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا، جو قرامطہ کے مذموم اقدام کے بعد پیش آیا تھا، اس کی وجہ سے عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کی گردنیں شرم وندامت سے جھک گئیں، اور سیکڑوں برس کے بعد حرم شریف کی حرمت اور ادب وسکون خطرہ میں پڑ گیا، حرم شریف اپنے ماحول اور سارے مکہ سے کٹ گیا، معلوم ہوا کہ یہ لوگ کچھ عرصہ سے جنازوں کی شکل میں (جن کی تفتیش نہیں کی جاتی) حرم میں اسلحہ پہونچا رہے تھے، اور وہاں کے خلوات میں جو تہہ خانوں کی شکل میں جمع کر رہے تھے، پولیس اور فوج نے مزاحمت کی، لیکن حرم ہونے کی وجہ سے وہ آزادانہ فوجی کارروائی کرنے میں متردد تھے، اس حالت میں پردیسی حجاج پر کچھ گزری ہوگی اور جو لوگ وہاں محصور رہ گئے، ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، میں نے مکہ معظمہ ہی میں یہ داستان بعض قریبی ہندوستانی حجاج سے تفصیل سے سنی جو اس دن فجر کی نماز میں موجود تھے، جس کے معاً بعد یہ واقعہ پیش آیا۔

کمیٹی سے فراغت کے بعد میں اور عزیزی عبداللہ اپنی قدیم قیام گاہ ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی کے مکان واقع شارع منصور پر منتقل ہو گئے، میں تو بار بار حاضر ہو چکا تھا، اور حاضر ہوتا رہتا تھا، لیکن عزیز عبداللہ سلمہ کو دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ پہلی مرتبہ میرے ساتھ عمرہ کے لئے آئے تھے، اور وہ سوائے دور سے حرم

شریف کے میناروں کو دیکھنے کے ہر چیز سے محروم تھے، حرم کے چاروں طرف فوج کا پہرہ تھا اور ٹینک اور موٹریں تھیں، اس سے مایوس ہو کر ہم لوگ مناسک ادا کر سکیں گے، ہم دونوں نے احرام کھول لیا، اور عمرہ کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے، اس کے اگلے سال عمرہ ادا کیا گیا، احرام کھولنے کے کفارہ میں قربانی بھی دی گئی، یہ واقعہ اصلاحی ودعوتی کام کرنے والوں کے حق میں بڑا نامبارک ثابت ہوا کہ ان کو شک وخوف کی نظر سے دیکھا جانے لگا، اوران کے کام کے راستہ میں مختلف رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔" (۱)

اس طرح عمرۃ القضاء کی سنت بھی مولانا کو حاصل ہوئی اور یہ وہ سنت ہے جو اختیاری نہیں ہے اضطراری ہے، اس میں ایک مبارک عمل کی ادائیگی سے محرومی کا پہلے احساس ہوتا ہے اور بعد میں اس مبارک عمل کی ادائیگی سے ایک دوسری سنت کی ادائیگی پر جذبہ تشکر پیدا ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تھے لیکن پھر حالات ایسے پیدا ہوئے کہ حدیبیہ کے مقام پر احرام کھولا، عمرہ کی ادائیگی نہ کر سکے اور بیعت رضوان کی۔ اور بعد میں اس کی قضا فرمائی، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے عمرہ کے قضا کی سنت نبوی کی اقتداء ٹھیک تین مہینہ بعد آخر فروری ۱۹۸۰ء میں فرمائی (۲)

دوسرا سفر حجاز اور عمرۃ القضاء

۲۴ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ (۱۴ر جنوری ۱۹۸۰ء) تا ۲۶ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ (۱۶ر جنوری ۱۹۸۰ء) کو سال رواں کے لیے شاہ فیصل بین الاقوامی ایوارڈ کے انتخاب کی کمیٹیوں کے اجلاس ہوئے، جن میں ایوارڈ کے لیے مستحق شخصیتوں میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام کا اعلان ہوا، اور اگلے ماہ ۱۲ر فروری کو ایوارڈ وصول

(۱) کاروان زندگی جلد دوم، ص: ۲۸۴-۲۸۶ (۲) ملاحظہ ہو تعمیر حیات، مارچ ۱۹۸۰ء۔

کرنے کے لیے اس تقریب میں شرکت کے لیے حضرت مولانا کو دعوت دی گئی، جو ریاض دار الحکومت سعودی عرب میں منعقد ہوئی تھی، جس میں بادشاہ ولی عہد سلطنت وزراء واعیان وعلماء کو شریک ہونا تھا، لیکن حضرت مولانا نے خود شرکت کے بجائے اپنے نمائندے کے طور پر ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی (علیہ الرحمہ) کو نامزد کر دیا تھا، البتہ فروری کے آخر میں حجاز وریاض کے سفر کے لیے ایک دوسرا محرک ہوا، جو رابطہ عالم اسلامی کی ذیلی کمیٹیوں مجمع الفقہ الاسلامی اور المجلس الأعلی للمساجد اور جیسا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے کاروان زندگی حصہ دوم صفحہ ۳۰۴ میں لکھا ہے کہ غالباً جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کی مجلس اعلیٰ میں شرکت کے لیے بھی تھا، حضرت مولانا نے اس سفر کو اختیار کیا اور اپنے ساتھ مولانا سید عبد اللہ حسنی کو بھی لیا، تا کہ گذشتہ سفر حجاز میں عمرہ سے جو محرومی رہ گئی تھی، اس کی قضا بھی ہو جائے۔

پندرہ روزہ تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ نے جو خبر دی وہ اس طرح تھی:

> مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حجاز مقدس کے لیے روانہ
>
> ''حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی ۲۴ فروری ۱۹۸۰ء مطابق ۷ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ) کو لکھنؤ سے بمبئی کے لیے روانہ ہو گئے، جہاں وہ ۲۵-۲۶ تاریخ کو مجلس مشاورت کے اجلاس میں شرکت کریں گے، اور ۲۷ کو حجاز روانہ ہو جائیں گے، مولانا مکہ مکرمہ، ریاض اور مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے۔ وہ مؤتمر الفقہ اور المجلس الاعلی للمساجد اور دیگر کانفرنسوں میں شریک ہوں گے، اور تقریبا ایک ماہ کے بعد ہندوستان واپسی متوقع ہے، ان کے ہمراہ عبد اللہ محمد الحسنی مدیر التحریر ''الرائد'' ہوں گے''(۱)

---

(۱) تعمیر حیات، ۲۵ر فروری ۱۹۸۰ء

یہ سفر چار ہفتوں پر محیط رہا، اور اگر دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس بھی شامل کرلیا جائے اس لیے کہ دہلی سے دیوبند حضرت مولاناؒ اور ان کے مرافق مولانا سید عبداللہ حسنی تشریف لے گئے تھے، تو پورے ایک ماہ پر محیط رہا، جس کی اطلاع تعمیر حیات نے دی تھی۔

حجاز مقدس اور ریاض کے سفر سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کے مرافق مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی ۱۹؍مارچ کو ممبئی پہونچے، ممبئی سے ۲۰؍مارچ کو دہلی آئے، ممبئی سے دہلی آنے والوں میں جدہ میں ان کے میزبان الحاج محمد نور (مالک عبدالغنی محمد نورولی کمپنی) ان کے فرزند محمد یوسف نورولی اور ممبئی کے میزبان الحاج غلام محمد (عرف محمد بھائی (مالک باہبے آندھرا ٹرانسپورٹ) اور صوفی عبدالرب اور عمر بھائی، چاند بھائی، ناگ دیوی اسٹریٹ) اور جناب مجی اسماعیل منصوری صاحب وغیرہ تھے، اب یہ سبھی لوگ اپنے مالک حقیقی اللہ رب العالمین کے جوار رحمت میں ہیں، ان سب کو یہاں سے دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ میں شرکت کے لیے جانا تھا، جہاں بلا مبالغہ لاکھوں لاکھ لوگ جمع تھے، ۳-۴-۵ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ/۲۱-۲۲-۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء کی تاریخوں میں اجلاس کا انعقاد ہورہا تھا، حضرت مولانا اپنے رفقاء کے ساتھ دارالعلوم دیوبند اجلاس کے پہلے دن پہونچ گئے، لیکن افتتاحی نشست اور پہلے دن کے پروگرام میں اپنے اعذار خاص طور پر طویل سفر کے تعب کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے تھے، دوسرے دن انہوں نے خطاب کیا جو عربی سے شروع کیا لیکن مجمع کی رعایت میں اردو میں خطاب کیا، جس کو سن کر مولانا مفتی محمود صاحب سرحدی (سابق وزیر اعلی صوبہ سرحد پاکستان) نے کہا کہ دیوبند کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا، وہ سو فیصدی صحیح ہے، اس موقع پر اسٹیج پر جو عالم عرب کی ممتاز شخصیتیں موجود تھیں، ان میں ڈاکٹر عبداللہ زائد (وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) ڈاکٹر عبدالمنعم النمر (وزیر اوقاف مصر)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی مصری (قطر) معالی الشیخ یوسف الحجی (وزیر اوقاف کویت) اور مستشار عبداللہ العقیل موجود تھے، افتتاحی اجلاس کی صدارت شاہ خالد بادشاہ سعودی عرب کے نمائندے کے طور پر ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی نے۔ پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ۲۴؍ مارچ کو واپس ہوئے، اس طرح پورا ایک ماہ کے اس سفر میں جس کا آغاز براہ ممبئی جو حجاز مقدس سے ہوا تھا، اور اس سفر میں حضرت مولانا ریاض بھی گئے تھے، لیکن عمرہ کی ادائیگی جو گذشتہ سفر میں احرام کھول دینے کی وجہ سے کہ حالات ایسے ناسازگار تھے کہ ان دنوں عمرہ کی ادائیگی کی کوئی شکل ممکن نہ تھی، عمرہ قرض تھا، جس کی ادائیگی کے بعد ریاض گئے، اور خود بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حرمین شریفین سے فارغ ہو کر میں کسی ضرورت سے ریاض گیا تھا۔(۱) ۱۹؍ مارچ کو ممبئی واپسی ہوئی، پھر دہلی و دیوبند کے اجلاس میں شرکت وخطاب فرما کر ۲۴؍ مارچ کو لکھنؤ واپسی ہوئی، تعمیر حیات ۱۰؍ اپریل ۸۰ء کے مطابق، حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی دیوبند سے لکھنؤ کے لیے واپسی ایک بڑی جماعت کے ساتھ تھی مولانا کے ساتھ کے آنے والے مہمانوں میں شیخ عبداللہ بن عبداللہ زائد وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، شیخ محمد بن ابراہیم قعوڑ، ڈائریکٹر بیرون ملک برائے دارالافتاء برائے دارالافتاء والتبلیغ اور عبدالعزیز بن ناصر باز ادارہ دارالافتاء کے آفس انچارج اور عبداللہ فوزان محمد معاون برائے وائس چانسلر مدینہ منورہ یونیورسٹی، اور محمد نور عبدالقادر نورولی جدہ اور دوسرے حضرات تھے دوسرے دن ندوۃ العلماء، دیوبند سے مصر شیخ عبدالمنعم النمر اور قاری عبدالباسط عبدالصمد مفتی مسقط عمان، شیخ احمد الخلیلی تشریف لائے، اور پاکستان کے لوگوں میں مولانا مفتی محمود (سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد) اور مولانا محمد اشرف سلیمانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

---

(۱) کاروان زندگی ۲؍۳۰۴۔

حج بیت اللہ کی سعادت

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حج بیت اللہ کی سعادت ۱۴۲۰ھ (۲۰۰۰ء) میں حاصل ہوا، جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا سانحۂ ارتحال پیش آ گیا تھا، اور حضرت مفکر اسلام کے کاموں کی ذمہ داریاں مولانا پر بھی خاصی آ گئی تھیں اور چونکہ انہیں حضرت نے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا اس لئے اصلاح وتربیت کے خواہش مند حضرات ان کی طرف رجوع بھی کر رہے تھے، مگر حج فرض ہوجانے کی وجہ سے اس کا عزم مصمم کرلیا، اور آپ کے ساتھ آپ کے دونوں بھائی مولانا حافظ عمار محمد عبدالعلی حسنی ندوی اور مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی اور پھوپھی صاحبہ اہلیہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور ان کے فرزند مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی ساتھ تھے، اور افراد خاندان کے علاوہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے طویل المدت خادم ورفیق سفر وحضر حاجی عبدالرزاق صاحب نصیر آبادی ساتھ تھے اور وہ ان کی پھوپھی والدہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی کی طرف سے حج بدل پر تھے اور اسی قافلہ میں رائے بریلی شہر کے جناب شاہزادے صاحب بھی تھے۔

اس سفر کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے حادثہ ارتحال کا غم تازہ تھا، اور پورا عالم اسلام خاص طور پر بلاد عربیہ اور بالخص حرمین شریفین پر اس کا بڑا تاثر اس لئے بھی تھا کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں حضرت کا نام اور ان کے مقام کے خصوصی تذکرہ کے ساتھ جب دونوں حرموں میں نماز غائبانہ ادا کی گئی تھی تو سبھی پر رقت طاری اور آنکھیں نمناک ہوگئی تھیں، اس طرح جسے معلوم ہوا کہ حضرت کے ورثاء آئے ہیں وہ تعزیت کرتے اور بڑی ہی تکریم کا معاملہ کرتے، ان میں عرب حضرات بھی تھے اور عجم کے مشائخ وعلماء بھی تھے، انہی میں حضرت سید شاہ نفیس الحسینی صاحب بھی تھے جو لاہور سے آئے تھے، انہوں نے بڑا خصوصی معاملہ کیا۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد یونس صاحب، حضرت

مولانا طلحہ صاحب اور ملک عبدالحفیظ صاحب مکی نے مناسک حج کی ادائیگی میں اپنے خیمہ میں بلا کر بڑی راحت پہونچانے کا سامان کیا، اسی خیمہ میں حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب اور پاکستان میں یہیں کے دوسرے بزرگ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی بھی تھے، مولانا اس سفر حج کی باتیں ایسی مسرتوں سے سناتے کہ جی چاہنے لگتا جو جوان کو اس سفر میں حاصل ہوا وہ ہمیں بھی حاصل ہو جائے، اور ایسا ہی حج ہمیں بھی میسر آجائے۔ مولانا نے مناسک حج کی ادائیگی میں حج کی سنتوں کے اہتمام کی بھی بڑی فکر کی، اور حج کی سنتوں کے اہتمام میں مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کے امتیاز و خصوصیت کا خاص طور سے تذکرہ کیا۔ اور جن مشائخ سے اس حج میں ملاقات ہوئی ان میں محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی، حضرت قاری امیر حسن صاحب ہردوئی، حضرت حکیم اختر صاحب کراچی پاکستان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، طبیب الامت حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہم بھی حضرت محی السنہ کے ساتھ تھے ان کی بھی خاص شفقت وعنایت حاصل رہی، اور ان کی حذاقت طب سے بھی ان حضرات نے فائدہ اٹھایا۔ اس کا ان کو افسوس رہا کہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو ایک روز قبل مشہور عالم دین اور مجاہد فی سبیل اللہ شیخ طریقت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی پاکستان واپس چلے گئے اور پھر ان کا ایک یا دو ماہ بعد واقعۂ شہادت پیش آگیا، ان کو بھی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بڑا خصوصی تعلق تھا، حضرت مولانا کے خاص اہل تعلق میں مکہ معظمہ کے قیام میں ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب سے انجینئر سید حسن عسکری طارق صاحب اور انجینئر عبدالرشید صاحب حیدرآبادی سے مدینہ منورہ میں جو تعاون ملتا رہا اس کے یہ سب حضرات بڑے ممنون تھے، مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کا تعلق بھی خوب ظاہر ہوا۔ وہ بھی مکہ معظمہ کے ہی مکین تھے۔

اس مبارک سفر میں بعض لوگوں نے بیعت وارادت کا تعلق بھی قائم کیا، ان

میں حاجی محمد کاظم خاں نصیرآبادی مرحوم (مدفون تکیہ رائے بریلی) اور بھائی التمش نصیرآبادی حال مقیم مکہ معظمہ بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو کعبہ کے جوار میں مشرف بہ بیعت ہوئے تھے۔ مولانا رحمہ اللہ کا طریقہ اس میں وہی رہا تھا جو ہمارے مشائخ حق کا رہا ہے، کہ بیعت لینے کو خود اپنا تجدید عہد اور اپنی توبہ خیال کرتے ہیں، اور دوسرے کے لیے اپنے کو محض ایک سبب وذریعہ سمجھ کر عہد لیتے ہیں جو ایک گناہوں سے توبہ اور ایک نئی زندگی گزارنے کا ہوتا ہے، حرم پاک میں اس سعادت پر جو محض عطیہ ربانی تھا وہ اپنے رب کے لیے سراپا حمد وشکر بنے ہوئے تھے، اس احساس کے ساتھ کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

اسی سفر کے تعلق سے مولوی ولی حسن قادری ندوی جو مدینہ منورہ میں مقیم تھے مولانا کے پہلے حج میں مرافق بھی تھے لکھتے ہیں:

> ''مجھے حج بیت اللہ کے باسعادت موقعہ پر خلوت وجلوت میں مولانائے گرامی کی طویل رفاقت کا موقعہ ملا، وہاں بھی عشقِ الٰہی اور محبت رسول کا وہ جذبہ دیکھا جو صرف کتابوں ہی میں پڑھنے کو ملتا ہے، چھوٹی سی چھوٹی سنت ادا ہوجائے اس کے لیے بڑی سی بڑی مشقت اٹھاتے ہوئے دیکھا، صرف اسی جذبے کے تحت طویل مسافتیں پیدل طے کرتے اور کھلے آسمان کے نیچے چٹائی پر سوتے دیکھا، یہ ساری باتیں اس وقت تھیں کہ اچھے سے اچھے خیمے میں قیام کی سہولت اور لگژری کار پر سفر مہیا کرانے کے لیے لوگ دست بستہ کھڑے تھے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران شوق وجذبہ اور ولولہ کی وہ تصویر دیکھنے کو ملی جس کو بیان کرنا بہت مشکل ہے۔''

عمرے کے تین سفر

حج بیت اللہ شریف کی سعادت کے حصول کے بعد عمرے کے تین سفر آپ

نے کیے، پہلا عمرہ کا سفر ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء میں اپنے عم مکرم اور خسر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے ساتھ افریقہ کے سفر سے واپسی پر کیا۔ اس سفر میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ تفسیر وحدیث اور نائب مہتمم مولانا عبدالعزیز صاحب بھٹکلی بھی تھے۔ اس موقع پر عرب علماء ومفکرین اور سرکردہ شخصیات نے بڑا خیر مقدم کیا اور شیخ محمد بن ناصر العبودی مساعد الامین العام لرابطۃ العالم الاسلامی نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو دیکھ کر بے ساختہ کہا کہ: "أنت نعم الخلف للسلف من عصر الصحابة إلى عصرنا هذا." اس سفر میں جدہ میں قیام محمد نورولی صاحب کے مکان پر کیا، جہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیام فرمایا کرتے تھے، اور بھائی محمد عثمان صاحب حیدرآبادی مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ اپنی گاڑی پر لے گئے، انہوں نے پوری وضع داری قائم رکھی، جو ان کی حضرت مولانا علی میاں کے ساتھ تھی۔

عمرہ کا دوسرا سفر تین سال کے بعد رمضان المبارک میں کیا اور مسجد نبوی (ﷺ) میں اعتکاف کیا، اس مدت قیام کو وہ اپنی زندگی کے بہترین دن قرار دیتے تھے، رمضان المبارک کی بابرکت راتوں اور نورانی دنوں میں حرمین شریفین کے جو فیوض آپ کو حاصل ہوئے اس کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہئے، عید مدینہ منورہ میں ہی کی، رسول اللہ (ﷺ) کے جوار میں یہ عید زندگی کی سب سے بڑی عید تھی کہ اس سے بڑھ کر کہاں کی عید ہوسکتی ہے۔

تیسرے عمرہ کا سفر حجاز اور مصر کے سفر میں کیا، اس سفر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، حاجی عبدالرزاق صاحب نصیرآبادی اور جناب شاہد حسین صاحب تھے لیکن مؤخرالذکر دونوں حضرات مصر Egjypt نہیں گئے اور مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے تھے، یہ غالباً سفر شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں ہوا۔

دوسرا حج اور آخری زیارت

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حج کا تقاضا پھر تھا اور حج کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک حج کے بعد دوسرے حج کا تقاضا زور پکڑتا ہے، لیکن دوسری ترجیحات ایسی سامنے آتی گئیں کہ آپ کے لئے ایک حج کے بعد دوسرے حج پر جانے میں ایک عشرے سے زیادہ لگ گیا، اس دوران آپ نے اپنے اوپر بعض دوسرے حضرات کو ترجیح دے کر حج پر روانہ کرایا اور اس میں آپ نے بعض نومسلموں کو ترجیح دی، چنانچہ مغربی بنگال کے ایک سابق مہاراج جو اب معظم صاحب سے متعارف ہیں اور ڈاکٹر سنجے پانڈے (صالح کریم صاحب) اور دوسرے حضرات کو بھیجا، اور اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء میں حج کا فیصلہ کیا اور ایک خاندانی گروپ تیار ہو گیا، مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی صاحب مع اہلیہ، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی صاحب مع اہلیہ، اور کاتب الحروف بھی اسی ترتیب سے ایک ہی قافلہ میں حج کمیٹی اور ٹور آپریٹروں کے تعاون کے بغیر سعودی ایمبیسی سے آزادانہ ویزہ حاصل کر کے روانہ ہوئے۔ ویزے کے حصول میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے خط سے بڑی آسانی پیدا ہوئی اور کچھ ضروری کام معلم فیس وغیرہ کا ڈرافٹ بنانے میں جناب سید مقبول احمد صاحب (فاران ٹریولس) کی مدد لینی پڑی، مگر صرف اسی حد تک اور ان کو ہی ٹکٹ کرنے کی بھی ذمہ داری دے دی گئی تھی، اس طرح یہ کام بھی بہت سہولت سے ہوا، اور لکھنؤ سے ڈائرکٹ فلائٹ اختیار کی گئی، ہم آٹھ لوگوں کے ساتھ اسی فلائٹ میں جو عصر کے وقت روانہ ہو رہی تھی تین افراد خاندان کا اور اضافہ تھا، مولانا سید سلمان حسینی ندوی مع اہلیہ اور فرزند سید سلیمان سلمہ اس طرح ہم گیارہ لوگ تھے، مولانا سید سلمان حسینی صاحب وزارۃ الحج سعودی عرب کے مہمان تھے، ان کو گاڑی لینے جہاز کے پاس کھڑی تھی، ہم سب لوگ عمومی بس سے مطار کے پلیٹ

فارم پہونچے، لیکن بعض کاغذات میں نقص محسوس کر کے ہم لوگوں کو روک دیا گیا، اس لئے ہم لوگوں کو نکلنے میں دشواری ہوئی اور دیر لگی، لیکن خاندان کے محب قدیم جناب محمد وسیم فاروقی صاحب لکھنوی کے داماد شعیب اسکندر صاحب کے والد معلموں میں ہیں، ان سے پہلے سے رابطہ تھا، انہوں نے کارروائی مکمل کرائی، اور ہم لوگوں کا معلم طے ہوا، معلم نے اپنی بس سے مکہ مکرمہ بھجوایا، کوئی جگہ طے نہ تھی عارضی طور پر رائے بریلی کے التمش صاحب کے مکان پر گئے جو مکہ مکرمہ میں ملازم ہیں، وہ مولانا سید عبداللہ صاحب سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے بڑا خیال کیا لیکن افراد زیادہ مکان تنگ تھا، خود وہ دشواری میں پڑ سکتے تھے، اتنے میں انصار صاحب بھٹکلی اور پاشا صاحب بھٹکلی جو پہلے سے اپنے نظام میں شامل کرنے کو کہہ رہے تھے مزید تقاضا کیا، اور شام کو یہ ۸ رکنی قافلہ باب ملک عبدالعزیز کی سمت میں شارع اجیاد پر پیدل ۵ منٹ کے راستہ پر ان کے مقام پر پہونچ گیا، ان لوگوں نے جو خیال کیا اور جو فکر کی اس کے لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بچھ بچھ گئے، بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا عبدالسلام خطیب ندوی بھٹکلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی کوشش کو بھی دخل تھا جو حج کے لیے اپنی والدہ کے ساتھ ہم لوگوں سے پہلے پہنچ گئے تھے اور برادر عزیز مولوی مسعود حسن حسنی نے بھی رابطہ قائم کیا تھا مگر پاشا صاحب جناب محمد سائب سکری صاحب بھٹکلی مقیم و۔جے واڑہ کا بڑا تذکرہ کرتے تھے کہ ان کو بڑی فکر تھی اور پاشا صاحب انھیں اپنا سرپرست خیال کرتے ہیں، اور ان کا مولانا مرحوم سے بڑا والہانہ تعلق ہے، اللہ ہی ان سب خیر خواہوں کو اس کا بہترین صلہ دے اور رضوان وغفران سے نوازے۔

حج کے پانچ دن

حج اصلاً پانچ دن کا ہوتا ہے، ۸ ذی الحجہ منیٰ اور پھر عرفات کا دن اور مزدلفہ کی رات، پھر ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ کو منیٰ کا قیام (۸-۹-۱۰-۱۱-۱۲ ذی الحجہ) اور اگر تیرہویں کو بھی

رک جایا جائے تو چھ (۶) دن جو مستحب ہے لیکن معلم خیمے اکھاڑنے شروع کردیتے ہیں، اور کم ہی لوگ اس استحباب پر عمل کر پاتے ہیں، اور اگر ۱۲ کو غروب تک رک گیا تو ۱۳ ویں کو رمی جمار کر کے ہی جانا ضروری ہوتا ہے، اس قیام کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بھائی طلحہ حیدرآبادی نے ایک اہم سنت مولانا محترم سے ادا کرادی جو سواری پر بیٹھے بیٹھے کنکری مارنے کی ہے، اپنی کار شیطان کے پاس لے جا کر اسی پر بٹھائے بٹھائے کنکری مروائی، مولانا کو اس سنت کی ادائیگی سے بے حد خوشی تھی اور یہ خوشی اس لئے دوبالا تھی کہ اس عمل سے دوسرے کو اذیت بھی نہیں پہونچی، ٹریفک پولیس نے روکا بھی نہیں کہ بے اصولی کہی جاتی، اور مجمع بڑا اجا چکا تھا۔ اس سے پہلے کی جو رمی کروائی اس کے لئے مولوی طلحہ ندوی حیدرآبادی نے ٹرین کا ذریعہ استعمال کیا، اس سے وقت بہت بچا، لیکن پھر واپسی میں منیٰ کے احاطہ میں پہنچ کر چلنا خاصا پڑتا تھا، مولوی طلحہ عظیم الدین ندوی عرصہ سے رہ رہے ہیں، اور حجاج کی خدمت ہر سال کرتے ہیں، بڑے ماہر ہوگئے ہیں ایسے وقت کا انتخاب کرتے تھے کہ بھیڑ سے بچا جاسکے، عورتوں کی وجہ سے رات کا وقت اختیار کیا جاتا، جس کی اجازت ہے، اور اس کے بغیر باوجود کوشش کے ممکن نہیں ہورہا تھا، فقیہ العصر مولانا علی احمد ندوی صاحب (مقیم جدہ) نے اسی کو اختیار کرنے کو کہا، اور عورتوں کے لئے تو فقہائے امت نے رات کو ہی افضل لکھا ہے، رمی کے بعد مولانا مرحوم دعا کراتے اور ہم سب دعا کرتے۔

عرفات میں زوال سے پہلے پہونچ گئے، جگہ اچھی اور خوب مل گئی تھی، اکثر اہل بھٹکل اور ان میں بھی اکثر اہل نوائط تھے، ان کی ضیافت مشہور ہے، عرفات میں بھی خوب فیاضی سے یہ لوگ کام لیتے رہے۔ مولانائے محترم کو متوجہ کرانا پڑا کہ وقوف کا وقت تھوڑا ہے، اس کی قدر کرلی جائے، زوال ہوتے ہی نماز ادا کرلی گئی اور پھر مولانا کا بڑا ہی دلسوز خطاب ہوا، اور بڑی زوردار دعا ہوئی۔ برادرم مولوی ایمن بھٹکلی ندوی نے ریکارڈ کرلی تھی جو ان کے پاس محفوظ ہے۔ انھوں نے ہم لوگوں کو اور ان

کے گھر والوں نے ہمارے گھر والوں کو بہت راحت پہنچانے کی کوشش کی، جس کے لیے شکریہ کے الفاظ نہیں۔

خطبہ اور دعا

عرفات الحمد للہ زوال شمس سے اتنا پہلے پہنچ گئے تھے کہ زوال سے پہلے ہی سب وضو طہارت وغیرہ سے تیار ہو گئے تھے حالانکہ عرفات میں اس کے لیے بڑی قطار لگتی ہے، اور انتظار کرنا پڑتا ہے، ہم لوگوں کے خیمہ میں اکثر بھٹکل کے افراد تھے، وہ شافعی المسلک ہیں اور ہم لوگ بھی مکہ کے مقیم نہیں ہوئے تھے، آخر میں آئے اور حج کے فوراً بعد مدینہ منورہ جانے کا پروگرام بن گیا تھا، ظہر عصر جمع کی گئی، اور پھر مولانا نے ایسا ایمان افروز دلسوز مختصر بیان فرمایا کہ دل لرز اٹھے، اور ایسی دعا کی جو بڑی پُر درد تھی، شروع میں عربی کی قرآنی ومسنون دعائیں پھر اردو میں خطبہ، اور دعا کے بعد لوگ انفرادی اعمال میں مشغول ہو گئے، کھڑے ہو کر دعا کرانا عرفات کا خاص انداز ہے، اور تھوڑا بلندی پر جا کر ایسا کیا جائے تو اور زور پیدا کر دیتا ہے، کیفیت بڑھا دیتا ہے، جس سے جو ہو سکا وہ کیا، یاد تو سبھی آہی جاتے ہیں، کمال مولانا کا تھا دور قریب جس نے کہہ دیا اس کو بھولے نہیں اور یہی نہیں جس نے ذرا احسان کر دیا، اس کا نام لے کر انہوں نے دعا کر کے احسان کر دیا، جو ان کے دعوت اور مشن میں شریک اور جیسا اس کا کام اور درجہ ویسا اس کا نام لے کر یاد کیا، اور اس کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے دعا کی، اور بعد میں فون کر کے بعض اہل تعلق کو بتایا بھی کہ آپ کے لئے نام لے کر دعا کی، ان کو یہ اطمینان تھا کہ کوئی چھوٹا نہیں، یا للعجب! یہ تھی کہ ان کی بزرگانہ شان اور یہ تھا ان کی عبدیت کا حال!!

مزدلفہ کی رات

عرفات سے مزدلفہ کا سفر عورتوں کے خیال سے بس سے مناسب سمجھا گیا،

ہمارے خیمہ کے لوگ بڑے انتظار کے بعد بس پر اوپر پہنچے، اندر اور چھت پر سوار ہوکر مزدلفہ کو روانہ ہوئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور خواتین کے لیے سیٹیں ریزو کر لی گئی تھیں، ہم نے چھت پر جانا اختیار کیا، اس کا کچھ الگ ہی لطف رہا، کچھ دور جا کر بس نے ساتھ چھوڑ دیا اور وہاں سے پیدل سبھی کو آگے بڑھنا پڑا، آخر مزدلفہ کے حدود میں داخل ہوکر ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں اچھی حیثیت کے لوگ پڑاؤ ڈال کر روانہ ہو چکے تھے، قالینوں کا انتظام، اس پر مستزاد بستروں کا نظم ان کے تحفوں کے ساتھ تھا، وضو کا بھی اچھا انتظام تھا، مغرب وعشاء جمع کی گئی، دعائیں مانگی گئیں، تسبیح ومناجات کی گئی، اور آرام بھی کیا گیا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اور پھر سب نے صبح کی نماز پڑھی، کنکریاں بھی چنیں کہ اب منیٰ جا کر چھوٹے، درمیانی اور بڑے سبھی شیطانوں کی خبر لینی ہے، مولانا کی سرپرستی اور ہدایت کے مطابق ہم لوگ اپنا کام کرتے رہے، اہل بھٹکل بڑے معاون رہے اور ایک حد تک ہم لوگوں کے لیے ایثار سے بھی کام لیتے رہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آٹھ رکنی قافلہ کا امیر و منتظم اپنے چھوٹے بھائی مولانا بلال حسنی کو بنا دیا تھا، جس سے انتظام میں بڑی سہولت رہی، گو وہ مولانا سے ہی ہدایت لیتے اور ان کے مشوروں اور سرپرستی میں آگے قدم بڑھاتے۔

منیٰ کے بقیہ ایام

قربانی ہم لوگوں پر تھی نہیں، باہم مشورہ سے سبھی نے اِفراد کی نیت کی تھی، بالکل آخر میں پہنچنا ہوا تھا، اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہم میں سے بعض جن کا تیسرا سفر تھا قران اور تمتع دونوں کر چکے تھے اس لیے اِفراد کی فضیلت بھی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مولانا علیہ الرحمہ نے ساتھیوں کی رعایت میں اور ایک فضیلت حاصل کرنے کے بعد دوسری فضیلت کے حصول کے شوق میں باہم مشورہ سے اس کو ترجیح دی، مستورات میں سبھی کا یہ پہلا حج تھا، ان سے بڑی سہولت رہی، اور دوسرے اعمال ادا کیے گئے۔ پہلے

دن کی رمی کے بعد طواف زیارت کا عمل جو رکن حج ہے ادا کرنے کے لیے ہم سب حضرت مولانا کی سرپرستی میں بیت اللہ شریف گئے، اور بھٹکل منزل میں اتر کر تیار ہو کر حرم شریف آئے، اور بڑی سہولت سے حج کا یہ اہم رکن ادا ہو گیا، پھر واپس منیٰ گئے۔

منیٰ کے خیمہ میں جس میں ہم لوگ تھے آس پاس جنوبی ہند کے لوگ تھے، بالکل جوار میں تمل ناڈو کا گروپ تھا، جس کے دینی رہبر ایک ندوی فاضل تھے، انھوں نے اپنے گروپ کے لوگوں کے سامنے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب رکھا، مولانا نے اس کو منظور کیا اور دعا بھی کرائی۔

مولوی عبدالمجید میسوری کرناٹک کے ایک گروپ کے ساتھ تھے، ان سے بھی تعاون ملا، وہ اپنے خیمہ میں مولانا بلال حسنی صاحب اور راقم کو لے کر چلے گئے، اس سے اس سے دوسروں کے لیے کشادگی پیدا ہوئی، مولوی طلحہ حیدرآبادی ندوی نے ٹرین کا ٹکٹ حاصل کر کے رمی جمار کے لیے ٹرین کا سفر کرایا جو فی الحال منیٰ و مزدلفہ کے اسٹیشنوں تک محدود ہے، ٹرین والے بالائی فلور پر جاتے ہیں، سہولت تو بہت ہو گئی ہے مگر چلنا یہاں بھی خوب پڑتا ہے، اور منی کے آخر کے دن وہ عربوں کے ایک خیمہ میں لے کر گئے، جو ان کے بڑے بہنوئی کے زیر انتظام تھا، اور اندر ان کی والدہ تھیں، جن کے حسن اخلاق اور محبت وخیال رکھنے سے مستورات بڑی متاثر ہوئیں، اور بہت راحت پائی، ہم لوگوں کے ایک عزیز سید محمد میاں فرزند عم محترم مولانا سید محمد عزیز حسینی مرحوم بھی اس خیمہ میں منتظمین کے معاون تھے، اس لیے اپنائیت کا بھی احساس رہا، یہ مولوی طلحہ صاحب کے برادر نسبتی ہیں، اسی سے متصل توعیۃ الجالیات سے متعلق لوگوں کے خیمے تھے۔

حج کے بعد

ایام حج سے فارغ ہونے کے دو تین دن کے ہی اندر شیخ الحدیث حضرت

مولانا محمد یونس صاحب کی خدمت میں حاضری کا ایک بڑا ہی اچھا موقع ملا، وہ فندق ساعہ میں مقیم تھے، اور عصر بعد جب حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب کے ساتھ ہم لوگ پہونچے، تو ان کا درس حدیث ہو رہا تھا، اور ان کے دو بڑے ہی عزیز عرب شاگرد تھے، جن میں ایک قرأت حدیث کر رہے تھے، دونوں ہی پر مولانا کی بڑی نظر عنایت تھی، حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب رحمہ اللہ اور مولانا سید بلال حسنی صاحب، راقم سطور، مولانا اسماعیل بھولا ندوی، محمد الانصاری (کیرالا) اور بھائی عبد اللہ پرتا بگڈھی شریک مجلس ہوئے، اور درس کے علاوہ حضرت نے گفتگو بھی فرمائی، اور پھر اسی کمرہ میں جس کے نیچے تک صفیں آجاتی ہیں، حرم کے امام کی اقتداء میں نماز ادا کی، اور ہم سب نے کی۔

زیارت مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کا سفر حج کے فورا بعد طے کیا گیا اور مولوی طلحہ ندوی اور ان کے بھائی کی رہبری میں مدینہ منورہ روانہ ہوئے، حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب، اور مولانا بلال حسنی صاحب، مولوی طلحہ کی گاڑی میں تھے، اور ان کے بھائی کی گاڑی میں مولانا جعفر حسنی ندوی صاحب اور میں تھا، اور ایسی ترتیب سے دونوں گاڑیوں میں خواتین تھیں، مدینہ منورہ جانے اور وہاں سے آنے دونوں ہی صورتوں میں رات کا سفر اختیار کیا گیا، اور مدینہ منورہ میں قیام کی مدت بھی زیادہ ملی، وسط ذی الحجہ ۲۷/ ذی الحجہ تک مدینہ منورہ میں قیام رہا، اور یہ قیام بھائی عبد الرشید صاحب حیدر آبادی (جو مسجد نبوی میں عرصۂ دراز سے تعمیراتی پروجیکٹوں میں مشیر ومعاون ہیں، اور ان پر بڑا اعتماد کیا جاتا ہے) اتنے اونچے منصب اور غیر معمولی مشغولیت کے باوجود اس طرح مہربان بنے رہے جیسے کہ مسجد نبوی کے کام کے بعد سب سے اہم کام یہی ہے، کہ ہر طرح اپنے مہمانوں کو راحت پہونچائی جائے، ان کی اہلیہ بھی حیدر آباد سے آئی ہوئی

تھیں، اللہ انہیں بھی اور ہمارے انجینئر صاحب کو اضعافا مضاعفہ اجر عطا فرمائے، اپنا فون بھی حوالہ کر دیا تھا، حضرت مولانا عبداللہ حسنی سے بار بار اصرار کرتے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں، اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے اپنے اہل تعلق ومحبت اور رفقائے دعوت کو فون کرکے اظہار تعلق کیا، تاکہ ان سب کو تقویت ملے اور خوشی ہو، مولانا کو اپنی خوشی کے ساتھ دوسرے کی خوشی کی بھی بڑی اور برابر فکر رہتی تھی، یہ چیز بار بار دیکھنے کو ملتی رہی۔

عربوں کے ایک منتخب مجمع سے خطاب

ایک اہم خطاب خال معظم رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کے قیام میں کیا، اس کی صورت یہ پیدا ہوئی کہ عم مکرم مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے ہم سب کو اس کی ترغیب دی کہ شیخ عبدالعزیز کعکی کا مشروع دیکھنے ضرور جائیں، جس کو ملک عبداللہ کی سرپرستی حاصل ہے اور عہد نبوی کے مدینہ منورہ کو انہوں نے جس خوبصورتی سے پیش کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی، چنانچہ خال معظم رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لے گئے، اور شیخ عبدالعزیز کعکی نے اپنے اس احتفال میں شرکت اور خطاب کی دعوت دی، جو اگلے دن ان کے مکان پر منعقد ہونا تھا، اور یہ ہجری سال کے آغاز کی مناسبت سے تھا، وہاں مولانا نے شرکت فرمائی، اور مختلف عرب ممالک کے منتخب مجمع کو خطاب کیا، جس کے اہم مندرجات پیش کیے جاتے ہیں، انہوں نے فرمایا:

"إن من سعادتي أن أجلس في مكان فيه ذكر سيد الأولين والآخرين فإنه تنزل الرحمة بذكر الصالحين فكيف لاتنزل بذكر حبيب رب العالمين، إن الله ذكر الأنبياء وقال في ذكر إبراهيم الخليل و ﴿**اتخذ الله إبراهيم خليلا**﴾ إلى غير ذلك، وحينما يذكر سيد

العالمين وحبيب رب العالمين حيث قال، ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني... الخ﴾ فمن اتبعه صار حبيب الله، والله يذكر الأنبياء بأسمائهم في حين يذكر حبيبه بالنبوة أو مثل ذلك،ياأيها النبي! يا أيهاالمدثر! يا أيها المزمل! وقال لأصحابه وأمته ﴿لاترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي﴾ فمن آذى النبي صلى الله عليه وسلم فقد كفر ومن كفر فقد حبط عمله.

وحينما أحب إبراهيم أن تكون الإمامة في ذريته فقال تعالىٰ ﴿لاينال عهدي الظالمين﴾ يعني تكون الإمامة في ذريته ذرية طيبة صالحة ولا تكون في عداد في الظالمين الذين يشركون بالله ويكفرون بالله.

أما قصة الهجرة في تاريخ الإنسانية فيبدأ بآدم وحوا من الجنة الى الدنيا وقصة الهجرة التذكارية هجرة إبراهيم وهاجر فترك إبراهيم وزوجته هاجر البساتين والحدائق والأزهار والأنهار و بلاد الشام وعراق ومصر واختار مكانا ليس فيه ماء ولا ميرة، ثم هاجر أولاده وهاجر الأنبياء والرسل حتى هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم وهاجر أصحابه، فصارت الهجرة ضرورة، حتى جاء الفتح وقال النبي صلى الله عليه وسلم "لاهجرة بعد الفتح" ولكن هجرة المنهيات والمنكرات والأشراك باقية فالمهاجر الذي هجر ما نهى الله ورسوله وهذه الهجرة من الشرك والكفر إلى التوحيد الخالص ومن البدع

والخرافات إلى اتباع النبي صلى الله عليه وسلم في جميع الأحوال لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: شفاعتي لمن لايشرك بالله شيئاً."

فهذه رسالة الهجرة ورسالة دارالهجرة النبوية الشريفة، وفقنا الله وإيّاكم لما يحبه ويرضاه."(۱)

ترجمہ: میری خوش قسمتی کی بات ہے کہ میں ایسی مجلس میں شرکت کروں جس میں سید الاولین والآخرین ﷺ کا ذکر کیا جا رہا ہو، عام صلحاء کے ذکر سے اللہ کی رحمتیں اس مجلس والوں پر نازل ہوتی ہیں، تو پھر ذکر جب خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہو تو رحمت کی بارش کے کیا کہنے، اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں انبیاء کا ذکر کیا ہے، سیدنا ابراہیم الخلیل علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا "واتخذ الله ابراهيم خليلا" (اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بنالیا) لیکن جب سید المرسلین کا ذکر آتا ہے تو کہا جاتا ہے "ان كنتم تحبون الله فاتبعوني ...الخ" یعنی جو آپ ﷺ کی اتباع کرے گا، وہ بھی اللہ کا محبوب بن جائے گا، اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کا ذکر ان کے نام کے ساتھ کیا ہے، لیکن اپنے حبیب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو یا أيها النبي، يا أيها المدثر، يا أيها المزمل، وغیرہ کے خطاب سے یاد کیا ہے، آپ کا ادب اور آپ کا لحاظ کرنے کا حکم امتیوں کو دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے، "لاترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي" اپنی آواز کو

(۱) مترجم: مولوی محمد طارق اکرمی ندوی

نبی کی آواز سے بلند نہ کرنا اس سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے، نبی کو تکلیف دینے سے آدمی کفر تک پہونچ سکتا ہے، اور کفر کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمام اعمال حبط (اکارت) ہو جاتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام نے جب چاہا کہ امامت ان کی ذریت میں چلے، تو ارشاد ہوا کہ میرا یہ وعدہ جو بے راہ ہیں ان کو حاصل نہیں ہوسکتا، یعنی امامت ان کی نیک ذریت میں ہی باقی رہے گی، نہ کہ ان لوگوں میں جو خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کر کے اور کفر کر کے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، انسانی تاریخ میں سب سے پہلی ہجرت آدم وحوا علیہ السلام کی تھی، جو انہوں نے جنت سے دنیا کی طرف کی تھی، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی ہجرت کا واقعہ بڑا تاریخی واقعہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے باغات اور کھیتوں کو اور پھولوں، نہروں کی جگہوں کو چھوڑ کر ایسی جگہ کو اختیار کیا، جہاں نہ کھانا نہ پانی، پھر ان کی اولاد میں بھی ہجرت کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک اخیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہجرت فرمائی، اب ہجرت ایک لازمی چیز ہوگئی، یہاں تک کہ فتح مکہ ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ: مکہ سے ہجرت کی ضرورت فتح مکہ کے بعد باقی نہیں رہی، لیکن برائیوں، منکرات اور شرک وغیرہ سے ہجرت کرنا یہ ہمیشہ رہے گا، اس لیے کہ حقیقی مہاجر وہی ہے، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب

کرے، یعنی شرک اور کفر کو چھوڑ کر توحید خالص کی طرف
آجائے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کی شفاعت صرف انہی
لوگوں کے لیے ہوگی جن کا ایمان پختہ ہوگا، وہ اللہ کے سوا کسی کو
شریک نہ ٹھہراتے ہوں گے۔

یہی پیغام ہے ہجرت کا اور دار ہجرت یعنی مدینہ پاک کا، اللہ
تعالیٰ ہم سے اور آپ سے اپنی رضا کے کام لے۔(۱)

مدینہ پاک کا ایک اور اہم وروح پرور خطاب

مولاناؒ نے بعض ندوی فضلاء کے اصرار پر ان کی رہنمائی کے لیے چند توجیہی کلمات ارشاد فرمائے، جن کا خلاصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے، جس کے اندر مولانا نے ان کو وہاں کے قیام سے پورا فائدہ اٹھانے اور عقیدہ کی حفاظت کرنے کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی، فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسی پاکیزہ جگہ بھیج دیا، جہاں ہر طرح کی پاکیزگی پائی جاتی ہے، حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان یہیں سے آیا ہے اور آخر میں ایمان یہیں سمٹ کر آجائے گا، حدیث میں آتا ہے ''عن ابی هريرة رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :بدأ الاسلام غريبا وسيعود كما بدأ فطوبى للغرباء''(۱). اسی طرح سے آپ کے علم میں مدینہ کے تعلق سے وہ حدیث بھی ہوگی جس میں حضور ﷺ نے مدینہ کی اہمیت کو بڑی اچھی اور عمدہ مثال سے واضح فرمایا ہے، جبکہ ایک اعرابی کو مدینہ کی ہوا راس نہ آئی تو فرمایا:''انما المدينة كالكير

---

(۱)صحیح مسلم:في باب بيان أن الاسلام بدأ غريبا....''

تنفي خبثها وتنصع طيبها"(۱). اسی لیے یہ بات ہر طبقہ کے افراد کو معلوم ہے کہ ایمان کی اصل کرن سارے عالم میں یہیں سے پھیلی ہے اور اس کو یہیں سمٹ کر آنا ہے، بغیر ایمان والا یہاں تک نہیں سکے گا یہ الگ بات ہے کہ عہد رسالت میں جو مدینہ تھا وہ پورا کا پورا مسجد نبوی میں آچکا ہے۔

تو اب ظاہر ہے جس جگہ کی اتنی اہمیت اور شان ہو اس جگہ پر رہنے کے لیے بھی کچھ اصول وآداب ہوتے ہیں، تاکہ انسان اس میں رہتے ہوئے ان کی پابندی کر کے افراط وتفریط یا غیر شعوری طور پر ادنی درجہ کے شرک نہ کر بیٹھے یا غیر شعوری طور پر ایذاء نبوی کا مرتکب نہ ہو جائے، اس لئے میں چند باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا امید ہے کہ اس سے آپ حضرات کو فائدہ ہوگا:

صاحب کمال کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ شخص افراط وتفریط سے مکمل طور پر پاک ہو، یعنی مدینہ کی تعظیم اس حد تک نہ ہو کہ نماز بھی اسی طرف رخ کر کے پڑھی جائے اور اس طرح تحقیر بھی نہ ہو کہ انسان جزیرۃ العرب میں آئے اور آپ کے شہر کی زیارت کا بھی اشتیاق دل میں نہ ہو، تو اس لیے میرے بھائیو اور دوستو ضرورت اس بات کی ہے کہ آج افراط وتفریط کے اس دور میں ہم اپنے کو کمال صفت والا انسان بنائیں، نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے اسوہ کو سامنے رکھ کر "لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة"(الأحزاب ۲۱) پر عمل کریں جس طرح ہمارے اسلاف نے کیا تھا۔

---

(۱) المؤطا: في باب ماجاء في سكنى المدينة والخروج منها..."

اسی طرح سے ادنی درجہ کے شرک سے بھی محفوظ رہنے کی پوری طرح سے کوشش کرتے رہیے، کیونکہ شرک سے حبط عمل ہوجاتا ہے، اسی طرح سے حبط عمل کے اندر شان نبوت میں گستاخی کرنا چاہے غیر شعوری طور پر ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ قرآن نے صاف صاف اعلان کردیا ہے جس کا لفظ لفظ سچا ہے "أن تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون" (الحجرات ۲). اسی طرح ایذاء نبوی سے بھی حبط عمل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ نبی کو ایذاء پہونچانا کفر ہے۔ جس کی دلیل ابھی جو میں نے قرآن کی آیت تلاوت کی وہ ہے۔ تو اصل کفر سے حبط عمل ہوتا ہے۔

اسی لیے یہ بات بھی ذہن میں ہونی چاہیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بڑا نازک ہے، کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "شفاعتی لمن لا یشرک باللہ شیئا" (۱). یعنی جو ذرہ برابر بھی شرک کرے گا اس کو آپ کی شفاعت حاصل نہیں ہوگی، یعنی روز قیامت میں آپ اس کی سفارش نہیں فرمائیں گے، یہ بات میں نے اس لیے عرض کی کیونکہ اس میں آج کل بڑی بے احتیاطی ہورہی ہے، ایک صاحب درس وافادہ عالم کی ایک چیز دیکھی بڑا افسوس ہوا، ہوا یہ کہ ایک صاحب کی وفات ہوئی اور ایک مدرسہ کے بڑے عالم نے جو اپنے مدرسہ کے شیخ الحدیث بھی تھے اور ان کی کئی تصنیفات بھی آچکی ہیں ان مرحوم کے بارے میں لکھا کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا لیا، تو میں نے ان کے پیر صاحب سے ملاقات کی اور دکھایا، تو اب وہ غلطی نکلوائی جارہی ہے کتاب سے، اسی لیے خوب سمجھ لینا

چاہیے اور عقیدہ کو مضبوط کر لینا چاہیے اسی لیے میں تو کہتا ہوں کہ آج کل عقیدہ اچھے اچھے مولویوں کا ٹھیک نہیں ہے۔

اس کے تعلق سے ایک بات اور کہہ دوں کہ انسان جس ماحول میں رہتا ہے اسی ماحول میں رچ بس بھی جاتا ہے اور وہ اس کو برا محسوس نہیں کرتا، لہذا اگر کوئی شرکیہ ماحول میں رہتا ہے تو وہ اس کو برا نہیں محسوس کرتا بلکہ اچھا سمجھتا ہے، مثال سے بات سمجھ میں آجائے گی: آپ ذرا ٹاٹا برلا کی کمپنی سے کبھی گذر کر دیکھیں میرا وہاں سے گذرنا ہوا ہے اور اگر آپ میں سے کسی کا ہوا ہو تو وہ جانتا بھی ہوگا کہ کس طرح کی بدبو وہاں سے دور دور تک جاتی رہتی ہے، لیکن اس سے وہاں پر کام کرنے والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، تو اس لیے میرے بھائیو اور دوستو شرک بھی اسی بدبودار بھٹی کی مانند ہے کہ اگر آدمی اس کے پاس پہلی مرتبہ جائے گا تو ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا، لیکن اگر وہ اسی ماحول کا پروردہ ہے تو اس کو اس میں کوئی برائی محسوس نہیں ہوگی۔

تو اب ایسے ماحول میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر علم راسخ پیدا کریں، کتابیں تو خوب چھپ گئی ہیں ،حال یہ ہے کہ پہلے کے لوگ تو کہتے تھے کہ یہ کتاب ہوتی تو یہ فائدہ حاصل ہوتا، لیکن افسوس کہ آج سب کچھ ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت نہیں، نتیجہ کیا ہوا کہ ہمارے اسلاف جتنے بھی گذرے ہیں انہوں نے اپنا رشتہ علم سے جوڑا تو ان کا علم وسیع چشمہ اور بورنگ کے مانند ہوا، کیونکہ انہوں نے اس سلسلہ سے جڑے رہنے کے لیے تقویٰ اور تعلق مع اللہ کے حق کو صحیح معنیٰ

میں ادا کیا، اسی لیے ان کا علم جتنا اس میں لوگ نکالتے استفادہ کرتے اور زیادہ نکھرتا چلا جاتا تھا، اور ہمارا حال تو اس کے بالکل مخالف ہے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ ہمارا علم ٹونٹی والا ہے کہ اس میں پانی بھر دیا گیا تو جب اس کو نکالا تو چونکہ محدود اسٹاک تھا بس تھوڑی دیر کے بعد سب ختم ہوگیا، تو اس لیے میرے بھائیو اور دوستو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بورنگ والا علم کتابوں کی اس فراوانی کے دور میں حاصل کرنے کی کوشش کریں، جس کو پاکر ہمارے اسلاف نے تاریخ کے اوراق کو سنہرا کیا تھا۔

اب اگر ہمارے اندر علم راسخ ہوگا تو پھر ہم شرک کی آمیزش سے بھی پاک رہیں گے حبط عمل ہونے سے بھی، اسی طرح غیر شعوری طور پر بے ادبی یا گستاخی یا اذیت کے پہونچانے سے بھی ہم محفوظ رہیں گے، معلوم ہونا چاہیے، بے ادبی کا معاملہ بھی بڑا نازک ہے عموماً بے ادبی سے ہی اذیت ہوا کرتی ہے، اور آج کل کے اس مادی ترقی یافتہ دور میں ہم کتنی بے ادبی شان رسالت مآب علیہ ازکی الصلوات والتسلیمات میں کر لیتے ہیں- العیاذ باللہ- بے ادبی بہت سخت چیز ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، یاد کریئے حضرت وحشی کے اس واقعہ کو جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا جان کو غزوۂ احد میں انہوں نے شہید کر دیا تھا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا ہی سخت صدمہ پہونچا تھا، تو حضرت وحشی جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا کہ سامنے نہ آنا چچا جان یاد آجاتے ہیں، شراح نے لکھا ہے کہ اگر وہ سامنے آتے

اور آپ ﷺ کو غیر شعوری طور پر فوراً چچا جان یاد آتے اور ممکن تھا کہ آپ کو اس واقعہ سے تکلیف ہوتی، اور اگر آپ کو تکلیف ہوتی تو حضرت وحشی کا اعمال نامہ ضرور خراب ہوتا، اس لیے قبل اس کے وہ اذیت کا دن آئے اور ان کے اعمال ضائع ہوں حضور ﷺ نے فرمادیا کہ سامنے نہ آنا، معلوم یہ ہوا کہ اذیت رسول بہت نازک معاملہ ہے لیکن آج عموماً اس پہلو کی طرف توجہ نہیں کی جاتی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان باتوں کو سمجھیں اور معلوم کریں جن کو آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے اور جو باتیں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نہیں ہیں ان کو سمجھیں تاکہ ہم صحیح معنی میں اسوۂ رسول پر عمل کرنے والے بن جائیں۔

اسوۂ رسول کے تعلق سے بھی بات واضح کردوں بعض لوگ ہیں جو اس کو سمجھنے اور سمجھانے میں کم فہمی وکم ظرفی کی بنیاد پر غلطی کر جاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اسوۂ رسول حسنہ بھی ہے کاملہ بھی، کیونکہ اسوۂ حسنہ ہونا خود دلیل ہے اس بات کی کہ وہ کاملہ ہے، ہمارے ہندوستان کے ایک صاحب (جو مشہور مصنف اور صاحب قلم ہیں) نے لکھ دیا کہ آپ کا اسوہ حسنہ تو ہے کاملہ نہیں، ہم نے کہا یہ تو بے وقوفی کی بات ہوئی ارے بھئی حضور ﷺ کے علاوہ آپ کسی انسان کی ظاہری صورت کو ہی لے لیجئے کیا کوئی ایسا انسان جس کی ناک چپٹی ہو اور ہونٹ بھی کٹا ہو اور کان بھی اچھا نہ معلوم ہوتا ہو محض خوبصورتی کے ناطے اس کو حَسَن کہہ دیا جائے گا نہیں، حسنہ ہوتا ہی جب ہے جب کہ

کاملہ ہو، اب ان کے اندر چونکہ وہی بورنگ والا علم نہیں تھا، اس لیے وہ غچہ کھا گئے، تو اسی لیے میں کہتا ہوں کہ آج کے دور میں اسلامی فکر کے حصول کے لیے صحیح نیت کے ساتھ مقاصد بھی اعلیٰ ہونا چاہئیں، اور اسی طرح سے اسباب بھی اعلیٰ ہونا چاہئیں۔

اس لیے جب انسان کی سوچ صحیح اسلامی فکر کے مطابق اعلیٰ مقاصد کے حصول کی ہوگی تو اس کے لیے ہر کام کرنا خدا کی مدد سے آسان ہوگا ورنہ تو وہی حال ہے کہ انسان تو اپنے تکڑم سے ہر چیز پر آج سوار ہے ورنہ سب سے کمزور اس دنیا میں انسان ہی ہے، اور دیکھا جائے تو اس کے تو اختیار میں بھی کچھ نہیں ہے، اسی لیے کہا تھا حضرت علیؓ نے جب ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ بتائیے کہ انسان کے کیا کیا اختیارات ہیں تو آپ نے فرمایا کہ: ایک پیر کھڑا کرو، اس نے کیا، کہا دوسرا بھی کرلو، جواب دیا ممکن نہیں، فرمایا بس یہی اختیار ہے انسان کا ایک پیر کی حد تک۔

اور آخر میں ایک بات اور عرض کردوں کہ یہ جو باتیں میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کی ہیں کہ شرک اور ایذاء نبوی سے بچنے کی کوشش کرتے رہیے، اور اسوۂ نبوی کو اپنائیے اور بے ادبی سے بچیے، یہ سب مبنی ہے ہمارے صالح ہونے پر کہ ہم صحیح معنیٰ میں نیک ہوں، ورنہ ہوتا یہ ہے کہ آج کل صالح تو بنتے نہیں لیکن صالح بننے سے پہلے مصلح بننے کی ضرور کوشش کرتے ہیں، حالانکہ معلوم ہونا چاہیے کہ صالح بننا ہمارے اختیار میں ہے کیونکہ کوشش کی چیز ہے، لیکن مصلح بننا ہمارے اختیار میں تھوڑی

ہے، وہ تو خدا کی طرف سے طے کیا جاتا ہے کہ ہمارا یہ بندہ اس امانت کو صحیح معنیٰ میں ادا کرنے والا ہے یا نہیں، مولانا عبدالباری ندویؒ نے بڑے پتہ کی بات کہی، جس کو میں نے بہت جگہ بیان بھی کیا اسی اصلاحی تعلق سے، کہ لوگ آج کل مصلح بننے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، اور ہوتا یہ ہے کہ مصلح تو وہ بن نہیں پاتے لیکن ان کا مُثلہ ضرور بن جاتا ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آج کل جتنے بھی ایسے مصلح مسندیں سجائیں بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے جھوٹے خوابات سنا کر اور ادھر ادھر کی کشف وکرامات بیان کر کے لوگوں کو مرعوب کر رکھا ہے ان کا اور ان کے مریدین کا مثلہ بنا ہوا ہے کیونکہ جب پیر خود صالح نہیں تو مریدین کہاں سے ہو سکتے ہیں، تو اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پہلے خود صالح بننے کی کوشش کریں۔

اور صالح بننے کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ انسان اللہ کا کثرت سے ہر جگہ اور ہر وقت ذکر کرتا رہے، اور اس کا حکم بھی دیا گیا ہے فرمایا گیا ہے قرآن مجید میں ''یاایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا'' (الاحزاب : ۴۳). حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کا وہ جملہ ہے کہ اللہ کا نام لیتے رہو اللہ جو کام لینا چاہے گا لے لے گا، اسی لیے حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کا جملہ بھی ہے کہ اللہ کا نام ہمیشہ لیتے رہنا چاہیے اس کا اثر ضرور ہوا کرتا ہے چاہے فوراً ظاہر ہو یا نہ ہو۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم صالح بننے کی مشق کرنے کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کا فریضہ اور تعارف اسلام کا فریضہ بھی ضرور

بالضرور انجام دیتے چلیں جس کے بارے میں بہت سختی کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی تھی ارشاد فرمایا گیا **"یاایها الرسول بلغ ماأنزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته"(المائدة ٦٧)**. تو ظاہر ہے کہ نبی کے وارثین کو بھی یہ کام نبی کے بعد انجام دینا پڑے گا، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ کہ ہم خود بھی صالح بنیں ہم کو غیروں میں بھی بڑوں سے پورے مشورے اور ان کی رہنمائی اور ان سے اصلاحی تعلق جوڑ لینے کے بعد اسلام کا تعارف کرانا چاہیے، کیونکہ یہ نعمت اسلام جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو نوازا ہے یہ نعمت کوئی ہماری ذاتی یا پشتینی ہر گز نہیں ہے، بلکہ اس میں سب کا حق ہے، اور سب کو سب کا حق دینا یہ ہماری ذمہ داری ہے، جس کو میں ایک مثال سے واضح کر کے بات ختم کروں گا کہ اگر ایک بھائی دوسرے بھائی کو حق وراثت نہ دے تو دوسرا بھائی فوراً عدالت میں مقدمہ دائر کر دے گا کہ اس نے مجھے میرا جائز حق نہیں دیا، تو اسی طرح سے یہ نعمت اسلام بھی ہے اگر آج ہم نے اپنے اس فریضہ کو انجام نہیں دیا کہ دوسروں کے اندر اسلام کا تعارف نہ کرائیں، تو پھر کل ممکن ہے جب قیامت میں ان سے باز پرس کی جائے تو وہ کہیں کہ مجھے تو میرے حق سے انہوں نے محروم ہی رکھا کبھی بتایا ہی نہیں کہ اس میں کیا مزا کیا لذت ہے، ورنہ میں بھی اس کو ضرور بالضرور قبول کرتا، یہ الگ مسئلہ ہے کہ ہر انسان کا حق تو خود یہ بنتا ہے چاہے اس کو کوئی دین اسلام کی دعوت دینے والا ملے یا نہیں کہ وہ دین

اسلام کو پہچانتا۔ لیکن ہمارا فریضہ جو قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں بنتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم "کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران: ۱۱۰)، پر سو فیصد عمل کر کے پوری دنیا میں اس دعوت کے کام کو عام کرنے کی کوشش کریں، جو کہ ہماری بعثت کا عین مقصد بھی ہے، اور اسی سے ہماری بقاء وابستہ ہے، اللہ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔

مدینہ پاک میں دو نشستیں

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں مدینہ منورہ میں مقیم ایک بزرگ الحاج محمد ذکی صاحب بھوپالی ہیں، ان کے داماد مولانا فیصل منظور ندوی ہیں، ذکی صاحب کے یہاں عشائیہ کا اہتمام مولانا کے اعزاز میں ہوا، جہاں اہل تعلق اچھی تعداد میں جمع ہو گئے تھے، اور مولانا ملک عبدالوحید صاحب مکی حال مقیم مدینہ طیبہ کی جامعہ میں بھی مولانا تشریف لے گئے، یہاں مولانا فیصل منظور ندوی حدیث پاک کے مدرس ہیں، اور دورۂ حدیث تک تعلیم ہے، دونوں جگہ مولانا مدظلہ نے مختصر بیان فرمایا، ایک بیان کے کچھ مندرجات اس طرح تھے، فرمایا:

"علم کے لئے ظرف چاہئے ظرف نہیں رہے گا، علم بھی نہیں رہے گا، جیسے دودھ اگر برتن ہے تو آجائے گا اور تنہا برتن ہونا بھی کافی نہیں، برتن صاف ستھرا ہو، صاف ستھرا نہیں تو دودھ پھٹ جائے گا، علم کی مثال دودھ سے دی گئی ہے، یہ علم جو علم نبوت ہے اس کے حصول کے لئے تزکیہ ضروری ہے، اس کے بغیر علم معلومات کی حد تک تو آجاتا ہے، لیکن علم نافع حاصل نہیں ہوتا، تزکیہ شروع کا

ہے، یعنی پیالہ مانجھ لو، پھر دودھ بدلو، پہلے عادت ہوتی ہے پھر عبادت، دس سال پہلے کا بچہ عبادت کو عبادت سمجھ کر نہیں کرتا وہ عادت سمجھ کر کرتا ہے، پھر یہ عبادت کی لذت پاتا ہے۔ حضرت مولانا علی میاں کے بڑے بھائی ان کے مربی تھے، وہ کہتے تھے، نماز پڑھ لی، وہ فرماتے جی پڑھ لی، کہتے کہ ہمارے سامنے پڑھو۔

علم میں ایک وہ درجہ ہے کہ جو علم حاصل ہے اس کا فائدہ ہوتا ہے، ایک علم جس کے بارے میں آتا ہے کہ آخر زمانہ میں بڑھ جائے گا وہ معلومات والا علم ہے، اور ایک علم راسخ ہے جس سے شکوک وشبہات دور ہوتے ہیں، اور اس علم کے ذریعہ دوسروں کو مطمئن کیا جاتا ہے اور یقین بھی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے مختلف علوم کو جاننے کی ضرورت پڑتی ہے، جغرافیہ، تاریخ کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اور عربی اچھی ہوئے بغیر کام ہی نہیں چلتا، علم میں رسوخ اور تعمق پیدا کرنے سے دعوے نہیں رہتے۔

علماء ومشائخ کی خدمت میں

مدینہ منورہ میں محدث عصر علامہ محمد عوّامہ جنہیں علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کا جانشین سمجھا جاتا ہے، ندوہ بھی تشریف لا چکے ہیں، مولانا جاوید اشرف ندوی میرٹھی مقیم مدینہ منورہ کے ساتھ خال معظم اور ہم لوگ حاضر ہوئے، شیخ نے ترحیب کہا، اور بڑی مسرت کا اظہار کیا، وہ ابھی حال میں ترکی سے واپس آئے ہیں، ترکی بہت اچھے رخ پر جا رہا ہے، فرمانے لگے، آپ لوگ جتنے اچھے حالات میں ہیں، کہیں ایسے حالات نہیں، شیخ محمود آفندی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ هذا الرجل وفقه الله توفيقاً عظيماً

مدارس خوب پھیلائے، سلسلہ طریقت میں لاکھوں لوگ داخل ہوئے، مدارس شرعیہ ممنوع تھے، لیکن انہوں نے وہ مدارس سینکڑوں کی تعداد میں کھولے، اب وہ بیمار ہیں، گھر سے کم ہی نکلتے ہیں، لوگوں کو ان سے عقیدت ہے کہ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں، ان کی ایک پوری حکومت ہے، ان سے ہم نے عرض کیا کہ قرآنی مکاتب نئے نظام میں قائم کیجئے، انہوں نے فرمایا کہ یہ نظام خاموشی سے چل رہا ہے، اور ایک ملیون حافظ ہیں، شیخ عوامہ نے کہا کہ علمائے ربانی سے کوئی دور خالی نہیں ہوا، اور نہ خالی ہوگا، اور اصل دولت اخلاص ہے جو عمل اخلاص سے کیا جاتا ہے وہ ثمر آور ہوتا ہے، قرآن کے معجزات میں ہے کہ ایک عورت اسّی (۸۰) سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کرتی ہے اور دس سال میں قرآن مجید پورا کر لیتی ہے، یہ کھلا معجزہ ہے۔

"من لم يدرك ظلم الجاهلية، لا يعرف نور الاسلام."

فرمایا شیخ محمود آفندی کے روحانی شیخ شیخ علی حیدر تھے اور ان کے شیخ بھی شیخ علی حیدر تھے، ترکی جہاں اسلام کا نام نہیں لیا جا سکتا تھا، ابھی حال میں جامع السلطان محمد الفاتح الاسلامیہ قائم ہوئی ہے یہ مصداق ہے اس کا جو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿إنه من يتق ويصبر فإن الله لا يضيع أجر المحسنين﴾

ترک مسلمانوں نے علمانی حکومت کے سامنے صبر وتقویٰ سے کام لیا، یہ اس کا نتیجہ ہے، اس وقت بڑی اہم دعاؤں میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا تسلط ہٹا دے اور بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل کے عقیدہ کی فکر کی جائے "اهم شئ حفظ عقائد ابناء المسلمين"۔

اور شیخ عوامہ نے کہا کہ:

"شیخ ابوالحسن کے اخلاص کی بات ہے کہ ان کی وفات پر حرمین شریفین میں لاکھوں افراد نے اور عالم اسلام کے مختلف ملکوں اور جگہوں پر لاکھوں لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی، اس پر خال معظم

نے کہا کہ یہ خصوصیت بھی ان کی ظاہر ہوئی کہ ان کی قبر سے رائحہ طیبہ آتی رہی۔"

شیخ عوامہ چونکہ شام کے ہیں، ان سے شام کے حالات پوچھے گئے تو بڑے کرب سے وہاں کے حالات بیان کئے کہ کہیں بھی ایسے سخت حالات نہیں آئے ہیں۔

آخر میں شیخ نے اپنی بعض تصنیفات کے تحفہ کے ساتھ رخصت کیا۔

ایک یادگار مجلس

مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور سے ملاقات ان کے مقام پر فندق ساعہ میں ہو چکی تھی، اور اس وقت ان کا درس حدیث چل رہا تھا جس میں عرب نوجوان تھے اور بعض ہندوستانی بھی تھے، کیرالہ کے استاذ انصاری اور بمبئی کے اسماعیل بھولا ندوی خال معظم کے ساتھ تھے اور حضرت نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا تھا، مدینہ منورہ میں خال معظم نے اجازت حدیث کے حصول کا شرف حاصل کیا، اور یہ شرف ان کے ساتھ اس مجلس میں بلال ماموں کو اور مجھ راقم کو بھی حاصل ہوا، حضرت شیخ الحدیث پر خاص کیفیت طاری تھی، اسم ذات کا ایک نعرہ بھی لگایا، اور اسی وقت کھجور آئے تھے لانے والے نے کہا کہ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے باغ کے ہیں، اس نعمت کا خیال فرما کر مولانا کو اور ان کے ساتھ ہم لوگوں کو بھی ایک ایک دیا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ایک عجیب بات اپنے دل کی خال معظم رحمہ اللہ کے متعلق یہ ظاہر کی کہ یہیں تم کو کچھ دینے کو جی چاہتا تھا، جی چاہتا تھا کہ تم کچھ وقت ہمارے پاس رہو، صاف محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت شیخ کو بڑی خوشی ہے، بعض طالبین نے مدینہ منورہ ومکہ معظمہ میں اور جدہ میں مولانا سے اجازت حدیث چاہی تو مولانا نے مولانا محمد یونس صاحب کے توسط سے بھی اجازت دی، اس طرح یہ نفع لازم سے متعدی ہوا۔

دینی شخصیات کی مجالس

مدینہ منورہ میں جن دینی شخصیات سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کا نام اس طرح سرفہرست ہے کہ تقریباً روز ہی ان سے ملاقات ہوتی، وہ خود منتظر رہتے تھے، اور مولانا اس کی فکر رکھتے تھے کہ ان سے ضرور ملیں، مسجد نبوی میں روضۂ اقدس کے پیچھے چند صفوں کے بعد چھتریوں کے قریب مولانا محمد طلحہ صاحب کا بیٹھنے کا اور پھر پیچھے سے ہی سلام پیش کرنے کا معمول تھا، نماز کے بعد تھوڑی دیر مولانا رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس بیٹھتے اور بعض دنوں میں رات کے کھانے پر بھی مدعو کیا، اور اس کے ساتھ ہم لوگوں کو بھی مدعو کیا، اور مولانا کے ساتھ ہم لوگ بھی فندق گئے جو مسجد نبویؐ کے بالکل پیچھے تھا، اس فندق میں شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب تشریف لے آئے تھے، وہاں بھی دو تین بار جانا ہوا اور ایک نشست اجازت حدیث کی ہوئی، جس کا ذکر پچھلی سطور میں آچکا ہے۔ ایک دن رات کو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مدینہ منورہ میں مقیم بعض نواسوں نے خال معظم رحمۃ اللہ کو اور ہم لوگوں کو شریک طعام کرلیا تھا، اور پرانے خاندانی تعلق کی بنا پر میز بانوں کو بڑی مسرت تھی، ایک روز بھائی ملک عبدالوحید صاحب بن مرحوم ملک عبدالحق مکی پشاوری نے ایک تقریب میں مدعو کیا، اس میں بھی مولانا محمد طلحہ صاحب نے خال معظم اور ان کی اہلیہ اور ہم سب افراد خاندان کو مدعو کیا، اور وہاں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے ممتاز خلیفہ مولانا ملک عبدالحفیظ مکی صاحب سے اچھی ملاقات رہی اور حضرت شیخ کے دوسرے خلیفہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی سے بھی اچھی ملاقات رہی اور انہوں نے بھی اظہار تعلق کیا۔

ایک دن معلوم ہوا کہ مشہور بزرگ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب بھی آگئے ہیں اور فلاں ہوٹل میں قیام ہے، مولانا سید نفیس اکبر صاحب ہسوی کے صاحبزادہ مولانا سید طلحہ بھیونڈی نے جو ان کے متوسلین اور خلفاء میں ہیں ان سے

ملاقات کا وقت نکالا، خال معظم اور ان کے ساتھ ہم لوگ ملنے گئے، بڑی اچھی مجلس رہی، اور مجلس کے اختتام پر پیر صاحب اپنے کمرہ سے باہر لفٹ تک چھوڑنے آئے، اور بڑا خیال فرمایا۔

ایک روز حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری کے صاحبزادے مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری نے اپنے مکان پر کھانے پر مدعو کیا، انہیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے اجازت وخلافت حاصل ہے، اس نسبت سے انہوں نے اپنے تعلق کا بہت اظہار کیا۔

ایک روز مشہور داعی اور مبلغ وخطیب مولانا طارق جمیل صاحب پاکستانی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے اپنے تعلق وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کی دعوتی تعلیمی فکری منہج نے ہم کو بہت متاثر کیا، اور ان خطوط کی روشنی میں جو انہوں نے بتائے ہیں ہم نے ادارے قائم کئے ہیں اور اس کا اچھا نتیجہ سامنے آرہا ہے، اور انہوں نے اپنے ایسے دس مدارس بتائے خال معظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کی فکر وکام کی طرف بھی متوجہ کیا۔ بعد میں فندق سے مسجد جاتے ہوئے جنید جمشید صاحب بھی ملے جو مشہور گلوکار رہے اور اب مولانا طارق جمیل صاحب کے ساتھ رہ کر مشہور داعی ومبلغ اور بہترین نعت خواں کے طور پر معروف ہیں، اور مولانا طارق جمیل صاحب نے خال معظم کو ایک عطر پیش کیا۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مصری استاد جلال حفناوی صاحب جامعہ کے اہم ذمہ داروں سے ملاقات کے لئے لے گئے، تا کہ فارغین ندوہ کے قیام کا یہاں نظم بن سکے، ان کے نزدیک اس سے بڑی دعوتی فوائد تھے، چونکہ جامعہ میں دنیا کے ہر خطہ کے لوگ زیر تعلیم ہیں، انہیں صحیح پیغام ملے گا تو وہ اس پیغام کو اپنے اپنے ملک میں پہنچائیں گے، اس کے لئے ندوہ کے فضلاء کا اچھی تعداد میں رہنا ضروری ہے، مگر کسی

پروگرام کی وجہ سے اہم ذمہ دار حضرات جامعہ میں نہیں تھے، جلال حقناوی صاحب اپنے شعبہ لے گئے اور پھر ظہرانہ کا نظم کیا، جو سید حسن عسکری طارق صاحب کے مکان پر ہوا۔

جناب عبدالرشید حیدرآبادی صاحب جو مسجد نبویؐ کے تعمیراتی کاموں میں اہم مشیر اور انجینئر ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سب کے میزبان ہیں، مولانا کو لانے لے جانے کی بھی خدمت انجام دیتے رہے اور مدینہ منورہ میں ہم لوگوں کے ایک بھوپالی عزیز سید عزیز احمد حسنی کراچوی صاحب اپنی گاڑی بھی بسا اوقات لائے لے جاتے رہے، اور ایک روز اپنے مکان پر بھی لے گئے، ان کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا ہے، ایک دن ایک تبلیغی حلقہ میں خال معظم رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب بھی رکھا، اور اس موقع پر ان لوگوں نے عشائیہ بھی دیا۔

جامعہ اسلامیہ کے ندوی طلبا بھی ملنے آئے، ان میں پربھنی کے عبدالوہاب ندوی کا مولانا سے پرانا تعلق ہے۔ مولانا معاذ ندوی اندوری (حال مقیم ملاوی) جو خال معظم کے رفیق درس ہیں کے صاحبزدگان بھی ملنے آئے، بعض حضرات نے اجازت حدیث بھی خال معظم سے لی، ان میں مدینہ میں مقیم حضرات اور بعض دوسرے ممالک کے لوگ بھی تھے، نام یاد نہیں رہے، البتہ ان میں ایک حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی کے پوتے بھی تھے۔

مولانا مفتی سید سلمان منصور پوری صاحب جو ہندوستان کے مشہور عالم اور مصنف ہیں اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے نواسہ کئی بار خال معظم سے ملے، مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب، مولانا سید ارشد مدنی صاحب بھی مملکت کی دعوت پر آئے تھے مگر مولانا کی ملاقات نہ ہوسکی، اور ہندوستان واپسی پر معلوم ہوا کہ کوریا کے عظیم داعی اور شامی عالم شیخ عبدالوھاب زاہد حلبی ندوی بھی مملکت کی دعوت پر آئے تھے، وہ خال معظم کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاذ رہ چکے ہیں، خال معظم مولانا سید سلمان حسینی ندوی بھی حکومت کے مہمان تھے، اس لیے ان کا سفر بھی مختصر تھا، ان

کے فندق ہم لوگ ملنے گئے، عشاء کا وقت تھا اور ان کو جدہ روانہ ہو کر وطن جانا تھا، انھوں نے وادئ جن جانے کی بڑی ترغیب دی۔

جن مقامات پر جانا ہوا ان میں مسجد قبا سب سے اہمیت کی حامل ہے، وادئ جن میں مولوی شمیم ندوی لے گئے، عجیب عجیب وہاں کے قصے سنائے، اور بغیر کسی سبب اس مقام پر گاڑی کے چلنے کا مشاہدہ ہم لوگوں نے بھی کیا۔ اس کے علاوہ جن مقامات پر جانا ہوا وہاں مولوی فیصل منظور ندوی جو الحاج ذکی صاحب بھوپالی کے داماد ہیں لے گئے، اور عہد اولیٰ کے بعض مقامات ایسے دکھائے جو جوں کے توں ابھی بھی ویسے ہی ہیں، جنت البقیع مولانا سید مشتاق علی ندوی قاضی بھوپال کے ساتھ جانا ہوا اور واپسی میں ان ہی کے فندق میں چائے نوش کی گئی۔ ایک شب کی بات ہے کہ مسجد نبوی میں سلام پیش کر کے اندر سے مغربی جانب صحن میں تھے کہ ایک دوسرے بھوپالی داعی عالم دین جو اب جاپانی القیام ہیں، مولانا ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خاں ندوی اچانک ملے، بڑے سوز گداز والا دل رکھتے ہیں، جاپان میں اسلام کی خوب اشاعت فرما رہے ہیں، نومسلم جاپانیوں کو جو دو سو کی تعداد میں تھے، حکومت سعودی عرب کی دعوت پر حج کے مقدس فریضہ کی ادائگی کے لیے لے کر آئے تھے، وقت تنگ تھا کہ ان مہمانان اسلام و مہمانان عرفات سے ملاقات نہ ہو سکی، لیکن بڑی دلسوز اور ایمان افروز مجلس رہی، دونوں ہی کا مشترک موضوع و مشترک کام اسلام کی تبلیغ و دعوت اور اسی کار دعوت کا دونوں پر غلبہ، اللھم زد فزد۔

جدہ کا سفر، کچھ ملاقاتیں اور کچھ خطابات

حج کے بعد اہل تعلق نے ملاقاتیں شروع کیں، مولانا اسماعیل بھولا ندوی ممبئ خود ہی آئے، اور اپنی اہلیہ کو گھر کی مستورات سے ملانے کے لیے لائے، مولوی عاصم اختر ٹونکی ندوی، مولانا عبد السلام بھٹکلی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، استاذ محمد

الانصاری ندوی کیرالہ، اور محفوظ حسین ندوی، عبد اللہ پرتا بگڈھی (سابق شیوم تیواری) کی زیادہ آمد ورفت رہی، اور ایک روز قاری افتخار پاکستانی جدہ سے ملنے آئے وہ بزرگ شخصیت ہیں، اور حضرت شاہ نفیس الحسینیؒ کے خلیفہ ہیں، رائے بریلی کے جدہ میں مقیم یوسف فاروقی صاحب (برادر ڈاکٹر جمیل فاروقی صاحب) بھی جدہ سے آکر ملے، اور بڑے تعلق کا اظہار کیا، فرمایا: مولانا عبداللہ حسنی کا معاملہ تو گھر کا ہے۔

اہم شخصیات سے ملاقاتیں حج کے بعد رکھی گئیں، اس کا بڑا مقصد دعوتی تھا، رسول اللہ (ﷺ) نے حج میں پوری انسانیت کو امت مسلمہ کے ذریعہ پیغام پہنچایا، ایک مومن کو اپنے داعیانہ مقام سے کسی لحظہ غافل نہیں ہونا چاہئے، جدہ کا سفر اسی خاطر اور قرابت داروں سے ملاقات کے لیے کیا گیا، جن اہم شخصیات سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں جدہ کے سفر میں اخوان المسلمون کے رہنما جو شیخ حسن البنا شہید کے ساتھ وقت گذار چکے ہیں، اور مصر کے ہیں، شیخ احمد محی الدین ان کا ایک دار الکتب ہے، اب وہ بقیہ عمر اسی اشاعتی و تصنیفی کام میں گزار رہے ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی نسبت و تعلق سے محبت سے پیش آئے، اور کہنے لگے "الشیخ ابو الحسن الندوی، یعتبر رائد من روّاد الفکر الاسلامی" اور کہا کہ:

> "اخوان چار پانچ شخصیات کو دعوت اسلامی کے فروغ کا بڑا سبب قرار دیتے ہیں: شیخ ابوالحسن الندوی (الهند)، استاذ ابوالاعلیٰ مودودی (پاکستان)، محمد محمود الصواف (عراق)، حسن البنا الشہید (مصر) اور کہا کہ کوشش ہمارا کام ہے، نتیجہ ہمارا کام نہیں ہے، شیخ ابوالحسن علی الندوی کی محبت ہر مسلمان کے قلب میں ہے، میں ان احتفالات میں شریک ہوتا تھا جن میں شیخ ابوالحسن الندوی خطاب کرتے تھے، ۱۹۵۱ء میں شیخ حسن البنا کی شہادت کے وقت میری عمر ۱۴-۱۵ سال تھی، مسلمانوں کا وطن

صرف ان کا ملک وشہر نہیں بلکہ جہاں کہیں مسلمان رہ رہے ہیں،
وہ ان کا وطن ہے۔"

شیخ احمد محی الدین سے مل کر خال معظم کو اور ہم سب کو خوشی ہوئی، اور بھائی طلحہ ندوی کو دعا دی کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا۔

اخوانی بزرگ شیخ احمد محی الدین مصری نے دینی کاموں اور دعوت وتعلیم کے لئے مؤسسات اقتصادیہ کے قیام کی طرف بھی توجہ دلائی۔

دوسری اہم شخصیت شیخ عبداللہ علی بصفر کی ہے جو اصلاً یمنی ہیں، لیکن اب سعودی ہیں، اور ان کی ایک اہلیہ ہندی اور نصیرآبادی ہیں یہ نصیرآباد ہمارے رائے بریلی کا نہیں بلکہ مہاراشٹر کا ہے۔ ہندوستانی علماء سے مل کر ان کو خوشی ہوتی ہے اور انہیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بڑا عقیدت مندانہ تعلق ہے اور الرائد کے دلدادہ ہیں، خال معظم حضرت مولانا کے پوتے اور الرائد کے مدیر اور خود ایک صاحب فکر ودعوت شخصیت تھے، یہ ملاقات شیخ کے دفتر جو **الهيئة العالمية لتحفيظ القرآن الكريم** کا دفتر ہے، جس کے یہ سربراہ ہیں، مولوی محمد علی شفیق ندوی نے کرائی جو ان کے اہم معاون بن گئے ہیں۔ شیخ علی بصفر مسجد جدہ کے امام وخطیب اور بین الاقوامی شہرت کے داعی ہیں، انہیں اپنی مسجد کے منبر سے ارکان سلطنت کو بھی خطاب ونصیحت کا موقع ملتا ہے، اور اپنی نمایاں حیثیت ومنصب سے والیان مملک کو نصیحت کا موقع حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کچھ دیر شیخ بصفر کے ساتھ گفتگو رہی، انہوں نے شیخ محمد الرابع الحسنی الندوی کا حال اور خیر وخبر معلوم کی، اور ندوۃ العلماء کی نشاطات سے واقفیت حاصل کی، خاص طور سے قرآن مجید سے متعلق ندوہ کی خدمات معلوم کرنی چاہیں۔

جدہ میں ہندوستانی شخصیات میں ایک صاحب دل طبیب ڈاکٹر سید اشرف الدین صاحب مدظلہ سے ملنا بھی ضروری تھا، ان کے مطب گئے، یہ حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی ندوی کے مجاز ہونے کے ساتھ حضرت صوفی اقبال مہاجر مدنی کے خلفاء میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، اور سالہا سال سے جدہ میں طبی خدمات میں مصروف ہیں، یہاں استاذ عبدالوہاب نورولی بھی ملنے آئے، یہ الندوة العالمية للشباب الاسلامي، ریاض سعودیہ کے الامين العام المساعد رہ چکے ہیں، اوراب ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے ساتھ ان کی عالمی تنظیم سے مربوط ہیں، اور جدہ میں جامعة الملك عبدالعزيز کے استاذ ہیں۔ ان سے نوردلی خاندان کے شیخ محمد نور اور شیخ محمد ولی کے حالات معلوم کئے، انہوں نے بتایا کہ شیخ محمد نور وفات پا چکے ہیں، اور شیخ محمد ولی صاحب فراش ہیں۔ ملحوظ رہے کہ شیخ محمد ولی نورولی ایک بزرگ شخصیت بھی ہیں، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مجاز وخلیفہ بھی ہیں، بارك الله فی حياته ونفع الأمة بطول بقائه۔

مولانا ڈاکٹر احمد علی ندوی صاحب بھائی طلحہ ندوی کے مکان پر جدہ میں ملنے آئے، یہ اپنی فقہی خدمات پر شاہ فیصل ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں، اور خال معظم کے ندوہ میں ہم درس رہے ہیں، اور حضرت قاری امیر حسن مظاہری مرحوم کے خلفاء میں بھی ہیں، بڑے ہی مصروف رہتے ہیں، مصروفیات میں سے کسی طرح وقت نکالا اور مکہ مکرمہ میں ملنے آنے کا وعدہ کیا، ان سے فون پر موبائل کے ذریعہ برابر رابطہ رہتا تھا، انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کی دیر تک تعریف کی، وہ بزرگ شیخ سعید طنطاوی ہیں جو شیخ علی طنطاوی کے بھائی ہیں، ان کے ورع وتقویٰ، اکل وشرب میں خاص طور سے احتیاط لوگوں کے اختلاط سے احتیاط کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ آج کے دور میں وہ درِّ یتیم ہیں، اور یہ بھی چاہا کہ ان سے ملاقات ہو، خال معظم کی بھی خواہش ہوئی کہ ملاقات کی جائے۔

مولانا علی احمد ندوی کا شیخ عبدالفتاح ابوغدہ سے بھی قریبی ربط رہا ہے، ان کے متعلق کہا کہ وہ صاحب نسبت بزرگ بھی تھے اور کہا کہ حضرت قاری صدیق احمد

صاحب باندوی نے ہم سے کہا تھا کہ شیخ کو ایک بار تھوڑا باندہ ضرور لے آؤ، ان کے صاحب نسبت ہونے سے ہمیں فائدہ پہونچا، مولانا علی احمد صاحب نے بتایا کہ وہ شیخ عیسٰی بہانوی سے وابستہ تھے، جوکہ نقشبندی مجددی شیخ تھے۔

اردوداں طبقہ سے ایک خطاب

عشاء بعد سلیمانیہ محلہ میں مفتی عمر شفیق ندوی اور مولوی عبداللہ ـــ جے پوری ندوی وغیرہ نے ایک پروگرام ترتیب دیا تھا جہاں کچھ طلباء نے اپنا پروگرام پیش کیا، ننھے منے بچوں کی زبان میں مختصر تقریریں اچھی لگیں، نظم، مناجات بھی پیش کی گئی، پھر خال معظم کا خطاب ہوا، انہوں نے فرمایا:

"اللہ نے ہمیں آپ کو ایسی پاکیزہ سرزمین میں منتخب فرمایا ہے، یہ وہ سرزمین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یہاں سے یہود ونصاریٰ کو ہٹادو، حضرات خلفاء راشدین نے اس حکم کو پورا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پس منظر میں یہ حکم دیا تھا اس کو حضرات خلفاء راشدین خوب سمجھتے تھے، اتالیق امت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی تھی، عربوں کو خطاب کرتے ہوئے کہی تھی کہ دھوپ میں تمہارا کام ہے اس سے اپنے کو جدا نہ کرنا، یعنی محنت کا عادی بن کر آرام کا عادی نہ بننا، فنون سپہ گری اور اپنے ہتھیار کو اختیار کرنا، دوسروں کے ہتھیار پر اعتماد نہ کرنا، آج ہم نے اپنی تہذیب وثقافت چھوڑ کر مغرب کی تہذیب اختیار کرلی، آج ہماری دوڑ صرف ریال کے لئے رہ گئی، کتنا کون کمالے، آج ہمارا حال بقول ہمارے حضرت مولانا ہوگیا ڈائننگ ہال، اور بیت الخلاء، یہاں سائن بورڈ کو دیکھ کر پتہ

چلتا ہے، مطاعم اور ملابس۔

یہود ونصاریٰ کو نکالنے کا مطلب تھا کہ یہود ونصاریٰ کے طریقے کو نکال دو، لیکن اس کا الٹا ہو رہا ہے، وہاں کی عریانیت وہاں کی شہوات وہاں کا طریقہ سب یہاں آرہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ کے طریقہ کی مخالفت کی بات کہی، لیکن بات موافقت کو پہنچ گئی، اور اس میں مناسبت کی نوبت آگئی ہے، گھروں کا حال خراب ہوتا جارہا ہے، اب وہ دور آگیا ہے کہ امین کو خائن اور خائن کو امین سمجھا جائے گا، جو جتنا پروپیگنڈہ کرے، اس وقت لوگ پروپیگنڈے پر چل رہے ہیں جبکہ اسلامی اصول تھا کہ: إن جاء كم فاسق بنبأ فتبيّنوا أن تصيبوا قوماً بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين. (سورة الحجرات:٦) ’’اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص آئے کسی خبر کو لے کر تو تم خوب تحقیق کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کچھ کسی قوم کے ساتھ کر بیٹھو اور پھر تم کو شمندگی ہو اپنے کئے پر‘‘، امانت کا بوجھ اٹھانے سے آسمان زمین پہاڑ سب نے معذرت کی، لیکن انسان نے سر اٹھایا اور کہا کہ میں اٹھاتا ہوں، اسے ظلوماً جہولاً کہہ دیا تا کہ نگاہ اللہ پر رہے، اللہ کے فضل پر رہے، اپنی طاقت اپنے ہنر پر نہ رہے، خود نہیں اٹھا سکتا، اللہ اٹھوائے گا، غور کرنے کی بات ہے، ہمارا پورا وجود اللہ کی امانت ہے، اگر ہمارے اندر احساس ذمہ داری ہے تو اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی، آج حال یہ ہے کہ امانت ادا کرنے کی کسی کو فرصت نہیں ہے، کھا کما رہے ہیں بس یہی کمایا

اس لئے جائے کہ رزق حلال کا حصول فرض ہے۔ جزیرۃ العرب کو پوری دنیا کے لئے نمونہ ہونا چاہئے تھا، ایسے دور میں جب فتنے ہوں گے جو ذرا بھی کام کرے گا وہ بہت آگے بڑھ جائے گا ع

ہم تو مائل بہ کرم کوئی سائل نہیں

اللہ کے یہاں وہ چیز مقبول ہے جس میں ملاوٹ نہ ہو، خالص اللہ کے لئے ہو، کام بڑھتا نظر آتا ہے، لیکن کام درحقیقت بڑھتا نہیں گھٹتا ہے، جو چیز ہو خالص ہو اور صحیح ہو، انسان کو اپنی خبر خود لینی چاہئے انسان کو اللہ نے ایسا بنایا کہ وہ خود اپنے کو خوب جانتا ہے۔

تین چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی بچ نہیں سکتا، حسد، بدظنی اور فال لینا، حسد کا علاج حدیث میں بتایا گیا کہ اس پر عمل نہ کرو، گویا ان کی حیثیت کھاد کی ہے، اوپر نہ آنے دو، بدبو پھیلے گی، اندر دبا دو کھاد کا کام دے گی، پھل پھول آئیں گے۔ اس لئے حسد پر عمل نہ ہونے دیا جائے، بدگمانی ظاہر نہ کی جائے، شگون لیا نہ جائے۔"

یہ خال معظم کے خطاب کے اہم مندرجات تھے جو جدہ میں ایک نشست میں کیا تھا، جس میں علماء اور اہل تعلق فوری طور پر جمع ہو گئے تھے، یہ اردو داں طبقہ تھا جس کا تعلق ہندوستان اور پاکستان سے ہے اور جدہ میں مقیم ہیں۔

قرابت داروں سے ملاقاتیں

حضرت مولانا عبداللہ حسنی کو عزیزوں اور قرابتوں کے حقوق کا ہر سفر میں خیال رہتا تھا، اور وہ صلہ رحمی کے ذریعہ بر والدین کا ثواب اور اس کے ذریعہ تقرب الی اللہ

حاصل کرنا چاہتے تھے، اور فرماتے تھے ابا جان یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جہاں جاتے عزیزوں، رشتہ داروں سے ضرور ملتے، اور ان کے یہاں جاتے، چونکہ جدہ میں کئی عزیز رشتہ دار مقیم تھے، ان میں جن کے گھر تھے ان کے یہاں مولانا تشریف لے گئے، جیسے سید محمد صابر حسینی صاحب جو ان کے والد کے ماموں زاد بھائی ہیں، اور فرید فریدی صاحب جو ان کے والد کی ماموں زاد بہن کے بیٹے ہیں، اسی طرح مولوی طلحہ ندوی حیدرآبادی کے گھر بھی گئے، جن کی اہلیہ مولانا کے والد کی ماموں زاد بہن کی پوتی ہے، جدہ میں اصل قیام جناب ضیاء عبداللہ عباس صاحب ندوی صاحبزادہ گرامی مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے یہاں رہا، جن کا تعلق کسی رشتہ دار سے کم نہیں ہے۔

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو

مکہ مکرمہ میں طواف کا معمول رات کا بنایا گیا تھا، عورتوں کو ساتھ لے کر طواف پر جاتا، یہی وقت مشہور بزرگ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب کے طواف کا بھی تھا، مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب کی مکہ مکرمہ میں بھی ان سے ملاقات ہو چکی تھی، ایک رات مطاف میں مولانا کو دیکھ کر پیر صاحب ہم سے ان کا پورا تعارف اور حضرت مولانا کی نسبت سے ان کا حال پوچھنے لگے، پھر فرمانے لگے ہمیں ان سے بڑی محبت محسوس ہو رہی ہے اور ہم نے ان کے لیے دعا کا معمول بنالیا ہے، اور سب کچھ معلوم کرنے کے بعد فرمانے لگے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے سب کچھ تو یہی ہیں، اور بھی باتیں پوچھتے رہتے اور ان کی طرف اپنی کشش کا اظہار کیا۔ پیر صاحب سے خال معظم ہوٹل میں ان کے کمرے میں بھی ملے تھے اور پیر صاحب کھانے پر مدعو کرنا چاہتے تھے، لیکن کوئی وقت خالی نہ تھا، اس لئے شکریہ پر اکتفا کرنا پڑا۔ پیر صاحب نے اپنی ایک کتاب سوئے حرم جو مسافران حرم کے لیے ان کے خطابات کا مجموعہ ہے، مولانا مرحوم کی خدمت میں پیش کی، اور مولانا مرحوم

نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بعض کتابیں ارکان اربعہ اور دستور حیات وغیرہ پیش کیں، پیر صاحب بڑے ہی ممنون ہوئے۔

ایک یادگار مجلس

کعبہ مشرفہ کے سامنے ایک روز ظہر کی نماز کے بعد مشائخ وربانیین کا بڑا اچھا اجتماع مطاف کے اوپر تر کی منزل پر بغیر کسی پروگرام کے اچانک ہوگیا، حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب ہردوئی، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی، حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب، حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی اور خال معظم سبھی اقطاب جمع تھے، اور کچھ ہم نیاز مند بھی ہم نشست تھے، مولانا بلال حسنی ندوی، مولانا قطب الدین مظاہری اور مولانا طلحہ صاحب کے خادم ورفیق مولوی محمد اویس گجراتی، اور مولانا عبدالعلیم ندوی تھے وغیرہ، کچھ گفتگو کے بعد دعا کی بات آئی، حضرت حکیم صاحب نے کہا بھائی طلحہ دعا کرائیں گے، چنانچہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم نے دعا کرائی، اور جلد ہی مجلس برخواست کردی گئی، حضرت قاری صاحب سب سے بعد میں گئے، ان کی وہیل چیئر ادھر ادھر ہوگئی تھی، خال معظم اور ان کے ساتھ بلال ماموں اور راقم الحروف حضرت قاری صاحب کے پاس ان کے اٹھنے تک رکے رہے اور ان کی برکات صحبت سے محظوظ ہوتے رہے، حضرت قاری صاحب نے اپنے تعلق کا مولانا عبداللہ حسنی صاحب سے اظہار کرتے ہوئے کہا آپ لوگ چاہیں یا نہ چاہیں ہمیں تو آپ لوگوں سے محبت ہے پھر خال معظم بھی اپنے مقام پر چلے گئے۔

ایک مبارک ساعت

ایک مبارک ساعت غسل کعبہ کی تھی، ۱۵ محرم الحرام کو یہ مبارک عمل انجام پاتا ہے ہم لوگوں کو تاخیر سے معلوم ہوا، چونکہ جمعرات جمعہ چھٹی ہوتی ہے اور سنیچر کو تقریب تھی، رئیس شؤن الحرمین الشریفین شیخ صالح بن عبدالرحمٰن الحصین کا ندوہ اور

اکابر ندوہ سے جو تعلق ہے خاص طور سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے جو قدیم نیاز مندانہ اور بڑا ہی مخلصانہ ومحبانہ تعلق رہا ہے اوران کی بعض کتابوں کو بہت بڑے پیانہ پر شیخ حُصَیّن نے عام بھی کرایا ہے، اس کی وجہ سے اجازت نامہ ملنا کچھ مستبعد نہ تھا مگر ہم لوگوں کو خیال دیر میں آیا ادھرادھر سے کوشش کی بعض احباب نے کی جو کارگر نہ ہوئی اس لیے کہ دفاتر بند تھے، اور یوم السبت کو علیٰ الصباح مبارک عمل انجام پانا تھا، مگر یہ حسن اتفاق تھا کہ عشاء کی نماز بدھ کو شیخ حصین نے باب ملک عبدالعزیز سے داخل ہو کر جہاں انھیں جگہ مل گئی قریب ہی پڑھی، نماز سے جب وہ فارغ ہوئے تو ملاقات کا شرف ہم لوگوں نے حاصل کیا، خال معظم سے بڑے تعلق سے پیش آئے، اور ہم لوگوں نے بھی ملاقات کی سعادت حاصل کی، وہ ایک زاہد اور بڑے ہی متواضع شخص ہیں جبکہ ان کا مرتبہ وزیر کا ہے۔(۱)

بھائی عبیداللہ اسحاقی بھٹکلی ندوی نے جو عرصہ سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں اپنے طور سے شیخ سے عرض کیا مگر شیخ کو بہت افسوس ہوا کہ کاروائی کا وقت نکل چکا ہے، اور ضابطہ سے اب اس کا موقع اس بار نہیں مل سکتا تھا، البتہ شیخ نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء اور مشائخ ندوہ سے اپنے تعلق ومحبت کا اظہار کیا، اور بڑی شفقت ومحبت سے پیش آئے۔

ضابطہ سے ہٹ کر رابطہ کی ایک شکل اختیار کیے جانے کا موقع باقی تھا وہ یہ کہ کلید بردار کعبہ شیبی صاحب کے ساتھ جو ہو لے اس کو روکا نہیں جاتا،

برادرم محمد ابوبکر مکی جو مکہ میں ہی مقیم ہیں، اور اس طریقہ سے داخل کعبہ مشرفہ ہو چکے ہیں، خال معظم کو بھی اسی طرح لے جانا چاہا لیکن ان پر یہ ورع وتقویٰ کی کیفیت غالب آئی کہ یہ بے اصولی کا طریقہ ایک بڑے شرف کے لئے ہے، یہ طریقہ اختیار کرنا شاید

(۱) افسوس کہ شیخ صالح الحصین چند ماہ کے بعد اپنی علالت کے باعث مستعفی ہو گئے اوران کی سبکدوشی کو ایک سال بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وتقبل منہ حسناتہ و خدماتہ ونصرتہ للدین والإسلام والمسلمین.

صحیح نہ ہو، اور دوسری طرف زحام جس سے دوسروں کو اذیت پہنچ رہی ہے اور ایذاء مسلم حرام ہے، چنانچہ وہ زینہ پر پہونچ کر واپس ہوئے، ایسی باریک باتوں پر نظر ہر ایک کی کہاں جاسکتی ہے، یہ ان کے باتوفیق ہونے کی بات ہے۔ بہرحال غسل کعبہ کا یہ منظر باہر سے دیکھا گیا، مستورات نے بھی دیکھا، حضرت پیر صاحب نقشبندی نے اس موقع کا تجربہ سنایا کہ ہم نے دعا کی قبولیت کا تجربہ کیا ہے، اور سال میں دو بار ایسا ہوتا ہے اور وہ اس موقع پر یہاں ضرور ہوتے ہیں۔

خال معظم کا رجحان یہ تھا کہ یہ بات عام کرنے کی نہیں ہے، اس لئے کہ مواقع دعا میں اس کا ذکر احادیث میں نہیں آتا، عوام اس کا ٹمپریچر سمجھیں گے نہیں اور اپنے لئے ضروری کرلیں گے، بدعت کے سلسلہ میں اتنی حساسیت کہ اس کے خدشہ سے خوف ہو، یہ چیز اس موقع پر دیکھنے کو ملی۔ برادرم محمد مکی بیت اللہ شریف داخل ہوگئے تھے، اور ہم سب مولانا بلال صاحب، مولوی عبید اللہ بھٹکلی، محمد الانصاری کیرالا، حالانکہ کلید بردار کعبہ شیخ عبد القادر شیبی کے ساتھ چلے تھے، جو شیخ عبد العزیز شیبی کے جانشین ہوئے ہیں، اسی خیال سے قریب جاکر لائن سے باہر آگئے، اور سامنے سے منظر دیکھا، اور آنکھوں کو اور جذبات کو اس شرف وسعادت میں شریک کیا، اور اس پر زیادہ اجر وثواب کے امیدوار ہوئے، کہ "نية المؤمن خير من عمله" (شعب الايمان للبيهقي: ٦٨٦٠) پتہ نہیں عمل میں آداب میں کہیں کوتاہی ہوجاتی تو وہ نقصان دہ ہوتا، خال معظم کا اختیار کردہ عمل تعظیم شعائر اللہ کے ساتھ ہے، اور یہ ان کے قلب کی پاکیزگی کا نتیجہ تھا، اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے "ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب" (الحج: ٣٢)۔

ایک مبارک تحفہ

حیدرآباد کے جناب مصلح الدین صاحب نے وکیل وزارۃ الحج شیخ حاتم القاضی سے ملاقات کا پروگرام بنایا، یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے

بڑے عاشق اوران کی کتابوں کے دلدادہ ہیں، ان کو پہلے سے اطلاع نہ تھی اچانک اطلاع ہوئی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا نام سن کرفوراً اندر بلالیا، وزارۃ الحج کے مکہ کے دفتر میں ملاقات ہوئی، اور کچھ تبادلہ خیال ہوا، اختتام مجلس پر وہ ایک کونہ میں شیشہ کی کھڑکی کے پاس لے گئے، جہاں سے غار حرا نظر آرہا تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت کے دن رات گزارے تھے، اور پہلی وحی وہاں اتری تھی، شیخ حاتم القاضی نے خال معظم سے دعا کے لئے کہا کہ یہ مبارک جگہ سامنے ہے آپ دعا کرائیے، انہوں نے دعا کرائی اور سب نے آمین کہا، اور تحفہ کے طور پر کعبہ مشرفہ کے غلاف کے ٹکڑے شیخ حاتم حسن القاضی وکیل وزارۃ الحج للمملکۃ نے خال معظم اوران کے ہم سب رفقاء کو پیش کئے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے تعلق سے بحیثیت ذمہ دار کے ان کی بات بڑی اہمیت کی حامل تھی جس کا انہوں نے اظہار کیا میں وہ منظر بھول نہیں سکتا جب شیخ ابوالحسن کے ہاتھ میں کعبہ کی کنجی تھی اور وہ دروازہ کھول رہے تھے، یہ شرف کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا، یہ کلید بردار کعبہ کا کام ہے جسے وہی انجام دیتا ہے۔

شیخ حاتم القاضی کا بعد میں فون آیا وہ خواہش مند تھے کہ مولانا ان کی دعوت طعام قبول کریں، مولانا نے شکریہ کے ساتھ معذرت پیش کی۔

مجلس ذکر

مدینہ منورہ کی ملاقات میں حضرت مولانا ملک عبدالحفیظ صاحب مکی مدظلہ نے مکہ مکرمہ میں مجلس ذکر میں شرکت کی دعوت دی تھی، خال معظم ایک روز وہاں گئے، حضرت مولانا طلحہ صاحب بھی تھے، کھانا بھی ساتھ کھایا، اور ملک عبدالحفیظ مکی صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ کے ارشد تلامذہ اور کبار خلفاء میں ہیں خاندان پیشاور کا ہے اوراپنے والد کے زمانہ سے مقیم اور مکی ہیں۔

انجینئر عبدالمنان صاحب پشاوری کی عنایتیں

انجینئر عبدالمنان صاحب کو اللہ نے بہت نوازا ہے، مسجد حرام بیت اللہ شریف کے تعمیراتی کام میں وہ طویل عرصہ سے متعلق ہیں، اور اہل اللہ کو ان کی بہت توجہات حاصل رہی ہیں، حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے بڑے خلفاء میں ہیں اور حضرت مولانا اشرف سلیمانی پشاوری کی انہوں نے بڑی خدمت کی اور ان دونوں کے خلیفہ ہیں اور سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ قادریہ میں حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی نے بھی اپنا مجاز کیا ہے، ان کے حلقہ میں ترکی، افغانستان، برما، پاکستان، ہندوستان بلکہ چین تک کے لوگ اور علماء ومشائخ خاص طور سے بیٹھتے ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مکہ مکرمہ حاضر ہوتے تھے تو حضرت کی خدمت اور حرم لانے کی سعادت وہیل چیئر کا نظم وغیرہ کر کے حاصل کرتے تھے اور مکہ مکرمہ میں حضرت کا قیام مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کے مکان شارع منصور میں ہوتا تھا، اس کے پڑوس میں ان کا مکان بھی ہے، ایک دن وہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی اور مولانا بلال حسنی صاحب اور راقم وغیرہ کو اپنے یہاں عصر بعد کی مجلس میں لے گئے، مغرب کی نماز میں حرم پہونچ گئے، انجینئر صاحب مغرب وعشاء کی نماز حرم میں ہی پڑھتے ہیں اور ان کی خاص جگہ میزاب رحمت کے سامنے ترکی منزل پر ہوتی ہے، چند ملاقاتوں میں خال معظم رحمہ اللہ سے ان کو بڑا تعلق بڑھ گیا خاص طور سے وہ ان کی غ مسلموں سے تعارف اسلام کی کوشش سے متاثر تھے اور ان کی خدمات کے قدردار ما کے علماء اور مشائخ بھی ملے، ان سے مولانا کو برما آنے کی دعوت دینے کو کہا اور کہا کہ ہم بھی پہونچیں گے، مگر پروگرام کا وقت آنے پر برما کے حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ پروگرام میں جانا ممکن نہ رہا۔

آخری دنوں میں حرم سے استفادہ کے مواقع

سفر کا نظام کچھ اس طرح بنا تھا کہ ہم لوگوں کی واپسی بالکل آخر میں تھی، اور

مدینہ منورہ حج کے فوراً بعد جا کر آخر کا قیام مکہ مکرمہ کا رکھا گیا اور اس کا خوب فائدہ محسوس ہوا، خاص طور سے رات میں اپنا موقع مل جاتا کہ حجر اسود کا بوسہ بہ سہولت دے لیا جائے، اور انتظامیہ نے یہ ترتیب قائم کر کے رات کے ایک حصہ میں مردوں کی قطار الگ اور عورتوں کی الگ بنا کر مستورات کے لئے بھی آسان کر دیا۔ چنانچہ گھر کی مستورات کو یہ مواقع بہ سہولت حاصل ہو گئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت غنیمت جا کر اور ہم سب لوگ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے، مولانا نے اس پورے سفر میں خالہ جان کو یعنی اپنی اہلیہ محترمہ کا جو خیال رکھا وہ قابل تقلید تھا، انہیں اس تعلق سے بھی سنت نبوی کا خوب استحضار رہتا تھا۔

مکہ مکرمہ میں بھٹکل ہاؤس میں جہاں بھٹکل کے پاشاوانیہ صاحب حج وعمرہ پر لوگوں کو بھٹکل سے لاتے ہیں، اور ان کے معاون بھٹکل کے انصار صاحب ہیں ان دونوں نے خوب خیال رکھا، معلوم ہوا کہ بھٹکل کے سکری صاحب وجے واڑہ میں رہ کر یہاں کا خوب ثواب حاصل کرتے ہیں اور اس کی طرح طرح کی شکلیں اختیار کرتے ہیں، فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدارین. اس بھٹکل منزل سے حرم شریف قریب تھا، ۶-۷ منٹ سے زیادہ نہیں لگتے تھے، پیدل ہی آتا جاتا تھا، اور رکن یمانی اور حجر اسود کی جانب سیدھا راستہ جاتا تا، اس لئے چڑھائی وغیرہ کی بھی پریشانی نہ تھی اور یہ سب سہولتیں حاصل ہوئیں، اور بھٹکل والوں نے جو سلوک کر سکتے تھے وہ کیا۔

جب جانے کا وقت آیا تو سامان وغیرہ بھی سیٹ کرنے وہی لوگ آ گئے، مولانا سید عبید اللہ حسینی صاحب جو مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں اور خال معظم کے ہم عمر اور رشتہ میں بھائی ہیں، بڑے معاون ہوئے، مولوی عبید اللہ اسحاقی ندوی بھٹکلی بھی آئے، مولوی یحییٰ نعمانی ندوی بھی آئے، کیرالا کے مولوی انصاری ندوی بڑا خیال رکھتے تھے، کئی کیرالا والوں کو لائے اور بیعت کرایا۔ نومسلم عبد اللہ پرتاپ گڑھی کی حج کے سفر میں ساتھ رہنے کی بڑی تمنا تھی وہ ان کے بڑے مخلص خادم و رفیق ہیں، فلائٹ اور قیام کا نظم ایک ساتھ

نہ تھا، لیکن مکہ مکرمہ میں وہ روز ملنے آتے ہیں اور کچھ وقت خاص گذارتے، اور مولوی اسماعیل بھولا ندوی نے بمبئی سے اپنا نظام مولانا کے نظام کو دیکھ کر انہی تاریخوں میں بنایا، وہ بھی آئے اور استفادہ کرتے رہے، ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین بھی بڑا خیال فرماتے، اور ایک دن ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں ندوی فضلاء نے دعوت کا اہتمام ایک مطعم میں بڑی فراوانی سے کیا، جدہ کے لوگوں میں مولوی طلحہ ندوی حیدرآبادی، ضیاء عبداللہ ندوی، فرید فریدی بھائی نے دعوتیں کیں۔ بہر حال جو جس طرح کرسکتا تھا اس نے کیا، اللہ سب کو خوب جزائے خیر دے، خال محترم مولانا سید صہیب حسینی ندوی بھی حج کی سعادت سے مشرف ہو کر ہجوم کم ہونے کے بعد ملنے آئے۔

سفر مکمل ہوا

وسط محرم الحرام ۱۴۳۴ھ کا وقت مکہ مکرمہ میں گزار کر خال معظم اس تمنا کے ساتھ واپس ہوئے کہ پھر جلد ہی عمرہ کے سفر پر آئیں گے، اور دعوتی تقاضوں کو بھی پورا کریں گے، جس کی اس سفر میں بہت ضرورت محسوس ہوئی، لکھنؤ میں استقبال کے لئے اعزا و اقرباء اور احباب واہل تعلق ایئرپورٹ آئے، خال معظم نے دعا کرائی اور بعد میں مولانا بلال حسنی صاحب نے بھی دعا کرائی، مستورات کے حج ہونے سے سب کی خوشی دوبالا تھی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مالک حقیقی کے بڑے شکر گزار تھے کہ اس نے ہر ہر موقع پر بلا استحقاق نوازا، غیب سے راستے نکالے، رجوع الی اللہ اور انابت کے مواضع ایسی ایسی جگہوں سے فراہم کیے جہاں دھیان نہیں جاسکتا تھا، ایک مرید صادق کے واقعہ نے بھی مولانا کو متاثر کیا جو طلب صادق لے کر حرم کے اندر بیعت کے متمنی ہوئے اور ان کی تمنا پوری ہوئی، مولانا فرماتے تھے ان کی سچی طلب کا اثر ہم نے دل میں صاف محسوس کیا اور رقت وانابت کی کیفیت حاصل ہوئی، یہ صاحب اصلاً غازیپور

کے رہنے والے ہیں، حرم شریف کی برکات وانوار کے حصول کے لیے یہاں آکر فندق سائمہ مکہ میں ملازم ہوگئے ہیں اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے کہ وہیں سے کعبۃ اللہ کی زیارت کرتے رہتے ہیں، اور باقی طواف وغیرہ کا خوب حوصلہ رکھتے ہیں، اور بھی لوگ بیعت ہوئے، حدیث کی اجازت کچھ نے مسجد نبوی میں حاصل کی اور کچھ نے مکہ مکرمہ اور جدہ میں حاصل کی، مکہ مکرمہ میں ایک پاکستانی نوجوان محمد ابوبکر مکی (مقیم مکہ مکرمہ) اور جدہ میں شیخ خالد الحکمی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا نے وطن واپس آکر بھی ان محسنوں اور معاونوں کو یاد رکھا جو اس سفر میں پیش پیش رہے، اور ان کے ساتھ سلوک بھی روا رکھا، بھٹکل کا سفر ہوا تو پاشا صاحب کے دفتر (مکتب) بھی گئے جو ان کا ٹریول سنٹر ہے، اور دعا کرائی، اسی طرح التمش صاحب جنھوں نے سب سے پہلے مکہ میں پناہ دی تھی اور جدہ میں جناب ضیاء عبداللہ صاحب اور بھائی طلحہ ندوی صاحب نے جو قیام کی صورتیں فراہم کی تھیں اور مدینہ طیبہ میں بھائی عبدالرشید صاحب نے جس طرح اپنا مکان پوری طرح حوالہ کردیا تھا اور طارق حسن عسکری صاحب نے جو تعلق ظاہر کیا ان سب کے برتاؤ کو یاد کرتے اور چاہتے کہ کس طرح ان کے احسانات کا بدلہ دے دیں، لکھنؤ کے اہل تعلق کے متعلقین نے جو سہولت پہنچائی تھی جدہ میں ان کی خاطر میں ایک دن ان کے مکان پر بھی تشریف لے گئے جو وسیم فاروقی صاحب کا سمدھیانہ ہے، معلم کے مسائل کے تعلق سے ان کی خدمات لی جاتی رہی تھیں۔

وطن واپسی پر دو خاندانی صدمات سے دوچار ہونا پڑا، ایک مولانا سید احمد علی حسنی ندوی کا سانحۂ وفات جو دوسرے ہی دن پیش آیا، اور اس کے دو ہفتہ کے بعد مولانا مرحوم کے پھوپھا (راقم کے دادا) سید محمد مسلم حسنی کا سانحۂ ارتحال ان دونوں نے بڑے تعلق سے مولانا مرحوم کو رخصت کیا تھا، اور ان کی علالت کی خبر سن کر قیام حرمین شریفین میں بھی خوب دعائیں کی تھیں، اللھم اغفر لھم وارحمھم۔

خاص بات یہ بھی رہی کہ حرم شریف میں حضرت قاری امیر حسن صاحب نوراللہ مرقدہ اور حضرت کلیم اللہ صاحب مدظلہ کا نیاز حاصل ہوتا رہا، اور ان کی منزل میں بھی اس کے علاوہ دو دعوتوں میں انہوں نے شریک کروایا، ان کے بخارا کے مکی خلیفہ شفیق بخاری کے مکان پر اور ایک قاری خلیق اللہ صاحب کی طرف سے ان کے بیٹے مولوی محمد ندوی کے مطعم میں اور دونوں جگہ روحانی غذا کا بھی سامان رہا، اور بڑی روح پرور مجلسیں بھی ہوئیں، ایک جگہ خواتین بھی ساتھ میں تھیں، اور ایک جگہ ہم چاروں مولانا سید عبداللہ حسنی اور مولانا جعفر مسعود حسنی، مولانا بلال عبدالحی حسنی اور راقم ان بزرگوں کے ساتھ تھا۔

ساتواں باب

دعوت واصلاح اور تعلیم وتربیت

ادائے حقوق کا خیال اور اس کی دعوت

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں شروع سے جو چیز ودیعت تھی وہ ادائے حقوق کا خیال اور اس کی دعوت، اس کی وجہ سے وہ اپنے متعلقین، پڑوس، محلہ، ادارے جس کی ان کی وابستگی ذمہ دارانہ رہی ہو یا خادمانہ، کی فکر رکھتے اور کوئی ایسی بات محسوس کرتے جس سے کسی فرد بشر کا نقصان ہو رہا ہوتا دیکھتے یا ادارے میں خیانت کرتے کسی کو پاتے اگر وہ خود ذمہ دار ہوتا تو پہلا مرحلہ تفہیم وتلقین کا اختیار کرتے ورنہ کارروائی کرتے، اور اگر ذمہ دار نہ ہوتے تو ذمہ داروں تک بات پہنچانا ضروری سمجھتے، اور پھر معاملہ کو اللہ کے حوالہ کر دیتے۔ اسی طرح کسی کو تارک صلوۃ دیکھتے تو تنبیہ کرتے، اور گھر میں رہ کر کسی کو اس جرم کا مرتکب پاتے تو صاف کہہ دیتے نماز چھوڑ کر آپ ہمارے گھر میں نہیں رہ سکتے، اور ایک آدھ کو تو گھر سے باہر کر ہی دیا۔ ان کو حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا طریقہ اس میں بہت پسند تھا اور دعوت واصلاح اور تلقین وتربیت میں وہ اس سے بہت فائدہ اٹھاتے نظر آتے تھے، اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی طرف سے مجاز ہونے کے بعد یہ احساس ذمہ داری اور بڑھ گیا تھا، اور اصلاح وتربیت کے میدان میں باقاعدہ قدم رکھ

دیا تھا، مجلسی افادات، انفرادی ملاقات، اجتماعی پروگراموں میں تقریر وخطاب اور دوسرے ذرائع سے وہ اس کا کام لیتے، ان کو کبھی کثرت اور کمیت کا خیال نہیں آیا، انہیں ہمیشہ کیفیت کی فکر رہی، وہ چھلکے کو نہیں، مغز کو دیکھتے تھے، وہ لباس کو نہیں دل کو دیکھتے تھے، ان کا حال آخر میں بالکل وہی ہوگیا تھا جو حال مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ مصلح کا بیان کیا ہے کہ ''وہ رسوم ومظاہر سے اور سلسلہ کی توسیع واشاعت سے مستغنی ہوکر اور ان سے صرف نظر کرکے اصلاح وتربیت کے کام میں سرگرمی کے ساتھ مشغول تھے اور ولا یخافون لومۃ لائم پر پورا عمل تھا، ظاہر کے بجائے باطن پر، قشر کے بجائے لُب پر اور جسم کے بجائے جوہر پر نظر تھی، مسلمانوں کی زندگی، امراض باطنی، معاشرہ کی خرابیوں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اصطلاح میں غوائل رسوم پر گہری نظر تھی۔''

اس کا نتیجہ بھی وہ ظاہر ہونے لگ گیا تھا جو مولانا نے ان بزرگ کے حال کا اثر لکھا ہے کہ:

''آپ کی مجالس میں شریک ہوکر صرف حلاوت ایمانی، اور ذوق عبادت اور خیال آخرت ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، بلکہ اپنی کمزوریوں کا اور اپنی مخصوص بیماریوں کا بھی احساس ہوتا تھا اور وہ ان مجالس سے محض اطمینان لے کر نہیں اٹھتے تھے، اصلاح حال کا خیال، اپنی خامیوں کا احساس اور اپنی پچھلی زندگی پر ندامت بھی لے کر واپس ہوتے تھے، جو اہل اللہ کی مجالس اور مصلحین امت کی خدمت میں حاضری اور مجلسوں میں شرکت کا اصل فائدہ اور ثمرہ ہے۔''

اس کے ساتھ دوسرا حال جو خود حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ نے ایک دوسرے داعی بزرگ کا لکھا ہے، کبھی غالب ہوتا نظر آتا کہ:

"ان کو اپنے شیخ و مربی سے وہ کیفیت قلبی وہ بے چینی اور امت کے حال پر شفقت، افراد امت کی اصلاح کی فکر اور تڑپ کی وہ نسبت حاصل ہوئی جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف خاص اور ادائے ممتاز ہے، اسی نے ان کو پہاڑوں، جنگلوں اور دشوار گزار وادیوں میں پھرایا، ارتداد سے متاثر علاقوں میں جان کو جوکھم میں ڈال کر گھمایا، روٹھے ہوئے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرانے کا سبق دیا، نہ جانے کتنے بندگان خدا اللہ کے اس نیک بندے کے ذریعہ اللہ تک پہونچے اور ان کو ہدایت نصیب ہوئی۔"

ان بزرگ کے اس حال نے جس کا مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے ذکر کیا ہے ان کو ان کے اس وصف کے ساتھ متاثر کیا، اور اس کو انہوں نے اختیار کرنے کی بھی کوشش کی، خود وہ ان کا حال ذکر کرنے کے بعد ان کا یہ وصف لکھتے ہیں کہ:

"ہر مرتبہ جس چیز نے متوجہ کیا وہ حضرت کی بے نفسی، بے چینی، فکرمندی، استغنا اور اخفاء کا حال تھا، جو خانقاہ رائے پور کی خاص سوغات اور شان امتیاز رہا ہے۔"

آخر الذکر یہ بزرگ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری ہیں، جو کہ ایک داعی مصلح مربی بزرگ تھے، اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خلفاء وخدام میں نمایاں مقام کے حامل ہوئے۔

مکمل اسلام کی دعوت

اسی طرح مولانا میں مکمل اسلام کو اختیار کرنے کا جذبہ اور اس کی دعوت کا ہر دم خیال غالب تھا۔ اور جب وہ دیکھتے کہ اسلام کی بعض چیزوں کو تو اختیار کیا جا رہا ہے

اور بعض کو چھوڑا جا رہا ہے، یا اپنے مقصد اور نصب العین کے حصول کے لیے غلط روش اختیار کر کے جادۂ حق سے ہٹا جا رہا ہے تو پھر وہ شمشیر برہنہ بن جاتے، انہوں نے عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی صحبت اٹھائی تھی، ان کا انہوں نے وصف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ایک امتیازی وصف حضرت والا کا استسلام کامل اور سپردگی مطلق ہے کہ جہاں چوں وچرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چھوڑ دے چوں و چرا تجویز سے کیا کام ہے
ہے وہی فائز جو ترا بندہ بے دام ہے

حدیث میں بھی اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اگر ایسا کر لیتے ویسا کر لیتے، شیطان کے دروازے کو کھولنا ہے، مسلم اسی کو کہتے ہیں اپنی تجویز سے دستبردار ہو جائے، اللہ ہی پر نظر ہو، اسی کی پسند کو اپنی پسند بنا لے، اس کی مرضی ہر وقت اپنے پیش نظر رکھے، یہی محبت حقیقی کا تقاضہ اور لازمہ ہے، اس سے وہ استقامت نصیب ہوگی کہ قدم جادہ شریعت سے ہٹنے نہیں پائے گا، اور ہر حال میں وہ راضی اور خوش رہے گا، حضرت فرماتے ہیں

بے کیفی میں بھی میں نے تو ایک کیف مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے جاتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے(۱)

اور اس کے برخلاف روش اختیار کرنے کو حضرت پرتاپ گڑھیؒ کے ایک

---

(۱) نمونۂ سلف از مولانا شمس الحق ندوی، صفحہ: ۲۰۰-۲۰۱

شعر سے تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کے برخلاف جو منافقانہ روش اختیار کرتے ہیں اور ان کو شریعت وسنت کا بالکل خیال نہیں ہوتا وہ صرف دنیوی مال ومتاع کی خاطر ہر کام کرنے کو تیار رہتے ہیں، زہد وتصوف کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں، ان کے منافقانہ کردار کو بیان کر کے یہ شعر پڑھا

صفت مومن کی یہ ممکن نہیں ہے حق سے ٹل جانا
منافق کی صفت یہ ہے کہ ہر سانچے میں ڈھل جانا

اور غلط روش اپنانے والے صوفیوں بلکہ ڈھونگیوں کے حال پر فریب سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا

حال تیرا جال ہے مقصود تیرا مال ہے
کیا خوب تیری چال ہے لاکھوں کو اندھا کر دیا(۱)

عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ جن کی صحبت اور توجہات حضرت مولانا عبداللہ حسنی کو خوب حاصل ہوئیں، اس سلسلہ میں بھی مولانا نے ان سے بڑا استفادہ کیا، چنانچہ ان کا حال یہ ہو چلا تھا کہ ان باتوں پر وہ نہ صرف نکیر فرماتے بلکہ پوری صاف گوئی سے اس سے بھی کہہ دیتے اور دوسروں کو بھی اس کے شر سے بچنے کے لئے ہوشیار رہنے کو کہتے۔

ملت اور انسانیت کا درد

ملت اور انسانیت کا درد جو خاص نبوی وراثت ہے، مولانا اس کے بھی وارث تھے، اور اس سلسلہ میں انہوں نے جو دورے کیے، اور لوگوں کو علاقوں علاقوں میں بھیج کر ہدایت کی طرف لانے اور گمراہی سے بچانے کی جو فکر کی، اور مختلف زبانوں میں لوگوں کو

(۱) نمونۂ سلف از مولانا شمس الحق ندوی، صفحہ:۲۰۱

تیار کیا، اس میں ایک طرف تو ان کے پیش نظر محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا طرز تھا کہ جو اپنے مریدین کو پہلے اپنے پاس رکھ کر اس کے لئے تیار کرتے، اور ظاہری علم کے ساتھ باطنی دولت سے بھی آراستہ و پیراستہ کرتے اور پھر جس علاقہ میں زیادہ ضرورت محسوس کرتے وہاں جانے کو کہتے، اس طرح ملک کے مختلف حصوں میں ان کے اور ان کے خلفاء کے بھیجے ہوئے لوگ جا کر بیٹھ گئے، اور تعلیم و تربیت اور ہدایت خلق کے کام میں لگ گئے، اور ان کے لئے طریقہ محبت و انسانیت کا اختیار کیا، اور لوگ قریب ہوتے گئے، اور لوگوں کے قلوب حرارت ایمانی سے گرمانے لگے۔

اسی طرح امیر المؤمنین سید المجاہدین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ان کے سامنے تھا کہ انہوں نے بعض ان اصحاب ایمان و یقین افراد میں داعیانہ جوہر دیکھ کر انہیں میدان جہاد سے واپس بھیج دیا یا جہاد کی نیت سے آنے والے بعض حضرات کو دعوت و اصلاح کے کام میں لگنے کو کہا، اور علاقہ بھی متعین کر دیا، جیسے حضرت مولانا کرامت علی جونپوری کو خطہ بنگال کی طرف اور مولانا سید محمد علی رامپوری کو خطہ جنوب ہند مدراس (chennai) کی طرف تو اور بعض کو چین (china) کی طرف اور بعض کو اپنی جگہ پر رہ کر کام کرنے کی ہدایت کی، جیسے حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی کو اپنی جگہ بیٹھ کر تعلیمی کام میں لگنے کو کہا اور پھر ان کی تربیت سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نکلے اور آفتاب عرفان بن کر ان کی شخصیت جلوہ گر ہوئی، اسی طرح حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور اپنی جگہ رہ کر کام کرنے کی ہدایت کی اور پھر اس خاندان میں ایسے افراد یکے بعد دیگرے نکلے جن سے علم و دین کی خوب اشاعت ہوئی اور اخیر میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی دعوت دین اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی تصنیفی خدمات اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ افراد سازی کا کام عالمی سطح پر سامنے آیا اور خاندان میں حضرت مولانا محمد ظاہر حسنی کو روک کر تعلیم و تربیت کے کام میں لگایا اور پھر مولانا حکیم فخر الدین

خیالی، اور حضرت شاہ ضیاء النبی حسنی، مولانا سید محمد معین حسنی جیسے عالی نسبت افراد تیار ہوئے اور پھر مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی اور پھر ان کی تربیت سے مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور ان کی تربیت سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ان کے برادر زادہ مولانا سید محمد الحسنی اور خواہر زادگان مولانا سید محمد ثانی حسنی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور پھر ان کے بعد کی نسل مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی بارک اللہ فی حیاتہم اور مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اور کام منظر عام پر آیا، اور ان کی دعوت وفکر سے ہدایت خلق کا کام مختلف نوعیت سے ظہور پذیر ہوا۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کو اپنے دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کی خصوصی توجہ اور دعائیں حاصل تھیں، اور ایسی محبت پیدا ہوگئی تھی کہ دادا کی ایک ایک چیز کی نقل کرنا چاہتے تھے، شعور کی عمر کو پہونچنے کے بعد دادا کی غیر مسلموں میں دعوت کی فکر کا ان کو احساس ہوا جس کا چرچا وہ اپنے پھوپھیوں سے اور والدہ اور گھر کے بڑوں سے سنتے آرہے تھے، اس فکر و دعوت کو اپنانے کا ان میں حوصلہ پیدا ہوا، اور حسب طاقت اس کام کا آغاز بھی کر دیا، جو آخری سالوں میں ایک تحریک کے طور پر سامنے آگیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے نتائج واثرات بھی دکھائے، اور ایسے داعی اور مبلغ آپ کو فراہم کر دیے جو مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اپنی زندگیوں کو اور دوسروں کی زندگیوں کو روشن کرنے کے لیے وقف کرنے کا مخلصانہ جذبہ وحوصلہ رکھتے تھے، اور اپنے کو دعوت کے کام میں ایسا کھپا دیا اور گھلا دیا کہ ان کا رات دن کا چین رخصت ہو چکا تھا، اور دن ورات کا غم اور فکر ہی رہ گیا تھا کہ کس طرح لوگوں کو آگ کا ایندھن بننے سے بچایا جائے، اس یقین کے ساتھ کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، لیکن لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ اللہ نے انسانوں کو ہی بنایا ہے اور کوئی نہیں جانتا کب اور کہاں کس کمیت اور کیفیت کے ساتھ لوگ ہدایت یافتہ بن جائیں گے، اللہ نے

انہیں اپنے پاس اسی کام میں گزارتے ہوئے بلایا وہ اس راہ کے شہید کہلائیں گے۔
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جو درد وغم امت وانسانیت کا حاصل کیا تھا اس میں بھی انہوں نے ان کی پیروی کرنی چاہی، یہ درد وغم کیا تھا خود مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رقم طراز ہیں:

''وہ کیفیت جو آپ کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے، وہ اسلام کی فکر مندی اور دلسوزی ہے، یہ صفت ایسی غالب تھی کہ آپ مفکر اسلام کہلائے، بہت سے لوگ صرف الفاظ سے اظہار کرتے ہیں تو ان کو اس لقب سے سرفرازی حاصل ہو جاتی ہے، حضرت والا کی فکر مندی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، بلکہ روح میں سرایت کر گئی تھی، جس کی وجہ سے آپ بے خوابی میں بھی مبتلا ہو جاتے اور آخر میں کھانے کی اشتہا بالکل ختم ہو گئی تھی، حضرت والا نے اپنے مرشد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے، لیکن وہ خود حضرت کا حال تھا جو حدیث دیگراں میں آ گیا ہے، یا یوں کہئے کہ شیخ کی نسبت حضرت میں منتقل ہو گئی تھی، اور جوش مار رہی تھی۔

اسلام کی فکر مندی اور مسلمانوں کے حالات سے دردمندی طبیعت ثانیہ اور پورے نظام زندگی کی روح رواں بن گئی تھی، اس کے لئے نہ زندگی کا کوئی شعبہ مخصوص تھا، نہ عمر کا کوئی وقت، یہ درد جسم اور قوائے فکریہ میں اس طرح جذب ہو گیا تھا کہ

ع شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

جس گروہ سے آپ کا تعلق تھا اس کا ذکر وشغل، اس کا انقطاع الی اللہ اس کی یکسوئی و بے نیازی اس کو مسلمانوں سے جدا نہیں کرتی

اور بے فکر نہیں بناتی، بلکہ اور زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے درد میں مضطرب اور بے قرار بناتی ہے، اور اس گروہ کا ہر فرد زبان حال سے کہتا ہے کہ ؎

مرا درد نیست اندر دل سوچی گویم زباں سوزد
اگر دم در کشتم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

یہی درد کبھی زبان پر آکر آہ وفغاں میں تبدیل ہو جاتا، کبھی مسلمانوں کی کوتاہیوں اور ناسمجھیوں پر درد وقلق کے اظہار اور ملامت وتنبیہ پر آمادہ کرتا، کبھی تنہائی میں آنسوؤں میں تبدیل وتحلیل ہو جاتا، لیکن وہ دم کے ساتھ تھا اور اس سے کسی وقت وانہ تھا۔'' (۱)

فتنوں کا ادراک، فکری بالغ نظری اور تصنیفی وصحافتی خدمات

اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کے والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ کو جو دعوت کا مزاج، فکری بالغ نظری، انسانیت کا درد، فتنوں کے ادراک اور ان کے مقابلہ کی صلاحیت اور اس میں ان کو جو زور قلم اور جرأت و بے باکی عطا فرمائی تھی، وہ انہیں موروثی طور پر اور بطور موہبت کے عطا ہو گئی تھی۔ مولانا سید محمد الحسنیؒ کے انتقال پر مشہور ربانی عالم اور شہید مجاہد ملت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے جو تاثر اپنے رسالہ بینات کراچی میں رقم کیا تھا اس میں مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ متعلق دعائیہ کلمات تحریر فرمائے تھے جو اس طرح تھے:

''مرحوم کے صاحبزادہ برادرم مولوی عبداللہ کو (جو ماشاء اللہ فارغ التحصیل ہو چکے ہیں، ان کا حقیقی جانشین بنائے اور وہ تمام صلاحیتیں اور خوبیاں جو مرحوم میں ودیعت تھیں، بطور موہبت ان

---

(۱) تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر ۲۰۰۰ء

کے صاحبزادہ کو عطا فرمائے‘‘(۱)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید (م-۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ) نے جو دعا دی اور توقع باندھی تھی اپنے عہد کے دین کے ترجمان اور مشہور عالم ربانی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ان کے ایک مضمون پر ان کو داد تحسین دیتے ہوئے انہیں ’’پدر نہ تواند پسر تمام کند‘‘ کا صحیح مصداق قرار دیا۔(۲)

مولانا نے صرف تصنیفی وتحقیقی میدان میں قدم نہیں رکھا بلکہ انہوں نے اپنے دادا کی طرح دعوت وفکر اسلامی کے مختلف مجالات کو اختیار کرتے ہوئے عرب وعجم کو للکارا، اور انسانیت کے حدی خواں بن کر انسانی اخوت ومساوات کا ایک صور پھونک دیا، اور اسلام کے قلعہ میں نئے داخل ہونے والے مہمانوں کو مرحبا کہہ کر گلے لگایا اور یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ اپنے گھر اور اپنے خاندان کے بغیر ہیں۔ انہوں نے کتابیں نہیں لکھیں، تصنیفات پیش نہیں کیں، تحقیقات سامنے نہیں لائے، اپنے ادب کا لوہا منوانے کی فکر نہیں کی، لیکن اپنے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے والوں کو مصنف ومحقق بنادیا، ادیب ومفکر کی حیثیت سے پہچنوایا۔ انہوں نے دین کے داعی اور مبلغ چپہ چپہ روانہ کیے، اور جن کو جہاں روانہ کیا اس نے وہاں قیام کرنا اپنے لئے باعث افتخار سمجھا۔ مختلف علاقائی زبانیں سیکھنے کی طرف متوجہ کیا، کسی ایک پر یہ ساری ذمہ داری نہیں ڈالی بلکہ الگ الگ طور پر لوگوں کو تیار کیا، مثلاً کسی کو بنگالی سیکھنے اور بنگالی ادب کا ماہر بننے کی ترغیب دی اور ان میں بعض کو کلکتہ میں رہ کر اور بعض کو دیہات واطراف میں رہ کر کام کرنے کو کہا۔ اسی طرح کشمیر کے افراد کو کشمیر کے لئے، آسام ومنی پور اور میگھالیہ کے افراد کو ان ریاستوں کے لئے اور آندھرا کے لئے تیلگو کا ماہر بنا کر، اور ملیالم، تمل، کنڑ، مراٹھی، گجراتی وغیرہ کی بھی زبانیں سیکھنے کی طرف توجہ دلائی، اور سنسکرت سکھانے کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک استاد جو عربی انگریزی کے

(۱) بینات (کراچی) رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ

(۲) تعمیر حیات، محمد الحسنی نمبر ۱۹۸۰ء، الفرقان لکھنؤ مولانا عبداللہ حسنی نمبر مارچ ۲۰۱۳ء

ماہر ہیں، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو مامور کیا۔

جہاں تک تصنیفی ذوق اور تحریری سرمایہ کا تعلق ہے یہ آپ کو موروثی طور پر ودیعت ہوا تھا، آپ کا خاندان مصنفین کا خاندان کہلاتا ہے، لیکن اس موروثی ذوق کے باوجود آپ کی باقاعدہ کوئی تصنیف سامنے نہ آسکی البتہ آپ کی سرپرستی میں خاصا تصنیفی کام انجام پایا۔ اس میں سرفہرست کام ''قرآنی افادات'' کا ہے، جو آپ کی رہنمائی میں مولوی رسال الدین حقانی ندوی نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتابوں اور خطبات سے جمع کر کے مرتب کیا، دوسرا کام ''اسلام کا تعارف'' ہے، یہ کام بھی آپ کی رہنمائی میں مولوی رسال الدین حقانی ندوی نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتابوں سے جمع کر کے مرتب کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ آپ نے ڈاکٹر عبادالرحمٰن نشاط صاحب (نئی دہلی) سے کرایا جو Islam an Introdection کے نام سے شائع ہوکر بڑا ہی مقبول ہوا، ہندی میں ''اسلام اے پریچے'' کے نام سے ہزاروں ہزار کی تعداد میں متعدد ایڈیشن شائع ہوکر عام ہوئے، اور غیر مسلموں پر اس کا غیر معمولی اثر پڑا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتابوں کو سامنے رکھ کر اسلام میں عورتوں کے حقوق و فرائض پر ایک کتاب مولوی عزیز اللہ ندوی سہارنپوری سے مرتب کرائی جو جامعۃ المؤمنات لکھنؤ نے شائع کی اور پھر پاکستان میں کراچی سے طبع ہوئی اور یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی اور یہ تینوں ایسے تصنیفی کام تھے جن کی بڑی ضرورت تھی۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی دلی مسرت ان کاموں کو دیکھ کر ہوئی اور انہوں نے اظہار مسرت کرتے ہوئے دعائیہ کلمات بھی تحریر فرمائے، اور بڑا اعتماد ظاہر فرمایا۔ اس سے خال معظم کا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تصنیفی ذوق اور فکر و دعوت میں مناسبت تامہ کا پتہ چلتا ہے۔

جہاں تک رسائل کا تعلق ہے تو ان کا ایک رسالہ ''نیک صحبت کی ضرورت''

طبع ہوکر بڑا ہی مقبول ہوا اور ہزاروں ہزار کی تعداد میں طبع ہوا، دوسرا رسالہ ''اسلامی اخلاق'' جو تین یا چار قسطوں میں تعمیر حیات میں شائع ہو چکا تھا ان کی وفات کے بعد شائع ہوکر مقبول ہوا، یہ دونوں رسالے سید احمد شہید اکادمی دار عرفات رائے بریلی سے طبع ہوئے ہیں، اور توحید واخلاص پر الگ مستقل رسالے زیر طبع ہیں۔ اور ان کی وفات کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے خطبات ومواعظ کے جمع کرنے کا غیر معمولی کام نہایت خوش اسلوبی سے ضبط تحریر میں لاکر نوجوان فاضل مولانا محمد ارمغان ندوی نے پانچ جلدوں میں ''خطبات دعوت واصلاح'' کے نام سے جمع کرنے کے علاوہ ''حضرت مولانا محمد احمدؒ صاحب پھولپوری'' اور ''حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ'' سے متعلق مضامین ومقالات کو بھی جمع کر کے کتابی صورت میں پیش کر دیا ہے، اخیر الذکر دو کتابیں ابھی زیر طبع ہیں۔

عربی میں عظیم مصلح ومربی حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ پر ان کے مضامین قسط وار ''الرائد'' میں شائع ہوئے تھے، جس کے وہ ایڈیٹر تھے، مگر کتابی شکل میں یہ مضامین منظر عام پر نہ آسکے، مگر الحمد للہ ان مضامین کو اور دوسرے عربی جرائد ومجلات میں شائع ان کے مضامین کے جمع وتبویب کا کام برادرم ابوبکر ارمغان بدایونی ندوی اور مولوی نجم الدین ندوی نے انجام دے دیا ہے، اور وہ قریب الاشاعت ہیں، ان کے علاوہ بعض دوسری اہم مصلح شخصیات پر آپ نے عربی اور اردو میں مضامین لکھے، اردو میں عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی پر آپ کا تجرباتی ومشاہداتی مضمون ایک قیمتی علمی سرمایہ ہے، جو استاذ محترم مولانا شمس الحق ندوی کی کتاب نمونۂ سلف مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کا حصہ ہے۔ مولانا کے ملفوظات بھی مرتب فرمائے تھے جو تعمیر حیات (لکھنؤ) اور نقوش اسلام (سہارنپور) جیسے رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ایماء پر جو اصلاً حضرت

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا ایماء تھا، حیات خلیل مؤلفہ مولانا سید محمد ثانی حسنی کی تلخیص وتعریب کی جو کتابی صورت میں منظر عام پر آئی اور اس کا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ عربی رسائل میں بعض کے ترجمے بھی کیے جن میں بعض شائع ہوئے اور بعض شائع نہ ہوسکے۔ نزہۃ الخواطر جو آپ کے دادا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی معرکۂ آراء تصنیف ہے کے ایک حصہ کا اردو میں ترجمہ فرمارہے تھے مگر وہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

تحقیقی کام کا جہاں تک تعلق ہے، تو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب ''الفوز الکبیر فی أصول التفسیر'' پر کچھ کام اس زمانہ میں کیا تھا جب وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اس کتاب کا درس دے رہے تھے، اور حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی حدیث پر کتاب ''تھذیب الاخلاق'' پر کام کا ارادہ تھا، لیکن یہ ارادہ عملی طور پر دروس کی شکل میں مکمل ہوا اور یہ مکمل دروس محفوظ کر لیے گئے ہیں، اور اس کے بعض حصے تعمیر حیات میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

جہاں تک مقالات ومضامین کا تعلق ہے ان کا بڑا ذخیرہ جریدہ ''الرائد'' میں محفوظ ہے، جس کا تیسرا افتتاحیہ انہی کے قلم سے نکلتا تھا۔ پہلا افتتاحیہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا ہوتا، دوسرے شمارہ کا افتتاحیہ اس کے رئیس التحریر حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے قلم سے ہوتا اور تیسرے شمارہ کا افتتاحیہ خال معظم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے قلم سے ہوتا، اور یہ سب اپنا الگ رنگ لیے ہوتے اور سارے مسائل کا حل اسلام میں ہی پیش کرنے کی دعوت دے رہے ہوتے۔ چونکہ آپ تعمیر حیات کے بھی مشاورتی بورڈ کے رکن تھے، اس لئے اس میں بھی مضامین شائع ہوتے، اور اپنے خاندانی رسالہ ماہنامہ رضوان میں زمانۂ طالب علمی سے لکھتے آئے تھے۔ اس کے علاوہ ماہنامہ بانگ درا اور بانگ حرا میں بھی مضامین شائع ہوتے اور اب آخر میں ماہنامہ ''حرا کا پیغام'' (مانک مئو سہارنپور) میں مسلسل مضامین شائع ہورہے تھے، اور اسی طرح ''نقوش اسلام'' (۱) میں بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے۔

(۱) مظفرآباد سہارنپور

دعوتی وتربیتی منصوبے

چونکہ آپ کی دعوتی مشغولیت بڑھتی چلی گئی تھی، اس لئے جو تصنیفی پلان آپ کے ذہن میں تھے، اس کے لئے آپ خود اپنے کو فارغ نہیں کر پا رہے تھے تو اس لیے اپنے تعلق والوں کو اس کی طرف متوجہ کیا، جیسے تاریخ اصلاح وتربیت کا کام راقم کے سپرد کیا، تاکہ سلاسل تصوف کے تذکرہ وتاریخ میں جو بے سروپا باتیں آگئی ہیں ان کو الگ کر کے توحید خالص اور اتباع سنت کی باتوں کو سامنے لایا جائے، اور اس کی ایک مسلسل تاریخ پیش کی جائے تاکہ اس واہمہ کا تدارک کیا جا سکے کہ اس میں انقطاع نہیں ہے اور اس کو بدعت کا نام دے کر تعلق مع اللہ کے حصول کے طریقوں کے اختیار کرنے سے جس طرح دور کیا جا رہا ہے ثابت کیا جا سکے کہ یہ الزام خود بدعت ہے۔ اس بڑے کام کو انجام دینے کی تحریض کی اور اس کے لیے اسباب وذرائع بھی فراہم کرائے، لیکن اس کے انجام دینے سے پہلے راقم سے سلاسل اربعہ پر تحقیقی طور پر ان کے مشائخ کے صحیح نام ونسبت کے ساتھ رسالہ مرتب کرایا اور اس پر مقدمہ از خود لکھا، یہ بھی مختلف زبانوں میں ہزاروں ہزار کی تعداد میں سلاسل اربعہ (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) کے نام سے طبع ہوا۔

غیر مسلموں میں دعوت کے کام کو قوت بخشنے کے لئے نئے نئے طریقے آپ کے ذہن میں آئے اور تقریر وملاقاتوں، پروگراموں، برادران وطن کی سرکردہ شخصیات کو سامنے لاکر اسلام کا پیام امن وانسانیت عام کرنے کے طریقے کے ساتھ تصنیفی طریقوں سے بھی کام لئے۔ چنانچہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب قصص النبیین کا ہندی ترجمہ مولانا سید احمد علی حسنی ندوی (۱) نے کیا تو اس کا حق طباعت ان سے لے کر ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پورے ملک میں پھیلایا اور بعض دوسری زبانوں میں نبیوں کے قصے کے نام وعنوان سے پیغام توحید

(۱) مولانا سید احمد علی حسنی ندویؒ متوفی ۲۰۱۱ء سابق مدیر تعمیر افکار وڈائریکٹر دار عرافات، رائے بریلی

ورسالت عام کرایا اور شوق آخرت پیدا کرایا۔ یہ ایسا مصلحانہ کام ثابت ہوا کہ غیر مسلموں نے یہ کتاب بڑے شوق سے ہاتھوں ہاتھ لی، اور یہ پیغام ان کے دلوں میں اتر گیا جو اسلام لانے کا محرک بھی بنا۔ اس طرح اچھی تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، اور جو اہل اسلام بدعات وخرافات میں مبتلا تھے انہوں نے ان سے اپنے دل ودماغ کو دھویا اور توحید وسنت کے وہ دلدادہ بنے۔

صحابہ کرامؓ کی سیرت کا وہ پہلو جوان کے اسلام لانے کا ہے، اس پہلو پر کام کرنے کے لئے آپ نے مولوی عبدالعلیم ندوی مقیم کلکتہ کو متوجہ کیا اور دو جلدوں میں انہوں نے یہ کام انجام دیا۔ افسوس کہ آپ کی زندگی میں یہ طبع نہ ہوسکا۔

ایک کام صحابہؓ کی زندگی کا ان کے ذہن میں خوب آیا کہ ان کے اقوال و ملفوظات میں تربیتی پہلو کے حامل ملفوظات کو جمع کیا جائے تا کہ توازن واعتدال امت میں جو کم ہوتا جارہا ہے اس کو صحیح رخ پر لایا جائے۔ مثال کے طور پر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق شام سے حضرت سلمان فارسیؓ کو مکتوب بھیجا کہ شام تشریف لائیں یہ مقدس جگہ ہے، حضرت سلمان فارسیؓ نے بڑا حکیمانہ جواب دیا کہ مقامات مقدس نہیں بناتے ہیں، اعمال مقدس بناتے ہیں، اس طرح اور حکیمانہ اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے خال معظم رحمۃ اللہ علیہ نے راقم الحروف کو متوجہ کیا کہ وہ ملفوظات صحابہؓ پر کام کرے اور اسی کام وعنوان سے اس کو منظر عام پر لائے۔

مولانا مسعود عزیزی ندوی کو مختلف مشائخ ومصلحین کے حالات پر چھوٹے چھوٹے رسائل مرتب کرنے کی ترغیب دی کہ اب بڑی کتابوں سے زیادہ یہ مفید ثابت ہورہے ہیں اور بعض پر انہوں نے کام کرکے پیش کیا اور اس میں انہوں نے مفید مشورے دئے۔ مولوی جمال ملیا ندوی بھٹکلی کو حکیم الامت حضرت تھانوی کی بعض تربیتی باتوں کا مجموعہ تیار کرنے کو کہا۔

قرآن مجید سے متعلق تراجم کا جائزہ پیش کرنے کا کام برادر عزیز سمعان خلیفہ بھٹکلی ندوی کے ذمہ کیا تا کہ اردو ترجموں میں جہاں اصل سے ہٹ کر ترجمانی کی

گئی ہے اس کو واضح کر دیا جائے، اس لئے کہ یہ صحیح نہیں کہ اللہ کی بات اس کی مراد کے خلاف سمجھی اور سمجھائی جاتی رہے۔

اور سید سحبان ثاقب بھٹکلی ندوی کو (جنھیں ان کی طلب اور شوق کو دیکھتے ہوئے اپنے عم مخدوم و معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی خدمت و صحبت سے مستفید ہونے کے لیے بطور مرافق کے بلالیا تھا) وقائع حضرت سید احمد شہیدؒ (وقائع احمدی) میں سے موثر واقعات و حکایات کو انتخاب کر کے مرتب کرنے کی ترغیب دی کہ جو انسانی زندگی میں تساہلی اور غفلت کو دور کر کے عالی حوصلگی اور جذبۂ جہاد و تعلق مع اللہ کے حصول کا شوق پیدا کریں۔

عزیز گرامی مولوی محمد نفیس خاں ندوی کو بعض ترجمے کے کام حوالے کئے جس سے اسلام کی وہ تصویر صحیح طور پر سامنے لائی جاسکے، جو بگاڑ دی گئی ہے، شیعیت پر ان کی ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔

اسی طرح مولوی ارشد علی ولی اللہی ندوی کو کو بعض کام سپرد کیے اور مزید علمی تربیت کے لیے مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی مدظلہ کی خدمت و صحبت میں کاندھلہ بھیجا۔ لیکن سب سے بڑھ کر ان کا وہ تشجیعی اقدام ہے، جو انہوں نے اپنے زیر تربیت وارشاد اپنے چھوٹے بھائی مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کے سلسلہ میں ان کے اردو ترجمۂ قرآن پر اور اس کے ساتھ اس پر مختصر اور جامع حواشی کے متعلق کیا، اور اس کو انہوں نے ان کی ہی حوصلہ افزائی اور اظہار مسرت کا ثمرہ قرار دیا ہے، اس کا بھی تقاضہ اور طباعت سے قبل ہی جو کام انجام پاچکا تھا اس کو فوری طور پر ایک نوجوان باصلاحیت عالم کو جو عربی ہندی اردو انگریزی چاروں زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں ہندی ترجمہ پر لگایا، کاش وہ حیات ہوتے اس خوبصورت تحفہ کو خود آنکھوں سے لگاتے جس کا اردو ایڈیشن منظر عام پر آکر زبردست خراج تحسین حاصل کر چکا ہے، اور ہندی ایڈیشن آنے کو ہے، اس کے علاوہ حدیث کی کتاب تہذیب الاخلاق کے اردو ترجمہ کی

مراجعت وتحقیق میں جومولانا شمس الحق ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے تھا اپنے دوسرے اور درمیانی بھائی مولانا عمار عبد العلی حسنی ندوی کو لگایا اور پھر اس کے ہندی ترجمے کا کام مولانا محمد طارق ندویؒ نے انجام دیا۔ اپنے خاندان کے ممتاز مصلح عالم ومحدث وفقیہ بزرگ شخصیت حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی کے فتاوی کی جمع وترتیب پر مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی کو لگایا تھا، کاش وہ بھی سامنے آتا۔

نمونہ کے طور پر یہ چند مثالیں پیش کی گئیں، اسلام کے علاوہ غیر مسلموں میں دعوتی کام کے سلسلہ میں جو منصوبے ان کے ذہن میں بنتے ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک ٹیم انہوں نے تیار کرلی تھی، جس سے وہ الگ الگ کام لے رہے تھے، اور اس میں جس صرفہ کی ضرورت تھی اس میں وہ فراخ دلی سے کام لیتے تاکہ کام کرنے والا پوری طور سے یکسو ہوجائے۔ چنانچہ برادرم انجم فراز علی گڑھی کو بدھ مت پر تحقیقی کام پر لگایا، اور انہوں نے اس سلسلہ میں بڑا جامع کام کرکے پیش کیا، معظم صاحب کو ویدوں کی تحقیق پر لگایا، اور ان کی مدد کے لئے ڈاکٹر علاء الدین سیفی صاحب، ڈاکٹر مشاہد سیفی صاحب وغیرہ کو لگا کر ان کو دوسری ضروریات سے فارغ کیا، عیسائیت پر کام کے لئے مولوی منسوب ندوی کی صلاحیت سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اس کے لئے تیار کیا۔

یہ سب تصنیفی وتحقیقی کام ان کے اس اعلیٰ تصنیفی ذوق کا پتہ دیتے ہیں جو ان کو موروثی طور پر عطا ہوا تھا۔

ارتداد کا معاملہ اور اشاعت اسلام کے لیے جدوجہد

اور اللہ کی راہ اور دین کے کاموں میں وہ سعی بلیغ اور مجاہدۂ ومشقت سے بکمال جہاد وقربانی کام لیتے لیتے دنیا سے گئے، ارتداد کا مقابلہ کیا، اور ان کے ذریعہ اللہ نے غیر مسلموں اور مسلم امۃ میں سے داعی ومبلغ تیار کیے جو اپنے مشن پر ہیں، اور اس آیت کریمہ کا فیضان ان پر جلوگر ہوا کہ جس میں اہل ایمان کو خطاب ہے، اور ان

میں اصحاب ایمان وعزیمت اور مخلصین صادقین کو بشارت بھی کہ:

﴿یاأیها الذین امنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتی الله بقوم یحبهم ویحبونه أذلة علی المؤمنین أعزة علی الکافرین یجاهدون فی سبیل الله ولایخافون لومة لائم، ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء. والله واسع علیم.﴾

(المائدة:٥٤)

(اے ایمان والو! تم میں جو بھی اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ آگے ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، ایمان والوں کے لیے نہایت نرم اور انکار کرنے والوں کے لیے سخت ہوں گے، اللہ کے راستہ میں وہ جان کھپاتے ہوں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ان کو ڈر نہ ہوگا، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے بخشے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے)۔

خال معظم رحمہ اللہ کے کاموں، خدمات اور صفات وخصوصیت کو اس آیت کریمہ کی روشنی میں ایک تعزیتی مکتوب کی عبارت میں دیکھا جاسکتا ہے، جو ان کے عظیم والد کے ہم درس مولانا سید احتشام احمد ندوی کا ان کے عم مکرم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے نام ہے وہ لکھتے ہیں:

”مولانا عبداللہ حسنی ندوی قدس سرہ نے تصوف میں بڑا امتیاز حاصل کیا تھا، ان کے مریدین کیرالہ سے شمالی ہند تک پھیلے ہوئے ہیں، یہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے انتخاب کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مولانا عبداللہ حسنی کو اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا، ان کے بعض مریدین علی گڑھ میں بھی ہیں،

تصوف وتبلیغ کا بڑا کام انہوں نے اس چھوٹی سی عمر میں انجام دیا،
ان کے ہاتھ پر بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا، یہ اللہ کی
دین اور توفیق ہے جس سے چاہتا ہے کام لیتا ہے۔"(۱)

اصلاح وتربیت میں مقام

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی کا مزاج شروع سے اصلاحی تھا اور لوگوں کو اس تعلق سے مولانا کی صحبت اور باتوں سے بڑا نفع پہونچتا تھا، اوران کے اس وصف کو ان کے بڑے اور اپنے عہد کے مشائخ کبار بھی محسوس کرتے تھے، رائے بریلی میں مدرسہ ضیاء العلوم کے استاد حفظ حافظ عبدالرؤف صاحب نے محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقی ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ تحریر کیا کہ:

"یہاں کے علماء میں حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب
مدظلہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملتی رہتی ہے، کیا ان کی
خدمت میں ہم اپنی اصلاح وتربیت کی بابت عرض کرسکتے ہیں،
حضرت کے رجحان کا انتظار رہے گا؟

حضرت محی السنۃ قدس سرہ نے جواب مرحمت فرمایا اور لکھا کہ:

"مکرمی زید لطفہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو بخوشی اجازت ہے کہ اصلاحی مکاتبت مولانا عبداللہ حسنی
دامت برکاتہم سے جاری کرلیں، اللہ تعالیٰ آپ کو فلاح دارین
کی ترقیات سے نوازے۔ والسلام

ابرار الحق

۱۱رشوال ۲۳ھ"

---

(۱) مکتوب مورخہ ۲رفروری ۲۰۱۲ء

اہل اللہ کی توجہات اور مصلحین امت ومربین نفوس کے اعتماد اور دعاؤں کا اثر تھا کہ آپ کی صحبت سے اور آپ کی بیعت میں داخل ہوکر اور آپ کے مواعظ وملفوظات سن کر لوگ بڑا فائدہ محسوس کرتے اور بہت جلد آپ کی طرف خواص کا بھی رجوع ہونے لگا، اور آپ کی اصلاح وتربیت میں حکیمانہ اسلوب وانداز لوگوں کو کھینچنے لگا، مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی نے آپ کے اس نمایاں وصف کو اس طرح بیان کیا ہے:

''مولانا عبداللہ صاحب کے حلقۂ ارادت میں اکثر تعلیم یافتہ و پڑھے لکھے لوگ اور خواص تھے، مولانا کی علمی ودعوتی شخصیت میں ان کے لئے بڑی کشش تھی، اسی سال رمضان المبارک کے اختتام پر شوال المکرم میں دہلی کے مشہور ادیب جناب تابش مہدی صاحب نے مجھے فون کیا، کہنے لگے مولانا! میں نے رمضان میں اس دفعہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کی خانقاہ تکیہ رائے بریلی میں کچھ وقت گذارا، مولانا کی صحبت میں گذرے میری زندگی کے یہ بہترین لمحات تھے، میں مولانا عبداللہ صاحب کے درس ومجلس میں بھی شریک ہوتا تھا، اس دوران علم وحکمت قرآنی کے لطائف اور اسرار ومعانی کے وہ نکات مجھے مولانا کی مجلس میں سننے کو ملے جو بالعموم حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کی کتابوں ہی میں نظر آتے ہیں، انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں ہر سال حضرت مولانا رابع حسنی صاحب کی خانقاہ رائے بریلی میں رمضان کا کچھ وقت گذاروں گا اور مولانا عبداللہ صاحب کی مجالس سے بھی مستفید ہوں گا۔

کچھ یہی حال کیرالہ کے سابق ممبر پارلیمنٹ اور آل انڈیا مسلم

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر مارچ ر اپریل ۲۰۱۳ء

لیگ کے سکریٹری جناب عبدالصمد صمدانی صاحب کا تھا، مولانا کا جب بھی کیرالہ کا سفر ہوتا تو وہ مولانا سے ملنے ان کی قیام گاہ ضرور تشریف لاتے اور کہتے کہ مجھے مولانا کی مجلس میں بڑا سکون ملتا ہے۔''(۱)

طریقۂ اصلاح

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی اصلاح وتربیت کے کام میں روک ٹوک کو ضروری سمجھتے تھے، چھوٹوں کو صراحت کے ساتھ اور اگر برابر کے یا کچھ بڑے ہوتے تو اظہار واقعہ اور استفسار کے ساتھ بات جو وہ مناسب سمجھتے پیش کر دیتے، ان کے گھر اور باہر کی زندگی کا مشاہدہ روز کرنے والوں میں ایک بھائی مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی اپنے مشاہدات وتجربات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں کہ:

''شریعت کے خلاف عمل میں وہ خاموش نہیں رہتے تھے، ٹوکتے تھے، غلط بولنے پر اصلاح کرتے تھے، بدسلیقگی اور پھوہڑپن پر تنبیہ کرتے تھے، لیکن محبت کے ساتھ، خلوص کے ساتھ، خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ، نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ ان کے ٹوکنے کا اثر پڑتا تھا، دل ان کی بات کو قبول کرتا تھا، اور ان کا ٹوکنا کبھی کسی کو برا نہیں لگتا تھا، وہ ایک داعی کے ساتھ ساتھ ایک مصلح بھی تھے، یہ الگ بات ہے کہ ان کی زندگی کا دعوتی پہلو زیادہ نمایاں ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی کا اصلاحی پہلو کچھ دبا ہوا نظر آتا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں دعوتی اور اصلاحی دونوں پہلو ایک ساتھ حرکت کرتے نظر آتے ہیں، جس طرح ان کی دعوت

---

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر مارچ/اپریل ۲۰۱۳ء

نے غیر مسلموں پر گہرا اثر ڈالا، اسی طرح ان کی اصلاحی کوششوں نے بدعقیدہ لوگوں کی زندگیوں کو بدلنے میں بڑا کام کیا، کتنے گھرانے ایسے تھے جہاں عقیدہ کی شکل بگڑ چکی تھی، دین کے نام پر خرافات کا ایک سلسلہ تھا، الٹی سیدھی رسموں نے ان گھرانوں کو پوری طرح جکڑ رکھا تھا، لیکن تواضع اور سادگی کے رنگ میں ان کی حکیمانہ اصلاحی کوششوں نے اپنا اثر دکھایا اور آخرکار ان گھرانوں میں بھی توحید وسنت کا پرچم لہرایا۔" (۱)

افرادسازی کا کام

مولانا کا داعیانہ کردار اور مصلحانہ مربیانہ مزاج کا اثر تھا کہ وہ اس تلاش میں رہتے کہ کس کے اندر کس کام کو بہتر انداز سے انجام دینے کی صلاحیت واستعداد پائی جاتی ہے، اور اکثر ان کا نشانہ صائب ہوتا تھا، اور جو ان کے دائرہ میں آجاتا اس کو صحیح میدان عمل اس کے مزاج وافتاد طبع اور لیاقت وصلاحیت کے مطابق مل جاتا۔ اس طرح ان سے جڑ کر کام کرنے والے بھی ایک طرف تیار ہوتے اور جو صفائی نفس اور تعلق مع اللہ کی دولت کے حصول کے لئے وابستہ ہوتے اس میں ان کو ترقی حاصل ہوتی۔ ہم ان کی ان دونوں کوششوں میں کامیابی سے گذرنے پر رہنمائی کے لئے ان کے ایک معاصر اور مشہور عالم وفقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دام مجدہ کی تحریر کا اقتباس پیش کریں گے وہ لکھتے ہیں:

"انہیں افرادسازی کا ملکہ گویا اپنے دادا کی میراث میں ملا تھا، ندوہ کے سینکڑوں فضلاء اپنی تربیت کے لئے ان سے مربوط تھے، اور وہ چھوٹے اور بڑے سے بڑے ہر دینی کام کا نقشہ ان

---

(۱) تعمیر حیات ۲۵ر فروری ۲۰۱۳ء

کے مشورے سے تیار کرتے تھے، یہ ان کی اصابت رائے، طلباء کے ساتھ شفقت، انکساری وملنساری، معاملہ فہمی اور زمانہ آگہی کا نتیجہ تھا۔ اس حقیر کو ملک کے مختلف علاقوں میں دین کی نسبت سے جانے کا موقع حاصل ہوتا رہتا ہے، اکثر مقامات پر میں نے دیکھا کہ ان کے تلامذہ ان سے بے حد محبت کرتے ہیں، اور انہیں ٹوٹ کر چاہتے ہیں، اولاد کی والدین سے محبت میں فطری رشتہ کا دخل ہوتا ہے، مرید اپنے شیخ کو غیر معمولی عقیدت کی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ عقیدت اس کے لئے دیوار بنی رہتی ہے، لیکن شاگرد غیر محسوس طور پر اپنے اساتذہ پر ناقدانہ نظر رکھتے ہیں اور شب وروز کی زندگی ان کے سامنے ہوتی ہے، اس لئے شاگرد کی اپنے استاذ سے محبت اور اس محبت وعقیدت میں دوام واستمرار کسی شخصیت کے اخلاق اور عملی زندگی کو پرکھنے کے لئے بہترین کسوٹی ہے، مولانا عبداللہ حسنیؒ اس کسوٹی پر واقعی پورے اترتے تھے۔

تعلق مع اللہ اور تزکیۂ نفس میں بھی وہ اپنی خاندانی روایات کے بہترین وارث تھے، اور ملک کے کونے کونے میں ان کے منتسبین موجود تھے، جو مولانا عبداللہ حسنی کے ذریعہ اپنے ایمان اور تقویٰ کی انگیٹھیاں گرم کرتے تھے اور احسان کی منزلوں کو طے کرتے تھے، بلکہ غالباً مخدومِ گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے اکثر نوجوان متوسلین کی تربیت بھی انہیں کے ذریعہ ہوتی تھی۔'' (۱)

(۱) تعمیر حیات ۲۵ ر فروری ۲۰۱۳ء

معروف عالم دین استاذ مکرم مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی اسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے فیضان صحبت کی کرامت قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت مولانا کی تو خاص نظران پر تھی، تربیت کے مرحلہ سے گذار کر انہوں نے ان کو تزکیۂ وارشاد اور عمومی دعوت کے کاموں پر مامور بھی کر دیا تھا اور وہ نہایت خاموشی اور سنجیدگی و وقار کے ساتھ ان سب کاموں میں لگے رہتے تھے۔ ان کے قریبی لوگوں کو بھی ان کے حلقہ کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ کا اندازہ ان کے انتقال کے بعد ہوا۔'' (۱)

دعوت کے کام میں اخفاء اور انہماک

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ہدایت خلق وارشاد امت کے کام میں اس قدر یکسو ہوتے گئے کہ دعوت دین اور ہدایت وارشاد کا کام سب کاموں اور تقاضوں پر غالب آگیا اور اس میں انہماک اس قدر بڑھتا گیا کہ نہ ان کو اپنی صحت کی پرواہ رہی اور نہ مشقتوں اور تکلیفوں کو خاطر میں لا نا رہا، نہ اس کے لئے سونا مانع ہوتا اور نہ ہی کوئی اور چیز حائل ہوتی، سفر میں بعض ایسے لمحات بھی آئے کہ دیر رات کو تنہا کسی ایسے اسٹیشن پر اترنا پڑ گیا کہ جہاں نہ کوئی انیس و مانوس نہ کوئی خبر لینے والا اور وہ لائن کے اشارے پر چلتے ہوئے قریبی منزل پر پہنچے پھر نہ کوئی شکوہ وشکایت اور نہ کوئی گلہ اور بس واللہ **خیر حافظا وھو أرحم الراحمین** کا پورا استحضار، نہ جانوروں کا خوف نہ دشمنوں کے خطرات کا ڈر، حالانکہ صحت کمزور، اعصاب کمزور، بلکہ بیماریاں اور اعذار اور وہ اس کام اور فکر میں اس قدر مستغرق ہوتے گئے کہ اسی راہ کے شہید ہو گئے۔

جناب مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی مدیر الفرقان لکھنؤ اپنا تاثر اظہار

---

(۱) ماہنامہ الفرقان مارچ ۲۰۱۳ء ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

حقیقت کے غور پر ایسا بیان کرتے ہیں:

''ان کے والد کی پیدائش ان دنوں میں ہوئی تھی، جب ان کے والد کے جواں سال چچا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے بڑے بھائی اور سرپرست کے ایماء پر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے ممبئی گئے ہوئے تھے، پھر ان کے والد (مولانا محمد الحسنی) کی وفات جب ہوئی تب بھی حضرت مولانا علیہ الرحمہ پیام انسانیت کے عنوان پر ایک دعوتی سفر پر ہی نکلے ہوئے تھے، اور میرا خیال تو بعض قرائن کی وجہ سے یہ ہے کہ ہمارے مولانا عبداللہ حسنی کو بھی اسی دعوت کی راہ میں شہادت کا شرف ملا ہے، حقیقت اللہ بہتر جانے!''

مولانا کے دعوتی کام میں اخفائے حال اخلاص اور تواضع کو بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا نعمانی یوں رقم طراز ہیں:

''برادران وطن میں دعوت کا کام مولانا اس انداز سے کرتے تھے کہ نہ لمبی چوڑی فتوحات کی کارگذاریاں اور نہ کراماتی واقعات کی لن ترانیاں، ایک خاموش اور سنجیدہ انداز تھا، نہ صلے کی تمنا اور نہ ستائش کی پرواہ!''(۱)

اخفائے حال واخفائے کار کا وہ دوسروں کو بھی مشورہ دیتے، اس سلسلہ میں ان کا ایک لطیفہ ہے جو ایک داعی کی تعبیر سے تعلق رکھتا ہے، اس کو ان کے استاد مولانا ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی نے دعوت میں حکمت وموعظت حسنہ کے ان کے وصف کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اُدع الی سبیل ربک

---

(۱) الفرقان بابت مارچ ۲۰۱۳ء ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

بالحکمة والموعظة الحسنة" اللہ تعالیٰ نے مولانا کو حکمت اور موعظت حسنہ کی نعمت سے نوازا تھا، ان سے گفتگو کر کے مخالف بالکل مطمئن ہو جاتا۔ اس سلسلہ کا میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں کہ ایک صاحب دعوت کا کام بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، اور حکم ملا کہ محنت میں اضافہ کرو اور ڈاڑھی منڈا دو (یہ ان کے بیان کا مفہوم ہے) شاید وہ یہ سمجھے کہ داڑھی غیروں کے لئے اور زیادہ پڑھے لکھے اور داڑھی منڈانے والوں کے لیے رکاوٹ بن رہی ہے، اس لئے منڈانے کا اشارہ ملا ہے۔ وہ منڈانے کو تیار تھے، مجھ نا سمجھ سے اگر اس شخص کا واسطہ پڑتا تو میں اپنی سمجھ کے مطابق کہتا کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ داڑھی رکھنے اور بڑھانے کا حکم دیا ہے وہ خواب میں کبھی داڑھی منڈانے کا اشارہ نہیں دے سکتے یا تو تم خواب سمجھے نہیں یا غلط بیانی سے کام لے رہے ہو، ظاہر ہے میری اس بات سے وہ بیچارہ الجھ کر رہ جاتا اور راہ نہ پاتا، مگر واہ رے عبداللہ میاں، عبداللہ میاں کو معلوم ہوا تو اس شخص سے فرمایا، میاں خواب کا حکم براہ راست نہیں لیا جاتا، خواب کی ایک تعبیر ہوتی ہے، تمہارے خواب کی ایک تعبیر یہ ہے کہ تم دعوت کے کام میں اپنی محنت بڑھاؤ، اللہ مدد کرے گا، اور پروپیگنڈے اور نام سے بچو (یہ مولانا کی بات کا مفہوم ہے) ان صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے اپنی محنت بڑھا دی اور داڑھی منڈانے کے گناہ سے باز رہے۔" (۱)

---

(۱) تعمیر حیات ۲۵ر فروری ۲۰۱۳ء

نفع پہنچانے کا جذبۂ عام، محبوبیت اور صحبت کی تاثیر

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی خصوصیت و امتیاز ہر شخص کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کا جذبہ تھا، وہ خیر الناس من ینفع الناس کی عملی تصویر و مصداق صحیح بن گئے تھے۔ ان کے ایک تلمیذ ارشد شیخ ابرار احمد ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھتے ہیں:

> یہ جذبہ بڑا ہمہ گیر تھا، تمام معاملات میں چاہے تعلیم کا ہو یا تربیت کا، مالی تعاون کا ہو یا اخلاقی رہنمائی کا، شناسا لوگوں کے ساتھ ہو یا اجنبی لوگوں کے ساتھ، یکساں جھلکتا تھا۔ اس جذبہ صادق سے مولانا اتنے سرشار تھے کہ اس راہ کی دشواریوں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں خطرات سے بھی نہیں گھبراتے تھے۔" (۱)

مولانا شیخ ابرار احمد ندوی نے جس وصف جذبہ خیر خواہی و ہمدردی و نفع رسانی کا تذکرہ کیا ہے اس میں ان کے نزدیک جہنم کی آگ سے بچانا سب سے بڑی خواہش تھی، لوگوں کے لئے ان کی محبت عام نے لوگوں میں ان کو محبوب بنا دیا تھا اور ان کے اس اخلاص نے ان کی صحبت اور زبان میں بلا کی تاثیر پیدا کر دی تھی۔

مشہور عالم اور قائد شخصیت حضرت مولانا عبد العلیم صاحب فاروقی مہتمم دار المبلغین لکھنؤ و جنرل سکریٹری جمیعۃ علمائے ہند آپ کی محبوبیت اور تاثیر صحبت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> "قرآن مجید کی آیت "ان الذین امنوا وعملوا الصالحات سیجعل لهم الرحمن ودًا" (بلاشبہ جو لوگ

---

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبد اللہ حسنی ندوی نمبر مارچ / اپریل ۲۰۱۳ء

اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان کے لئے رحمٰن محبت رکھ دیتا ہے) کا مصداق نظر آتے تھے۔

اصحاب دعوت وعزیمت میں جو چیزیں نمایاں تھیں، میں بغیر مبالغہ کے کہہ سکتا ہوں کہ مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم میں وہ تمام باتیں نظر آتی تھیں، بہت سے غیر مسلمین ان کی مجلس میں آتے تھے اور وہ ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں پیش کرتے تھے، مولانا مرحوم کی مساعی اس سلسلہ میں انتہائی موثر ہوتی تھیں، بہت سے اللہ کے بندے دائرۂ اسلام میں انتہائی پختگی کے ساتھ داخل ہوگئے، بعض ڈاکٹروں اور تعلیم یافتہ لوگوں سے میری ملاقات ہوئی جن سے گفتگو کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ لوگ پیدائشی مسلمان ہیں، اسی طرح مسلمان بن کر اسلام کی بیخ کنی کرنے والی جماعتوں کی شرانگیزی، ریشہ دوانیاں اور ان کے شرور سے بھی مولانا مرحوم پوری طرح واقف تھے اور ان فتنوں کے دفاع کے لئے بھی جدوجہد کرتے رہتے تھے، جس کی بڑی تفصیلات ہیں، جو اس مضمون میں پیش نہیں کی جاسکتیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان کے دادا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ تحریک پیام انسانیت کو انہوں نے اچھی طرح سمجھ رکھا تھا، اسی لئے یہ اہم کام ان کے لئے آسان اور مؤثر ہوا اور انسانی بنیادوں پر لوگوں کو جوڑنے اور قریب کرنے کا کام انہوں نے پیام انسانیت کے جلسوں، پروگراموں کے ذریعہ بڑے پیمانہ پر کیا، جس سے برادران وطن میں جو اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پھیل رہی تھیں

ان کا ازالہ ہونے لگا، اور توقع کی جارہی تھی۔ کہ بہت جلد
غیر معمولی نتائج اوراثرات ظاہر ہوں گے۔" (۱)

مسلک حق کی صحیح ترجمانی

ترجمان اہل سنت والجماعت مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی رقم طراز ہیں:

مسلک حق کی صحیح ترجمانی اور کتاب وسنت پران کی نظراور صحیح فہم دین کا، ان سے گفتگو سے ہر کوئی اندازہ کرسکتا تھا، ان کی یہ صلاحیت اس وقت خاص طور پر مشاہدہ میں آئی، جب انہیں ہم نے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ تحریک دعوت واصلاح کے ایک اہم جزء محرم الحرام کے زمانہ میں لکھنؤ میں شہدائے اسلام کے تقریباً سوسالہ جلسوں کے انعقاد میں مدعو کیا، تو انہوں نے وہ خطاب کیا جوان جلسوں کے مقصد اوراس کی روح کے عین مطابق تھا، ہم لوگوں کوان کے بیان سے بڑی مسرت اور خوشی ہوئی، اور یہ صاف محسوس ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ اوران کی خدمات کے سلسلہ میں بڑا ہی متوازن رجحان اور موقف رکھتے ہیں، اور زمانہ کی بیماریوں کوخوب سمجھتے ہیں۔(۲)

دعوت واصلاح کا کام کرنے والوں کو چند ہدایات

دعوت واصلاح کا کام کرنے واے علماء کے سامنے اپنے ایک خطاب میں جوہدایات دیں وہ بڑی کام کی ہیں، جن کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

۱- داعی مؤثر ہوتا ہے اور مدعو متاثر ہوتا ہے، آپ داعی بنیں گے

(۱،۲) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر مارچ راپریل ۲۰۱۳ء

تو مؤثر ہوں گے، اور اگر آپ نے اس چیز کو چھوڑ دیا سب کچھ حاصل کرلیا، مگر داعی نہ بنے تو آپ ہمیشہ متاثر رہیں گے، یہ بہت ہی بنیادی بات ہے۔

۲-اگر آپ داعی بن جائیں گے تو خود بخود محسوس ہوگا کہ اندر ایک نیا انسان پیدا ہو رہا ہے، آپ جس قدر دعوت کا کام کریں گے وہ انسان طاقتور ہوگا، جتنا وہ انسان آپ پر غالب ہوگا، آپ کے اندر اتنی ہی طاقت وتوانائی بڑھتی جائے گی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نہایت نحیف وکمزور تھے، زبان میں لکنت تھی، مگر ان کے اندر کا انسان جاگ گیا تھا، ان کا ایک ایک جملہ دل پر نقش ہو جاتا تھا، بولتے تھے اور کانپنے لگتے تھے، بے چین ہو جاتے تھے اور تڑپتے تھے، یہ وہی انسان تھا جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے اندر منتقل ہو گیا اور انہوں نے تہلکہ مچا دیا، اور اتنا غالب آیا کہ بڑے افسران ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے اور مولانا اس طرح باتیں کرتے تھے جیسے یہ سب بچے ہیں۔

۳-آپ سب کچھ سیکھ جائیں لیکن اگر وہ داعی انسان پیدا نہیں ہوا تو آپ کچھ نہیں کرسکیں گے، اس کے لئے آپ کو تیار ہونا پڑے گا، اہل دل کی خدمت میں رہ کر اور اہل دعوت کی زندگی (سیرت) بھی پڑھنی پڑے گی، اور اگر کوئی (اللہ والا) مل جائے تو کیا کہنا نور علی نور۔

۴-(کوئی بھی کام کرنے سے پہلے) استحضار نیت ہو، ہم کو جو بھی کام کرنا ہے اللہ کے لئے کرنا ہے، یہیں سے آپ کے سارے مسائل حل ہوتے جائیں گے، دوثلث مسائل استحضار نیت سے

حل ہو جائیں گے۔ اکل حلال کا اہتمام بھی بہت ضروری ہے، اکل حلال بہت اثر ڈالا ہے، کیوں کہ اکل حرام سے زبان خراب ہو جاتی ہے، دل خراب ہو جاتا ہے، دعوت کے کام میں اکل حلال بہت ضروری ہے، اس میں آپ اپنے کو جتنا تیار کر سکیں تیار کریں، اور کوتاہی نہ کریں، اور ابھی سے آپ اس کی تیاری کریں۔

۶- (داعی و مصلح کو) نفسیات کا ماہر ہونا چاہئے اور نفسیات کے ماہر ہمارے اہل تصوف بہت رہے ہیں، اسی کا دوسرا نام فراست ہے، حدیث میں آتا ہے "**اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر نور الله**" اور قرآن مجید میں آتا ہے "**إن في ذلك لآيات للمؤمنين**" أي للمتفرسين، یعنی وہ نور مل جائے اور قرآن نور سے بھرا پڑا ہے۔ اور شرح صدر نور سے وابستہ ہے، قرآن مجید میں اللہ ارسال فرماتا ہے: "**أفمن شرح الله صدره للإسلام فهو على نور من ربه**" جب نور ہوتا ہے تو ہر چیز خود نظر آنے لگتی ہے، وہ نور جس کو مل جائے گا تو آپ کو زیادہ تلاش نہ کرنا پڑے گا، تاریکی میں انسان کو کوئی چیز تلاش کرنی پڑتی ہے تو ادھر ادھر ہاتھ مارنا پڑتا ہے، لیکن جب روشنی ہوتی ہے تو ہر چیز اپنی جگہ پر نظر آجاتی ہے تو "**على نور من ربه**" فرمایا گیا ہے نور ملے گا لیکن "**نور من ربه**" ایسے نہیں ملے گا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**ويل للقاسية قلوبهم من ذكر الله**" ذکر سے نور ملتا ہے ورنہ قساوت قلبی پیدا ہو جاتی ہے، یہ سب چیزیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، جتنی یہ چیزیں حاصل ہوتی جائیں گی، اتنا ہی غیر معمولی اخلاص پیدا ہوتا

چلا جائے گا، اور نفسیات کے ماہر ہوتے چلے جائیں گے۔

۷-حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اہم بات لکھی ہے کہ جب کسی کے پاس جاؤ تو اس کے دل میں دروازے تلاش کرو، کہ کون سا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس سے داخل ہو جاؤ، ان کے اندر جا کر دوسرے دروازے کھول پاؤ گے اور اگر بند دروازے کی طرف گئے تو کوئی بھی دروازہ کھول نہیں پاؤ گے۔

۸-دعوت اور حکمت لازم وملزوم ہیں، حکمت اور غصہ میں تضاد ہے، جس کو غصہ آئے گا وہ حکیم نہیں ہو سکتا۔

۹-کام کی تشہیر اور پروپیگنڈے سے بچا جائے، بلکہ اخفاء سے کام لیا جائے، اپنی طرف سے بالکل ہائی لائٹ نہ کیجئے، اور جو آپ کے دائرہ میں آ گیا اس سے رابطہ رکھئے اس کا ساتھ نہ چھوڑئے، پوری ہمدردی کیجئے۔

۱۰-اللہ رب العزت اوپر سے ہدایت نازل کرتا ہے، اور وہ دل کے اندر چلی جاتی ہے، اگر ہدایت آ چکی ہے تو اسے آپ کھود کر نکال لیجئے، وہ آپ کے کام ہو جائے گی، جیسے لوہا وہ تو اللہ ہی کا خزانہ ہے، لیکن جو کھود کر نکالے گا تو وہ اسی کا ہے۔ اسی طرح ہدایت بھی ہے کہ ہدایت اللہ نے نازل کر دی آپ کھود کر نکال لیں گے تو خزانہ آپ کا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "لأن یهدی الله بک رجلاً خیراً لک من حمر النعم."

(تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک کو بھی ہدایت دے دے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے یعنی کروڑوں سے)۔(۱)

---

(۱) تعمیر حیات ۲۵ رفروری ۲۰۱۳ء

تربیت مریدین وارشاد سالکین

اہل تعلق کے احوال وکیفیات، اذواق ومواجید پر نظر رکھتے ہوئے کبھی کسی ملفوظ کے ذریعہ، کبھی مطالعۂ کتب کے ذریعہ، کبھی مطالعۂ کتب چھڑا کر، کبھی ایک شغل سے دوسرے شغل کی طرف منتقل کرکے اور کبھی کسی اور طریقہ سے کام لے کر تربیت ورہنمائی فرماتے، اور جو انفرادی طور پر اپنی بات نہ رکھ پاتے مگر مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ مجلسی افادہ کے ذریعہ ان کی رہنمائی فرماتے۔ مولانا عبدالرشید راجستھانی ندوی (استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کہتے ہیں کہ میری پریشان خیالی اور بے چینی کو دیکھ کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ خاص طور پر ''فتوح الغیب'' کے مطالعہ کا مشورہ دیا، وہ ہمارے لیے اکسیر ثابت ہوا۔ بعضوں کو زیادہ نصیحت کرتے دیکھا تو اس سے منع کردیا، یا زیادہ لکھتے دیکھا تو مطالعہ کی طرف توجہ کو کہا، اور بعض کو لکھنے سے منع بھی کردیا، اور پھر نگاہ رکھتے کہ اس کے بعد اس کا کیا حال ہے، وہ نفع میں ہے یا نقصان میں، اور پھر علاج تجویز کرتے۔ مولانا محمد وثیق ندوی استاد ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے الرائد کے اپنے مضمون میں اپنے بعض تجربات کی روشنی میں بڑے اہم نکات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو انہیں مولانا رحمہ اللہ کے ساتھ کام کرنے کے دوران محسوس ہوئے۔ (ملاحظہ ہو ''الرائد'' ندوۃ العلماء، کے فروری اور مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارے) ندوۃ العلماء کے بعض اساتذہ وطلبہ کے اور بھی اہم مضامین ان شماروں میں لائق مطالعہ واستفادہ ہیں۔

مردم سازی

مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی تحریر کرتے ہیں:

''۲۰۰۹ء اپریل کے آس پاس کا زمانہ تھا، مولانا ابوالحسن علی ندوی

اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے ایک دعوتی دورہ پر ناظم جامعہ جناب محمد شفیع صاحب شاہ بندری، نائب صدر جامعہ مولانا محمد اقبال ملاّ ندوی اور مہتمم جامعہ مولانا عبدالباری ندوی کی معیت میں ۹/۸ اساتذہ جامعہ کا ایک وفد آسام، میگھالیہ، بہار، راجستھان، اتر پردیش، راجستھان اور گجرات وغیرہ کے دعوتی سفر پر روانہ ہوا، سفر کے دوران ہم لوگ آسام کے ضلع نوگاؤں کے دیہات بیچاماری میں ایک سرکاری ڈاکٹر کے گھر میں رات کو ٹھہرنے کے لیے جب پہنچے تو اس دور افتادہ دیہات میں ایک جھونپڑی میں ایک مدرسہ چل رہا تھا، جب اپنی قیام گاہ میں کچھ دیر آرام کے بعد رات نو بجے کے قریب ہم لوگ اس مدرسے میں پہنچے اور بچوں کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے ذمہ دار مدرسہ سے سوال کیا کہ آپ اس دور افتاد پسماندہ دیہات میں کیسے پہنچے؟ تو مہتمم مدرسہ نے بتایا کہ مولانا عبداللہ حسنی صاحب کے حکم سے انہوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہے اور انہی کے کہنے پر اتنی دور وہ یہاں قیام پذیر ہوئے ہیں، ایک سال کے بعد راجستھان میں جودھپور کے قریب ایک اور گاؤں پیپارسٹی جانا ہوا تو وہاں بھی اسی طرح ایک عالم دین جو دوسرے صوبہ کے تھے دعوتی ودینی اور تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف عمل ملے، وہ بہت قلیل مشاہرہ پر وہاں کام کررہے تھے میں نے ان سے پوچھا اس مختصر تنخواہ پر آپ کیسے گذر بسر کرتے ہیں؟ انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا کہ میں یہاں مولانا عبداللہ حسنی صاحب کے حکم سے آیا ہوں اور جب تک مولانا کا حکم نہیں ہوگا میں نہیں جاؤں گا، اکیڈمی کے

قیام کے بعد ادھر مسلسل ۱۳/ سال کے وقفہ میں ملک بھر کے جن جن صوبوں، شہروں اور دیہاتوں میں جانے کا موقع ملا وہاں مجھے اس طرح دس بیس نہیں درجنوں ایسے لوگ اور نوعمر علماء ملے جن کو ان علاقوں میں جانے اور دینی مدارس ومکاتب اور اسلامی اسکولوں واداروں کے قیام کی تحریک وترغیب مولانا مرحوم ہی سے ملی تھی، مجموعی طور پر دعوتی جذبات سے سرشار اور کچھ کر گزرنے کی تڑپ رکھنے والے ان نوجوان علماء میں جو بات قدر مشترک تھی وہ یہ کہ ان میں سے اکثر اپنے زمانہ طالب علمی میں اوسط درجہ سے بھی کم صلاحیت کے شمار کیے جاتے تھے، مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کے ناقابل فراموش کارناموں میں افراد سازی کو سب سے نمایاں وصف شمار کیا جائے گا لیکن اس وصف میں دوسرا جو اہم وصف جڑا ہوا تھا وہ یہ کہ ان کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ان کمزور سمجھنے والوں اور کم صلاحیت کے حامل خیال کیے جانے والوں بلکہ بعض ایسے افراد واشخاص کو میدان عمل میں پہنچا دیا جن سے خود ان کے والدین واساتذہ بھی مختلف وجوہات سے ناامید ہو چکے تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد ہندوستان میں حضرت مولانا کی فکر وسوچ کے مطابق جو بے شمار مدارس ومکاتب اور دینی ودعوتی ادارے ہمارے ملک میں وجود میں آئے ان کی ایک بڑی تعداد کے لیے سب سے زیادہ محرک اور واسطہ بننے کی سعادت اللہ تعالی نے مولانا مرحوم کو عطا فرمائی تھی۔" (۱)

---

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر مارچ/اپریل ۲۰۱۳ء

حکیمانہ انداز تربیت

سنبھل میں انجمن کے مدرسہ میں مولانا کی تشریف آوری کا حال اس وقت کے وہاں کے طالب علم اور آج کے مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی کے استاد حدیث مولانا عمر عثمان ندوی مرادآبادی لکھتے ہیں:

''جلسہ کا افتتاح ہوا، طلبہ کے اس پروگرام میں عمائدین شہر کو بھی مدعو کیا گیا تھا، ان کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی، پروگرام کی نظامت کی ذمہ داری ایک بڑے درجہ کے طالب علم کو سونپی گئی تھی، دوران نظامت ناظم جلسہ نے مولانا کا تعارف کراتے ہوئے لفظ ''خلَف'' کو ''خلْف'' کہہ دیا اور ان کو اپنی اس غلطی کا احساس بھی نہ ہوسکا، شاید وہ دونوں لفظوں کے فرق سے واقف نہ تھے کہ عربی زبان میں خلَف اچھے جانشین کو اور خلْف برے جانشین کو کہتے ہیں، طلبہ کی تقریروں کا سلسلہ ختم ہوا اور اب بڑی شدت سے انتظار تھا مولانا کے خطاب کا، مولانا کو طلبہ سے خطاب کے لیے مدعو کیا گیا، ہم طلبہ مولانا کا خطاب سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہوکر بیٹھ گئے، اب کیا تھا مولانا کا خطاب شروع ہوا، قرآن کریم کی آیت ''فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب یأخذون عرض ھذا الأدنی'' کی تلاوت کی اور اسی آیت کو اپنی گفتگو کا موضوع بنایا، شروع میں تو کیا بہت سے لوگ آخیر تک نہ سمجھ سکے کہ مولانا نے اس آیت کو کیوں منتخب فرمایا، کسی کو دیکھنا ہو تو اس انداز تربیت کو دیکھے، مذکورہ آیت شریفہ کی اس انداز میں تشریح کی ناظم جلسہ کی اصلاح بھی ہوگئی اور دوسرے لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی، پھر مولانا نے ''خلَف'' اور ''خلْف'' پر اس دلکش

انداز میں گفتگو فرمائی کہ ہم طفلان مکتب کو بھی بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی، پھر مولانا نے دنیا دار علماء پر ایک مؤثر خطاب کیا، قوم بنی اسرائیل نے کس طرح دین کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور آیات الٰہیہ کو بے حیثیت دنیا کے بدلہ فروخت کیا، حرام وحلال کی مطلق پرواہ نہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ نمازوں کو ضائع کرنے والے ٹھہرے اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے اور آخرت کی تباہی ان کا مقدر بن گئی، ہمیشہ اپنے آباء وجداد پر فخر کرتے رہے اور کام ان کی شریعت کے خلاف کرتے رہے، اور کہتے رہے "سیغفر لنا" ہم تو بخش دیے جائیں گے۔(۱)

---

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر مارچ راپریل ۲۰۱۳ء

آٹھواں باب

سلوک ومعرفت اور تزکیہ وتصوف

تصوف کیا ہے؟

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں حقیقت تصوف تک رسائی حاصل تھی اس کو بڑے جامع الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''تصوف ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن جن حضرات کو اس کے صحیح حاملین اور اس راہ کے معتبر اور صحیح رہنماؤں کی صحبت وزیارت کی توفیق نہیں ہوسکی، ان کے سامنے تصوف کی اصطلاح ایک معمہ اور چیستاں بن کر رہ گئی اور اس کے پس پردہ ایک ایسا خرافاتی نظام نظر آنے لگا جو روح شریعت سے متصادم اور کتاب وسنت کا متوازی نظام تھا جو ظاہر ہے کوئی توحید کا متوالا اور سنت کا شیدائی، غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی رکھنے والا انسان برداشت نہیں کرسکتا اور نہ کرنا چاہئے۔'' (۱)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ عقیدۂ توحید کو اس راہ میں دروازے کی حیثیت قرار دیتے تھے کہ اس کے قفل کو کھولے بغیر اس قلعہ میں داخل ہونے کا سوال نہیں، اور ایک بات بہت زور دے کر فرماتے تھے کہ کوئی شخص بینک میں رقم جمع کرنے جائے اور اکاؤنٹ نہ

---

(۱) تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر صفحہ: ۲۸

کھلوائے اس کی رقم جمع نہ ہوسکے گی، اسی طرح خواہ کوئی جتنے ہی نیک کام کرے اس کو توحید کی حفاظت اور ترک بدعت کے غبار سے بچے بغیر فائدہ نہ پہونچا سکے گا، یہ چیز ان کو جس ماحول کے اثر اور جن مشائخ کی صحبت اور جس نظام تعلیم وتربیت سے حاصل ہوئی اس کی طرف انہوں نے خود اس طرح اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''پچیس تیس سال پہلے جب کہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ابتدائی درجات میں زیر تعلیم تھا اور بازار جھاؤلال کے اس پرانے مکان میں قیام تھا جس میں ہندوستان کے اکابر تشریف لا چکے تھے، حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ از خود تشریف لائے، اور حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کی تو مستقل قیام گاہ تھا، جب بھی حضرت لکھنؤ تشریف لاتے ہماری خوش نصیبی تھی کہ اسی مکان کو رونق بخشتے اور گھر میں عید ہوجاتی، اگرچہ یہ سب باتیں میرے وجود سے پہلے کی ہیں، لیکن گھر کی خواتین اور خاص طور سے اپنی پھوپھیوں سے ان حضرات کی تشریف آوری کی برکتوں اور خاص طور سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک قیام کے تذکرے سنے، جس کی وجہ سے فطری طور پر ان حضرات کی عقیدت ومحبت دل ودماغ میں پیوست ہوگئی، ان سب سے بڑھ کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی مبارک صحبتوں نے دائرہ عقیدت ومحبت کو وسیع تر کردیا، اور غیر شعوری طور سے یہ محسوس ہونے لگا کہ دین کا ہر داعی ہمارا ہے، اگرچہ طریقۂ کار میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا ہر مقبول ومحبوب بندہ ہر دلعزیز ہے، اگرچہ وہ کسی سلسلہ سے تعلق رکھتا ہو، شرط سنت کی اتباع کی ہر جگہ اور ہر وقت ہے۔''(۱)

---

(۱) نمونۂ سلف از: مولانا شمس الحق ندوی، ص:۹۰

توحید اور اتباع سنت کے ساتھ راہ سلوک طے کرنے میں آپ نے ہمیشہ سب سے زیادہ جس چیز کو اہمیت اور تمام اعمال پر فوقیت اور ترجیح دی اور بچپن سے اس کا شوق حاصل کر کے پوری زندگی اس میں کبھی لچک نہیں دکھائی اور کبھی تساہلی اور غفلت سے کام نہیں لیا، حتی کہ مرض وفات میں مرض کی شدت اور تکلیفوں کے باوجود اس میں رخصت پر عمل نہیں کیا وہ نماز ہے، یہاں تک کہ جس دن انتقال ہوا اس دن بھی فجر کی نماز باجماعت ادا کی، اور جماعت کا برابر اہتمام رکھا اور اگلی نماز کا وقت آنے سے پہلے ہی جان جان آفریں کے سپرد کی، نماز کے سلسلہ میں اس پر آپ کا پورا عمل تھا، جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (ﷺ) کو حکم فرمایا کہ:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقاً نَحْنُ نَرْزُقُكَ.﴾ (طه:۱۳۲)

(اور اپنے اہل تعلق کو نماز کی تاکید کیجیے اور خود اس پر جمیے، ہم آپ سے رزق کے طالب نہیں ہیں، رزق تو ہم آپ کو دیں گے)۔

فجر کی نماز میں خاص طور پر رسول اللہ (ﷺ) کے اس معمول پر بھی عمل پیرا ہوتے کہ نماز کے لیے کہتے ہوئے مسجد جاتے، اور دو چیزوں میں ذرا بھی لچک نہ تھی ایک عقیدۂ توحید کے معاملہ میں اور دوسری نماز کے معاملہ میں۔ چنانچہ بدعتی اور تارک صلوۃ آپ کے نزدیک سب سے بڑا مجرم تھا، اور اس سے ذرا بھی تعلق رکھنا ان کے لیے برداشت سے باہر تھا۔

تقرب الی اللہ کے مقامات طے کرنے کے لیے وہ جس چیز کو بہت ضروری اور امراض روحانی کے ازالہ اور علاج کے لیے بہت مہتم بالشان سمجھتے تھے وہ ذکر تھا، اس کے متعلق ان کی ایک تحریر سے ان کا فکر و رجحان پیش کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”ذکر کی اہمیت وفضیلت سے قرآنی آیات اور نبوی تعلیمات

معمور ہیں، تصوف میں اس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی ہے، اس کے بغیر انسان سیدھا کھڑا نہیں ہوسکتا، متقدمین اور متاخرین سب اس پر متفق ہیں، ان حضرات نے ذکر الٰہی کے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں تاکہ بآسانی قلیل سے قلیل مدت میں اس کے نتائج واثرات ذاکر پر مرتب ہوسکیں، ذکر کی کثرت ہی سے یقین واطمینان، حضوری ودھیان، اخلاص واستحضار، جذب وکیف، انوار وبرکات حاصل ہوتے ہیں، بلکہ اس کو زندگی کی روح اور ماحصل قرار دیا گیا ہے ؎

اللہ اللہ ہے تو یارو جان ہے
ورنہ یارو جان بھی بے جان ہے

اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی باتوں سے اپنے اس فکر وخیال کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک طالب علم نے ذکر کی تاثیر کے بارے میں سوال کیا، اثبات ونفی (لا الہ الا اللہ کے ذکر) کے بارے میں فرمایا کہ اس سے ایمان ویقین مضبوط ہوتا ہے، اور اثبات محض (اللہ اللہ کے ذکر) کی تاثیر کے بارے میں فرمایا اس سے تعلق مع اللہ مضبوط ہوتا ہے۔''

مزید وہ اپنے شیخ ومربی کے اس سلسلہ میں مجاہدہ وریاضت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حضرت والا نے بھی جب سلوک کی وادی میں قدم رکھا، تو اس کو طے کرنے کے لیے ذکر الٰہی کو حرز جاں بنایا اور سلاسل میں جو طریقے ذکر کے مروج ہیں ان کو اپنا کر منازل سلوک طے کیے

اور بامراد و کامران رہے۔
تین مہینے لاہور میں قیام رہا، مسجد کے قیام میں کیا کیا اعمال واشغال تھے، تفصیل سے کبھی کسی سے بیان نہیں کیا، جستہ جستہ ذکر کردیا کرتے تھے، ایک پوچھنے والے سے اتنا بتایا کہ سوائے ذکر وتلاوت کے اور کوئی دوسرا کام نہیں تھا، تنہا اتنی بڑی مسجد میں قیام تھا، نہ کسی سے ملاقات کی اجازت تھی اور نہ علمی کام کرنے کی، لطائف پر چھ ہزار اسم ذات کا ذکر کیا کرتے، ذکر قلبی کا بڑا اہتمام تھا، جس کی وجہ سے ہمہ وقت ذاکر رہتے تھے، تہجد سے فارغ ہوکر نفی اثبات جہری کیا کرتے تھے، جس کا معمول آخر تک باقی رہا، جوانی میں اوّابین کے بعد عشاء تک ذکر میں مشغول رہتے۔"(۱)

قرآن مجید اور حدیث شریف سے اشتغال

قرآن مجید کی تلاوت، تدبر، اور اس کی تفہیم وتفسیر اور اس کے ذریعہ اہل دین واہل ایمان کو ایصال ثواب اور حدیث شریف سے اشتغال، اس کا مطالعہ، اس کی خدمت، تدریس وتشریح وغیرہ وہ اعمال ہیں جن سے قلب میں خاص روشنی آتی ہے اور سلوک طے کرنے میں یہ اعمال بڑے معین ومؤثر ہوتے ہیں، مولاناؒ نے پورے آداب کے ساتھ ہمیشہ ان اعمال کا التزام کیا اور اس کی اثر انگیزی کو حدیث دیگراں میں انہوں نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا حال ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے جو اس طرح ہے:

"تنہا ایصال ثواب کے لیے ۱۱مرتبہ سے ۱۴مرتبہ تک سورۂ یٰس کی تلاوت فرماتے اور قرن اول کے اصحاب سے لے کر اس

(۱) تعمیر حیات، مفکر اسلام نمبر، ص:۳۲

وقت تک کے ہر چھوٹے بڑے تعلق والے کا نام لیتے اور جن حضرات کا نام لیتے پورے القاب وآداب کے ساتھ لیتے، رواروی میں نام نہ لیتے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا نام جب لیتے تو فاتح ہندوستان ضرور فرماتے، نام لینے میں گھنٹہ سوا گھنٹہ لگتا اور یہ تقریباً روز کا معمول تھا، قرآن مجید تدریس کے زمانہ میں یاد کرنا شروع کیا، آپ کے بعض رفقاء کا بیان ہے کہ صبح سے دوپہر تک ٹہل ٹہل کے یاد کرنے کا معمول بھی رہا ہے، اس کے علاوہ تلاوت کے الگ معمولات تھے، اشراق وغیرہ سے فارغ ہوکر زبانی بھی سناتے تھے اور دیکھ کر بھی تلاوت فرماتے، آخر میں اپنے والد صاحب کی کتاب تہذیب الاخلاق جو حدیث کا انتخاب ہے کا مطالعہ فرماتے اور بہت مسرور ہوتے، صحیح بخاری کے ڈیڑھ دو صفحے سننے کا بھی معمول ہوگیا تھا، جو بیماری کے دن تک جاری رہا۔ تکیہ کے قیام میں عزیز القدر مولوی بلال عبدالحی حسنی سلمہ اللہ ونفع بہ کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہوئی اور دارالعلوم کے قیام میں راقم کو یہ سعادت حاصل ہوئی، سنتے وقت اہتمام سے بیٹھ جاتے، خود بھی بسم اللہ پڑھتے اور نہایت خشوع سے یہ دعا کرتے: اللھم انفعنا بالآیات والذکر الحکیم. اور توجہ فرماتے، پھر میں تلاوت شروع کردیتا۔"(۱)

یہ اعمال تزکیہ ہیں جن کا ذکر کیا گیا لیکن ان اعمال کے لیے ارشاد مرشد اور خضر طریقت کی ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا عارفانہ شعر ہے کہ ؎

---

(۱) تعمیر حیات، مفکر اسلام نمبر، ص: ۳۲

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں، آپ مرے ساتھ آئیے

چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کی راہ میں کبھی بھی تنہا چلنے کی کوشش نہ کی، اوراپنے کوکبھی آزادنہ سمجھا، کہ بقول حضرت پرتاپ گڑھی کے

ع اگرآزادہم ہوتے خداجانے کہاں ہوتے

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کاتعلق قائم کرکے تربیت واصلاح اپنے سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے لیتے رہےاور مشائخ وقت کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضری دینے کامعمول بھی جاری رکھا، جس کی تفصیل آگے آئے گی، یہ صحبت تھی جس سے دینی رنگ چڑھتا ہے۔ اس کے لیے مولانا کے یہاں جومعیار تھا اس میں دوباتیں ان کے نزدیک بہت ضروری تھیں:

۱-توحید میں پکا ہو۔ ۲-قول وعمل میں سچا ہو۔

مولانا کوموجودہ دور میں نیک صحبت اور صحبت بد کی لوگوں میں تمیز نہ رکھنے کا بڑاقلق تھا چنانچہ اس سے زندگیوں میں جوخرابیاں پیدا ہورہی ہیں اس کے ازالہ کے لیےانہوں نے ایک رسالہ تحریرفرمایا جو'نیک صحبت کی ضرورت' کے نام سے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا، صحبت اتنی اہم چیز ہے کہ اس نے رسول اللہ (ﷺ) کی جماعت کو اسی عمل سے سب میں ممتاز کیا، اور قرآن مجید نے بھی ان کے اسی وصف کی طرف اشارہ کرکے ان کی تعریف کی کہ:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ.﴾ (الفتح:۲۹)

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جوان کے اصحاب ہیں وہ اہل کفر کے حق میں سخت اور آپس میں بڑے

مہربان ہیں)۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ صحبت کے ساتھ اعمال واشغال کو اور اعمال واشغال کے ساتھ صحبت کو ضروری سمجھتے تھے، صحبت کو کافی سمجھا جائے اور اصلاح واستفادہ کی فکر وکوشش نہ کی جائے، یہ ان کے نزدیک درست نہیں تھا، اور اصلاح واستفادہ کا طالب ہو اور صحبت اختیار نہ کرے، اس کو بھی وہ مضر سمجھتے تھے۔

مولاناؒ کو بچپن میں بغیر کوشش کے یہ چیزیں حاصل ہوئیں اور پھر طالب علمی کے زمانہ سے کوشش سے اس میں ترقی کی، اور تادم حیات اپنے کو اصلاح واستفادہ سے مستغنی نہیں سمجھا، اور اپنے معاملات میں صرف مشورہ لینے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے بزرگوں کے انشراح پر بھی نظر رکھی، یہ ان کی شان عبدیت تھی جس نے ان کو بلند مقام پر فائز کیا اور اللہ نے ان سے وہ کام لیے جو وہ نائبین نبوت سے لیتا ہے۔ چنانچہ دین کی دعوت وتبلیغ کام کا اپنے سر اوڑھا اور دوسری طرف تعلیم کتاب وسنت اور تزکیہ وتربیت کا کام پوری ذمہ داری سے انجام دیا۔

اصلاح وتربیت کا کام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

"قرآن مجید نے رسول اللہ (ﷺ) کے تین اوصاف بیان کیے ہیں: ۱-تلاوت آیات۔ ۲-تزکیہ۔ ۳-تعلیم کتاب وحکمت۔ ان اوصاف میں رسول اللہ (ﷺ) کی مخصوص صفت آپ کی صفت تزکیہ ہے، آپ کے بعد آپ کی امت میں آپ کے ان اوصاف میں بہت سے لوگ علیحدہ علیحدہ اور بعض مجموعی طور پر آپ کے جانشین ونائب ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے، بعض کے حصے میں تلاوت کتاب آئی، بعض کو تعلیم کتاب، بعض کو تعلیم حکمت سپرد ہوئی اور بعض کا منصب تزکیہ

ہے، اور بعض جامع اوصاف ہیں، صرف تلاوت کتاب کرنے والے حفاظ وقرا ہیں، تعلیم کتاب کی خدمت انجام دینے والے علماء ظاہر ہیں، اور حکمت کی تعلیم دینے والے علماء باطن اور محققین صوفیہ ہیں، اور تزکیہ کرنے والے آپ کی امت کے وہ اہل دل اور صاحب حال بزرگ ہیں، جو آپ کے انفاس وانوار کے وارث وحامل ہیں۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کے لیے اور ان کی برکات پہنچانے کے لیے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے جتنی کتاب وحکمت کی تعلیم یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ تعلیم ہے، اور وہ تربیت اور تکمیل انسانیت کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے باوجود تزکیے کی کمی اس طرح محسوس ہوتی ہے جس طرح کھانے میں نمک کی کمی اور دونوں کے نتائج میں وہی فرق ہے جو اکبر مرحوم نے بیان کیا ہے ع

زباں گو صاف ہوجاتی ہے، دل طاہر نہیں ہوتا

اہل دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پوری کی اور امت کی اصلاح اور دین کی خدمت میں علماء کا اچھی طرح ہاتھ بٹایا، دونوں نے مل کر رسول اللہ (ﷺ) کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا، علماء ظاہر سے اگر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مرضی، اس کی خوشی وناخوشی کا حال اور شریعت کے احکام کا علم ہوا، تو ان بزرگوں سے حقائق شرعیہ اور حکم الٰہیہ کا علم اور احکام پر عمل کرنے کا شوق وولولہ، مسابقت کا جذبہ، قلب میں تازگی ورقت، روح میں بالیدگی، طاعات میں سہولت واخلاص، تہذیب نفس اور طہارت

اخلاق حاصل ہوئی، جن کو نصوص قرآن وحدیث میں لفظ
''احسان'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو دونوں منصب عطا کیے، علم ظاہر اور علم باطن دونوں سے ہی انہوں نے کام لیا، دعوت دین اور اصلاح امت اور تزکیہ نفوس وقلوب وارواح کا عظیم کام لیا، اور لوگوں نے اپنی زندگیوں ان کے فیوض ظاہری وباطنی سے زبردست انقلاب دیکھا۔

عشق وسوز اور درد ومحبت

تصوف وسلوک کہیں یا راہ عشق ومحبت کا نام دیں، یا درد وسوز کی کیفیت قرار دیں، ذکر عشق ومحبت کی آگ لگاتا ہے اور صحبت درد وسوز پیدا کرتی ہے، یہ عشق ومحبت ہے جو خالق کی عبادت وطاعت کی راہ پر ڈالتی اور عبدیت کا حال پیدا کرتی ہے، جس میں پھر اپنی رائے رائے نہیں رہ جاتی اور عبدیت کا حال پیدا کرتی ہے، بس اللہ کا حکم اور اس کی مرضی ومنشاء اور پسند وناپسند ملحوظ ہوتی ہے، پسند کو اختیار کرنا ہے اور ناپسند سے دوری بناتا ہے، اور اس کے رسول محبوب (ﷺ) کی چھوٹے بڑے ہر کام میں اتباع کا وہ شوق پیدا ہوجاتا ہے جس کے بغیر قرار نہیں ہوتا، اور اخلاص وللّٰہیت کا وہ حال ہوجاتا ہے کہ اس کے بعد پھر کسی کی خوشی ناخوشی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت اسی کے حسب حال تھی وہ جس چیز میں خالق کی رضا اور پسند دیکھتے ہوتے پھر مخلوق کی خوشی وناخوشی کی پرواہ نہ کرتے، اس چیز نے ان کے مزاج میں صراحت پیدا کردی تھی لیکن ہم کور دماغوں کے لیے یہ صراحت بڑی مفید ہوتی، اور سوز وگداز اور درد ومحبت کا حال امت کے لیے انہیں بے قرار رکھتا، ان کی یہ بے قراری ان کی اس تحریر سے سمجھی جاسکتی ہے جو عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کے تذکرہ کا حصہ ہے وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) سیرت سید احمد شہید جلد دوم، ص: ۵۴۷

”حضرت والا نے اپنی مسیحا نفسی، عشق ومحبت کی گرمی اور اخلاص وللہیت سے نہ جانے کتنے دلوں کی دنیا بدل دی، کتنے عقل کے مارے، قلب کے سوز وگداز سے آشنا ہوئے، کتنی آنکھوں میں سرور عشق اور کتنے چہروں پر یقیں کا نور پیدا ہوا، آج ایسے حضرات جن کے اوصاف علامہ اقبالؔ نے اس شعر میں بیان کئے ہیں ؎

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

کم ہوتے جاتے ہیں جب کہ زمانہ کو ایسے حضرات کی شدید ضرورت ہے۔“(۱)

اور لوگوں خصوصاً اہل علم کی ظاہر پر توجہ اور باطن سے بے توجہی پر اپنی کڑھن کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:

”آج کل دستار فضیلت تو رہ گئی، لیکن دستار محبت غائب ہوگئی، ارشادات ہیں، تعلیمات ہیں، تقریریں ہیں، تحریریں ہیں، لیکن روح سے خالی، عشق ومحبت کی گرمی سے دور، یقیں محکم سے عاری، لفظوں کے غبارے حرفوں کی پتنگیں، عقل کی ڈور سے لڑائی جاری ہے، تحقیق کے نام پر تنقید، تنقید کی آڑ میں تنقیص کی گرم بازاری ہے، اللہ کے مقبول اور محبوب بندے زمانہ حاضر کے نہیں بلکہ وہ جن پر ہمارے سلف کے بڑے بڑے ناقدین خاموش تھے، آج اہل قلم کی زد میں ہیں: ”فالی اللہ المشتکیٰ.“(۲)

(۱) نمونہ سلف، ص:۲۰۲-۲۰۳ (۲) نمونہ سلف، ص:۲۰۲

مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت پرتاپگڑھی کا ایک شعر سناتے تھے جو خود ان کے حسب حال تھا، اور جس میں سمجھنے والوں کے لیے بڑا پیغام ہے کہ ؎

محبت نام ہے مر مر کے جینا نہ کہ مر جانا
ابھی اس راہ سے واقف نہیں ہیں ہائے پروانے

اور اسی چیز نے ان کو وہ جادۂ استقامت عطا کیا تھا کہ جس کے بعد وہ اس سانچہ سے نکلے نہیں جس میں ڈھل چکے تھے، جو کتاب وسنت کا سانچہ تھا اور وہ حال بھی انہیں پسند نہیں تھا کہ جس سے دوسروں پر تو حال طاری ہو اور وہ بے حال اور بے کیف ہو جائیں، محبت کی راہ کی حقیقت کو حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

> "یہ وہ شعبہ ہے جس کا تعلق قال سے کم حال سے زیادہ ہے، یہ شنیدن سے زیادہ چشیدن ہے، یہاں کام قلب بریاں اور چشم گریاں کا ہے، نہ عقل حیراں اور فکر پریشاں کا، یہ مشاہداتی اطمینان وسکون ہے نہ کہ اخباری معلومات اور فطری تخیلات، یہ سراپا عشق ہے جس سے اخلاص کے سوتے جاری ہوتے ہیں، اس فن کے ماہرین نے اس مقام پر فائز ہونے کے لیے چند امور کی بہت تاکید کی ہے، جن میں سے تین بہت اہم اور بنیادی سمجھے گئے: ۱- صحبت محبت کے ساتھ۔ ۲- کثرت ذکر۔ ۳- خود رائی سے مکمل پرہیز۔" (۱)

اتباع وانقیاد

اتباع وانقیاد مولانا کا بڑا وصف تھا، اور شیخ کی رائے کو ان کے انشراح کی کیفیت کے ساتھ وہ دیکھتے تھے، اور خود انہوں نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا سید

(۱) تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر، ص: ۲۹-۳۰

ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی زندگی میں کامیابیوں کی کلید اسی وصف کو محسوس کیا، وہ انہی کا تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ایک عارف نے کوچہ عشق میں قدم رکھنے کی شرط بیان کی ہے اوراس کوضروری قرار دیا ہے ؎

جب تک فنائے رائے کی ہمت نہ پایئے
کیوں آپ اہل عشق کی محفل میں آیئے

یہ اس راہ کا دستور ہے، سب ہی اس پر چل کر کامیاب ہوئے ہیں، حضرت مولانا نے بھی اسے نبھایا، بلکہ پوری زندگی اس پر عمل کر کے دکھایا، حضرت اپنی تمام علمی اور فکری بلندیوں کے باوجود ہمیشہ اپنے بڑوں کی بات مان کر چلے، اپنے بڑے بھائی کی ہمیشہ بات مانی، فرماتے تھے، بات ماننے میں ہمیشہ فائدہ ہوا، ایک دو دفعہ نہیں مانی، اس کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا، حضرت رائے پوری کے تعلق سے فرمایا، ایک مرتبہ ایک اہم سفر درپیش تھا، حضرت رائے پوری کی رائے یہ تھی کہ اس وقت سفر نہ کروں میں نے فوراً بات مان لی، حضرت نے امتحاناً میرے چہرہ کو دیکھا کہ ناگواری تو نہیں ہوئی، حضرت فرماتے تھے کہ الحمدللہ مجھ پر بالکل اثر نہیں پڑا، حضرت رائے پوری اس سے بہت خوش ہوئے، اوراس کے بعد عنایات وشفقتیں بہت فرمائیں۔ حضرت فرماتے یہ حضرات یہ بات بہت دیکھتے ہیں کہ خوش دلی کے ساتھ کون بات مانتا ہے۔ حضرت رائے پوریؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث سے اہم چیزوں میں مشورہ کرنے لگے تھے یہ بھی معمول ہمیشہ قائم رہا، اور خوردوں میں بھی جو بات

مانتا اس سے بہت خوش ہوتے، اس کو دعائیں دیتے، اس کو اس
کے لیے ترقی کا زینہ قرار دیتے۔"(۱)

جس امتحان سے گزرنے کا ذکر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و مرشد کا کیا ہے، ایسے ہی امتحان سے انہیں بھی گزرنا پڑا، ایک صاحب نے اپنے ساتھ حج پر لے جانے کے لیے اصرار کیا، انہوں نے کہا کہ حضرت کے انشراح کے بغیر ممکن ہی نہیں وہ حضرت کے پاس گئے، حضرت نے ان پر چھوڑ دیا، وہ بولے: حضرت نے تو اجازت دے دی، مولانا نے کہا کیا فرمایا؟ ان صاحب نے یہ بات نقل کی، مولانا نے کہا آپ سمجھے نہیں یہ اجازت نہیں ہے، بلکہ حضرت نے اجازت نہیں دی، بالآخر وہ ان کے ساتھ جانے پر راضی نہیں ہوئے۔ ان کے اس عمل سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ان کی اس راہ محبت کی ذہانت اور سعادت مندی سے بڑے خوش ہوئے اور دعائیں دیں، اور یہیں سے ان پر روحانی ترقیات کے دروازے کھلتے چلے گئے، اور بعد میں اس طرح کے اور بھی امتحان لیتے اور آخر میں پھر اجازت و خلافت سے سرفراز کیا، اور خود حضرت مولانا عبداللہ حسنی نے اپنے بعض متوسلین کو اس امتحان سے گزارا، اور آزمایا کہ ان کا تعلق خود رائی کے ساتھ ہے یا فنائے رائے کے ساتھ۔

مشائخ عصر کی توجہات

خال معظم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دادا اور سرپرست مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سرپرستی و رہنمائی میں تعلیم و تربیت پائی، وہ انہیں اپنے ساتھ مشائخ عصر کی خدمت میں لے گئے اور ان کے دل کے تار کو ان کے دل کے تاروں سے جوڑا، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی انہیں دعائیں حاصل ہوئیں اور چونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۷ء کے شروع مہینہ میں پیدا ہوئے اور حضرت

---

(۱) تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر، ص: ۳۲-۳۳

شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر علالت کے بعد ۱۹۵۷ء کے آخر مہینہ میں وصال ہوا اور ان کی آپ کی ولادت کے بعد لکھنؤ تشریف آوری ہو چکی تھی اور حضرت کا قیام انہی کے دادا حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کے مکان پر رہا کرتا تھا، اس سے حضرت کی توجہات انہیں حاصل ہوئیں۔

حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے دوسرے دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا بڑا والہانہ تعلق تھا اور وہ ان کے خلفائے کبار میں تھے، اور گھر میں جس بچہ کی ولادت ہوئی حضرت سے اس کے لیے دعا کی درخواست کرتے، اور توجہات چاہتے، چونکہ حضرت کا سفر ان دنوں لکھنؤ کا نہ ہوسکا، اور جو سفر ہوا وہ پاکستان کا تھا، اس لیے مولانا سید عبد اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت کی زیارت حاصل نہ ہوسکی، لیکن دعائیں اور توجہات حاصل ہوئیں، بعد میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی انہیں اپنے ساتھ کئی بار رائے پور خانقاہ لے گئے اور حضرت رائے پوری کے تربیت یافتہ حضرات اور اس سلسلہ کے مشائخ وخلفاء سے استفادہ کا موقع ملا، حضرت کے خاص خادم راؤ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم جو حضرت رائے پوری کے بڑے مقرب اور بے تکلف خادم تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ صفائی باطن کا اثر محسوس کر کے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگے کہ آپ عبد اللہ میاں کو اجازت وخلافت دے دیجیے، حضرت ان کی بات پر مسکرائے، لیکن کوئی جلدی نہیں کی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا حاضری کا بڑا معمول تھا، کسی رمضان میں جس میں حضرت شیخ سہارنپور میں مقیم ہوں ایسا نہ ہوتا کہ آپ سہارنپور نہ جائیں اور کچھ دن قیام نہ کریں، کتنے مواقع ایسے آئے کہ خال معظم ان کے ساتھ سفر میں تھے، اور ایک سفر میں جب کہ ان کی عمر زیادہ نہ تھی، بلکہ سن بلوغ کو بھی نہیں پہونچے

تھے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ کہہ کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو پیش کردیا کہ حضرت ان کو بیعت فرمالیں، حضرت شیخ نے خاص نظر ڈالی اور یہ خصوصیت برتی کہ ان کو تنہا اپنے حجرہ میں روک لیا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت میں داخل کیا، اور دعا دی جبکہ یہ وہ زمانہ تھا جب بیعت والوں کا ہجوم ہوتا اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت آسان نہ تھی، لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے جو تعلق تھا اس تعلق کے پیش نظر اسی کا زیادہ امکان تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ کو حضرت شیخ کی شروع سے شفقت ومحبت حاصل ہوگئی، اور اس کے اثرات آپ پر نمایاں ہونے لگے۔ چنانچہ وہ حضرت شیخ کی شفقت ومحبت اور حضرت مولانا کے ساتھ خصوصی معاملہ کے واقعات بہت مزے لے لے کر بیان کرتے، اس سے حضرت شیخ سے ہم لوگوں کو بھی تعلق بڑھتا، اور جب حضرت شیخ کی ایک خواہش کی تکمیل ان کے حصہ میں آئی کہ وہ اپنے عم مکرم حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کی سوانح حیات جو دو ضخیم جلدوں میں ہے اور سوانحی ادب میں منفرد کتاب مانی جاتی ہے کا عربی میں خلاصہ اور ترجمہ کریں، تو اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی پوری دلجمعی کے ساتھ انجام دیا، اور اس میں دیر نہیں کی یہ تلخیص وتعریب قسط وار مجلۃ البعث الاسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شائع ہوئی اور پھر یہ تلخیص وترجمہ کتابی شکل میں شائع ہوکر جب منظر عام پر آیا تو انہیں اپنے شیخ بیعت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی توجہات اور دعائیں حاصل ہوئیں، جس کی برکات انہوں نے اپنی پوری زندگی میں خوب محسوس کیں۔

معمولات وغیرہ کی پابندی تہجد کا اہتمام، ذکر کی مداومت، نماز کی غیر معمولی فکر یہ سب بیعت کے وقت سے تادم آخر قائم دائم رہے، اور ذکر اسی طریقہ سے ہمیشہ کیا جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کا تعلیم کردہ ہوتا تھا، جو

چشتی طریقہ ہے، اور وہ معمولات جو آپ کے مربی وسرپرست اور شیخ صحبت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے تعلیم کئے تھے، جیسے ذکر قلبی وغیرہ اس کا بھی تاعمر اہتمام رکھا، اور اس کا کھلا فائدہ انہوں نے اپنی بیماری کے زمانہ میں محسوس کیا اور انتقال سے ایک دوروز قبل جبکہ زبان کی حرکت مشکل تھی، اور ضعف وتعب حد سے زیادہ تھا اس احساس کا اظہار بھی کیا کہ ذکر قلبی کا فائدہ آج کھلا محسوس ہورہا ہے، اور یوں بھی انگلیوں پر ذکر جاری رہتا، اور انتقال کے کچھ گھنٹہ پہلے جب افاقہ ہوگیا تھا خود زبان سے بھی ذکر جاری تھا اور تلقین ذکر کی تلقین بھی خدام وتیمارداروں کو فرمائی تھی۔

حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

جن بزرگوں اور مشائخ اہل اللہ کی خاص نظر والتفات آپ پر رہی ان میں عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن سے ان کے والد مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا والہانہ تعلق تھا، اور حضرت کو ان سے بڑی محبت تھی، حضرت پرتاپ گڑھی بھی لکھنؤ تشریف لاتے تو ان کے مکان کو رونق بخشتے اور اہل محبت وہاں جمع ہوجاتے، اس مکان پر ۱۹۷۷ء میں حضرت کی جو تشریف آوری ہوئی اور مجلس عرفان ومحبت قائم ہوئی وہ مجلس مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند کی تھی جو تعمیر حیات میں شائع بھی ہوئی، اور اسی مکان کی ایک مجلس ان کے بھائی مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے قلمبند کی تھی وہ بھی تعمیر حیات میں شائع ہوئی تھی، پھر ایک عرصہ کے بعد ۱۹۸۶ء میں حضرت کا قیام ندوۃ العلماء میں پندرہ دن رہا، اس قیام سے بھی مولانا نے پورا استفادہ کیا، اور پھر رائے بریلی میں حضرت کی تشریف آوری ہوتی وہاں بھی ان کو استفادہ کا موقع ملا، اور حضرت کے وطن پھولپور پرتاپ گڑھ اور الہ آباد جہاں آخر میں مستقل قیام رہنے لگا تھا اور وہاں ان کے ایک بیٹے جن سے انہیں بڑا لگاؤ تھا قاری ارشاد صاحب برسرروزگار تھے، ان کا مکان صابری منزل میں تھا

جہاں حضرت کا طویل عرصہ قیام رہا اور وہاں بڑے بڑے مشائخ اور علماء وقت استفادہ کے لیے حاضر ہوتے، جیسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا ابرارالحق صاحب، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، حضرت مولانا حکیم اختر صاحب وغیرہ، مولانا عبداللہ حسنی صاحب اپنے بڑے بھائی مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے ساتھ بار بار حاضر ہوتے اس طرح حضرت کی بڑی توجہات حاصل کیں، دیر رات تک حضرت کی مجلس ہوتی، اور ان دونوں کے آنے سے حضرت کا دل باغ باغ ہو جاتا اور مجلس گل گلزار بن جاتی، خود مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حاضری اور تعلق کا حال لکھا ہے، وہ ملاحظہ ہو:

> ''پہلی ہی مجلس میں حضرت والا کی محبت کا بیج دل میں پڑ گیا، دل کھنچنے لگا، اور جلد ہی حضرت کی خدمت میں حاضری کی سعادت بھی حاصل ہونے لگی، حاضری کے ساتھ حضرت کی محبتیں اور شفقتیں بھی بڑھتی گئیں اور پھر ایسا ہو گیا کہ بغیر حاضری سکون اور چین نہ آتا، یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ بے ساختہ زبان سے یہ نکل گیا ''بس حضرت کو دیکھ لیا سکون ہو گیا'' حضرت والا اس جملہ سے ایسے مسرور ہوئے کہ عرصہ تک اس کو حضرت والا یاد کرتے اور خوشی کا اظہار فرماتے۔
>
> حضرت کے یہاں محبت اور تعلق کی بڑی قدر تھی کیوں کہ خود بھی سراپا لطف وکرم، سراپا عشق محبت تھے، ہر شخص کے ساتھ ایسی محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے کہ وہ یہ سمجھنے لگتا کہ سب سے زیادہ حضرت اس کو چاہتے ہیں۔
>
> برادر محترم مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی کے ساتھ بارہا جانا ہوا، حضرت والا کی ان پر خاص نظر تھی، بڑی محبت فرماتے

تھے، ایک مرتبہ ہم اور وہ پرتاپ گڑھ (جہاں اس وقت حضرت کا قیام تھا) سے واپس آرہے تھے، سخت گرمی تھی، گاڑی کا وقت بھی سخت تھا، لیکن حضرت بااصرار اسٹیشن تشریف لائے، تمام خدام کو ساتھ چلنے سے روک دیا، ہم دونوں ایک رکشہ پر، اسٹیشن ماسٹر کے پاس دونوں کو لے کر گئے، ٹکٹ کے پیسے دیئے، اور راحت سے بٹھانے کی تاکید کی، وہ سب بھی حضرت کی تشریف آوری پر متحیر تھے، اور بار بار عرض کررہے تھے کہ حضرت فکر نہ کریں انشاء اللہ کام ہوجائے گا، ہم لوگ حضرت کی اس تکلیف سے سخت پشیماں تھے، بڑے اصرار کے بعد حضرت تنہا ہی رکشہ پر سوار واپس تشریف لے گئے اور یہ معمول تو حضرت کا آخر تک رہا کہ کچھ نہ کچھ عنایت فرماتے کسی نہ کسی کو تاکیداً اسٹیشن بھیجتے۔

حضرت والا کا قیام الہ آباد میں تھا، حاضری کا ارادہ کیا، ہمارے ایک ساتھی کو معلوم ہوا، انہوں نے بھی ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا اور کہا بہت دنوں سے ایک صاحب بلا رہے ہیں سنگم وغیرہ دیکھنے کا ارادہ ہے، حضرت کے یہاں بھی ہولیں گے، وہ میرے ساتھ ہوگئے، پہلے حضرت کے یہاں پہونچے، تین دن گذر گئے، نہ وہ ملنے گئے اور نہ سنگم دیکھنے، جب دیکھو حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے بعد میں اس کیفیت کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگے، پہلے ہی دن ایسی کشش اور تعلق محسوس ہوا کہ میں سنگم وغیرہ دیکھنا بھول گیا اس کے لیے پھر موقع نکالا جاسکتا ہے، مگر حضرت کی مجلس کہاں میسر آئیں گی، حضرت کا

ہی شعر ہے ؎

سکون کی جان ہے واللہ تیری محفل میں
چلے عبث ہیں گلستاں میں دل کو بہلانے

اس میں کوئی شبہ نہیں جن حضرات کو خاص طور سے حضرت کی صابری منزل کی مجلسوں میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ رحمت کا ایک شامیانہ ہے، ایمان وعرفان کی بادِ بہاری چل رہی ہے، سکون وطمانینت کی پھوار ہے، جس سے ہر شخص بقدر ظرف حصہ پا رہا ہے، حضرت کے ایک مسترشد مولانا لئیق احمد صاحب نے غلبۂ حال میں ایک نعرہ مستانہ لگایا، حضرت نے اس پر تنبیہاً چند اشعار کہے، صابری منزل میں ایک دن مجلس کے ختم ہونے کے بعد جب کہ اکثر حضرات واپس جا چکے تھے مولانا لئیق احمد صاحب اپنا بستر بچھا رہے تھے، اچانک حضرت والا تشریف لائے اور ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے خاص انداز سے اشعار پڑھنے شروع کئے ؎

ابھی ہو عشق میں تم خام مولانا لئیق احمد
کرو نہ عشق کو بدنام مولانا لئیق احمد

مولانا لئیق احمد صاحب نے اپنی مقامی زبان میں اس پر تبصرہ کیا اور جواب دیا جس کی حضرت نے تحسین فرمائی، مولانا کو حضرت سے بہت زیادہ تعلق تھا، اور حضرت کو بھی بڑی محبت تھی، ایک مرتبہ رات کے کھانے میں میں بھی شریک تھا، حضرت کے پہلو میں مولانا تھے، مجھے کچھ تعجب ہوا، حضرت سمجھ گئے، مجھے مخاطب کرتے ہوئے بڑے محبت بھرے لہجہ میں فرمایا: ''محبت ہے''

آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت سامنے کھڑے ہوئے
''محبت ہے'' کے الفاظ فرمارہے ہیں۔''(۱)

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

خال معظم علیہ الرحمہ کو اللہ کے کسی مخلص بندے، عالم ربانی اور اگر کسی صاحب دل بزرگ کا پتہ چلتا تو ان کی زیارت کرتے اور صحبت اختیار کرتے، اور اگر سفر میں ساتھ رہنے کا موقع ملتا تو اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاتے، اپنے عہد کے بڑے مشائخ میں حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر کرنے کا موقع اس طرح ملا کہ آپ دہلی گئے تھے، عمر بھی کم تھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے دہلی سے واپسی ان حضرات کے ساتھ طے کرادی جن کا لکھنؤ سفر ہو رہا تھا، اور حضرت کے ساتھ درمیان میں سیٹ بنائی گئی جس پر ان کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے لٹایا اور بڑی شفقت فرمائی اور شفقت کے مواقع پھر اور بھی ملے اور للّٰہیت کو ترقی دینے اور دلسوزی کی کیفیت بڑھانے میں انھوں نے اس سے مدد حاصل کی، وہ یہ بھی دیکھتے کہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بیٹھے ہیں، لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب کا وہ احترام اور عظمت کہ بار باران کا خیال رہتا، ندوۃ العلماء میں ہر دو سال میں بڑا تبلیغی اجتماع ہوتا تھا، جس میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بھی تشریف لاتے اور دو تین دن قیام فرماتے، ان کے اس قیام سے بھی آپ مستفید ہوتے۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بڑا نیازمندانہ تعلق زمانۂ طالب علمی سے تھا، جب حضرت

(۱) نمونۂ سلف، ص: ۱۹۲-۱۹۶

مولانا سہارن پور تشریف لے جاتے تھے تو وہ حضرت سے آکر ملتے، اوران کے ساتھ دورۂ حدیث میں حضرت مولانا کے بھانجہ مولانا سید محمد ثانی حسنی ساتھ تھے، یہ رفاقت دوستی میں ترقی کرگئی تھی، اور یہ ایسا للہی تعلق قائم ہوا تھا جو بڑھتا ہی گیا، حضرت قاری صاحب لکھنؤ تشریف لاتے، اور رائے بریلی بھی تشریف لاتے، اور پھر ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن منتخب ہوگئے تھے، اس مناسبت سے اور سب سے بڑھ کر حضرت مولانا کے تعلق سے اور لکھنؤ میں اور بھی دوسرے پروگراموں کی وجہ سے تشریف آوری ہوتی تو مولانا سید عبداللہ حسنی آپ کی صحبت بابرکت کو ضرور اختیار کرتے، حضرت قاری صاحب کی بھی شفقت بڑھتی گئی، اور بعض سفروں میں اپنے ساتھ رکھا، ان میں ایک سفر میں حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور بھی ساتھ تھے، اس زریں موقع نے آپ کے لیے سونے پر سہاگے کا کام کیا، اس سفر سے آپ کو جو فائدہ پہونچا، اس کا کئی بار آپ نے تذکرہ کیا، اور ان حضرات کے مجاہدہ وقربانی اور انسانیت کے لیے دلسوزی اور ہدایت خلق کے لیے بیتابی کا مشاہدہ کیا۔ اس نے آپ کے اندر وہ حوصلہ پیدا کیا کہ آپ نے بھی بڑے پرمشقت سفر کئے اور بماری وتکلیف کی پرواہ نہیں کی۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب کی شفقت وتوجہ کا یہ اثر تھا کہ انہوں نے ان علاقوں کے لوگوں کو جہاں خود حضرت قاری صاحب ہدایت خلق اور دعوت وتبلیغ کا کام کرتے آئے تھے آپ کی طرف متوجہ کیا کہ وہ آپ کو ان علاقوں میں بلائیں اور آپ کو توجہ دلائی کہ ان علاقوں کے لیے وقت فارغ کریں کہ یہ علاقے دوسرے علاقوں کے مقابلہ زیادہ ضرورت مند ہیں۔ چنانچہ آپ نے باندہ سے لے کر مدھیہ پردیش کے ان علاقوں کے دورے کئے اوران علاقوں کی بڑی فکر کی، یہ حضرت قاری صاحب کا خاموش فیض تھا جو آپ کو پہنچا۔

محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ اصلاح وتربیت سے مولانا کو خاص مناسبت تھی اور حضرت کے ملفوظات ومواعظ کا خوب مطالعہ بھی کیا تھا، اور وہ دوسروں کو بھی اس کا مشورہ دیتے تھے، اور حضرت کے خلفاء کی صحبت اٹھانے کا شوق دلاتے اور خود بھی اس کے لیے وقت نکالتے۔ چنانچہ سہارن پور حاضری کے موقع پر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوری کی خدمت میں حاضری دیتے، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادی کی خدمت میں متعدد بار جلال آباد گئے، حضرت مولانا عبدالباری ندوی اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی سے بھی مستفید ہوئے اور ہردوئی میں محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے، لکھنؤ میں اسٹیشن لینے اور چھوڑنے بھی جاتے، جب سفروں میں لکھنؤ کا نظام بنتا، اور جب حضرت کا وصال ہوا تو عربی میں ان کے متعلق ایک طاقتور مضمون اپنے جریدہ ''الرائد'' میں سپرد قلم کیا۔ حضرت کی شفقت وتوجہ آپ پر آخر میں بڑھتی گئی تھی، ایک بار حضرت نے مدرسہ اشرف المدارس میں ان سے وعظ بھی کہلایا، اور برادران وطن میں اسلام کے تعارف کے ان کے کام پر قدردانی اور حوصلہ افزائی کے کلمات وارشاد فرمائے، اور جب حضرت کے ایک مسترشد نے مولانا سے استفادہ کی اجازت چاہی تو بکمال انشراح ان کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے اصلاح لینے کی اجازت دی، حضرت کے رفیق خاص اور ان کے تعلیمی ودعوتی کاموں میں شریک ومشیر بزرگ شخصیت حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت کے جانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڈھی کو مولانا سے بڑا انس وتعلق ہوگیا تھا، بعد میں مولانا ان کی زیارت وملاقات کی نیت سے کئی بار ہردوئی گئے، اور جب جب علی گڈھ جانا ہوا تو حضرت حکیم صاحب سے ملاقات کا خصوصی وقت

نکالا، اور ۱۲ سال قبل بغرض علاج حضرت حکیم صاحب کے پاس رہے تو ایسا تعلق اور مناسبت قائم ہوئی کہ حضرت حکیم صاحب نے انہیں اپنا بھائی بنایا، یعنی خاص اللہ کے لیے محبت کا رشتہ قائم کر کے اخوت قائم کی۔

دیگر مشائخ کا اعتماد

الہ آباد میں مقیم بزرگ حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب، حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں بھی جاتے، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی سے بعض شخصیات پر جن سے مولانا کا خاندانی تعلق بھی تھا تعارفی مضمون لکھنے کو کہا اور پھر ان مضامین کو اپنی کتاب اقوال سلف میں شامل کر کے شائع کیا۔

سہارن پور کا سفر ہوتا تو حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کا بڑا خیال رہتا، اور اس وضع داری کو قائم کرر کھے کی کوشش کرتے کہ ان کے والد اور چچا دادا وغیرہ، حضرت شیخ الحدیث کے یہاں مہمان ہوتے تھے، بڑی مصروفیات کے باوجود وہاں حاضری کا ضرور خیال رہتا، اور جس شہر میں ہوتے اور وہاں حضرت مولانا طلحہ صاحب ہوتے تو ان سے ملنے کی ضرور کوشش کرتے، حرم پاک میں بار بار ملاقات ہوتی۔

حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری مدظلہ سے آپ کو مناسبت و تعلق اس وقت سے تھا جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی خدمت میں سہارن پور جاتے، فرماتے تھے میرا اس وقت سے مولانا محمد یونس صاحب سے تعلق تھا، اور ان سے بڑی مناسبت محسوس ہوتی تھی، مولانا کو بھی آپ سے یہ تعلق تھا کہ وہ آپ کے لیے نام لے کر خصوصیت سے دعا کرتے، اور آپ پر خصوصی شفقت و توجہ فرماتے۔

حضرت رائے پوری کے خلفاء میں حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم کی خدمت میں کاندھلہ کئی بار حاضر ہوئے، اور سلوک کی بعض باتوں

میں استفادہ بھی کیا، آخر میں جب ان کو اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ اب وقت موعود قریب ہے تو چار مہینوں میں تین بار کاندھلہ کا سفر کیا، اور آخری دو ہفتہ کا قیام کیا، اور بڑی روحانی توجہات حاصل کیں۔ حضرت مولانا سید مکرم حسین سیسنار پوری مدظلہ کی خدمت میں بھی حاضری دیتے، وہ آپ کا بڑا اکرام فرماتے، اور بڑی تواضع سے پیش آتے، رائے پور بھی جاتے اور حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری کے پاس کچھ وقت گزارتے اور جب تک حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب حیات رہے، ان کی زیارت وصحبت سے بھی مستفید ہوتے، ان کی شخصیت اور ان کے دعوتی کام کی آپ کو بڑی قدر تھی اور ان کے تجربات سے خود اپنے دعوتی کام میں فائدہ بھی اٹھایا، حضرت صوفی سید عبدالرب صاحب جب رائے بریلی تشریف لائے تو مولانا ان کے ساتھ ساتھ رہے، اور حضرت صوفی صاحب کو مولانا سے اس قدر مناسبت ہوگئی کہ اس کا اظہار مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے فرمایا کہ عبداللہ کو مجھ سے بہت مناسبت ہے۔

پاکستان کے مشائخ میں مولانا محمد اشرف سلیمانی سے آپ متاثر تھے، اور ہندوستان کے ان کے سفر میں ان کی صحبت میں بیٹھ کر بہت کچھ استفادہ کیا، مولانا اشرف سلیمانی نے آپ کی پیشانی کو پڑھ کر جن بلند کلمات کا اظہار فرمایا اس سے وہ بہت تقویت پاتے تھے، اور ان توجہات کو بھی اپنے لیے زاد آخرت خیال کرتے تھے، کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، لیکن ان حضرات اہل دل کی دعائیں اور توجہات ہیں، پاکستان کے ایک دوسرے بڑے شیخ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ نفیس رقم سید نفیس الحسینی علیہ الرحمہ سے آپ بڑی مناسبت محسوس کرتے تھے، لیکن پاکستان کا سفر نہ ہوسکنے کی بناء پر باقاعدہ ان کی خدمت میں حاضری نہ دے سکے، البتہ حرم پاک میں ملاقات میں ان کی توجہات سے بھرپور فائدہ اٹھایا، بعد میں فون کے ذریعہ رابطہ بھی رہا۔

اسی طرح حرم پاک میں مشہور شیخ حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی سے ملاقاتیں بھی بہت قیمتی رہیں، انہوں نے آپ کو دیکھ کر اور ان کی گفتگو سن کر اپنے گہرے تعلق کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ ان کے لیے ہم نے دعاؤں کا خوب اہتمام کر رکھا ہے، بعد میں انہیں ان کی علالت کی خبر سن کر جو تشویش اور بے چینی ہوئی اس کا اظہار انہوں نیا پنے ایک نامور مرشد وخلیفہ اور میرے استاد محترم مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی مدظلہ کو فون پر میسج کے ذریعہ کیا اور غیر معمولی دعاؤں کا اہتمام کیا۔ اسی طرح حرم مکی میں مقیم پاکستانی شیخ انجینئر عبدالمنان صاحب کا تعلق ظاہر ہوا، اور انہوں نے پاکستان، بنگلہ دیش، برما، ترکی وغیرہ اہل تعلق مشائخ علماء سے آپ کا تعارف کرا کر ان حضرات کو آپ سے استفادہ کا شوق دلایا۔ عرب مشائخ میں شیخ سعید طنطاوی مکہ مکرمہ، شیخ عبداللہ علی المحمود شارجہ، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شام، کی جلالت شان کے آپ معترف تھے، اور ان کی صحبت کو مؤثر سمجھتے تھے۔ مولانا نے ہمیشہ ان تمام علماء ومشائخ کا پورا ادب واحترام کیا، اسی طرح اپنے اساتذہ کا، کتابوں کا اور اپنے بزرگوں اور اپنے بڑوں کا ادب ولحاظ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ جو اللہ نے ہم کو نوازا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس سے مشائخ واکابر اور اساتذہ کی بڑی توجہات حاصل ہوئیں۔

طریقۂ تربیت وتعلیم

مختلف الاذواق مشائخ کی صحبت نے آپ کے اندر وہ خوشبو پیدا کر دی تھی جو الگ الگ پھولوں میں جدا جدا ہوتی ہے۔ یہاں ایک پھول سے وہ پھوٹ رہی تھی، اور جو جس ذوق کا حامل ہوتا وہ خوشبو پا کر مست ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کی مجلس میں سلسلۂ تھانوی کے مشائخ سے وابستہ افراد بھی ہوتے، تبلیغ کے کام سے جڑے لوگ بھی ہوتے، نومسلم بھی ہوتے، ان کا انٹلیکچول طبقہ اور ان کا کم پڑھا لکھا اور نوجوان طبقہ بھی ہوتا، علماء بھی ہوتے، تاجر پیشہ اور ملازمین بھی، اور ایک دسترخوان پر

جمع ہوکر اپنی روحانی غذا لے کر تسکین وتشفی پاتے، اور ایک ساتھ کھانے پینے میں بھی شریک ہوتے۔

مجلس میں تربیت کا طریقہ مولانا کا اجتماعی طور پر کتابی تعلیم کے ذریعہ ہوتا، اکثر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتابیں پڑھی جاتیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب اور ان کے فرزند عالی شان حضرت خواجہ معصوم کے مکتوبات بھی پڑھواتے اور اپنے اس تاثر کا اظہار کیا کہ اس سے خود ہمیں بہت فائدہ پہونچا۔

پھر جنہیں انفرادی طور پر اصلاح لینی ہوتی، اور یا اپنے مسائل پیش کرنے ہوتے ان کے لیے آپ کا معاملہ طبیب اور مریض جیسا ہوتا، آپ بڑے باہری کمرہ سے ہٹ کر گھر کے چھوٹے کمرہ میں جس کا باہر سے بھی راستہ تھا، تشریف فرما ہوتے اور ایک ایک شخص آتا اور اپنی بات رکھتا، بڑے اطمینان سے ہر ایک کی بات سنتے اور جب وہ مطمئن ہوجاتا تو اس کو رخصت کرتے، اور ایسا بھی ہوتا کہ مجمع زیادہ ہونے کی شکل میں یا مشترک بات رکھنے کی صورت میں کئی کئی لوگ ایک ساتھ بھی ملتے، یہ صورت گھر میں بھی ہوتی اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں بھی ہوتی، استفادہ اور افادہ کا یہ عمومی سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا، خود مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنے آخر زمانہ میں تعلق قائم کرنے والوں سے کہہ دیا کرتے تھے کہ عبداللہ سے ملتے رہئے گا، یا یہ کہ آپ عبداللہ سے تعلق رکھئے گا، اور جب وفات سے ۱۷ دن پہلے ۵ رمضان المبارک کو اجازت بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا، اس وقت بھی ایک گاؤں میں اصلاحی کام اور بیعت لینے کے لیے بھیجا، جو کانپور سے آگے گلولی کے مقام پر ہے۔

بڑے مجمع میں جس میں وعظ وتقریر کی ضرورت پڑتی تو اس میں بھی وہ اپنی اس ذمہ داری سے پہلو تہی نہ کرتے کہ صرف معلومات دینے پر اکتفا کریں بلکہ

واقعات اور مثالوں کے ذریعہ معاشرہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر گفتگو کرتے، جس سے ہر ایک اپنے اپنے مرض کو سمجھ لیتا، اور ندامت سے پانی پانی ہوتا، سب سے زیادہ ان کی توجہ مشرکانہ رسوم و عادات اور اعمال میں دبی ہوئی شرکیہ باتوں کو دور کرنے پر ہوتی، اور پھر سماج کی خرابیوں میں جو زیادہ مفسد محسوس کرتے اس کے ازالہ پر زور دیتے۔

نجی معاملات میں سب سے زیادہ زور اور تاکید نماز کی کرتے، مسجد جاتے ہوئے نماز کی ترغیب کرتے ہوئے جاتے، جماعت سے نماز کا اہتمام تاعمر کیا، اور مسجد حاضری کا پورا اہتمام کرتے، اور یہ دیکھتے کہ اہل تعلق میں مسجد آنے سے کون سستی دکھارہا ہے، اس کو اچھے انداز سے اس کا شوق دلاتے، اور تارک صلوۃ کے لیے تربیت کا انداز سخت ہوتا، صاف کہہ دیتے کہ ایسے شخص کا جب اسلام میں حصہ نہیں تو اس کے لیے ہمارے گھر میں بھی جگہ نہیں۔

اصلاح وتربیت کے لیے دوستی کو بہت مضر سمجھتے تھے، اور دوست کا لفظ ہی ان کے لیے توحش کا باعث بن جاتا تھا، اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے دوری اختیار کرنا ان کے یہاں تھا، اور اسی پیمانہ سے وہ اصلاح چاہنے والوں اور تربیت میں آنے والوں کو دیکھتے تھے۔

اکل حرام اور مشتبہ مال سے خود تو حد سے زیادہ بچتے تھے، اپنے ساتھ والوں کو بھی بچاتے اور اگر کبھی بچ نہ پاتے تو مالی اعانت سے اس کا تدارک کرتے، اس لیے کہ ان کو یقین تھا اس کے ساتھ کوئی بھی اصلاح کی تدبیر کارگر ہونے کو نہیں۔

مشورہ چاہنے والے کو وہی مشورہ دیتے جسے خود وہ اپنے لیے پسند کر رہے ہوتے اور اگر اختیار کرنے کی نوبت آتی تو خود وہ اپنے لیے اختیار کرتے، فرماتے تھے کہ ہمارے مورث اعلیٰ حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ کا حال یہ تھا کہ دشمن ان کے خلاف حربہ اختیار کرنے میں ان سے مشورہ چاہتا تو وہ اس صورت میں بھی صحیح مشورہ ہی دیتے، چاہے اس سے ان کو نقصان پہنچ رہا ہوتا۔

اس کے علاوہ جن میں عالی حوصلگی کا جوہر محسوس کرتے ان کو ان کی ہمت واستعداد کے مطابق کے کام سپرد کر کے ذکر میں لگاتے، ہمارے ایک دوست کو کہا کہ تم ایک دن میں لاکھ سوالاکھ ذکر کر کے آؤ، اور ایک طالب علم کو ذکر کی ایک تعداد بتا کر کہا کہ تم کو چالیس روز قیام کرنا ہے، کسی سے ملنا جلنا نہیں ہے، اور ایسے وقت ان کو تکیہ میں قیام کو کہا جب وہاں کوئی نہیں تھا، شدید گرمی تھی اور مدرسوں میں تعطیلات اس کی وجہ سے گھروں میں بھی بہت مختصر لوگ تھے، اور دونوں کے کاموں سے مطمئن ہوئے تو الگ الگ کام دونوں کو سپرد کیئے۔ ایک کو عملیات کی لائن میں تربیت دلا کر خدمت خلق کا کام سپرد کیا، اور دوسرے کو سلوک کی لائن میں یکسو کر کے اجازت وخلافت بھی دی، بعض لوگوں کو زیادہ ذکر نہیں بتایا لیکن اِن کے اندر ذکر کے آثار جلدی محسوس کر لیے اور ان کا تعلق ملک سے باہر کا تھا، ان کو بھی اپنا مجاز کیا، یوں تو بعض بڑی استعداد و صلاحیت کے لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور اصلاحی تعلق قائم کر کے آپ کے ہو کے رہے، لیکن اجازت دینے میں آپ کے یہاں اصول سخت تھے، لیکن کوئی نوخیز اس میں کھرا اترا تو دولت باطنی کی ذمہ داری دینے میں دیر نہیں کی، ایک بڑی عمر کے عالم آپ سے باطنی طور پر وابستہ ہو گئے، ان کو بھی باطنی استعداد محسوس کر کے اپنا خلیفہ بنایا اور داعیوں میں ایک سرگرم داعی ومبلغ اسلام جن کے رابطہ میں سیکڑوں نومسلم اور غیر مسلم ہیں، پہلے وہ حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، اور ان کے تلقین کردہ اذکار پر عمل پیرا تھے اور پاس انفاس کے ذکر میں وہ آگے بڑھ گئے تھے، اور ان سے لوگوں کو نفع پہونچ رہا تھا، ۵۰-۶۰ نومسلم کے ساتھ آپ کے پاس اعتکاف کے لیے بھی آنے لگے، ان کو بھی اپنا مجاز کیا، اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے چار نام ان خوش نصیب افراد کے بتائے:

۱- مولانا سید احمد ندوی (نان گاؤں امراوتی مہاراشٹر)

۲- جناب محمد مخدوم صاحب (ایٹارسی، مدھیہ پردیش)

۳-مولوی محمد عرفان ندوی (برما)

۴-مولوی سید زاہد حسین جمشید پوری (بہار)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اجازت کا لحاظ اور ان کی تعلیمات وہدایات کا خیال

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ نے اجازت وخلافت سے سرفراز کیا تھا اور یہ شرف وسعادت ۵/رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کوظہر کی نماز کے بعد متصلاً مصلی پرہی عطا کیا تھا، اور اجازت دینے کے بعد حضرت کو اطمینان قلب اور شرح صدر کی کیفیت تھی، بڑی مسرت سے راقم الحروف سے فرمایا اور کہا کہ ''ہم نے عبداللہ کو اجازت دی ہے اور وہ اس کے اہل ہیں۔'' میں نے جب حضرت کی یہ بات انہیں بتائی تو ان کو بڑا اطمینان حاصل ہوا، ورنہ ان کو یہ خیال تھا کہیں کسی کے کہنے سے کسی مصلحت کے خیال سے یا کسی اور ایسی ہی وجہ سے تو ایسا نہیں فرمایا۔ کئی بار فرمایا کہ تم نے ابا جان کی اجازت دینے کے بعد ان کے اس قلبی تاثر کو جو بتایا اس سے ہم کو بڑا فائدہ ہوا اور خوشی ہوئی، حضرت نے ان کو اجازت وخلافت جو عطا کی وہ یونہی نہیں دے دی تھی، ان کی ان پر نگاہ تربیت ان کے بچپن سے پڑتی رہی تھی، اہل اللہ کی خدمت میں اپنے ساتھ لے جانا، اظہار اور نمایاں ہونے کی جگہوں سے دور رکھنا، مال اور جاہ کی محبت پیدا ہونے نہ دینا، بلاد عرب کے ایک سفر میں انہوں نے اپنے سر پر رومال ڈالا، حضرت نے اس اظہار کو بھی ان کے لیے پسند نہ فرمایا، بلاد عربیہ کے ہی ایک سفر میں حضرت کو بڑی قیمتی چیز ہدیہ ملی، اور ان کو بھی ملی، اس لیے کہ عرب ساتھی کا بھی بڑا خیال رکھتے ہیں، حضرت نے اپنی چیز کسی مؤقر شخص کو پیش کردی، اور پھر یہ محسوس کر کے کہ ان کا دل ان چیزوں میں نہ اٹک جائے بڑے سادے انداز سے ان سے وہ لے کر وہ بھی کسی دوسرے مؤقر شخص کو دے دی۔

ایک واقعہ وہ اور ذکر کرتے کہ امیر شارقہ نے اپنے خادم کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں درہم سے بھرا صندوقچہ بھیجا، حضرت نے فرمایا: واپس لے جاؤ، لانے والے نے اصرار کیا کہ کیسے لے جائیں، یہ تو آپ ہی کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے، حضرت نے فرمایا لے جاؤ ورنہ چوراہے پر ڈال دیں گے، لوگ اٹھا لے جائیں گے، اس طرح اور بھی واقعات ہیں، اور ان واقعات کا خود ان پر پورا عکس پڑ گیا تھا اور وہ دولت مندوں کو ان کی دولت کی وجہ سے ذرا بھی خاطر میں نہ لاتے تھے، تربیت کا طریقہ حضرت نے ان کے لیے یہ بھی اختیار کیا کہ جب وہ حضرت کے پاس بیٹھتے یا اس محفل میں جس میں حضرت تشریف فرما ہوتے اور یہ بھی ہوتے حضرت ان پر خاص نگاہ توجہ ڈالتے اور جیسے یہ حضرت کو دیکھنے لگتے حضرت نگاہ پھیر لیتے، ایک بار اس کو انہوں نے اعراض پر محمول کر کے بڑا اثر لیا، اور رونے لگے، اور حضرت کے ایک بڑے مقرب شخص سے کہا کہ حضرت ہم سے ناراض تو نہیں ہیں، حضرت نے سن کر ان صاحب کے سامنے بڑا اظہار شفقت و محبت فرمایا اور واضح کیا کہ یہ جو کچھ ہے تربیت کے نقطۂ نظر سے ہے۔

حضرت نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کے تقرر کو تو منظور فرمایا لیکن تنخواہ لینے سے روک دیا، والد مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کا سانحۂ ارتحال پیش آ گیا اور ان کو تنخواہ کی ضرورت بڑھ گئی، مگر حضرت کا اشارہ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے دوسروں کے دباؤ کے باوجود اس کی طرف سوچا بھی نہیں اور گھر کی ذمہ داریوں کو نبھانے میں کہیں اس کا احساس بھی نہیں ہونے دیا۔ پھر بعض شکلیں اللہ نے پیدا کیں اور حضرت نے بھی اپنی جانب سے کچھ نظم کیا، اور ایک طویل عرصہ گزرنے پر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تنخواہ لینے کی اجازت دی، لیکن خود ان کا یہ مزاج بن چکا تھا کہ اس تنخواہ کو وہ اپنے اوپر بار محسوس کرتے تھے، اور چاہتے تھے کہ کس طرح کوئی نظم معاش ایسا بن جائے کہ جس سے دوسروں کا دست نگر نہ ہونا پڑے اور تنخواہ کا سلسلہ موقوف ہو جائے،

اس کے لیے انہوں نے تدبیر کرنی شروع کردی تھی اور تنخواہ ان پر ایسا بوجھ تھی کہ اس کی وجہ سے تدریس کو موقوف کرنے کو سوچنے لگ گئے تھے، اپنے بڑوں اور ادارے کے ذمہ داروں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے سامنے اس کا اظہار کیا مگر ان دونوں نے تدریس سے جڑے رہنے کو کہا۔ بڑوں کی ماننے کا مزاج تھا، طبیعت پر بار محسوس کرتے ہوئے اس کو مانا، اور اس کے علاوہ بھی جو قدم اٹھاتے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان دونوں بزرگوں کے مشورہ کو مقدم رکھتے ہوئے اٹھاتے، اور لوگوں سے کہتے کہ تم لوگ دیکھ کر بتاؤ کہ انہیں شرح صدر ہے کہ نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمہ کا تربیتی منہج

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تربیتی نہج آپ کے لوگوں کے ساتھ سلوک اور آپ کی کتابوں کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے، خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جو خلاصہ پیش کیا ہے وہ ملاحظہ ہو، وہ رقمطراز ہیں:

> ''حضرت مولانا طالبین وسالکین کی تربیت میں ان کی طبیعت، ذوق، مشغلہ، ضرورت، صحت وتحمل اور استعداد وترقی کی صلاحیت کا لحاظ رکھتے تھے، وہ ہر ایک کے حال کے مطابق اس کو ذکر کی تلقین کرتے تھے، اور اس بات کا بھی خاص خیال رکھتے تھے کہ اس توہمات وخرافات اور عجمی اثرات کے دور میں عقیدۂ توحید پر ضرب نہ پڑنے پائے اور مقاصد ووسائل کا فرق بھی مجروح نہ ہو۔

ایک مسترشد نے عرض کیا میں دفتر میں کام کرتا ہوں، میز پر آپ کی تصویر رکھنا چاہتا ہوں، حضرت نے سختی سے روک دیا۔

ایک پرانے طالب علم نے تصور شیخ کی اجازت چاہی، فرمایا حضرات

نقشبندیہ کے یہاں ہے، لیکن ہمارے سلسلہ میں حضرت سید صاحب کے بعد سے متروک ہے۔

سہولت کا بھی خاص خیال فرماتے، ابتدائی طور سے صرف تین تسبیحات کی پابندی بتاتے، بعض طالبین نے مزید چاہا، اجازت نہیں دی، بعض کو سورۃ الاخلاص کی ایک اور تسبیح بتادی۔

بعض کو معاملات کی صفائی، فرائض کی پابندی، جن دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان میں نیت کا استحضار رکھنے کی تلقین فرماتے۔

اکثر طالبین کو قلبی ذکر پانچ سو مرتبہ بتادیتے، ورنہ حسب استعداد وصلاحیت ذکر جہری بھی بتاتے۔

بعض کو بیعت کے بعد ہی چوبیس گھنٹہ کے معمولات بتائے، معمولات کی پابندی ضروری سمجھتے، ایک طالب کو لکھتے ہیں کہ معمولات کی پابندی رکھئے، اس سے کام میں برکت ونورانیت آتی ہے، اکثر وبیشتر بیعت کے الفاظ دہرانے کے بعد ہی حالات میں تغیر شروع ہوجاتا تھا، ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ سلسلہ میں منسلک ہونے کے بعد ہی دل کی حالت بدل گئی، ایک صاحب جو بیعت وغیرہ کے قائل نہیں تھے وہ بیعت ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، ان الفاظ کا ان پر یہ اثر ہوا کہ گریہ طاری ہوگیا، اور پھر استخارہ وغیرہ کرنے کے بعد بیعت ہوگئے، مشائخ میں تنہا حضرت کی ذات تھی جن سے وہ حضرات بھی بیعت ہوئے، جو بظاہر اس کے قائل نہ تھے، بلکہ وہ ایسی جماعتوں سے ربط رکھنے والے ہوتے تھے جو تصوف کے نام سے گھبراتے ہیں۔

بیعت ہونے کے بعد مراسلت کے ذریعہ یا خدمت میں حاضر ہوکر اور خاص طور سے رمضان المبارک میں طالبین اپنے اپنے حالات بتاتے اور رہنمائی لیتے، حضرت نے اس سلسلہ میں جن کو مناسب سمجھا اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

توحید وسنت سے ایسا عشق تھا، کہ جس کا صحیح اندازہ وہی کرسکتے ہیں، جو

حضرت کے زیادہ قریب اور سفر وحضر میں ہم رکاب رہا کرتے تھے۔

کتنے دردوسوز سے آپ مولای إني إلى فضلك لفقير وقتاً فوقتاً فرماتے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے پورے استحضار کے ساتھ کئی کئی مرتبہ ''خدایا عاقبت محمود گرداں'' فرماتے، تقریروں میں عقیدۂ توحید پر بہت زور دیتے، حضرت یوسف کا وعظ حضرت یعقوب کی وصیت، اور شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ شرف الدین منیری نے توحید کے سلسلہ میں جو واقعات درج کئے ہیں، ان کو خاص انداز سے بیان کرتے۔ اخیر میں اتنا غلبہ ہو گیا تھا کہ ہر بیعت کرنے والے ایک ہو یا زیادہ ہوں الفاظ بیعت کے بعد عقیدۂ توحید اختیار کرنے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کی وصیت فرماتے، شرک وبدعت، بے جا رسم ورواج اور قبر پرستی سے بچنے کی تلقین فرماتے۔

آستانوں اور درگاہوں پر جو کچھ ہو رہا ہے، نہایت درجہ کا تأسف کا اظہار فرماتے، اور ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا، ان سجادوں کو الٹ دو، اس کو کھلا ہوا شرک قرار دیتے:

> اس کے ساتھ سنت کا اہتمام یہاں تک کہ عادی اور طبعی امور میں مکمل اس کا خیال رہتا تھا۔ رسول اللہ (ﷺ) سے ایسا والہانہ تعلق تھا، جو ہر شخص محسوس کر لیتا، جب مؤذن اذان دیتا، تو فوراً ٹوپی لگا کر بیٹھ جاتے، نہایت ادب واحترام سے الفاظ اذان دہراتے، جب مؤذن محمد رسول اللہ کا کلمہ کہتا تو آپ لفظ محمد کو اتنی محبت اور پیار سے ادا فرماتے کہ سننے والے کو بھی لطف آتا، اور نہایت ہی والہانہ انداز اور محبت بھرے لہجہ میں (ﷺ) بھی فرماتے، آج بھی آپ کے شیریں الفاظ کانوں میں رس گھول رہے ہیں، اللہ تعالیٰ رسول اللہ (ﷺ) کی رفاقت نصیب فرمائے اور مراتب عالیہ سے سرفراز کرے۔

(بیعت کرنے میں) شروع میں تو اگر دوسرے مشائخ کی خدمت ہی میں بھیجنے کا معمول تھا، جو حضرات اصرار کرتے، ان کو بیعت فرمالیتے۔

حضرت نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے کام کیے، کیسے کارنامے آپ کی ذات سے وابستہ ہیں، لیکن آج تک کسی نے یہ نہیں سنا کہ یہ میں نے کیا ہے، یہ ہمارا کارنامہ ہے، ''میں اور ہم'' گویا آپ کی لغت میں تھے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے بحر جود وسخا میں ''ہم اور میں'' ایسے گم ہو چکے تھے کہ جب زبان ''تحدیث نعمت'' کے لیے کھلی تو یہی سنا گیا کہ تربیت کا نتیجہ، ماں کی دعاؤں کا ثمرہ اور بزرگان دین کی صحبت اور شیخ کی توجہ کا اثر ہے، ورنہ میں ایک دیہات کا رہنے والا زیادہ ذہین نہ حافظ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی (۱)

خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنیؒ نے جو باتیں اور کیفیات اپنے مربی وسرپرست کی تحریر فرمائی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ وہ خود اس کے حسب حال ہو گئے تھے، اور ان باتوں کو اختیار کرنے میں انہیں لذت وحلاوت محسوس ہوتی تھی، وہ صحیح معنی میں حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے خلیفہ، وارث اور ان کے علوم ومعارف کے حامل تھے۔

الفاظِ بیعت

جہاں تک الفاظ بیعت کا تعلق ہے، یہاں وہ نقل کیے جاتے ہیں جو خود انہوں نے اپنے شیخ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے نقل کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر ص:۳۴

''حضرت بیعت میں جن باتوں کا عہد لیتے وہ نیچے درج کی جارہی ہیں، بیعت کے بعد عام لوگوں سے خاص طور سے فرماتے، نہ ولی سے، نہ قطب سے، نہ ابدال سے کسی سے کچھ نہیں ہوسکتا، سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، یہ الفاظ بیعت کے الفاظ کے ساتھ درج کیے جارہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اللہ کے سوا کوئی مالک ومعبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

یا اللہ ہم توبہ کرتے ہیں، کفر سے، شرک سے، بدعت سے، زنا سے، چوری سے، پرایا مال ناحق کھانے سے، کسی پر بہتان لگانے سے، نماز چھوڑنے سے، جھوٹ بولنے سے اور سب گناہوں سے جو ہم نے اپنی ساری عمر میں کئے چھوٹے ہوں یا بڑے اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ تیرے سب حکموں کو مانیں گے، تیسرے رسول پاک (ﷺ) کی تابعداری کریں گے، اے اللہ تو ہماری توبہ قبول فرما، ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمیں توفیق دے نیک عملوں کی، اپنے رسول پاک (ﷺ) کی تابعداری کی۔

اس کے بعد ہاتھ چھوڑ دیتے اور فرماتے، یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اس دنیا کا خالق ہے، اور وہی حاکم ومنتظم ہے، اس نے دنیا کو بنایا، اور وہی اس کو چلا رہا ہے، اس کے حکم کے بغیر نہ پتہ ہل سکتا ہے اور نہ ذرہ اڑ سکتا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی شفا دیتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وغیرہ کبھی اس کے ساتھ اور باتیں بھی فرمادیتے۔''

ہدایات ومشورے

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ بیعت وطریقت کے بزرگوں کا شجرہ (نسب) مرتب کرنے کی ذمہ داری میرے سپرد کی، یہ خیال جناب قاری حبیب احمد صاحب لکھنوی (حال مقیم دبئ) کو آیا اور پھر اس پر انہوں نے بڑا تقاضہ کیا، مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے متوسلین کے لیے ہدایات ومشورے بھی شامل کرانے چاہے اور اس کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے درخواست کی، حضرت تیار ہوگئے، مولانا مرحوم نے حضرت کی یہ ہدایات وتعلیمات خود بھی اپنے مضمون میں نقل کی ہیں، تاکہ لوگ ان کو اختیار کرکے صحیح مسلمان بنیں، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"ارادت وبیعت کا تعلق رکھنے والوں کے لیے جو شجرے سلاسل کے طبع کرائے گئے تھے، ان کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایات ومشورے دیئے، جن کو ان کے ساتھ طبع کردیا گیا تھا، یہاں ان ہدایات کو نقل کیا جارہا ہے تاکہ تمام قارئین اور خاص طور سے حضرت کے متعلقین ومتوسلین کا اس پر عمل کرنا آسان ہوجائے۔

بیعت کرنا اور سلسلہ میں داخل ہونا کوئی رسمی اور شوقیہ چیز نہیں ہے، جس کے لیے کچھ ماننا اور کرنا نہ پڑے، محض برکت یا شہرت مقصود ہو، یہ ایک عہد ومعاہدہ اور ایک نئی دینی وایمانی زندگی کا آغاز ہے، جس میں زندگی میں کچھ تبدیلیاں اور کچھ ذمہ داریاں ہیں۔

۱- سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ بیعت اور سلسلہ میں داخل ہونا کلمہ کی تجدید اور اسلامی عہد ومعاہدہ اور اللہ ورسول کے احکام کے مطابق دینی وایمانی زندگی شروع کرنے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کا قصد وارادہ اور عہد ومعاہدہ سمجھا جائے۔

۲-سب سے ضروری بات یہ ہے کہ عقیدہ درست اور پختہ کیا جائے، اور اس بات کا اقرار اور اس پر ایمان ہو کہ اللہ کے سوا کسی کے ہاتھ میں جلانے اور مارنے، صحت اور شفاء دینے، اولاد دینے، روزی دینے، اور قسمت اچھی بری کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور اس کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں ہے، نہ اس کے سوا کسی کے سامنے سجدہ کیا جاسکتا ہے، نہ بندگی کی کوئی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، نہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کا سوال کیا جاسکتا ہے۔

۳-سید المرسلین وخاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی، ذریعہ ہدایت، وسیلۂ شفاعت اور سب سے زیادہ محبت اور اتباع و پیروی کا مستحق سمجھا جائے، اور زیادہ سے زیادہ آپ کی سنتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے، آپ کی سیرت پاک کے مطالعہ کا اہتمام کیا جائے اور آپ کی احادیث کے مجموعوں اور سیرت کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا کیا جائے۔

۴- زندگی کو اسلامی قالب میں ڈھالنے اور صحیح مقاصد زندگی معلوم کرنے کے لیے راقم کی کتاب دستور حیات کو مطالعہ میں رکھا جائے، نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ کیا جائے۔

۵-سب سے اہم فریضہ اور ضروری چیز نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھنا اور اہتمام اور سنتوں کی پابندی کے ساتھ کرنا ہے، اس میں غفلت اور تساہلی کی تلافی کوئی چیز نہیں کرسکتی، نمازیں جماعت کے ساتھ حتی الامکان مسجد میں ادا کی جائیں، مستورات ان نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھنے کی کوشش کریں جو عام طور پر

کاموں کی مصروفیت اور ذمہ داریوں کی وجہ سے فوت ہوجاتی ہیں، یا ان کا وقت نکل جاتا ہے۔

۶- دینی و دنیوی دونوں کاموں میں ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت کی مشق کی جائے، اخلاق ومعاملات اور زندگی کے معمولات میں بھی اس کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ان پر عبادت کا ثواب ملے، اور ان کو حتی الامکان شریعت اور سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے، اخلاقی ومزاجی کمزوریوں، حسد و کینہ، حد سے بڑھتے ہوئے غصہ، بدگوئی اور بدزبانی اور مال ودولت اور دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کی جائے۔

۷- قرآن مجید کی جس قدر سہولت کے ساتھ ممکن ہو تلاوت کا معمول بنایا جائے۔

۸- فجر کی نماز سے پہلے یا بعد مغرب یا عشاء کے بعد جس وقت آسانی سے ممکن ہو اور پابندی ہو سکے ایک تسبیح درود شریف کی، ایک کلمہ سوم کی اور ایک استغفار کی پڑھ لی جائے اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اخیر شب میں کچھ رکعتیں تہجد کی بھی پڑھنے کی کوشش کی جائے، اور اپنے سلسلہ کے مشائخ اور تعلق والوں کے لیے دعا کی جائے۔'' (۱)

رسالہ ''سلاسل اربعہ'' کے مقدمہ میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی علیہ الرحمہ ان ہدایات ووصایا کے متعلق یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ:

''حضرت والا نے بہت اختصار سے اپنے تعلق والوں کے لیے

---

(۱) تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر، ص: ۳۴

(سلسلہ میں داخل ہونے والوں اور ہونے والیوں کے لیے ہدایات ومشورے کے عنوان سے) نہایت عمدہ اور ضروری نصیحتیں تحریر فرمادی ہیں، جو حرز جان بنائے جانے کے لائق ہیں، اور ہر ارادتمند کے لیے بلکہ ہر مسلمان کے لیے ترقی کا زینہ اور کامیابی کا وسیلہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

دعا کے تعلق سے مقدمہ میں توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا:

"اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لیے دعا کرنا اور ایصال ثواب کرنا خود دعا کرنے والے کے لیے بہت باعث خیر و برکت ہوتا ہے، اس لیے تمام اللہ والوں کے یہاں اپنے بزرگوں اور خاص طور سے اپنے سلسلہ کے مشائخ کے لیے دعا و ایصال ثواب کا اہتمام ومعمول رہا ہے۔"(۱)

ملاحظہ:-

تربیت وارشاد اور تصوف وسلوک میں اس کے سلسلوں کی طرف انتساب کو جاننے کے لیے راقم الحروف کا مرتب کردہ رسال سلاسلہ اربعہ کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، اور اس کا ایک ورقی نقشہ مرتبہ عارف جمال ندوی مالیگاؤں (مہاراشٹر) سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ازمقدمہ رسالہ سلاسل اربعہ، مرتبہ از: مصنف

نواں باب

اسلام کے تعارف کے لیے جدوجہد

اجتبائی شان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وجاهدوا في الله حق جهاده هو اجتباكم" الخ .(الحج:۷۸)

(اللہ کے لیے جو کوششیں کرنی چاہیئے وہ کوششیں کرو، اس نے تم کو منتخب کیا ہے)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی صلاحیت ولیاقت اور استعداد کو زیادہ جاننے والا ہے اور جس کی جیسی لیاقت واستعداد ہے، اسی قدر اسے ذمہ داری عطا فرماتا ہے، انابت ورجوع کی کیفیت جس کے اندر وہ پاتا ہے اس کو جادۂ حق پر ڈال دیتا ہے، جو اسے منزل مقصود تک پہونچاتی ہے، اوران میں جن کے اندر یہ طاقت وصلاحیت بھی ہوتی ہے کہ وہ ارشاد ورہنمائی کا کام انجام بھی دے سکیں اس کو وہ مقام بھی عطا فرماتا ہے، اپنے بندوں کے بارے میں اس کا علم اسی کو ہے اوراس نے یہ فرما بھی دیا ہے کہ ﴿ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير﴾۔

خاندانی اسلاف کا داعیانہ کردار

جس خاندان والاشان کے وہ رکن تھے اس کی اولین کڑیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اصلاح ودعوت اور ہدایت خلق کے کام کے لیے منتخب کیا تھا جیسے حضرت عبداللہ

المحض بن الحسن المثنی کی اولاد جوان کے بیٹوں ابراہیم اور محمد ذوالنفس الزکیہ کی شہادت کے بعد بلاد عرب سے باہر اصلاح دعوت اور ہدایت خلق کے کام کے لیے باہر ملکوں میں نکل گئی تھی، چنانچہ مغرب مراکش، اندلس، تیونس، لیبیا، الجزائر کے وہ علاقے ہیں، جہاں آل ادریس بن عبداللہ المحض کی خدمات زیادہ رہیں، اور بربر قوم کو بڑی تعداد میں ہدایت ملی، اسی طرح مصر میں بھی اصلاح و دعوت کا کام عبداللہ المحض کی اولاد نے کیا، اور ہندوستان سندھ میں محمد ذوالنفس الزکیہ کے بیٹے عبداللہ الاشتر آئے اور سندھ کے لوگ ان کے فریفتہ ہو گئے تھے، مگر وہ شہید کر دئے گئے، انہی کی اولاد میں سید قطب الدین مدنی (م ۶۷۷ھ) شاہ علم اللہ (م ۱۰۹۶ھ) اور حضرت سید احمد شہید (ش ۱۲۴۶ھ)، مولانا سید عبداللہ حسنی کے اجداد ہیں، ان کو یہ فکر و درد اپنے دادا سے موروثی طور پر ملا تھا، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اشارہ دیا ہے:

> ''ان کے دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی غیر مسلم بھائیوں میں دعوت کے کام کے آرزومند تھے، اور اپنے برادر خورد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو اس کی تلقین فرماتے تھے، مولانا عبداللہ حسنی صاحب گویا اسی خواب کی تعبیر اور اسی آرزو کی تکمیل تھے، اور اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اس کو بغیر تشہیر کے انجام دیا جو اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضہ ہے۔''(۱)

درد و کرب

ان کی دینی و دعوتی فکر و تڑپ اور درد و سوز کو مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی نے اپنے چشم دید واقعات کی روشنی میں یوں بیان کیا ہے کہ:

> ''غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے والے وہ اکیلے نہیں تھے،

---

(۱) تعمیر حیات، ۲۵ر فروری ۲۰۱۳ء۔ خاندانی اسلاف کے مختلف ادوار میں اصلاحی و دعوتی کردار کے لیے ملاحظہ ہو 'خانوادۂ علم اللہی' از مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

نہ جانے دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں، اپنے اپنے علاقہ میں، اپنی اپنی سطح پر، اپنے اپنے انداز سے، نہ میں نے سب کو دیکھا ہے اور نہ مجھے سب کا علم ہے، لیکن مولانا عبداللہ حسنی ندوی کو ضرور میں نے دیکھا ہے، موبائل پر ان کو گفتگو کرتے سنا ہے اور غیر مسلموں سے ملاقات کرتے ہوئے ان کو دیکھا ہے، اسلام لانے کی خبر پر ان کی آنکھوں کی چمک اور چہرہ پر خوشی کی لہر ہم میں سے ہر شخص صاف محسوس کرلیا کرتا تھا، لگتا تھا کہ وہ پیاسے تھے، ان کو پانی مل گیا، بے چین تھے ان کو قرار آ گیا، اور پھر کام ان کا یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا تھا، نومسلموں کی پوری فکر، ان کی ضرورتوں کا پورا خیال، ان کے مسائل حل کرنے سے پوری دلچسپی، اور مستقبل کے اندیشوں کو لے کر ان کے لیے مادّی وسائل فراہم کرنے کا پورا اہتمام، یہ ان کی ایسی خصوصیت تھی جو کم داعیوں میں نظر آتی ہے۔"(۱)

غیر معمولی انہماک واستغراق

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ان کے سادہ طریقۂ دعوت اور دعوت کے کام میں خود فراموشی کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"عوام کی اصلاح وتربیت اور ہدایت خلق کے لیے انہوں نے اپنے اوقات فارغ کیے تھے، جس میں وہ تقریر وخطابت کے لیے پروگراموں میں جاتے اور مجلس کے ذریعہ بھی دعوت کا کام کرتے، اس کے علاوہ ملاقاتوں کے ذریعہ بھی رابطہ قائم کر کے دین کی طرف دعوت دینے کی کوشش کرتے، اور اس کے لیے

(۱) تعمیر حیات، ۲۵ر فروری ۲۰۱۳ء

انہوں نے ملک کے مختلف حصوں کے دورے بھی کیے، اور ان دوروں کے ذریعہ اسلام کے تعارف اور پیام انسانیت کے کام کو فروغ دیا، اوراس میں وہ اتنا منہمک ہوجاتے تھے کہ صحت وغیرہ کا بھی خیال زیادہ نہ رکھ سکے۔"(۱)

غیر معمولی جدوجہد اور سعی بلیغ

مولانا محمد ناظم ندوی نے ان کے درد وکرب کو کہ کس طرح لوگ حلقۂ بہ گوش اسلام ہوجائیں، ان الفاظ میں بیان کیا اور ان کے ایک خطاب کا اقتباس بھی دیا ہے جس سے ان کی اس بے چینی کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

"آپ کی دعوتی جدوجہد اور محبوبیت ومقبولیت نمایاں وصف ہیں، میدان دعوت جو ہر انسان کی ذمہ داری ہے، اور مذہب اسلام نے تمام انسانوں کو اس کا مکلف بنایا ہے لیکن کچھ حضرات اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتے ہیں، اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآں ہونے کہ بھرپور سعی بلیغ کرتے ہیں، مولانا عبداللہ حسنی نے بھی اس دعوت کو اپنا نصب العین ومقصد زندگی بنالیا تھا، وہ ہردم اس کے لیے کوشش کرتے، ان کا یہ مطمح نظر ان کی ہر تقریر میں ابل پڑتا، اور پورے جوش وجذبہ کے ساتھ دلوں میں اتارنے کی کوشش کرتے۔ المعہد الاسلامی کے حفظ کلام اللہ کی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"مسلمان نرم ہوگئے ہیں، یا دوسرے الفاظ میں کہہ لیجئے تھالی کا بیگن ہوگئے ہیں، ان سے کہئے کہ دعوت کی محنت کرکے فولاد بن جائیں، اور ہمارے غیر مسلموں کے دل پتھر ہیں، فولاد ہیں، ان

(۱) حرا کا پیغام سہارن پور فروری، مارچ ۲۰۱۳ء

پر محنت کیجئے کہ وہ نرم ہو جائیں، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے برما میں یہی بات کہی تھی، ان دو کام کے علاوہ اس وقت کوئی کام نہیں، اندلس میں سب کچھ تھا، ان دونوں چیزوں سے وہاں کے لوگوں نے کنارہ کشی اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے کان پکڑ کر نکال دیا، میں آپ سے کہتا ہوں، آپ بھی ہوشیار رہیں، اگر آپ نے یہ کام نہیں کئے تو اللہ تعالیٰ آپ کے بھی کان پکڑ کر یہاں سے نکال دے گا، آپ کی دوکانوں پر تالے لگ جائیں گے، آپ کے کارخانے سیل کردیئے جائیں گے، مزدور مزدوری پر دعوت کو مقدم کریں، تاجر تجارت پر، کاشتکار اپنی زراعت پر، ہر پیشہ والا اپنے پیشہ پر دعوت کو مقدم نہیں کرے گا تو خطرہ سر پر بادلوں کی طرح منڈلاتا رہے گا۔

آگے وہ رقمطراز ہیں:

مولانا نے بڑی سادگی اور دل کے پاکیزہ جذبات کے ساتھ عوام وخواص سب کے دلوں پر دستک دی اور بڑی دلسوزی کے ساتھ معاشرہ کی تلخ سچائیوں کو اجاگر کیا، اور آپ نے تجدد پسند طبقہ اہل ثروت پر زبردست ریمارک کرتے ہوئے فرمایا: ’’اور ہماری عصری درسگاہوں کے یہ اہل ثروت تو بے چارے قابل رحم ہیں، ان کے پاس نہ تو عقیدۂ وعمل ہے، نہ اخلاق وکردار، چند ٹکے ہیں، چند سکے ہیں، ان کو اچھال دیتے ہیں، اس وقت کے پیسے والے جب مصیبتیں آتی ہیں، ڈبیہ ہلاتے ہیں، اس وقت ان پیسوں کو اچھالنے اور ڈبیہ ہلانے سے کچھ کام ہونے والا نہیں، میرے بھائیو! تمہیں میدان میں آنا پڑے گا ورنہ تمہارے

پیسوں سے، تمہارے ان وعدوں منصوبوں سے ایک رتی امت کا فائدہ ہونے والا نہیں، امت کا اگر فائدہ ہوگا تو دعوت کے کام سے ہوگا، قرآن سے تعلق قائم کر کے ہوگا، غیروں کے دلوں میں اسلام کی تخم ریزی کر کے ہوگا۔"

آپ نے بڑی جرأت و بے باکی کے ساتھ ہندوستان کے ہر خطہ میں اس پیغام کو پہونچایا۔(۱)

فنائیت

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

"پہلا میدان جو انہوں نے اپنے دادا کی خواہش اور پسند کا اختیار کیا وہ غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف ہے، جس میں مسلمانوں سے پوری تاریخ میں کوتاہی ہوئی ہے، خاص طور پر پسماندہ طبقات جو علم سے محروم ہیں، اور ان کو اختلاط کا موقع بھی نہیں ملتا، کہ وہ دوسروں کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر یا مطالعہ سے اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوں، اہل علم اور اعلیٰ طبقہ جو لٹریچر پڑھتا ہے وہ لٹریچر اسلام کے بارے میں اچھا تأثر دینے کے بجائے نفرت اور مذمت کا تأثر دیتا ہے، اس میں مسلم حکمرانوں کو موضوع بنا کر پوری مسلم قوم یا اسلام کو بدنام کیا جاتا ہے، یہ لٹریچر سامراجی عہد میں تیار کیا گیا اور اسی کو سورس (Source) سمجھ کر دوسری زبانوں میں اس کے تأثرات منتقل ہوئے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ماحول

---

(۱) حراء کا پیغام اداریہ، فروری مارچ ۲۰۱۳ء

ہے وہ نتیجہ ہے عدم اختلاط اور غلط علم کا، اس لیے جہاں بھی صحیح علم پہنچا، یا اسلام کا ذہین لوگوں سے سابقہ پڑا، وہاں ذہنیت میں تبدیلی آئی، کثرت سے اسلام لانے والے اکثر صحیح لٹریچر پڑھنے واے یا صحیح مسلمانوں سے رابطہ رکھنے والے ہیں، اکثر ٹرینوں اور جلسوں میں مختلف ملاقاتوں اور تبادلۂ خیال سے ذہنوں کی صفائی کی مثالیں سامنے آتی ہیں، مولوی عبداللہ حسنی نے اس حقیقت کو سمجھا اور اس کو میدان عمل بنایا، مخلوط اجتماعات کا نظم، ملاقاتوں اور تبادلۂ خیال کے مواقع کا نظم انہوں نے اختیار کیا، اس کے اچھے نتائج سامنے آئے، پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط تصورات کی تصحیح کی کوشش کی، اور اس کے بعد اسلام کے متعلق شکوک وشبہات کے ازالہ کے لیے لٹریچر تیار کرایا اور مخلوط اجتماعات منعقد کیے، اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلام سے واقفیت حاصل کرنے والوں اور نومسلموں کے مسائل سے دلچسپی لی، اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، اور ان کو مطمئن کرنے کی فکر کی، اپنی مختصر عملی زندگی میں اس میدان میں ان کو جو کامیابی ملی، وہ تعجب خیز ہے۔ انہوں نے اسلام کے تعارف کے لیے لٹریچر تیار کرایا، ان کی تیار کرائی ہوئی کتاب ''اسلام کا تعارف'' (Introduction of Islam) بڑی مقبول ہوئی اور بڑی تعداد میں لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنی۔ اسی طرح ان کی رہنمائی میں تیار کی گئی کتاب ''قرآنی افادات'' جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی قرآن کریم سے متعلق تقاریر

پر مشتمل ہے بہت مقبول ہوئی، انہوں نے اس کے ساتھ اس لٹریچر کو عام کرنے کے اقدامات کئے، مختلف اجتماعات، نمائشوں اور کانفرنسوں کے موقع پر اس لٹریچر کو عام کیا۔'(۱)

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی جو ان کے والد کے دوست اور ان کے مثل چچا کے ہیں ان کی اس خصوصیت و امتیاز کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''پیام انسانیت کے نام اور عنوان سے جہاں وہ بڑے بڑے جلسوں کو خطاب کرتے تھے وہیں ایسے مقامات کا دورہ بھی کرتے تھے جہاں اسلام کے پیغام کو مسلم غیر مسلم طبقات میں پہنچانے کی ضرورت محسوس کرتے اور اس معاملہ میں وہ اپنے جد معظم حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے جانشین تھے، حضرت علامہ نے ہی اسلامی دعوت کو غیر مسلموں اور کمزور عقیدے کے مسلمانوں میں حکمت موعظت کے پہلو سے پہنچانے کے لیے پیام انسانیت کی تحریک قائم کی تھی۔

اس دینی اور دعوتی وراثت کو اپنانے بلکہ اس کو سینے سے لگا لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ذریعہ ایک معتد بہ تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی، اور بہت سے غیر مسلم خاندان بحیثیت کلی زندگی کی صحیح راہ پاتے گئے، کتنے ایسے غیر مسلم نوجوان مشرف بہ اسلام ہوئے جن کو مولانا عبداللہ حسنی ندوی سے ایسا لگاؤ اور تعلق ہو گیا کہ وہ ہر سفر میں ان کے ساتھ رہتے تھے، اور ان کی پوری معاونت کرتے تھے، اس طرح مولانا عبداللہ حسنی نے علم کی وراثت اپنے آبا و اجداد سے پائی اور انہوں نے اس وراثت کو نہایت صحیح

---

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

انداز میں دوسروں تک پہنچایا۔

اس راہ میں اپنی توانائیاں صرف کیں اور ہر طرح کے حالات کا سامنا کیا، مسلسل اسفار کی مشقت برداشت کرنے کی وجہ سے صحت پر اثر پڑا، لیکن علاج کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی، دراصل اہل دعوت کا مزاج یہی ہوتا ہے کہ وہ دعوت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں، اور اس کی فکر میں وہ اپنی پوری زندگی اور زندگی کے لمحات گزارتے ہیں، خاص طور سے جب داعی، آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتا ہو، اور خیر امت کا سچا نمائندہ ہو۔

مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ اسی نوعیت کے عالم تھے، انہوں نے علم ودعوت کی جامعیت حاصل کی، اور اسی راہ میں اپنے آپ کو فنائیت کے درجہ تک پہونچادیا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو جس کی بنیاد اخلاص کامل پر تھی، قبول کرلیا، اور بے شمار انسانوں کو ان سے راہ حق کی تعلیم حاصل ہوئی، اور اسلام کا صحیح پیغام ان تک پہونچا، وہ اپنے اس عمل سے سرخ رو ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ایک قابل تقلید زندگی کی بنیاد مضبوط کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگئے اور نہایت مطمئن و پرسکون حالات کے ساتھ راضی برضا اپنے رب کے دربار میں پہنچ گئے۔(۱)

اشاعت دین اور اخوت انسانی کے لیے مشقت ومجاہدہ

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ نے دین کی اشاعت اور لوگوں کے ذہن کو سمجھنے اور مقبول کرنے کے لیے دعوت کو قبول کرکے اس راہ میں جو مشقت وقربانی اور

---

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

ریاضت ومجاہدہ پیش کیا اس کو انہوں نے کبھی اہمیت نہیں دی، بلکہ اس کو کم ہی جانا، اس میں ان کو اسوۂ رسول اللہ (ﷺ) پیش نظر آیا کہ آپ (ﷺ) بعض انبیاء اور رسولوں کا تذکرہ فرماتے اور جوان کو اپنی قوموں کی طرف سے سخت ایذاء پہنچی اور دعوت کی راہ میں جو تکلیف اٹھانی پڑی اس کا ذکر فرماتے، حالانکہ رسول اللہ (ﷺ) کو بار بار مکہ مکرمہ میں پھر طائف میں اور پھر مدینہ منورہ میں دوسرے انداز سے غزوات میں اور اندرونی معاملات میں منافقین کی طرف سے ایذاء پہونچانے پر جس صبر برداشت اور تحمل سے کام لینا پڑا وہ آپ ہی کا حصہ تھا، اس لیے آپ کو تمام انبیاء اور رسولوں کا سردار اور خاتم ہونا تھا۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کو تمام معاملات میں اتباع سنت کا خیال رہتا تھا، اور وہ کثرت عبادت وریاضت پر ہر کام کو حضور (ﷺ) کے طریقہ کے مطابق انجام دینے کو تقرب الی اللہ میں زیادہ مؤثر اور سریع خیال کرتے تھے۔

شیخ ابرار احمد ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنے چند واقعات ذکر کرکے آپ کے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے، وہی نقل کیا جاتا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

> ''اس جذبۂ صادق سے مولانا اتنے سرشار تھے کہ اس راہ کی دشواریوں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے تھے، بلکہ اس سلسلہ میں خطرات سے بھی نہیں گھبراتے تھے۔
>
> ایک مرتبہ ضلع جالون یوپی کے مضافات میں ایک نومسلم بھائی کی دعوت پر ایسی بستی میں تشریف لے گئے جہاں دور دور تک کوئی مسلم آبادی نہیں تھی، پوری بستی صرف برادران وطن کی تھی، اس علاقہ کے اہل تعلق سے حالات کی سنگینی کا مولانا سے اظہار بھی کیا، لیکن یہاں ''العشق نار تحرق ماسوی المطلوب'' کی کیفیت طاری تھی، جہاں اسلام کی شمع پہلی مرتبہ روشن ہونا ہو،

مولانا اس خیر کو کیسے گنوا سکتے تھے، الحمدللہ ۱۰-۱۲ امر دوز ن مشرف باسلام ہوئے، میزبان کے اصرار پر رات بھی اس بستی میں گزاری، گرچہ یہ رات اہل تعلق اور رفقائے سفر کے لیے بڑی پرخطر اور اندیشوں سے گھری ہوئی تھی، لیکن مولانا پر اطمینان کی کیفیت طاری تھی۔ یہاں برادران وطن نے اپنی روایت کے مطابق گلہائے عقیدت سے استقبال کیا۔ مولانا اس منظر کو دیکھ کر آبدیدہ تھے، اور فرما رہے تھے مولوی صاحب! دعوت کا کام اب اتنا آسان ہے، آپ (ﷺ) کو تو اس راہ میں پتھر ملے، ہمیں پھول مل رہے ہیں، اور فرمایا: دعوت کا کام کرنے کے لیے صرف ہمت درکار ہے۔

ایک مرتبہ ضلع بستی کا سفر تھا، مولانا انیس احمد ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی رفیق سفر تھے، موسم سخت گرمی کا تھا، ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، گاڑی تھوڑی مسافت طے کرنے کے بعد پنکچر ہوگئی، پہیہ تبدیل کیا گیا، پھر دوسری مرتبہ ایسی جگہ پنکچر ہوگئی جہاں درستگی کا بھی کوئی نظم نہیں تھا، دھکے لگا کر گاڑی کو کنارے لگایا گیا، پہیہ نکال کر دوسری جگہ بڑی دشواری سے بھیجا گیا، مولانا پسینہ سے شرابور تھے، سفر کی صعوبت مستزاد تھی، لیکن مولانا کے چہرہ پر کوئی ردنہیں، میزبان کی ندامت ہماری کلفت کو اور کافور کر رہا تھا، پھر مسکراتے ہوئے فرمایا: سفر میں تو یہ سب کچھ ہوتا ہی ہے، اس جملہ سے ہم نااہلوں کو مولانا کی اولوالعزمی، اعلیٰ ظرفی اور رضا بالقضا کا اندازہ ہوا، اور زندگی میں ایک عملی درس ملا۔

اسی طرح راجستھان کے سفر میں ہم آمنے سامنے برتھ پر بیٹھے

ہوئے تھے، گرمی ہی کا موسم تھا، مولانا کی نشست پر دھوپ تھی، عرض کیا گیا، آپ میری نشست پر تشریف لے آئیں، مولانا نے جواب دیا، اس میں کوئی حرج نہیں، پھر فرمایا، مولوی صاحب! انسان کو ہر طرح کا عادی ہونا چاہئے اور مولانا دھوپ کی کلفت کو برداشت کرتے رہے، یہ آپ کی زندگی کے عملی تابندہ نقوش ہیں جو لوح قلب پر ثبت ہو گئے ہیں۔

مولانا نومسلم بھائیوں کی بڑی فکر فرمایا کرتے تھے، اور ان کو ایک شفیق باپ کا پیار دیتے تھے، اور ان کی ہر طرح کی ضروریات کی تکمیل مولانا کی پہلی ترجیح ہوتی تھی، بعض نومسلم بھائیوں کے ساتھ تو ہم نے ایسا محسوس کیا کہ مولانا باپ کی شفقت کے ساتھ ماں کے پیار کی بھی تلافی کرنا چاہتے ہیں، ابھی اخیر برسوں میں نومسلم بھائیوں کی آمد ماشاء اللہ اچھی خاصی بڑھ گئی تھی، بے چارے آداب زندگی اور مولانا کی معمولات سے کیسے واقف ہو سکتے تھے، بسا اوقات بعض نوجوان رات دو بجے تین بجے ہی فون کر دیا کرتے تھے، کوئی حالات سناتا تو کوئی خواب سناتا، کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگتا، مولانا ان سب باتوں کو برداشت فرماتے اور کبھی یہ فرماتے، یہ باتیں طبیعت پر بار تو ہوتی ہیں، لیکن کیا کریں کام ہی ایسا ہے، جب تک ان کے مسائل کو اپنے مسائل نہیں بنائیں گے اس وقت تک کام بھی نہیں ہوگا (۱)

مولانا عبد السلام الخطیب بھٹکلی ندوی، مولانا محمد امجد سنبھلی ندوی، مولوی

---

(۱) تعمیر حیات ۲۵ رفروری ۲۰۱۳ء۔ مضمون نگار مولانا مرحوم کے بڑے معتمد اور تلمیذ ارشد و مرید صادق ہیں۔

مصباح احسن ندوی، مولوی نظار الاسلام ندوی اور جو لوگ سفروں میں ساتھ رہے ہیں انہوں نے مولانا کے بعض ایسے حیرت انگیز واقعات بھی سنائے جو ایک دل دردمند کے حامل داعی کے ہی بس میں ہیں، ایک بار ٹرین سے دیر رات کی اسٹیشن سے پہلے اسٹیشن پر غلط فہمی سے ٹی ٹی نے اتار دیا، رفقاء ٹرین پر ہی رہ گئے کس طرح دیر رات کو اجنبی جگہ یہ مسافت طے کی "اللہ ساتھ ہے کہ" استحضار نے کچھ محسوس نہ ہونے دیا جو آپ کی کھلی کرامت تھی، اس طرح اور بھی واقعات جن کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ رائے بریلی کے الحاج محمد اکرم خان نے رائے بریلی کے مضافات خاص طور پر ان علاقوں میں جو شہر سے دور اور آنا جانا بھی آسان نہیں، پانی بھرا ہوا، سب کچھ سہتے ، برداشت کرتے، ایمان سکھانے جاتے، خاص طور پر جگ راج سنگھ پوروا میں وہاں کے ایک صاحب درد نوجوان عبد الرحمٰن کی دعوت پر کئی بار تشریف لے گئے، اور ان مسلمانوں کو جن کے نام مسلمان باقی نہیں تھے، اور اسلامی تہذیب وثقافت سے بھی سروکار نہ تھا، بس یہ احساس تھا کہ ہماری قوم مسلمان ہے، ان میں جا جا کر کام کیا، افراد بھیجے، اور کام کرنے والوں کو تعاون دیا۔

غیر مسلموں اور مرتدین میں دعوتی کام

غیر مسلموں میں دعوتی کام کو جو انہیں اپنے داداد مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ سے ورثہ میں ملا تھا، جب مولانا نے باقاعدہ اسلام کے تعارف کے کام کے لیے جدوجہد شروع کی تو اللہ کی طرف سے اسلام کا شوق رکھنے والوں کی آپ کی طرف رہنمائی غیبی طور پر ہوتی گئی، ایک صاحب اپنے پوتے کا دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کرانے آئے، انھوں نے کہا کہ ہم نومسلم ہیں، اور ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، ان لوگوں نے ان کو مولانا عبد اللہ حسنیؒ کے پاس بھیجا، مولانا نے تحقیق کے لیے سوال کیا کہ کون ڈاکٹر صاحب، کہاں کے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ

رائے بریلی کے ہیں، اوران کے ساتھ دوتین لوگ اور بھی ہوتے تھے، ان ہی کے ہاتھ پر ایمان لائے، اور ہماری بستی کے کافی لوگ ایمان لائے، آج بھی اس بستی میں ان نومسلموں کے رشتہ دار موجود ہیں، ان میں مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے اپنے بعض تعلق والوں کوکام کرنے کے لیے بھیجا جن میں ندیم لکھنوی وغیرہ تھے، یہ بستی لکھنؤ میں صدر رام لیلا گراؤنڈ کے پاس ہے۔(روایت ندیم لکھنوی)۔

اس بستی میں مولانا غریبوں کی بھی فکر کرتے اوران کا تفقد احوال کرتے اور مدد بھی فرماتے۔

لکھنؤ سے چالیس کلومیٹر دور موہان کے پاس بھانسی میں ایک لڑکی کا انتقال ہوا تو اس کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا، اس کی اطلاع جب مولانا عبداللہ حسنی کو ملی تو آپ نے ندیم صاحب کو پورے حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا، پھر وہاں ایک حافظ رکھا جو چھپر کے نیچے بچوں کو پڑھاتے اور تنخواہ کا انتظام شعبہ دعوت وارشاد ندوۃ العلماء سے کرایا، پھر مسجد بھی تعمیرا کرائی گئی، آس پاس کے تین گاؤں کے لوگ اس مسجد اور مدرسہ سے جڑ گئے۔

لکھنؤ کے میڈیکل کالج میں مولانا غریب مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے افراد بھیجتے، اور سیلاب کی صورت حال قائم ہونے پر متاثر زدہ لوگوں کی نصرت کے لیے پیام انسانیت کی ایک ٹیم روانہ کرتے، اسی طرح آگ کہیں لگ گئی یا کوئی وبا پھیل گئی تو اس سے متاثر زدہ لوگوں کی مدد کا کام بھی اپنے ساتھیوں کے ذریعہ کرتے، خاص طور سے لکھنؤ، سیتاپور اور مرادآباد میں آپ کا یہ کام زیادہ اچھے انداز سے ہوا، اور میڈیکل کیمپ لگائے، میڈیکل وین بھی چلائی جو بستیوں میں جا کر دوا دیتی تھی۔

سیتاپور میں مان پور گاؤں میں زبردست آگ لگی تھی اور پورا گاؤں جل گیا تھا، وہاں مولانا نے غلہ، برتن، کپڑے اور کچھ رقم تقسیم کروائی، شفیق سیتاپور اور ندیم لکھنوی نے مولانا کی رہنمائی میں یہ کام انجام دیا، اس کا اثر یہ پڑا کہ وہاں سے بڑی

تعداد میں برہمن ملنے آئے اور شکریہ ادا کیا، یہ پورا علاقہ برہمنوں کا تھا، اور انھیں اسلام اور مسلمانوں سے بڑی غلط فہمی تھی، وہ غلط فہمیاں مولانا کے ذریعہ دور ہوئیں، اس کا اثر یہ بھی پڑا کہ فرقہ پرست جو ریشہ دوانیاں کررہے تھے جن سے فساد کا خطرہ تھا وہ جاتا رہا۔

علی گڑھ سے تیس کلومیٹر دور ہاتھرس میں ارتداد کی صورت حال سے ڈاکٹر غیاث صدیقی نے واقف کرایا اور معلوم ہوا کہ وہاں پانچ ہزار کی تعداد میں لوگ مرتدین ہیں، وہاں مولانا سفر کرکے آئے تو ندوہ میں اپنے احباب ورفقاء کار سے مشورہ کیا اور ندیم صاحب کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا اور کچھ وقت رہنے کی تاکید کی، پھر تربھڑا میں مدرسہ قائم ہوگیا اور منڈراک میں مدرسہ قائم ہوا اور کئی چھوٹے مکتب قائم ہوئے، اور ایک بڑا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ سنگی نگلا والوں کا سردار دولہے رام ایمان لے آیا، اور اس نے اپنے بچوں کا داخلہ بھی مدرسہ میں کرایا اور اپنی قوم کے بچوں کا بھی داخلہ کرایا۔

تعارف اسلام کی کوششوں میں مولانا کا ایک بڑا کارنامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر مضمون نگاری کا مقابلہ کرانا ہے انہوں نے اس میں انعامات رکھے، غیر مسلموں نے اس مقابلہ میں خوب حصہ لیا، اور بڑے اچھے اچھے مضامین و مقالات لکھے اور اسلام کے متعلق اپنے گہرے تأثر کا اظہار بھی کیا، یہ مقابلہ مختلف صوبوں اور یونیورسٹیوں اور کالجوں میں غیر مسلموں کے درمیان کرایا گیا، اور بڑے اچھے نتائج سامنے آئے، تقسیم انعامات کی تقریب پیام انسانیت کے بڑے جلسوں کے انعقاد کے ساتھ کی جاتی اور اس میں لکھنؤ کا پروگرام بڑی اہمیت کا حامل رہا۔

دعوت کے کام میں مولانا اخفاء اور سچ کو پیش نظر رکھتے تھے اور اگر کسی نے دعوت کے کام کو ظاہر کیا تو اس کو پسند نہیں کیا اور اگر کسی نے زیادہ کرکے بتایا تو اس کی تردید بھی کی۔

دعوتی تربیت کے لیے العافیہ میں اور ندوہ میں کیمپ لگواتے اور اس میں ان کا

انتخاب کرتے جن کے اندر تفہیم کی صلاحیت، محنت کا جذبہ اور قربانی کا حوصلہ ہوتا۔

میلوں میں کتابوں کا اسٹال لگانے کا طریقہ بھی بڑا مؤثر ثابت ہوا، جہاں کہیں کتابی میلے اور تہواری میلوں کی خبر ملتی، وہاں اس کے تعارف اور پیام انسانیت کے متعلق کتابیں رکھواتے اور اسٹال لگواتے، ندوہ کے قریب بڑے مندر منکا میشور کے گیٹ کے سامنے بھی کتابوں کا اسٹال لگواتے جہاں ہر ہفتہ لوگوں کا بڑا ہجوم ہوتا ہے(۱)

مولانا خورشید عالم ندوی جن کو مولانا عبداللہ حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ نے بنگال میں کام کرنے کا حوصلہ دیا تھا اپنا تأثر اس طرح بیان کرتے ہیں:

''تقریباً ۲۰۰۸ء میں شہر لکھنؤ جو کہ میرا شہر بنا اور جہاں میری پرورش ہوئی تھی کو چھوڑ کر صوبۂ بنگال میں تحریک پیام انسانیت کے عنوان سے منتقل ہوگیا، حضرت مولانا اکثر بنگال کی فکر کرتے، ایک دفعہ میں نے ان کی فکر اور بے چینی کو دیکھ کر کہا حضرت کیا میں چلا جاؤں؟ حضرت نے کہا میاں! کہاں تم اور کہاں بنگال؟ اور پھر کئی مرتبہ کے اصرار پر اس شرط پر جانے کی اجازت ملی کہ پہلے وہاں کی زبان سیکھو، چنانچہ میں نے پہلے بنگلہ زبان سیکھا اور مولانا نے باقاعدہ اس کا امتحان لیا، جس جگہ کو میں نے کام کے لیے منتخب کیا تھا، یہ ساؤتھ ۲۴ پرگنہ کا سندر بن کے قریب کا علاقہ ہے، کیننگ اور برٹی پور کے درمیان اتفاق سے یہ جرائم آماجگاہ اور خوفناک جگہ تصور کی جاتی ہے، لوگوں نے اس جگہ پر جاکر کام کرنے سے منع کیا، مگر حضرت کا مشورہ تھا کہ جہاں ظلمت ہو وہاں کام کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ وہیں کام شروع کیا۔

---

(۱) روایات ندیم لکھنوی

حضرت میرے وہاں منتقل ہونے کے بعد ہر سال کم از کم ایک دفعہ جاتے، میں کئی پروگرام حضرت کے ایک ہی دن میں رکھ دیتا، اس پر سے دور دراز کے سفر میں، تمام ساتھی جو حضرت کے ساتھ ہوتے بعض دفعہ ناراض ہو جاتے، مگر حضرت کبھی بھی اف تک نہ کہتے، جبکہ مجھے خود کبھی کبھی اپنی نادانی پر شرمندگی ہوتی، اتنا طویل سفر اور اتنی محنت کے باوجود حضرت رات کو زیادہ آرام تک نہ کرتے، آخری سفر ۲۰۱۱ء میں ہوا، واپسی کے وقت کہنے لگے، خورشید اگر میرا انتقال ہوگیا اور اللہ نے پوچھ لیا کہ مسلمانوں کی اس بڑی تعداد کو کیا صرف زبان کے فرق کی بنیاد پر چھوڑ رکھا تھا؟ تو ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے، اللہ اکبر مجھ پر حضرت کی اس فکر اور اس جملہ سے بڑا اثر پڑا۔

ایک دفعہ کہنے لگے کام کیسے ہوگا؟ ایک اہم سنت چھوڑ رکھی ہے، میں نے پوچھا کون سی؟ کہنے لگے درد کی سنت، اللہ کے رسول کو امت کا درد تھا، تڑپ تھی، فکر تھی، اور یاد رکھو اس کے بغیر کام ہونے والا نہیں۔

۲۰۱۲ء آخری رمضان حضرت کو نصیب ہوا، مجھے خاص کر لکھنؤ جانے سے روکا اور پھر خصوصی ملاقات ہوئی، حضرت بہت بے چین تھے، اور پریشان تھے، کسی نے کہا، آپ زیادہ فکر نہ کیا کریں، ناراض ہو گئے، کہنے لگے کیسے فکر نہ کریں، امت کا یہ حال ہے کہ دن بدن لوگ خراب ہوتے چلے جارہے ہیں، اور ہم فکر نہ کریں، کیا آپ کو ہم انسان نہیں لگتے، جو انسان ہوگا اور انسانیت کا بھرم رکھتا ہوگا اسے درد ہوگا اور ضرور ہوگا۔

اسی مجلس میں کہا تم لوگ صرف مدرسہ کی بات کرتے ہو، امت کا ایک بڑا طبقہ خاص کر اسکول کے طلبہ ہاتھ سے نکلے چلے جا رہے ہیں، اب مدرسہ کی چہار دیواری میں بیٹھ کر وعظ کہنے پر تکیہ نہ کرو، ان لوگوں کی بھی فکر کرو خاص کر ان اسکولوں میں جاؤ جس کے ذمہ دار مسلمان ہیں، اور ان طلباء کو تو کم سے کم دین کی بنیادی باتیں پہنچا ہی دو۔

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی صاحب مدظلہ سے میری ملاقات حضرت کے ساتھ ہی ہوئی ان کا نمبر حضرت کی مجلس ہی میں حاصل کیا، کہنے لگے محترم کام صرف سسٹم سے نہیں ہوتا، جب تک قلب شامل نہ ہو، روح کا دخل نہ ہو، اخلاص نہ ہو، دل اور سسٹم یہ دونوں شامل رہیں گے تو ادارہ ٹھیک چلے گا، اور یہ بھی کہا کہ اللہ نے یوپی کی سرزمین میں ایک سے ایک اللہ والوں کو جگہ دی ہے، ان کو تلاش کرنا ہوگا، ان تک پہنچنا ہوگا، حضرت کی فکر کا اندازہ اس بات سے بھی ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے جو سیاسی حالات ہیں اور الیکشن کے دور میں جو خرابیاں عام ہیں، کہنے لگے جہاں اس کے ذمہ دار بھی مولوی ہیں، انھوں نے دین کو سیاست سے خالی سمجھا ہے، جبکہ سیاست اگر اللہ کے رسول کے طریقہ پر کی جائے تو عین دین ہے، حضرت والا کا اپنا پن آج بھی ہر وقت یاد رہتا ہے، میں کلکتہ سے آیا، حضرت بہت بیمار تھے، دروازہ پر لکھا تھا کہ کوئی ملنے نہ آئے، مگر میں بغیر ملے کیسے جاتا، اشتیاق حد سے زیادہ تھا، حضرت نے جب میرا نام سنا تو اندر آنے کی اجازت دی۔"

چند اہم کتابوں کی اشاعت

اسلام کے تعارف کے لیے داعی اسلام مولانا سید عبداللہ حسنی نے جن کتابوں کی اشاعت کا خصوصیت سے اہتمام کیا وہ ملاحظہ ہوں:

۱- ڈاکٹر امبیڈکر اور اسلام

ڈاکٹر آر ایس عادل (راشد سلیم عادل، سابق رام سنگھ ودیارتی) کی کتاب جس میں انھوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کو اس طور پر پیش کیا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، لیکن مخالف جماعت نے حالات ایسے پیدا کر دیئے کہ وہ اسلام قبول نہ کر سکیں، اور خاص کر ملک کا بٹوارہ اسی لیے کروایا، یہ حقائق انھوں نے اس انداز سے پیش کیے ہیں کہ امبیڈکر کے ماننے والے حقیقت کو سمجھیں اور اسلام کے قریب آئیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر امبیڈکر نے اسلام اور مسلمانوں کی جو تعریف کی ہے اس کو درج کیا ہے، ڈاکٹر عادل صاحب نے یہ ۱۹۸۱ء میں لکھا ہے۔

مولانا عبداللہ حسنی کو یہ کتاب اس لیے بہت پسند تھی کہ یہ دلت قوم کے دل کا دروازہ اسلام کے لیے کھولتی ہے، دلت قوم کی ان کو بہت فکر تھی، وہ ڈاکٹر عادل سے کہتے کہ دلت قوم کے بڑے لیڈروں سے رابطہ رکھئے، اور محبت ان کے دلوں میں اتاریئے، اور عزت دے کر اپنی بات رکھئے۔

پیام انسانیت فورم کو ڈاکٹر آر ایس عادل کے ذریعہ رجسٹرڈ کرایا، وہ پیام انسانیت کے مقاصد اور کام کو بہت پیش نظر رکھتے تھے، اسی لیے ان کو فکر تھی کہ کوئی اس کو غلط مقاصد کے لیے استعمال نہ کرنے لگے، آپ نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو صدر بنایا اور مولانا اس کے جنرل سکریٹری ہوئے، اور ملک بھر سے مشن سے جڑے ہوئے لوگوں کو اس میں شامل کیا، اور اس کو منظم کیا، ڈاکٹر آر ایس عادل کہتے ہیں:

''انسانیت کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لیے مولانا عبداللہ
حسنی کا حال اور کیفیت دیوانگی کی حد تک تھی، اور انسانیت کا ان کو
سچا درد نصیب ہوا تھا، دل کی صفائی اور بھولا پن، چہرہ کی
معصومیت ان کی طرف لوگوں کو کھینچ لیتی تھی۔''

مولانا عبداللہ حسنی آر ایس عادل کی لکھی ہوئی کتاب امبیڈکر اور اسلام کو بہت فائدہ مند سمجھتے تھے اور اس کتاب کو اس لیے اہمیت دیتے تھے کہ ان کا ماننا تھا کہ اس کتاب کے ذریعہ دلتوں میں دعوت کا کام آسانی سے کیا جا سکتا ہے، اور دلت قوم جو ہندوستان میں بڑی آبادی رکھتی ہے، اور وہ زیادہ تر ڈاکٹر امبیڈکر کے ماننے والے ہیں، جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ڈاکٹر امبیڈکر اسلام اور مسلمانوں کو اس حد تک پسند کرتے تھے کہ ڈاکٹر امبیڈکر اسلام قبول کرنے والے تھے تو اس کے اثر سے ان کا رجحان اسلام کی طرف ہوگا، اور مسلمانوں سے لگاؤ پیدا ہو جائے گا۔

۲-'اسلام کا تعارف' کی مختلف زبانوں میں اشاعت

غیر مسلموں اور برادران وطن کے لیے اسلام کے صحیح تعارف کی ضرورت ان حالات میں خاص طور پر بہت بڑھ گئی تھی جبکہ فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرا کر اس کو فروغ دینے کی ہر جہت سے فرقہ پرست عناصر کوشش کر رہے تھے، اور دوسری طرف فسادات کرا کر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرانے کا کام کیا جا رہا ہے، اور یہ سب ایک پوری منصوبہ بند سازش کے ساتھ تھا، اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا حال ابتر سے ابتر ہوتا جا رہا تھا اور خود وہ دین فراموشی کے پورے شکار ہو رہے تھے، اسلامی تہذیب وثقافت کو بھول بیٹھے تھے اور اس سلسلہ میں ان کی ناواقفیت جہالت کے حدود پار کر رہی تھی، اس لیے آسان زبان اور سادہ اسلوب میں ایسی مختصر اور جامع کتاب کی ضرورت تھی جو اس خلا کو پر کر سکے اور جو لوگ اسلام کی آغوش میں آنے کے خواہاں ہیں

مگر مسلمانوں کو دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں یہ کتاب ان کا حوصلہ پست ہونے سے محفوظ رکھ سکے، بعض بڑے مصنفین اور علماء ومبلغین کے قلم سے ایسی کتابیں منظر عام پر آبھی چکی تھیں اور ان کے ترجمے بھی مختلف زبانوں میں کئے جاچکے تھے اور یہ ایک کامیاب کوشش تھی جیسے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اسلام کیا ہے؟'' اس کے اردو، ہندی، انگریزی ایڈیشن بڑے ہی مقبول ہوئے، لیکن اس کے باوجود ایک بڑا حلقہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے کام نام اور پیغام سے چونکہ زیادہ واقف اور مانوس تھا اور اس آخری دور میں ان کی تحریک پیام انسانیت اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت وسربراہی اور ملکی وبین الاقوامی معاملات میں ان کی رہنمائی اور عام تعارف کی وجہ سے ان کی جانب سے ایسی کتاب کے استقبال کی توقع اور زیادہ تھی اور لوگوں کے دل ودماغ جو دوسروں کی تحریر وتقریر سے مانوس نہیں ہوسکتے تھے وہ ان کے نام کی چیز کو بہ آسانی قبول کرسکتے تھے، اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے اس کام پر اپنے بعض تعلق والوں کو لگایا کہ وہ حضرت مولانا کی اس موضوع پر بعض کتابوں کو سامنے رکھ کر وہ مواد اکٹھا کریں جو حضرت کا ہی تحریر کردہ ہو اور اس کی نئی ترتیب دے کر حضرت کی نظر سے ایک بار گزار دیا جائے، پھر اس کو منظر عام پر لایا جائے، مولانا سید عبداللہ حسنیؒ نے اپنی پوری رہنمائی فرمائی اور تعاون دیا اور کہاں سے کیا لینا ہے اس کی طرف متوجہ کیا۔ اس طرح ''اسلام کا تعارف'' نامی کتاب ۷۰ اصفحات میں تیار ہوکر منظر عام پر آگئی، اور دار عرفات رائے بریلی سے شائع ہوئی، لیکن اردو کے مقابلہ اس کے ہندی اور انگریزی ایڈیشن بہت زیادہ عام ہوئے اور لوگوں کے اسلام کے آغوش میں آنے کا خوب ذریعہ بنے۔

مولانا سید عبداللہ حسنیؒ نے اپنے پیش لفظ میں کتاب کی ترتیب میں جن امور کا خیال رکھا گیا ہے اس کا اس طرح اظہار کیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

''اس کتاب کی ترتیب میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جو کچھ لیا جائے، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی تصنیفات سے لیا جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت ومحبوبیت عالمی شہرت اور آفاقیت اعتدال پسندی اور جامعیت آپ کو عطا فرمائی ہے وہ کسی معاصر شخصیت میں نہیں پائی جاتی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف بلکہ متضاد طبقوں اور جماعتوں کو آپ کی شخصیت پر اعتماد ہے جو دراصل آپ کے اخلاص ودردمندی، انسانیت نوازی ودل سوزی کا نتیجہ ہے، اس لیے ان ہی کی کتابوں اور کتابچوں (خاص طور سے 'ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں'، 'دستور حیات'، 'ارکان اربعہ' سے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام کو قبول فرمائے، اور اس کو اسلام کے تعارف کا ذریعہ بنا کر ہدایت کے دروازے کھول دے جو اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔''

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنے مقدمہ میں اس نئی کتاب کی ضرورت وافادیت اور اپنی مسرت کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا، وہ لکھتے ہیں:

......ضرورت ایک ایسی کتاب کی بھی تھی جس میں مسلمان جو کچھ ہیں اور جیسے کچھ ہیں اس سے قطع نظر کر کے ان کو کیسا ہونا چاہیے، ان کو حقیقی رنگ وشکل میں ان کے ہم وطنوں کے سامنے پیش کر دیا جائے اور نہ بخل وحق تلفی سے، اس کے لیے راقم سطور نے ''ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں'' تیار کی جو اردو، ہندی، انگریزی میں کئی سال ہوئے شائع ہو چکی ہے، لیکن اسی کے

ساتھ ایک ایسی کتاب کی ضرورت باقی تھی جو ہلکی پھلکی ہو، کیوں کہ ضخیم کتابوں کا پڑھنا بہت سے مسلمان اور غیر مسلم بھائیوں کے لیے مشکل ہے۔

مسرت کا مقام ہے کہ عزیز القدر مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء نے (جو اس فاضل وادیب کے بیٹے ہیں جس کی عربی تحریروں اور دعوتی وعلمی مقالات کو اہل زبان ادیب اور صاحب قلم عرب فضلاء بھی پڑھ کر متاثر اور آب دیدہ ہو جاتے) یہ مبارک قدم اٹھایا، جو سب فرقوں، تعلیم یافتہ اصحاب، اور انصاف پسندوں کے لیے مفید اور مبارک ہے۔

راقم کی تصنیف جو "ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جس میں مسلمانوں کے عقائد، معاشرت اور تہذیب وتعلیم وتربیت اور ان کی زندگی کا پورا نقشہ آ گیا ہے، اور راقم کی دوسری تصنیفات جن میں مسلمانوں کے بنیادی عقائد، ان کے مذہبی فرائض، اور معاشرت اور تہذیب کے اصول بیان کئے گئے ہیں، کو سامنے رکھ کر یہ کتاب مرتب کی ہے، اور وہ خود دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسے بین الاقوامی شہرت اور علمی وتاریخی عظمت رکھنے والے ادارہ اور تعلیم گاہ میں دینیات اور بعض بنیادی کتابوں کے استاد ومدرس ہیں، پھر خاندانی طور پر وہ ایک بڑی وسیع اور مستند ثقافت (Culture) اور علمی سرمایہ کے وارث وحامل ہیں، اس لیے یہ کتاب ہر طرح مفید اور اہم اور مستند ومسلّم ہے۔"(۱)

---

(۱) کاروان زندگی، جلد ۷، ص: ۷۵

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے انگریزی مترجم ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب (سابق پروفیسر شعبہ انگریزی اُم القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ) حال مقیم نئی دہلی کا تعارف کراتے ہوئے کاروان زندگی جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

> ''حال ہی میں انہوں نے راقم کی کتاب ''اسلام کا تعارف'' کا انگریزی ترجمہ کیا، اس کا انگریزی نام The Islam Introduction ہے، جسے عزیزی عبداللہ حسنی سلمہ نے بڑے اہتمام سے چھپوایا، وہ غیر مسلم فضلاء کو خاص طور سے تحفۃً دی جاتی ہے اور وہ بڑے متاثر ہوتے ہیں۔(۱)

۳-'اسلام کی تعلیم'

مولانا سید عبداللہ حسنی کے دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب جو انہوں نے اصلاً غیر مسلموں کے لیے لکھی تھی تاکہ اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، آخرت کو آسان اور سادہ انداز میں سوال و جواب کی صورت میں پیش کر دیا جائے، جب یہ کتاب لکھی گئی اس زمانہ میں غیر مسلم برادران وطن اردو سے واقفیت رکھتے تھے، پھر یہ کتاب بچوں کے نصاب میں رکھ دی گئی تاکہ اس مختصر سوال و جواب کو بچے یاد کرلیں، ضرورت تھی کہ یہ کتاب ہندی اور انگریزی میں آئے، مولانا نے اپنے دادا کی اس امانت کو باہر نکالا اور ہندی اور انگریزی تراجمہ کرا کر بڑی تعداد میں شائع کرایا۔ ہندی ترجمہ جناب خورشید اختر صاحب مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی نے کیا، اور انگریزی ترجمہ انجم فراز صاحب علی گڑھ نے کیا جس پر نظر ثانی ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط صاحب نے کی اور تعریف کی۔ اس رسالہ سے بھی بڑا نفع پہنچا۔

۴-'نبی رحمت' کی تلخیص

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب السیرۃ النبویۃ (عربی) کا ترجمہ مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ نے کیا تھا، غیر مسلموں کے لیے سیرت نبوی کو پیش کرنے کے لیے اس کی تلخیص مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے کی، مگر ان کا یہ کام طبع ہونے سے رہ گیا اور بظاہر مسودہ بھی مخفی ومستور ہو گیا ہے اجر انشاء اللہ آخرت کے لیے محفوظ ہو گیا۔

۵-قصص النبیین (ہندی) کی اشاعت

جناب مولانا سید احمد علی حسنی ندویؒ مدیر تعمیر افکار دار عرفات رائے بریلی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب قصص النبیین (عربی) کا ہندی ترجمہ کیا تا کہ عام مسلمان جو اردو سے واقف نہیں ہیں اور برادران وطن، انبیاء کرام کے اعلیٰ انسانی واخلاقی انداز سے اور ان کے پیغام توحید سے واقف ہوں اور واقعات کی روشنی میں یہ انداز زیادہ مؤثر ہوتا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے برادرزادہ اعزواحب مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ کے پیش نظر لکھی تھی کہ وہ جب عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تو ان سے عربی کا فائدہ تو تھا لیکن تربیت کا فائدہ نہ تھا، حضرت مولانا نے یہ ضرورت محسوس کی کہ زبان کے ساتھ تربیت دینی اور اصلاحی عقائد واعمال کا بھی فائدہ ہو، ہندی ترجمہ آنے کے بعد مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کو اس کا شدید تقاضہ ہوا کہ اس کو خوب عام کیا جائے، مترجم مولانا سید احمد علی ندوی سے اجازت لے کر پھر ہزار ہا ہزار کی تعداد میں شائع کرایا اور غیر مسلموں تک پہونچانے کے مختلف طریقے اختیار کیے، اسٹیشنوں، بس اسٹینڈ، میلوں، اجتماعات میں رکھوانے کا اہتمام کیا اور یہ اثر بہت جلد ظاہر ہونے لگا کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں

(۱) مقدمۂ کتاب ''اسلام کا تعارف''

ایمان کا بیج پڑنے لگ گیا، اور پھر مشرف بہ اسلام بھی لوگ ہوئے۔

۶- ہندومت پر کتاب

ویدوں کو سامنے رکھ کران باتوں کو نکالنے کے کام میں ہر ایک فاضل کو لگایا، جو اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی تصدیق کرنے والی ہوں اور شرک و بت پرستی کی تردید کرنے والی ہوں، یہ کام بھی ایک مہاراج نے بڑی تحقیق ومحنت سے تیار کیا، جو ہندی میں ہے۔

۷- بدھ مت پر کتاب

مولانا عبداللہ حسنی صاحب متعدد جہتوں سے اسلام کی حقانیت اور سارے انسانوں کے لیے اس کی ضرورت پر لٹریچر تیار کرانے میں فکرمند تھے، بدھ مت کے لیے انہوں نے جناب انجم فراز علی گڑھی کو لگایا اور ایک ایسی کتاب انہوں نے بڑی تحقیق ومحنت سے تیار کی جس کی افادیت بہت محسوس کی گئی، یہ کتاب انہوں نے انگریزی میں تیار کی، مولانا کے پیش نظر جاپان، چائنا، کوریا، برما، اور بہت سے دوسرے ممالک تھے جہاں بدھ مذہب کے ماننے والے خاصی تعداد میں ہیں، اور یہ خبریں ملنے لگیں کہ جہاں یہ کتاب جارہی ہے وہاں ہلچل مچ رہی ہے، یقیناً یہ کتاب ان لوگوں کو کچھ سوچنے پر مجبور کرے گی۔

۸- 'قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل'

اسلام کے تعارف اور رسول اللہ (ﷺ) سے متعلق کتابیں، اسلام کے بنیادی عقائد سے متعلق سوال وجواب کی صورت میں اور مفصل کتابیں سامنے آنے اور مختلف زبانوں خاص طور پر انگریزی اور ہندی میں ترجمہ کرانے کے بعد ان کو اس کی بڑی فکر تھی کہ کتاب الٰہی قرآن مجید سے متعلق جامع کتاب بھی سامنے آئے، حضرت مولانا سید

عبداللہ حسنی ندوی کو غیر مسلموں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہاتھ آگیا، اور اپنی علالت مرض وفات کے زمانہ میں اپنے مرادآباد کے اہل تعلق ڈاکٹر علاء الدین سیفی کو ذمہ دار بنا کر ڈاکٹر مشاہد علی سیفی کو ہندی ترجمہ کا کام سپرد کیا جو الحمدللہ پایہ تکمیل کو پہونچ گیا۔

مصنف نے اپنے مقدمہ کتاب میں بڑی اہم بات یہ تحریر فرمائی کہ:

''حضور (ﷺ) کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو معجزہ کی شکل میں بھی اتارا، اس کے بے شمار امتیازی اور اعجازی پہلو اور بہت سی خوبیاں بیان کی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے، جب کہ چودہ صدیاں گزر چکی ہیں، لیکن اس کا اصل مقصد انسان کی ہدایت اور رہنمائی ہے، اور انسانی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے مختلف اور حسب ضرورت ہدایات دی گئی ہیں۔

چنانچہ اسلام کے تعارف، اور رسول اللہ (ﷺ) کی سیرت کو ہندی، انگریزی میں عام کرنے کے بعد جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی کتابیں سامنے آچکی ہیں، دونوں کو آپ نے خوب دوسروں کو پہنچایا، اب قرآن مجید پر اس کے موضوعات کے مکمل احاطہ کے ساتھ جس میں خاص طور سے انسان کو جو موضوع بتایا گیا ہے، اس جامع کتاب کی اشاعت عام کی آپ کو بڑی فکر ہوئی، مگر ہندی ترجمہ سامنے آنے سے پہلے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اس طرح تعارف اسلام کے لیے آپ کی جدوجہد اور فکرمندیوں میں یہ آخری کتاب اور کام تھا، جو آخری کتاب الٰہی سے متعلق تھا۔

۹-خطبات مدراس

علامہ سید سلیمان ندوی کی خطابت سیرت پر معرکۃ الآراء کتاب خطبات مدراس بھی اسلام پر اعتماد بحال کرنے اور رسول (ﷺ) سے محبت پیدا کرانے اور ہر میدان

میں اسلام سے رہنمائی حاصل کرنے کی لاجواب کتاب ہے مولانا نے اس کے ہندی ترجمہ کی خدمت ایک غیر مسلم سے لی، جنہوں نے ان کی وفات کے بعد پورے شرح صدر سے ان کے بھائی مولانا بلال حسنی کے ہاتھ پر قبول اسلام کرلیا، اس کے ترجمہ کا نفع بھی خوب عام ہو رہا ہے۔

۱۰-رہبر انسانیت

رہبر انسانیت عام مسلمانوں اور غیر مسلموں کو سیرت نبوی سے آشنا کرانے اور اسوۂ نبوی کو اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے عام فہم اسلوب میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے یہ کتاب لکھی، جس کا بہت جلد انگریزی اور ہندی ترجمہ سامنے آگیا، انگریزی ترجمہ مولانا احسان الحق ندوی کے قلم سے اور ہندی ترجمہ مولانا سید محمد غفران ندوی کے قلم سے تینوں زبانوں میں یہ کتاب خوب فروغ ہوئی، اور مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے بھی اس کے ذریعہ اپنے دعوتی کام کو خوب تقویت پہونچائی۔

غیر مسلم وفود کا قبول اسلام

عمومی طور پہلے آپ کے دست مبارک پر جنہوں نے کلمہ پڑھا انفرادی طور پر پڑھا۔ پھر جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو وہ دن بھی دیکھنے کو ملا جب اللہ رب العزت نے کلمہ پڑھنے والوں کی اس انفرادیت کو اجتماعیت کی شکل دی اور فرد کی جگہ غیر مسلم وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ایک ہی مجلس میں دس دس لوگوں کو کلمہ پڑھاتے دیکھا گیا۔ موبائل پر تو یہ کثرت سے ہونے لگا تھا سفر کر رہے ہیں گاڑی پر ہیں، موبائل کی گھنٹی بجتی ہے، اور آپ خوش آمدید کہتے ہیں، اور کلمہ پڑھانا شروع فرمادیتے ہیں، اور پھر کچھ ضروری باتوں کی تلقین فرما کر اظہار محبت وشفقت کرتے ہیں، اس کا ایک تجربہ راقم کو بھٹکل کے راستہ میں گاڑی میں ہوا، اور یوں روز ایک دو دن کے وقفہ یہ خوشخبری مل ہی

جاتی تھی اور آپ کے رفقاء کے توسط سے یہ سلسلہ بلاناغہ جاری تھا، فالحمدللہ علی ذلک۔

ایک غیر مسلم فوجی کا قبول اسلام

ایک غیر مسلم فوجی کے قبول اسلام کو مولوی مصور عالم ندوی اس طرح بیان کرتے ہیں: اسلام جیسی لازوال دولت کو حاصل کر لینے کے بعد انسان کو کتنی خوشی ہو تی ہے اسکا صحیح اندازہ وہی کر سکتا ہے جسکو اسکا تجربہ ہو یا جس نے خوشی کے اس لمحے کا مشاہدہ کیا ہو، ایک بار کا واقعہ ہے ''دفتر رائد میں جہاں کہ آپ اپنے خالی اوقات میں تشریف رکھتے تھے ایک فوجی نے آکر آپ سے ملاقات کی اور اسلام کے بارے میں کچھ سوال و جواب کیے، شائد وہ حق کی ہی تلاش میں نکلا تھا، آپ کے جواب کو سنکر وہ اسقدر خوش ہوا گویا اسے کوئی گمشدہ چیز مل گئی ہو، اس نے حضرت علیہ الرحمہ سے درخواست کی آپ مجھے اس دھرم میں داخل کر لیجیے، حضرت علیہ الرحمہ نے کہا: پہلے آپ اچھی طرح غور کر لیجیے، اس نے کہا: میں نے غور کر لیا، حضرت علیہ الرحمہ نے اس فوجی کو کلمہ پڑھا دیا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد اس شخص کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا، ایسی خوشی ہوئی کہ اس نے حضرت علیہ الرحمہ کو گود میں اٹھالیا اور ناچنا شروع کر دیا

سکھوں میں دعوت کا کام

سکھوں میں دعوت کے کام کو مولوی منصور عالم ندوی کے الفاظ میں سنئے: ارتداد کی سرزمین پنجاب کا نام آتے ہی آپ بے قرار ہو جاتے اور فرماتے وہ کام کا ایک بہت بڑا میدان ہے اگر اسی سرزمین سے کوئی پڑھا لکھا اور مناسب آدمی مل جا ئے تو بڑا کام ہو سکتا ہے، اللہ رب العزت نے آپ کی اس تڑپ اور بے قراری کو بھی قبو ل کیا اور پنجاب ہی کی سرزمین سے آپ کو ایسے باصلاحیت سکھ افراد ملے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ اپنے سکھ بھائیوں میں کام کا بیڑا بھی اٹھایا۔

ایک سکھ پروفیسر سے آپ کی ملاقات اور ان پر اسلام کا اثر آپ نے کبھی کسی کو

نہیں کہا کہ تم کلمہ پڑھ لو یا اسلام قبول کرلو، سامنے والا جب تک اندر سے مطمئن اور تیار ہو کر بذات خود نہ کہہ دیتا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں تب تک آپ کلمہ نہ پڑھواتے۔ اگر کسی کو کلمہ پڑھاتے بھی تو پہلے اسے اپنے دل کو مطمئن کر لینے کے لیے کہتے پھر کلمہ پڑھاتے۔ ایک بار کسی یونیورسیٹی کے ایک سکھ پروفیسر نے آپ سے ملاقات چاہی، آپ نے ان کو دفتر رائد میں وقت دیا (یہ اسوقت کی بات ہے جب دفتر رائد مجلس تحقیقات کے سامنے اور علامہ شبلی نعمانی لائبریری کے بغل میں تھا) جب ملاقا ہوئی تو اس پروفیسر نے آپ سے قرآن کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے بہت مختصر لیکن بہت ہی جامع گفتگو فرمائی اور قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی ، جب آپ نے کہا کہ دنیا میں یہ واحد کتاب ہے جس کے لاکھوں اور کروڑوں حافظ ہیں تو اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: کیا دنیا میں واقعی کوئی ایسی کتاب ہے جو لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو یاد ہے؟ اگر یہ حقیقت ہے تو اسلام ایک سچا مذہب ہے، اس کو کوئی بھی نہیں مٹا سکتا۔ پھر اس پروفیسر نے بظاہر اسلام تو قبول نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے اس تعلق سے کچھ کہا لیکن اسلام کی حقانیت اسکے دل میں سما چکی تھی، انتہائے مجلس پر اس نے حضرت علیہ الرحمہ سے درخواست کی کہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے جو کلمہ پڑھوایا جاتا ہے آپ اس کو کسی کاغذ پر ہندی میں ترجمے کے ساتھ لکھ کر دیجیے اور براہ راست اسلام کو سمجھنے کے لیے کچھ کتابوں کی راہنمائی کیجیے۔ آپ نے اسلام ایک پرچے کے ساتھ ہندی میں کچھ اور کتابیں دیں اور کلمۂ توحید ہندی ترجمہ کے ساتھ لکھوا کر دیا۔ جب حضرت علیہ الرحمہ نے کلمہ توحید کے پرچے کے ساتھ یہ کتابیں انکے ہاتھ میں دیں تو اسکا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، ان کے حرکات وسکنات بتا رہے تھے کہ اس وقت مولانا علیہ الرحمہ سے بڑھ کر کوئی محسن ان کی نگاہ میں ہے ہی نہیں۔

ویدک ریسرچ سینٹر کا قیام

مولوی منصور عالم ندوی لکھتے ہیں: ہندوستان میں مذہب اسلام کے مقابل

ویدک ستیہ سناتن دھرم جس کے متبعین کا ماننا ہے انکا مذھب آسمانی اور جس کتاب پران کا عمل ہے وہ بھی سماوی ہے، کیا صحیح کیا غلط؟ اس کی حقیقت کی نشاندھی کے ساتھ حق کو سبھوں کے سامنے واضح کرنے کے لیے حضرت علیہ الرحمہ نے شیام سُندرم شِو آشرم مٹھ کے سابق مہاراج ویکا سانند برھم چاری (المعروف بہ معظم حسین یا مہاراج جی) کی نگرانی میں ایک ریسرچ سینٹر قائم کیا جو اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ کے ساتھ اسلام کے راستے میں آنے والی تمام علمی اور عقلی روکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ ویدک دھرم گرنتھوں میں اسلام کس انداز میں ہے ریسرچ کے بعد مہاراج جی کی جو کتابیں سامنے آئیں انمیں اسی سینٹر کا کردار ہے۔

مذہبی اور کتابی میلوں میں اسلام کا تعارف

مولوی منصور عالم ندوی لکھتے ہیں: علمی اور کتابی حلقوں میں پیام انسانیت کی تبلیغ وترویج کے ساتھ غیر مسلم بھائیوں میں اسلام کا صحیح تعارف کرانے اور مذہب اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے جو چیز سب سے زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوئی آپ کی وہ کوشش ہے جسکو آپ نے پیام انسانیت کے بینر تلے ایک اسٹال کے ذریعہ برادران وطن کے مذہبی میلوں اور کتابی نمائش گاہوں سے شروع کیا۔ اس کا پہلا اور کامیاب تجربہ آپ نے ہاتھرس شہر میں داؤجی کے میلے سے کیا، پھر آپ کا یہ اسٹال پورے ہندوستان میں ہر نیشنل اور انٹر نیشنل بک فئر کی زینت بنا۔ اللہ اس کو باقی اور قائم ودائم رکھے آمین۔ (۱)

علالت کے ایام اور دعوتی مصروفیات

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیماری اور علالت کو کبھی دعوتی اور تعلیمی وتربیتی مشغولیات میں مانع نہ بننے دیا، اور نہ ہی حصول علم میں حارج

---

(۱) ملاحظہ ہو پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی نمبر

ہونے دیا، عرصہ تک انہیں سر کے درد کی تکلیف پریشان کرتی رہی، جس سے مطالعہ وغیرہ پراثر پڑتا تھا، اور نزلہ کے دائمی مریض تھے جس سے صحت میں اضمحلال رہتا تھا، رائے بریلی کے ڈاکٹر محمد جمیل فاروقی (ہومیو پیتھ) کے علاج سے جو برابر جاری رکھا، اور اس میں سالوں کی مدت کو زیادہ محسوس نہیں ہونے دیا، خاصہ فائدہ محسوس کیا، اور ڈاکٹر صاحب کو بھی آپ سے بڑا انس ہوگیا، اور وہ آپ کے دعوتی مشن میں جس میں خاص طور سے غیر مسلم پیش نظر ہوتے تھے، شریک و معاون بن گئے، اور رائے بریلی میں ایک بڑا جلسۂ پیام انسانیت بھی منعقد کرنے میں حصہ لیا۔ اس جلسہ کی ایک خصوصیت یہ ظاہر ہوئی کہ بیرون ملک کے ایک نمائندہ جن کا تعلق بنگلہ دیش سے تھا شریک تھے، ان کی پہلی شرکت ایسے جلسہ میں تھی جس میں غیر مسلم مخاطب اور مخاطب دونوں تھے، اور اخلاقی قدروں کو موضوع بنا کر انسانی اخوت کو طاقت پہونچانے کی بات کی جارہی تھی۔ جلسہ کے اختتام کے ساتھ انہوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ یہ تحریک بنگلہ دیش میں جا کر چلائیں گے، جہاں اس کی ضرورت زیادہ محسوس ہورہی ہے۔ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے رابطہ قائم کیا، مولانا نے ان کا حوصلہ بڑھایا اور ان کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ جا کر وہاں یہ کام شروع کریں، الحمدللہ انہوں نے وہاں جا کر اس کام کی داغ بیل ڈالی اور اس کا بڑا جلسہ منعقد کیے، جس کے سماج پر اچھے اثرات پڑے، ان کی بڑی خواہش تھی کہ حضرت مولانا عبداللہ حسنی ضرور اس موقع پر تشریف لائیں، لیکن یہ مقدر نہ تھا، باوجود تقاضہ اور خواہش کے سفر نہ ہوسکا، یہ عزم نوجوان مولوی شہید الاسلام فاروقی قاسمی صاحب ہیں۔

امراض میں شوگر کی بیماری آپ کے لیے سخت مشکلات پیدا کرنے والی بنی، آپ کو شوگر ایک مسئلہ کی وجہ سے ہوئی، جس کا تصور بھی آپ کے لیے محال تھا، بعد میں جب شوگر نے جسم کے اعضاء پر اثر ڈالنا شروع کیا تو اس کے علاج کی جو مختلف تدبیریں آپ اختیار کرسکتے تھے کیں، اطباء میں حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڑھی

مدظلہ، حکیم محمد شعیب صاحب امروہوی کا علاج کیا اور فائدہ بھی محسوس کیا، یوں اور بھی اہل تعلق اطباء نسخے تجویز کر کے دوا بھی ساتھ کرتے، اور آپ استعمال میں حسب ضرورت لاتے۔

ہومیو پیتھ میں ڈاکٹر نسیم احمد صاحب کلکتوی (لکھنؤ) سے مشورہ کرتے اور ڈاکٹر محمد شعیب قریشی صاحب سے بھی رائے لیتے، ایلو پیتھ میں آپ کے معالج خاص ڈاکٹر کوثر عثمان صاحب رہے جو خاص طور سے شوگر کے اسپیشلسٹ مانے جاتے ہیں، کئی بار شدید بیمار ہوئے، لیکن صبر و برداشت سے ایسا کام لیا کہ دوسرے لوگ سمجھ ہی نہ سکے کہ آپ سخت بیمار ہیں۔

دعوت وارشاد کے مسند پر بیٹھنے کے بعد آپ جنوبی افریقہ کے سفر سے لوٹ کر بیمار ہوئے اور کئی ماہ تعلیم وتدریس کا بار نہ اٹھا سکے، پھر اللہ نے صحت دی، اور اس سے آپ نے فائدہ اٹھا کر دعوت کا کام اور تیز کیا، اسلام کے تعارف کی جو کوششیں جس سطح پر آپ کر سکتے تھے کیں، اور لوگوں کو ان کی صلاحیت ولیاقت اور استعداد کے مطابق کام میں لگایا، اور اسلام کی دعوت کا طریقہ سکھانے کے لیے اچھے کار پرواز داعیوں کی خدمات بھی لیں، اور مندروں کے مہنتوں میں لوگوں کو اسلامی لٹریچر کے ساتھ بھیج کر دین کی صحیح تفہیم کی کامیاب ومؤثر کوشش کی، جس کے اچھے نتائج خود انہوں نے دیکھے۔ مزید حرم شریف کا سفر کیا، اور رمضان المبارک میں مسجد نبویؐ میں جوار رسول (ﷺ) میں اعتکاف کر کے جار الرسولؐ بننے کا شرف حاصل کیا۔

۲۰۰۷ء یا ۲۰۰۸ء کی بات ہے کہ آپ پر بیماری کا پھر شدید حملہ ہوا، ظاہری اسباب شوگر کا سبب بتا رہے تھے، لیکن اس کے پیچھے کچھ باطنی اسباب بھی تھے، جیسے آنکھ کی نظر لگ جانا، دل کی نظر لگ جانا وغیرہ، مکہ مکرمہ کے ایک سفر میں آپ کو اس سے بڑا فائدہ پہنچا، اور آپ کو صحت ہونے ہو لگی، لیکن صحت پورے طور سے نہ ہوئی، اور بیماری میں آپ کو تکلیف ایسی سخت ہوئی تھی کہ نماز کے لیے کھڑا ہونا، نیت باندھنا، اور اس میں

پڑھنا اور قیام وقعود بھی مشکل ہو جاتا تھا، مگر آپ اسی اعتدال واطمینان، خشوع وخضوع کے ساتھ نماز دا کرتے، اور مزید دعا کے اہتمام میں بھی کمی نہ آنے دیتے، اس کے ساتھ تہجد کا اہتمام بھی جاری رہتا، اور تہجد میں غفلت اور ناغہ نہ ہونے دیتے، پھر لوگوں سے ملاقاتیں، مجلس میں بیٹھنا، تقریروں کے لیے جانا، دعوتی کام کے لیے مشقت اٹھانا، اعزا واقارب کا خیال اور حسن سلوک، اور اسفار کا سلسلہ جاری رکھنا یہ سب کام جاری رہتے۔

بیماریاں اندر اندر اپنا کام کرتی رہیں، اور آپ اپنا کام جاری رکھے رہے، دعوت کا کام بڑھ جانے کی صورت میں یہ خیال بھی دامن گیر رہا کہ تدریس وغیرہ مشاغل دعوت کے کام میں حائل ہو رہے ہیں، یہ دوسروں کے لیے چھوڑ دیں اور اپنے دعوتی کام کو پوری یکسوئی سے آگے بڑھائیں، لیکن جب اس خیال وارادہ کو اپنے بڑوں کے سامنے رکھا، تو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی دونوں بزرگوں نے ایسا نہ کرنے کی تاکید فرمائی اور کہا کہ تدریس صرف تدریس نہیں ہے یہ خود دعوت کا بڑا ذریعہ ہے، افراد سازی کا بہت بڑا میدان ہے اور ان کے ذریعہ بات مستحکم طور پر ایسی جگہوں پر پہونچے گی جہاں دوسرے ذرائع سے پہونچنا مشکل ہے۔ آپ کے مزاج میں بڑوں کا بڑا ہی پاس تھا، بے چوں چرا اپنی مرضی پر ان کی مرضی کو غالب رکھا۔

اللہ کے فضل پر نگاہ

دعوت اور اسلام کے تعارف کا کام جس کے لیے مولانا نے اپنی ساری صلاحیتوں کو وقف کر دیا تھا، لیکن ان کی نگاہ اپنی کوششوں اور صلاحیتوں پر ذرا بھی نہ تھی بلکہ اللہ کے فضل پر ہی ہے، ڈاکٹر صالح کریم (سنجے پانڈے) کہتے ہیں کہ مجھ سے تین بار فرمایا کام بہت اہم ہے، ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایک مچھر بھی ہمارے ہاتھ پر کلمہ پڑھے گا جو کچھ ہو رہا ہے بس اللہ کا فضل وکرم ہے، مجھے شوق تو شروع سے بہت

زیادہ تھا اور فرمایا کام تو اتنا اہم ہے کہ میں دعوت کا کام کرنے والے ساتھیوں کے لیے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ میری نحوست سے میرے ساتھیوں کو بچانا۔

اور فرماتے کبھی یہ بات دماغ میں نہ آئے کہ ہمارے کرنے سے کچھ ہوتا ہے، بلکہ اللہ کا احسان ہے کہ اللہ نے ذریعہ بنا دیا، اور حق پر جمنے کے لیے کبھی بہت قوت سے فرماتے کہ چاہے میں تنہا رہ جاؤں لیکن کام جیسے اسلاف نے کیا ہے، کام کا طریقہ وہی طریقہ ہے۔

اور مراد آباد کے ایک پروگرام میں فرمایا کہ دنیا کی ترقی نئی ایجادات، سائنسی انکشافات وغیرہ میں ہے لیکن ہماری ترقی پیچھے جانے میں ہے اور اتنا پیچھے کہ صحابہ کرام سے جاملیں۔

انسانوں کی ہدایت کی اس قدر فکر تھی کہ جب میں اور میرے ساتھی حج پر گئے تو نصیحت فرمائی کہ جب کعبہ پر پہلی نظر پڑے تو یہ دعا ضرور کیجیے گا کہ اے اللہ ہدایت کی ہوا چلا دے اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کریں، اور تیرا کلمہ بلند ہو۔

العافیہ ٹرسٹ کا قیام اور اس کے مقاصد

۱- مسلمانوں کو دعوت کی تربیت دینے کے لیے قائم کیا گیا تا کہ اسلام کا تعارف دوسرے مذاہب کے لوگوں میں کرایا جائے۔

۲- نو مسلموں کی تربیت دینی کے لیے کورسیز اور معلمین کا انتظام۔

۳- امداد و تعاون، نو مسلموں کے عائلی مسائل، نکاح، رہن سہن وغیرہ اور معاش کے مسائل۔

۴- دوسرے مذاہب کے لوگوں کے اسلام سے متعلق کتابوں کی اشاعت اور دوسرے مذاہب پر ریسرچ۔

۵- دعوت اسلامی کے سلسلہ میں پروگراموں کا انعقاد۔

۶- رفاہی کام، میڈیکل کیمپ وغیرہ کا غریب اور پسماندہ مقامات پر انعقاد و

بندوبست۔

۷- جولوگ دعوت کے کام میں مصروف عمل ہیں ان کو رہائشی سہولیات کی فراہمی اوران کی معیشت کی فکراورامدادوتعاون۔

۸- مترجمین اورریسرچ اسکالرس کی تربیت۔

قیام ۲۸/اپریل ۲۰۰۹ء کو عمل میں آیا، حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی نے قائم کیا، اور وہی اس کے ناظم تھے، اب ان کے بعد ان کے بھائی مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی اس کے ناظم منتخب ہوئے ہیں۔

اس کے اہم کارکنوں میں دفتری امور ڈاکٹر ریاض احمد صاحب دیکھتے ہیں، محمد میاں اورمولانا خلیق ندوی عرف کلن صاحب، ڈاکٹر صالح کریم، شکیل احمد صاحب، محمد عبداللہ پیام خاں، وغیرہ اہم معاونوں میں ہیں۔

چارسال کی کارکردگی میں نمایاں کام کتابوں کی اشاعت نومسلموں کی دیکھ ریکھ کا کام اچھے انداز سے انجام پایا ہے، اور قدرتی آفات کے موقع پر، سیلاب، آندھی، طوفان اور آگ لگ جانے سے متاثر زدہ لوگوں میں کیمپ کا انعقاد کرانا اور مدد پہنچانے کا عمل رہا، خاص طور سے مرادآباد، سیتاپور، لکھنؤ، اورنگ آباد مہاراشٹر میں اس کے اچھے نتائج سامنے آئے۔

ڈاکٹر صالح کریم (سنجے پانڈے) جو مولانا کے العافیہ کے کاموں میں دست راست تھے اس تعلق سے مولانا کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں:

> ''اسلام شانتی اور مانوتا کا سندیش'' کے عنوان پر مقابلہ غیر مسلموں سے لکھوایا، اور ۱۴۵ لوگوں کو ''اسلام ایک پریچے'' ''نبیوں کے قصے'' (دوسرا حصہ) بھیجا گیا، جن کو لوگوں نے پڑھ کر مقالے لکھے، جس میں کالج کے پروفیسر، لکچرر، ڈاکٹر، انجینئر، یونیورسٹی، کالج کے اسٹوڈنٹ اور جو سماج کی اصلاح کی فکر رکھتے ہیں، ایسے بہت سے لوگوں نے

مقالے لکھے، اوراس طریقے سے بہت سے لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہوئیں، اس میں کچھ آرایس ایس کے لوگوں نے بھی حصہ لیا، بہت سے لوگوں نے فون کیا کہ آپ لوگ اس کے ذریعہ دھرم کا پرچار کررہے ہیں، ہم لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ اچھائی پھیلانے کا کام کررہے ہیں، مقالے آنے کے بعد انعامات کی تقسیم کے لیے ایک پروگرام مرتب کیا گیا، جس میں پورے یوپی اوراترا کھنڈ کے کافی لوگ لکھنؤ میں شرکت کے لیے آئے، جس میں ڈھائی سو سے زیادہ لوگوں کو انعامات دیئے، اس پروگرام میں گائتری پریوار ہریدوار سے پنڈت وریسوراپادھیائے، سوامی لکشمی شنکر آچاریہ اور ممتاز غیر مسلموں نے شرکت کی، اور مولانا عبداللہ حسنی نے اپنا خطاب کیا، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے صدارتی خطاب فرمایا، پھر کارواں چلا اور دوسرے صوبوں میں جیسے مہاراشٹر، مغربی بنگال، جھارکھنڈ، بہار، کشمیر، حیدرآباد، گجرات، کیرالا، کرناٹک، گوا، ہریانہ، راجستھان، ہماچل پردیش، مدھیہ پردیش وغیرہ میں پروگرام ہوئے، اور ملک سے باہر نیپال میں بھی ایسے پروگرام کا انعقاد ہوا۔"

دعوت کے کام میں بعض اہم معاون افراد

اسلام کے پیغام توحید ورسالت کو عام کرنے کے لیے مولانا نے جن افراد سے خصوصی تعاون لیا ان میں ڈاکٹر سنجے رائے (سعید ذاکر) سمستی پور بہار (۱) ڈاکٹر سنجے پانڈے (صالح کریم) لکھنؤ، رفیق ملک برہم پور اڑیسہ، عظمیٰ سلطان بھوپال، محمد مخدوم ایٹارسی مدھیہ پردیش، مہاراج محمد معظم مدناپور مغربی بنگال، خورشید عالم ندوی

(۱) افسوس کہ ڈاکٹر سنجے رائے جو کہ ایک ذاکر، شاغل داعی ومبلغ دین تھے ایک سڑک حادثہ میں کشمیر میں اواخر اگست ۲۰۱۳ء میں انتقال کرگئے۔

کلکتہ، نسیم قمر ندوی آسنسول مغربی بنگال، ڈاکٹر علاء الدین سیفی مرادآباد، جنید فاروقی ندوی اورنگ آباد، مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی، مولانا خالد بیگ ندوی، آر ایس عادل (رام سنگھ ودیارتی) نئی دہلی، شکیل احمد لکھنؤ، محمد میاں لکھنؤ، عبداللہ پیام لکھنؤ، ڈاکٹر ریاض لکھنؤ، ڈاکٹر جمیل کانپور اوران کے رفقاء، اور محمد ایمان (نو مسلم) اورنگ آباد مہاراشٹر۔

نمونہ کے طور پر یہ چند نام تحریر کردیئے، اور کتنے ایسے باہمت اور جفاکش نوجوان ہیں جو بھوک پیاس اور رہن سہن کی تکلیفوں کو برداشت کر کے اور کتنے ہیں جو مال و متاع کی قربانی دے کر مختلف جگہوں پر کام کر رہے ہیں، اور وہ آپ کو اپنے کاموں کی اطلاع دیتے رہتے تھے، اور آپ اپنے بہت ہی خاص تعلق والوں کو بعض واقعات کی خوشخبری بھی سنادیا کرتے تھے، آپ کو یہ یقین تھا کہ دل کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اس دروازہ سے داخل ہوا جائے۔

دسواں باب

تحریک پیام انسانیت کی قیادت

طریقۂ کار- انداز فکر اور اس کے حیرت انگیز نتائج وثمرات

تحریک پیام انسانیت کی قیادت

حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے خدمت خلق اور اخوت انسانی کے پیام کو عام کرنے کے لیے انسانی وحدت پر لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا تھا، اس سلسلہ میں ان کے سامنے اپنے دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا کام پہلے سے سامنے تھا، جو انہوں نے تحریک پیام انسانیت کے نام سے شروع کیا تھا، جسکی تفصیلات اس کے قیام کے اسباب ومحرکات کی روشنی میں سوال وجواب کی صورت میں جو تحریک کے ترجمان مولانا اسحاق جلیس ندوی مرحوم کا مرتب کردہ ہے، اپنی خودنوشت سوانح حیات کاروان زندگی حصہ دوم میں پیش کی ہے، اور الگ سے رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوئی ہے، انہی خطوط کی روشنی میں مولانا سید عبد اللہ حسنی نے اس کام کو آگے بڑھایا اور اس مشن کو فروغ دیا، اور ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے میدان کو اور وسیع کیا۔(۱)

---

(۱) بانی تحریک پیام انسانیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندووی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تحریک پیام انسانیت کے صدر مولانا الحاج عبد الکریم پاریکھ صاحب اور پروفیسر انیس چشتی صاحب پونا جنرل سکریٹری منتخب ہوئے............ (باقی اگلے صفحہ پر)

چنانچہ انہوں نے اس کام کی زمام کو ہاتھ میں لیتے ہوئے ایسے پروگرام ترتیب دیئے، جس میں انہوں نے ان موضوعات کو اختیار کیا جو سماج کا ناسور بنتے جارہے تھے، اور یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ سیاستدانون کی بات اب مؤثر نہیں رہی ہے، انہوں نے صوفی سنتوں، رشی منیوں، اچاریوں گرو اور پادریوں کو دعوت دی، اور ان لوگوں کو ان کے مٹھوں سے نکالا، اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کا پیغام انسانیت کھل کر پیش کیا، اور اس میں انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ باتیں غیر مسلم مذہبی رہنماؤں سے کہلوائیں جنہوں نے اسلام کی غیر مسلموں اور تمام انسانیت کے فلاح و بہبود کی باتوں کا کھل کے اعتراف کیا، اپنی تقریروں میں واضح طور پر ان کو پیش کیا، خاص طور سے ان کو سب سے زیادہ اس سلسلہ میں کامیابی اچاریہ سوامی شنکر جی سے ملی، جنہوں نے پہلے قرآن مجید اور اسلام کے خلاف کتاب لکھی تھی، پھر جب قرآن کا مطالعہ یکسو ہو کر اور تعصب کی عینک اتار کر کیا، تو پھر اسلام کے دفاع میں کتاب لکھی۔

سوامی شنکر اچاریہ جی برابر مولانا کے ساتھ رہے، اور اخبار کو ایک انٹرویو میں انہوں نے بات واضح کی کہ ہمیں مولانا سید عبداللہ حسنی کی سرپرستی سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا، اکثر ایسا ہوتا کہ سوامی شنکر اچاریہ جی اور مولانا سید عبداللہ حسنی کی بات ہی پورے جلسۂ پیام انسانیت کی جان اور روح ہوتی، اور جلسوں کی یہ کیفیت ہوتی کہ کبھی مشترک مجمع ہوتا اور کبھی مسلمان زیادہ اور کبھی ہندوؤں کی اکثریت ہوتی، لکھنؤ اور قرب وجوار میں، لکھنؤ کا عظیم الشان جلسۂ پیام انسانیت، کانپور، پرتاب گڑھ،

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)......، مگران حضرات کے اعذار اور ایک طبقہ میں کام محدود ہو جانے اور پھر مولانا پاریکھ صاحب اور آفس سکریٹری مولانا اسحاق حسینی ندوی کی وفات کے بعد مولانا سید عبداللہ حسنی نے اس تحریک میں پوری سرگرمی سے حصہ لیا اور پھر اس کے زبردست ملک بھر میں اجلاس خوب منعقد کر کے اور باقاعدہ اس تحریک کا رجسٹریشن بھی کرایا، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو سرپرست رکھا، اور برابر ان سے رہنمائی لیتے رہے، اور اس کی بھی پوری کوشش اور فکر رکھتے کہ وہ اجلاس میں شریک ہوں، اور کلیدی خطاب انہی کا ہو۔

سلطانپور، پردوئی، کنڈہ، بارہ بنکی کے بڑے یادگار جلسے منعقد ہوئے، اور مغربی یوپی میں مظفر نگر، سہارنپور کے علاقوں میں، بندیل کھنڈ میں مرادآباد کا بڑا کامیاب جلسہ رہا، پھر کیا تھا دوسری ریاستوں میں بڑی پرجوش دعوتیں آنے لگیں، اور آخری سفر مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک کا ہوا، اور بھٹکل تک مولانا تشریف لے گئے، ہر پروگرام میں سوامی شنکر اچاریہ جی تو نہ جا سکے، لیکن اجلاس منعقد کرنے والوں نے اہم سماجی و مذھبی اور بعض جگہ سیاسی اثر ورسوخ رکھنے والی شخصیات اور صحافیوں کو بھی بلایا، ان تمام جلسوں کی روداد آڈیو اور ویڈیو میں مکمل طور پر اور اخبارات (ہندی، اردو، مراٹھی، کنڑ وغیرہ) میں اجمالی طور پر محفوظ ہیں، اور آخری سفر جو تین مارچ ۲۰۱۲ء کو لکھنؤ سے کیا تھا اور ناگپور، مالیگاؤں، امراوتی وغیرہ کا ہوتے ہوئے اورنگ آباد، پربھنی، جالنا، ممبئی وغیرہ کے کامیاب جلسے ہوئے تھے، اور ان مقامات پر کام سے ان کو بڑا اطمینان اور بڑی مسرت تھی، اور سمجھتے تھے کہ یہاں افراد تیار ہیں، اور میدان کھلا ہوا ہے، ناگپور میں آپ کی طبیعت ایک دم ایسی ناساز ہوئی کہ سبھی سششدر رہ گئے، آدھی رات کو جو تکلیف ہوئی اس نے سفر میں آپ کو توڑ ہی دیا، بعد میں بھی سلسلہ دراز ہوتا گیا، اور جان لیوا ثابت ہوا، لیکن آپ نے تکلیف، درد کی شدت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تگ و دو جاری رکھی، اور سخت مشقت اٹھاتے ہوئے سفر پورا کیا، پیام انسانیت کے عنوان سے اس سفر کی مکمل روداد کاروان انسانیت کے نام سے مولانا سعود الحسن صدیقی غازی پوری نے مرتب کی اور تلخیص بھی کی۔

کاروان انسانیت

مولانا سعود الحسن ندوی رقم طراز ہیں:

''یہ دورہ جو موسوم تھا'' کاروان انسانیت'' سے ۳/مارچ ۲۰۱۲ء بروز سنیچر لکھنؤ سے شروع ہو کر ۱۳/مارچ ۲۰۱۲ء تک ریاست مہاراشٹر کے تقریباً دس مقامات پر خیمہ زن ہوا اور تقریباً ساڑھے چار ہزار کلو

میٹر کی مسافت طے کرتا ہوا چھوٹے بڑے ۲۲ راجتماعات میں شرکت کرتا ہوا آندھرا پردیش کے تاریخی شہر حیدرآباد میں اختتام کو پہنچا تھا۔میر کارواں تھے حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ جنرل سکریٹری آل انڈیا پیام انسانیت فورم اور شرکاء کارواں میں سرفہرست تھے ہندو مسلم ایکتا منچ کے صدر سوامی لچھمی جی، تحریک پیام انسانیت کے صدر دفتر سے وابستہ ڈاکٹر سنجے پانڈے، عزیزی محمد عبداللہ اور راقم سطور، بنیادی شرکاء تو یہ تھے مگر متعدد دیگر حضرات بھی شریک کارواں رہے جن کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۵ رتھی۔

یہ ''کاروان انسانیت'' جو مولاناؒ کا آخری طویل دورہ کے شکل میں تھا اس میں لوگوں کا ذوق وشوق اور اژدہام دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، ان کا جذبہ اور حوصلہ وامنگ دیکھ کر دل پر ایک اثر ہوتا تھا اور بے اختیار یہ دعا نکلتی تھی کہ حضرت مفکر اسلامؒ نے جس فکر مندی اور دردو سوز کے ساتھ یہ صدا لگائی تھی اللہ کرے وہ تمام دلوں کی صدا بن جائے۔جگہ جگہ والہانہ استقبال، عوام کا جم غفیر، اکثر اجتماعات میں تاحد نگاہ انسانوں کا سیلاب، انسانی اقدار کی بلندی اور انسانیت کے لیے فکر مندی کے احساسات کے ساتھ موجود رہتا تھا، اسٹیج پر مختلف مذاہب کے پیشواؤں اور اعلیٰ افسران کی موجودگی بھی قابل توجہ ہوتی تھی، اور وہ سب ہی بہ یک زبان انسانی اقدار کی بلندی کی باتیں کرتے نظر آتے تھے، ان کا خیال تھا کہ آپسی محبت و بھائی چارہ کے فروغ کے لیے مذہب کی سطح سے اوپر اٹھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ان کی زبانوں سے یہ الفاظ سننے کو ملے کہ:

''انسانیت کے لیے بے لوث محبت رکھیے، آج انسانیت مر رہی

ہے ،انسانیت بہت دکھی ہے، اس کے لیے دردمندی پیدا کیجئے، اس کے تئیں احترام کا جذبہ رکھیے۔اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں مگر یاد رکھیں کہ کسی کا ایمان (بے عزتی) نہ ہو،ظلم مت کیجئے ،ظالم مت بنیئے ،اوپر والا ظلم کو بالکل پسند نہیں کرتا ہے۔ زمین میں قتل وغارت گری کرنا ،فساد برپا کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ مذہب اچھائی کا راستہ دکھاتا ہے اچھائی اور نیکی کے راستے کو اپنائیے ملک اور ماحول از خود سدھرے گا۔ انسانیت کی بقا اور ترقی کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہیے، ایک دوسرے کا احترام کیجئے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب کے سبب جھگڑے ہوتے ہیں، بالکل نہیں مذاہب تو اچھائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اگر ہندو ایک دوسرے کی عبادت گاہ توڑتے ہیں اور مسلمان آپس میں اختلافات رکھتے ہیں تو یہ دین نہیں سکھاتا ،انبرے اعمال کی وجہ سے دین کو برا نہیں کہا جاسکتا"۔

غور کیجئے کس قدر قابل قدر ہیں یہ باتیں، اظہارِ حقیقت کے اس سے اچھے اور عمدہ الفاظ اور کیا ہو سکتے ہیں ۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جو دوران سفر جا بجا دیکھنے کو ملے ،بلا شبہ یہ سب ثمرہ تھے تحریک پیام انسانیت کے اور کاروانِ انسانیت کے امیر حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی جہد مسلسل ،جاں فشانی اور جگر کاوی کے ،آپ نے لوگوں کے ضمیر کو بیدار کیا ، دلوں پر دستک دی، مختلف الخیال افراد کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جس سے یقیناً ذہنوں کے صفائی کا کام ہوا۔مولاناؒ نے نفرت و عداوت کے مہیب اندھیروں اور طوفانوں کے خلاف محبت والفت کی شمع روشن کی۔ بلاشبہ مولاناؒ کے یہ کارنامے جلی حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

مولانا ؒ کی بیماری نے اسی سفر میں شدت اختیار کی مگر اس کے باوجود ان کا جذبہ وانہماک اور تحریک کا پیغام پہنچانے کی فکر اور تڑپ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ۔عوام و خواص اور سر برآوردہ غیر مسلم حضرات اور بڑے بڑے سنتوں مذہبی پیشواؤں کی دلچسپی اور تحریک پیام انسانیت کے تئیں ان کا اعتراف وقبول سامعین کی کثیر تعداد دیکھ کر مولانا ؒ کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا، چہرہ خوشی کے جذبات سے کھل اٹھتا تھا، یہ منظر قابل دید ہوتا تھا۔اور جب مولانا ؒ ڈائس پر تشریف لاتے اور انسانوں کا جم غفیر دیکھ کر جو انسانیت کے لیے فکر مندی، اس ملک میں بھائی چارہ، آپسی میل جول اور امن وآشتی قائم رکھنے کے جذبہ کے ساتھ سامنے موجود ہوتا تو خوشی ومسرت کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ فرماتے:

انسانیت کا احترام کیجئے

بھائیو! آپ سب اپنا وقت فارغ کر کے آئے اور بیٹھے، دلچسپی سے پروگرام میں شریک ہوئے، پیام انسانیت کے پروگرام کے لیے آپ کی دلچسپی اور فکر مندی بتاتی ہے کہ انسانیت ابھی باقی ہے، اس کی فکر کرنے والے موجود ہیں ، انسانیت کا احترام باقی ہے، اس سے محبت اور پریم کرنے والے باقی ہیں، انسانیت کے تئیں محبت ختم نہیں ہوئی ہے، ہاں کم ضرور ہوگئی ہے، ضرورت ہے اسی جذبہ کو فروغ دینے کی ،اسی چراغ محبت کی لو کو تیز کرنے کی ، اگر اس جذبہ کو، انسانیت کے احترام کو بڑھایا نہ گیا اور یہ کم ہوتے ہوتے ختم ہوگیا تو وہ دن بہت برا دن ہوگا۔آج صورت حال یہ ہے کہ انسان غرض کا بندہ ہو کر رہ گیا ہے، مفاد پرستی میں مبتلا ہے، ہر شخص کا ذہن کاروباری ہوتا جارہا ہے،

کوئی کسی سے ملتا ہے تو غرض کے ماتحت، بے غرض ملنے والے، ایک دوسرے سے ملنے والے کم ہو رہے ہیں۔ آج ہم نے غرض کا دامن تھام رکھا ہے تو قدم قدم پر ہم کو بھی ٹھوکریں کھانی پڑ رہی ہیں۔ آپ اللہ کے مخلص بندوں کی حالات دیکھیں، جنھوں نے بے غرض ہو کر انسانیت کی خدمت کی، انسانیت کے لیے ان کے دل میں تڑپ اور بے چینی تھی، وہ انسانیت کے لیے فکر مند رہتے تھے تو اوپر والے نے بھی انسانوں کے دل میں ان کی محبت ایسی رکھ دی کہ ہر ایک ان کو ٹوٹ کر چاہنے والا بن گیا، ہر دل میں اوپر والے نے ان کا مقام و احترام پیدا کر دیا، اور لوگ آج بھی ان کی یاد دلوں میں بسائے ہوئے ہیں۔ بس آپ اپنے سماج اور ماحول کی فکر کریں، جذبہ انسانیت اور اس کے تئیں احترام کو ختم نہ ہونے دیں بلکہ اس کو بڑھانے کی فکر کریں اگر آپ ایسا کر سکے تو ہمارا یہ سماج جو آج بہت بیمار ہے اور تکلیف سے کراہ رہا ہے، مبتلائے درد و غم ہے، یہ بھی چین اور امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گا اور آج اس کی سخت ضرورت ہے۔

انسانیت کے لیے دردمندی پیدا کیجیے

بھائیو! آپ سب مذہب اور زبان کی قید کے بغیر یہاں اکٹھا ہیں، اتنی بڑی تعداد میں انسانوں کا ہجوم میرے سامنے ہے، آپ سب کا یہاں ایک ساتھ مل کر بیٹھنا بے حد خوش آیند ہے، آپسی میل جول، بھائی چارہ، جو اس ملک کی پہچان ہے، امید پیدا ہوتی ہے کہ وہ آئندہ بھی قائم رہے گا، بس ضرورت ہے جاگتے اور جگاتے رہنے کی۔ یہ کاروانِ انسانیت انہی مقاصد کے تحت مختلف مقامات کے دورے کرتا ہوا آپ کے درمیان پہنچا ہے۔

آج وطن عزیز کو نقصان پہنچایا جارہا ہے، اس کو کھوکھلا کیا جارہا ہے ،ملک ہر اعتبار سے زوال کی طرف جارہا ہے، ہم سب ایک ہی جہاز پر سوار ہے ہیں جس میں ہر طرف سوراخ کیا جارہا ہے، ہر جگہ ایسے لوگ بیٹھ گئے ہیں جو اس کو نقصان پہنچا رہے ہیں، کوئی چھوٹا سوراخ کر رہا ہے تو کوئی بڑا سوراخ کر رہا ہے جس کو جس قدر موقع مل رہا ہے وہ سوراخ کرنے سے چوک نہیں رہا ہے اور اگر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو سوراخ نہیں بلکہ پورا کا پورا پیندا ہی غائب کر دینے میں لگے ہیں ، ایسا کیوں ہے ؟ یہ سب ذاتی مفاد کے تحت ہو رہا ہے ،ضرورت ہے اس فکر کو بدلنے کی۔

درد دل پیدا کیجئے

آپ دوسروں کا درد بانٹیے ، دوسروں کے دکھ درد میں شریک رہیے، درد دل پیدا کیجئے ،دوسروں کے کام آیئے، آج مزاج یہ ہوتا جارہا ہے کہ جو گر رہا ہے اس کو ایک دھکا اور دے دو، نبی پاک ﷺ گرتوں کو سنبھالا دیتے تھے، ہم بھی گرنے والوں کو پکڑیں، پریشانیوں سے نجات دلائیں، انسان خود کردہ مصیبتوں سے پریشان ہے، آپ اس کے حق میں نجات دہندہ بن جائیں، آج دنیا پھر سے تباہی کے غار میں گر رہی ہے، آپ اس کے حق میں چارہ ساز بنیں، کوشش ضرور کریں خواہ جس درجہ میں ہو، کیونکہ بیج ڈالنا ہمارا کام ہے پھل لانا اللہ کے اختیار میں ہے۔

یورپ کی اندھی تقلید

آج ہمارا سماج یورپ کی اندھی تقلید میں لگا ہوا ہے، وہ یورپ سے

آنے والی ہر چیز پر آنکھ بند کر کے عمل کر رہا ہے۔ایک مثال لے لیجئے، آج یورپ نے عورتوں کو بالکل عریاں کر دیا ہے اور ہم بھی ان کی نقالی میں لگے ہوئے ہیں۔وہاں کا مرد خود تو گردن سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک پیک ہے مگر عورت جس کو چھپا کر رکھنا تھا،اس کی حیا اور شرم کا گلا گھونٹ کر سر عام رسوا کر رہا ہے اور ہم بھی اس کی نقل کر رہے ہیں ،ہماری مائیں اور بہنیں بھی یہاں موجود ہیں میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی حیاء عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے اٹھ کھڑی ہوں، ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا نہ سمجھیں،اپنی وراثت کی حفاظت کریں، یورپ کی اندھی تقلید ہمارے معاشرے کو تباہ کر ڈالے گی ،معیار زندگی اور رہنے سہنے کے طریقے ہم نے اس قدر تبدیل کر لئے کہ وہ ہمارے لیے دشواریاں پیدا کر رہے ہیں، بے حیائی حد سے زیادہ بڑھ رہی ہے،خود کشی کا گراف بڑھتا جا رہا ہے، ہمارے دیش میں جہیز کی چتا پر جلا دی جانے والی بے قصور اور مظلوم عورتوں کی تعداد ہر دن بڑھ رہی ہے۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو

پیام انسانیت فورم کے زیر اہتمام ۳ر مارچ سے جس پروگرام کا آغاز ہوا تھا، آپ کے شہر میں اس کی آخری کڑی ختم ہو رہی ہے، یہ پروگرام یہاں اختتام کو پہنچ رہا ہے، الحمد للہ جس شہر اور جس قصبہ میں بھی یہ پروگرام منعقد ہوئے ، بے حد کامیاب ہوئے ،لوگوں نے شوق ودلچسپی کا ثبوت دیا، اسی سفر میں متعدد مقامات کے لوگوں نے اس کی افادیت اور ضرورت کے تحت اپنے اپنے مقامات پر پیام انسانیت کے جلسے کرنے کی خواہش ظاہر کی، یہ سب اللہ کا فضل ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے طبقہ کا ذہن صاف ہے، تھوڑے لوگ ہیں جو

ماحول اور سماج کو خراب کر رہے ہیں تو ان بڑے طبقہ والوں کو ساتھ لیکر ان (شر پسند عناصر) کی اصلاح کی جاسکتی ہے، ان کو انسانیت کے نام پر جوڑا جاسکتا ہے۔ ہر جگہ برادران وطن کی بڑی تعداد بھی شریک ہوئی، مگر افسوس کہ یہاں تعداد بہت کم ہے، میری خواہش تھی کہ یہاں بھی جلسہ ہوتا ماشاء اللہ آپ حضرات بڑی تعداد میں غالباً یہ سمجھنے کے لیے جمع ہیں کہ پیام انسانیت کیا ہے، اس کے جلسوں کا مقصد کیا ہے، اس کا طریق کار کیا ہے اور وہ کس طرح کا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے، اس سلسلے کی باتیں آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس پیام کو عام کریں۔

آپ سے چند باتیں کہے دیتا ہوں، ابھی سوامی جی نے کہا کہ صحیح اسلام کو سمجھئے تو صحیح اسلام سے کیا مراد ہے، ہم نے اسلام کی تعریف و تشریح اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق کر رکھی ہے، اسلام مکمل ہو چکا اب نہ اُس میں کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی، قرآن مجید جس اسلام کی تائید کرتا ہے سنت رسول اللہ سے جو ثابت ہے، صحابہ کرام نے جس پر عمل کیا ہے وہی اسلام اصل ہے اور اسی اسلام میں مکمل داخلہ کا مطالبہ ہے اسی کی تعلیمات کے مطابق مکمل سپر اندازی کا مطالبہ ہے، سر تسلیم اسی کے سامنے خم کرنا ہے Surrender اسی کے سامنے ہونا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرة:۲۰۸) اطاعت اور سپردگی کا مطالبہ ہے، اسلام مکمل اسی وقت کہا جائے گا جب اس کے تمام گوشوں پر عمل ہوگا، آج ہماری عبادات تو بہت اچھی ہیں، نمازیں اچھی پڑھی جارہی ہیں، روزے بھی اہتمام سے ادا ہو رہے ہیں

۔ماشاءاللہ خوش حالی ہے، حج بھی کئے جارہے ہیں، مگر معاملات کے باب میں ہم بہت پیچھے ہیں، کمزور طبقات کے ساتھ حسن سلوک نہیں ہو رہا ہے، ان کی حق تلفی ہو رہی ہے، سماج کا وہ طبقہ جو عورتوں، ضعفاء، کمزوروں اور مزدوروں پر مشتمل ہے، بے حد پریشان ہے، مغربی اقوام نے عورتوں کو ترقی کے نام پر تو کسی کام نہ چھوڑا، اُن کو بازار کی سب سے ارزاں شی بنا ڈالا اور اب ہم بھی ان کے ساتھ یہی سلوک کر رہے ہیں، چونکہ ہم مسلمانوں نے عہد کر رکھا ہے کہ من و عن ان کی تقلید کرنی ہے، لہذا اس باب کو بھی کیوں تشنہ چھوڑیں، اُس کی حیاء اور شرم کا گلا گھونٹ کر سر بازار نیلام کیا جارہا ہے۔ سماج کا وہ طبقہ جو ہمارے حسن سلوک کا مروت و ہمدردی کا رعایت وتوجہ کا مستحق تھا اس کے ساتھ بالکل توجہ نہیں کی جارہی ہے، حسن سلوک کی جو شکلیں ہیں ان کو اگر مسلمانوں نے اپنایا ہوتا اس ملک کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، یہ وہ کام ہے جس کے ذریعہ دلوں پر آپ کی حکومت ہو سکتی تھی تو میرے بھائیو! اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیجئے۔ایسے لوگوں کو تلاش کیجئے، دست تعاون دراز کیجئے، حسن سلوک اور اخلاق کے نمونے پیش کیجئے، لوگوں کے کام آیئے، دردمندی پیدا کیجئے، خود کو محدود مت کیجئے، قدم بڑھایئے، لوگوں سے ملیے، دکھ درد بانٹیے اور بقول شاعر اپنی زندگی کا معمول بنایئے ؎

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

مولاناؒ نے تقریباً ہر مقام پر متعدد دینی اداروں میں علماء وطلبہ سے بھی خطاب فرمایا، بعض مقامات پر صرف علماء وائمہ کرام سے خالص

علمی خطابات بھی ہوئے۔ پیش ہیں پرمغز خطابات کے دو نمونے۔

کمالات علمیہ

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ علمی کمالات کا اقتصادیات سے کوئی تعلق نہیں ہے، علمی کمالات تک اسی وقت تک پہنچنا ممکن ہوگا جب پوری رضا ورغبت کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھیں گے، محنت و جفاکشی اور آبلہ پائی کے لیے خود کو آمادہ وتیار کر کے آئیں گے تب جا کر سرخ روئی حاصل ہوگی اور درجہ کمال تک رسائی شاید ممکن ہو جائے اور اگر علمی راہ کا انتخاب بدرجہ مجبوری ہوگا تو علم بھی مجبوری والا حاصل ہوگا، علمی کمالات کے درجہ کو ہرگز پہنچنا ممکن نہ ہوگا۔ ایک ہی کتاب کو دس سال سے پڑھا رہے ہیں اور ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ علمی کمالات کے درجہ کو پہنچ گئے، یہ علمی کمال بالکل نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ جس کا تعلق قرآن مجید سے ہوگا اس کا علمی سفر ہمیشہ جاری رہے گا، آج قرآن مجید سے تعلق کمزور ہوتا جا رہا ہے، بطور خاص نئے فضلاء تو اس میدان میں بہت پیچھے ہیں، آج علمی انحطاط عام ہے صلاحیتیں کمزور ہیں پختگی کی فکر قطعاً نہیں ہو رہی ہے۔ "من رضی بالدنیا رضی بالدون"، علمی پختگی پیدا کریں ورنہ اگر کم علمی پر راضی رہے تو بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گے، کم علمی کا شکار ہوں گے تو سمجھ لیں کہ کم علمی کا نتیجہ احساس کم تری ہے اور احساس کمتری کا نتیجہ غصہ اور دوسروں کو برا بھلا کہنا ہے، آج صورت حال یہ ہے کہ مدارس کا کردار مجروح ہو رہا ہے اور آج وہ علماء نہیں ہیں جو کمالات علمیہ سے سرفراز ہوں، وہ علماء ختم ہوتے جا رہے ہیں جن سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے، جو چلتا پھرتا کتب خانہ ہوا کرتے تھے، جو اپنی

ذات میں ایک انجمن ہوتے تھے، کہا گیا ہے کہ ایک شخص اس وقت کامیاب مدرس نہیں ہوسکتا، جب تک حلیم نہ ہو، آج ہمارے فضلاء مسند تدریس تو سنبھال رہے ہیں مگر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا کر رہے ہیں، صحبت وتربیت کے بغیر ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں، جس کا نتیجہ سامنے ہے، اساتذہ کرام سے کہوں گا اور جو کل اساتذہ بننے والے ہیں ان سے بھی کہوں گا کہ "اجملوا في الطلب وتوكلوا عليه" کا نمونہ بنیں، دوسروں پر نگاہ مت رکھیے، خود داری اپنایئے، توکل اختیار کیجئے، محنت و جانفشانی سے کام لیجئے اور اللہ رب العزت پر بھروسہ رکھیے وہ کارساز ہے، وہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا، بشرطیکہ آپ خود کو ضائع ہونے سے بچائیں، میں یہ نہیں کہتا کہ ضروریات نہیں ہیں، مسائل ہیں، مگر آپ کا معاش کے لیے اس طرح پریشان ہو جانا حالات کے سامنے سپر انداز ہو جانا آپ کی شان کے خلاف ہے، بس آپ سے یہی کہنا ہے کہ اجملوا فی الطلب کو پیش نظر رکھیے۔

آپ کا مطالعہ وسیع ہونا چاہئے، آپ کے اندر گہرائی و گیرائی ہونی چاہئے، آپ کے پاس جو آئے وہ سیر ہو کر واپس ہو تشنگی کا احساس بھی اس میں نہ رہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے اندر رسوخ فی العلم ہو، علماء کو الراسخون فی العلم کا نمونہ ہونا چاہئے، علماء کا مقام یہ ہے کہ بڑے سے بڑا طوفان ہو مگر وہ ان کو ٹس سے مس نہ کر پائے وہ پہاڑ کی طرح ثابت قدم ہوں، یہ ارادوں کا تزلزل درست نہیں، نیتوں کا قبلہ درست ہونا چاہئے، ہمتوں کی بلندی کے ساتھ وسعت فکر ونظر کی بھی ضرورت ہے۔

حاملین علم اپنا مقام نہ بھولیں

آپ حضرات علم سے وابستہ ہیں، تعلیم وتعلم جیسے عظیم کام سے جڑے ہوئے ہیں، جو علم سے وابستہ ہوتا ہے وہ یقین سے وابستہ ہوتا ہے، وہ خشیت وتقوی کے مقام پر کسی نہ کسی درجہ میں فائز ہوتا ہے ،معلومات کا پیکر ہوتا ہے، روشنی بکھیرنے والا ،نور افشانی کرنے والا ہوتا ہے، لہذا آپ کی حیثیت چراغ کی ہے اور چراغ کو چراغ دکھایا جائے تو یہ بہت مناسب بات نہیں ، بظاہر فائدہ بھی نہیں ،لیکن بطور تذکیر چند امور کی طرف اشارہ کرتا ہوں، کہ بہر حال تذکیر بھی ضروری ہے کیونکہ انسان کے ساتھ نسیان وابستہ ہے اسی بنا پر کہا گیا "الانسان مرکب من الخطاء و النسیان"۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿علم آدم الاسماء کلھا﴾ معلوم ہوا۔ کہ معلم حقیقی اللہ علیم وخبیر ہے ، وہی اسباب اور علم کی صلاحیت پیدا فرماتا ہے۔رب زدنی علماً فرمایا گیا رب زدنی سلو کا نہیں فرمایا گیا۔آپ ﷺ نے دودھ کی تعبیر علم سے فرمائی ہے، دودھ کا جوڑ علم سے ہے، اللہ سبحانہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے ﴿نُسقِیکُم مِّمَّا فِیْ بُطُونِہٖ مِن بَیْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَناً خَالِصاً سَآئِغاً لِلشَّارِبِیْنَ﴾ (نحل: ٦٦) اللہ تبارک وتعالی خون ورفث کے درمیان سے لبن خالص نکال رہا ہے، دیگر مشروبات تو انکتے ہیں مگر دودھ کو سائغا فرمایا یہ اٹکتا نہیں لیکن غور کیجئے کتنے مراحل کے بعد اللہ تعالی لبن خالص عطا فرماتا ہے ۔چنانچہ علماء نے اشارہ فرمایا ہے کہ جب تم علم کا دودھ پی رہے ہو تو تم کو بھی بہت سے مراحل سے گزرنا ہوگا ،مسائل ومشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا ،مگر وہ تمہارے لیے سد راہ نہ بنیں، اب جس عالم کو

الجھنیں اور پریشانیاں ہوں تو وہ حامل علم تو ہے مگر ابھی علم چشیدہ نہیں ہے۔ ایک امر اور قابل توجہ ہے کہ دودھ کے لیے برتن ضروری ہے اور برتن بھی صاف ستھرا ہونا شرط ہے ورنہ دودھ ذرا دیر بھی اپنی حالت پر قائم نہ رہ سکے گا، گندہ اور خراب ہو جائے گا، ناقابل استعمال ہو جائے گا، لہٰذا علم کو لینے کے لیے بھی برتن کا صاف ہونا ضروری ہے، اسی لیے تزکیہ کی بات کہی جاتی ہے، تزکیہ کے ساتھ جو علم آئے گا وہ پرنور ہوگا، کیونکہ علم کا تعلق کتاب سے ہے اور نور کا صاحب کتاب سے۔ علم صحیح جب کسی کو حاصل ہوتا ہے تو انہیں کو الراسخون کہتے ہیں وہ قطب نما ہوتے ہیں، وہ مینارۂ نور بن جاتے ہیں، تو عالم وہی ہے جو تھپیڑوں پر تھپیڑے کھائے مگر قبلہ بتاتا رہے۔

افسوس کہ مولاناؒ کو دوبارہ اتنا ہمہ گیر اور اتنا طویل سفر کرنے کا موقع نہیں ملا اور اب تو وہ اللہ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں، اب ہمارا فرض ہے کہ اس الہامی تحریک کو آگے لے جائیں، جس کی بنیاد رکھی ملک وملت کے سچے بہی خواہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے، جن کی خواہش اور تمنا تھی کہ یہ ملک امن وآشتی کا گہوارہ بنا رہے، یہاں کا ماحول معتدل رہے کہ ہر شخص پرسکون ماحول میں اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ انھیں مقاصد کی خاطر حضرت مفکر اسلامؒ پوری زندگی کوشاں رہے اور ان کے بعد خون جگر سے اس تحریک کی آبیاری کی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے، لہٰذا خصوصیت کے ساتھ مولاناؒ سے وابستگی رکھنے والے تمام افراد کی ذمہ داری ہے کہ اس بار کو بطور امانت قبول کریں، مولاناؒ کے چھوڑے ہوئے کام کو آگے اور بہت آگے لے جانے کے لیے حتی

الامکان کوششیں کریں، اس کا پیام گھر گھر پہنچائیں، انسانیت سے عاری انسانوں کو انسانیت کا پیغام سنائیں، محبت کا فانوس جو بجھتا نظر آرہا ہے، اس کو روشن کرنے کی فکر کریں، مولاناؒ کی روح کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ اس کے فروغ و استحکام کے لیے ہماری فکری و عملی کاوشیں صرف ہوں۔ مولاناؒ کو ہم سب کی طرف سے یہی بہترین خراجِ عقیدت و محبت ہوگا۔

مولاناؒ نے اس سفر کے آخری خطاب میں فرمایا تھا، ایسا لگتا ہے کہ یہ الہامی خطاب تھا، اور اس کا آخری جملہ ہمیشہ احساس ذمہ داری دلاتا رہے گا۔

''ماشاءاللہ آپ حضرات بڑی تعداد میں غالباً یہ سمجھنے کے لیے جمع ہیں کہ پیام انسانیت کیا ہے، اس کے جلسوں کا مقصد کیا ہے، اس کا طریق کار کیا ہے اور وہ کس طرح کا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے، اس سلسلے کی باتیں آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس پیام کو عام کریں''۔(۱)

چند اہم شخصیات اور معاصرین کے تاثرات

پروفیسر محسن عثمانی ندوی تحریک پیام انسانیت میں ان کے نمایاں رول کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کے انتقال کے بعد مولانا علی میاں کی تحریک پیام انسانیت کو بھی وہ چلا رہے تھے، ملک و معاشرہ مین ایسے لوگ بہت کم ہیں، جو صالح بھی ہوں، عالم دین بھی ہوں، اور اسی کے ساتھ بہترین معلم اور مربی بھی ہوں، صاحب تاثیر بھی ہوں، جو

(۱) ملاحظہ ہو پیام عرفات مولانا سید عبداللہ حسنی نمبر مارچ اپریل ۲۰۱۳ء

علم وعمل دونوں اعتبار سے ایک نمونہ،اور روشنی کا مینار ہوں،جنہوں نے اپنے فیض صحبت سے عشق الٰہی اور محبت رسول کی چنگاری سینوں میں لگائی ہو،اور ایمان کی حرارت پیدا کی ہو،جو لوگ عبد اللہ حسنی صاحب کے نام سے اور ان کے کام سے اور ان کی دعوتی اور اصلاحی خدمات سے واقف ہیں،وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے ایک خاص حلقہ میں کیسا اصلاح وانقلاب برپا کردیا تھا،اور ان کو یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے انتقال پرملال سے کیسا افسوسناک خلا پیدا ہوگیا ہے۔

وفات پاچکے ہیں سب رہ روان جادۂ عشق
ملال یہ ہے کہ دہلیز عاشقاں بھی گئی(۱)

مولانا محمد ناظم ندوی مولانا حسنی کے جرأت اور کردار غازیانہ اور گفتار دلبرانہ کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''آپ نے بڑی جراتو بھے بے باکی کے ساتھ ہندوستان کے ہر خطہ میں اس پیغام کو پہونچایا،اور آپ کی تقریروں میں کہیں کوئی لہجہ معذرت خواہانہ نہیں ہے،کہیں احساس کمتری اور مرعوبیت نہیں،بلکہ بڑے استقلال اور فولادی صلابت کے ساتھ اپنی بات پیش کی ہے،جس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے مہاراج بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے،شنکر اچاریہ جی بھی آپ کے پیغام میں شانہ بشانہ نظر آنے لگے،بہت سے قلوب میں ایمان کی باد بہاری چلنے لگی،جس سے لوگوں کے دلوں میں آپ کے محبت واحترام کے جذبے مرتسم ہوگئے۔''(۲)

خدمت انسانیت میں ان کے انہماک کو مولانا محمد ناظم ندوی اس طرح بیان کرتے ہیں:

''حضرت مولانا بڑی خاموشی،دانائی،بصیرت،حکمت عملی،

---

(۱)بانگ حراء شمارہ مارچ ۲۰۱۳ء (۲)حراء کا پیغام،فروری،مارچ ۲۰۱۳ء

اور مجاہدانہ عزم کے ساتھ انسانیت کی خدمت میں مصروف تھے،ان کی ہر دلعزیزیومقبولیت ہر درو بام پر دستک دے رہی تھی۔''(۱)

آپ کے دائرۂ کار کی وسعت وہمہ گیری کواس طرح بیان کرتے ہیں:

''ہند وبیرون ہند کے بہت سے مقامات پرآپ کی متنوع خدمات کے شجر سایہ دار سے نہ معلوم کتنے تھکے ہاروں کوتسکین ملی،اورآپ کی زبان وقلم کی بوقلمونیوں اورنفس گرم کی آمیزش نے کوہ شوالک کے دامن سے لے کر کنیا کماری تک،کشمیر کی برفیلی وادیوں سے لے کر مالابار کی سرزمین تک،پنجاب کے بتکدوں سے لیکر ہمالیہ کی آغوش تک نہ معلوم کتنے قلوب کو جھنجوڑا،تڑپایااوران کی سرد انگیٹھیوں کوگرم کیاہے،ان خطوں کا ہرذرہ خدا کے یہاں گواہی دے گا،کہ اس مخلص بندۂ وداتائے راز نے کتنے عرفان ومحبت کے دیئے روشن کئے،اور کتنے افراد تیار کرکے ان میں تازگی اورتوانائی پیدا کی،اور انہیں محو چمن آرائی ومصروف گل چینی کیا۔''(۲)

آگے آپ کی قربانیوں کااعتراف کرتے ہوئےفتوحات کے دروازوں کےواہونے کا انکشاف کرتے ہوئےرقم طراز ہیں:

''اس وقت آپ کے مجاہدات کا دورختم اورفتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جارہاتھا،ہدایت اورراہ عمل کے بہت سے دروازے وا ہوتے جارہے تھے،کام عروج وشباب پرتھا،اچھے پروگرام اور نتیجہ خیزنتائج کےتوقعات کی جارہی تھیں،اورآپ کی تربیت کردہ

---

(۱)حراء کاپیغام،فروری،مارچ ۲۰۱۳ء (۲) ایضا

افراد کا ایک جم غفیر آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر کام کو وسعت دینے، دائرۂ کار کو بڑھانے میں خود نچھاور کرنے کے لیے تیار تھے۔"(۱)

مشہور عالم دین، محقق وقائد شخصیت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اپنا تجربہ پیش کرتے ہیں:

"مولانا کا سب سے بڑا کام بلکہ کارنامہ تحریک پیام انسانیت ہے، اس تحریک کی بنیاد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس وقت رکھی، جب ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات نے آندھی کی شکل اختیار کرلی تھی، اور اس تحریک کے زیر سایہ برادران اسلام اور برادران وطن کے مشترکہ اجتماعات رکھے جاتے تھے، اگرچہ مولانا علی میاں صاحب کی نظر میں اس تحریک کی منزل اسلام کی دعوت تھی، لیکن ان کے زمانہ میں عام طور پر ملکی حالات کے پس منظر میں ابتدائی کوشش کے طور پر فرقہ وارانہ فضا ہموار کرنے کو ترجیح دی گئی، مولانا علی میاں صاحب کی وفات کے بعد مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے اس تحریک کو نہ صرف اپنے ہاتھ میں لیا، بلکہ اس کو اس کی منزل تک پہونچا دیا، اور اس کے ذریعہ پورے ملک میں برادران وطن تک دعوت اسلام کو پہچانے کی کوششیں فروغ پانے لگیں، سینکڑوں لوگوں کو آپ کے ذریعہ براہ راست یا بالواسطہ ہدایت حاصل ہوئی، وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔"

ایک اہم نقطہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

---

(۱) حراء کا پیغام، فروری، مارچ ۲۰۱۳ء

''اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اس پیغام کو بغیر کسی تشہیر کے انجام دیا، جو اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضہ ہے، اگر وہ چاہتے تو اپنے اس دعوتی کام کو نئی تحریک سے موسوم کر سکتے تھے، جس سے ان کا تشخص قائم ہوتا، مگر ان کے تواضع اور کسر نفسی کی بات ہے کہ انہوں نے ایسا کیا، بلکہ پیام انسانیت کے نام سے جو تحریک پہلے قائم تھی اسی کے زیر سایہ یہ خدمت انجام دی۔''(۱)

انسانی بھائی چارگی کی بنیاد پر نور اسلام سے آگاہ کرنے کا کام

سید مصباح احسن ندوی (۲) انچارج دفتر پیام انسانیت لکھنؤ بیان کرتے ہیں:

''پیام انسانیت کے کام سے مولانا عبداللہ حسنی کا تعلق پہلے سے قائم تھا البتہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے انتقال کے بعد اس کام کو انھوں نے آگے بڑھایا، ایک طریقہ انھوں نے یہ اختیار کیا کہ جناب سرفراز الٰہ آبادکو پیام انسانیت کے رسالے ''پریم بھائی چارہ، ہندوستانی سماج کی جلد خبر لیجیے، اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' دس دس ہزار کی تعداد میں چھپوا کر کمبھ میلے میں تقسیم کے لیے بھجوائیں۔

ایک بار مولانا کو اطلاع ملی کہ لکھنؤ میں ایک مقام پر ایک بڑا غیر مسلموں کا اجلاس ہو رہا ہے، پہلے دن کا جلسہ اونچی ذات کے ہندوؤں کا اور دوسرا جلسہ پسماندہ اور دلت ہندوؤں کا۔

مجھ سے مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر صحیح صورت حال معلوم کرو، میں وہاں گیا اور حالات کا جائزہ لیا، اور کچھ رسالے بھی تقسیم

---

(۱) پیام عرفات حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر (۲) موصوف علامہ سید سلیمان ندوی کے بھتیجے مولانا سید ابوظفر ندوی مرحوم کے حقیقی نواسے ہیں۔

کیے، اوراس سے یہ اندازہ ہوگیا کہ ان لوگوں میں کام کیا جاسکتا ہے، چنانچہ مولانا کے منشا کے مطابق ہم نے کام انجام دیا، اور اسلام ایک پریچے (اسلام کا تعارف) کتاب ہندی میں اور پیام انسانیت کے دیگر پمفلٹ دونوں جلسوں میں تقسیم کیے گئے، مجمع نے اچھا تأثر لیا اور خوشی کا اظہار کیا، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب اور ان کے پمفلٹ پڑھ کر ان سے اپنی عقیدت وتعلق کا بھی اظہار کیا۔

دوسرا واقعہ یوگا گرورام دیو کی لکھنؤ آمد پر یوگا سیکھنے کے پروگرام کا ہے جو تین دن چلا شرکاء میں جو پوری ریاست سے جمع ہوئے تھے ان میں بھی مجھے اپنے چند رفقاء کے ساتھ بھیجا اور وہاں بھی پیام انسانیت کی کتابیں تقسیم کیں، اور اس کے ساتھ اسلام کا تعارف، ایمان کا نور، اسلام کی شکچھا بھی تقسیم کی گئی اور لوگوں نے بڑی عقیدت کے ساتھ لی، بیس ہزار سے زائد افراد نے اس پروگرام میں شرکت کی تھی، حالانکہ پروگرام آر ایس ایس کے اشتراک وتعاون سے تھا اور منتظمین سے اجازت لے کر ہی یہ دعوتی کام انجام پایا۔

پورے ہندوستان کی ریاستوں کا عیسائیوں کا ایک جلسہ لکھنؤ میں منعقد ہوا، اس میں طے یہ ہوا کہ پیام انسانیت کا اسٹال لگے اور اس کا افتتاحی پروگرام دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہو، چنانچہ حضرت گنج چرچ میں پیام انسانیت کا اسٹال لگا، وہاں کے طلبہ اور کارجین نے بڑی محبت کا معاملہ کیا، اور کتابیں لے گئے، ان میں اسلام کا تعارف، ایمان کا نور، اسلام کی شکچھا بڑے پیمانہ پر

تقسیم کی گئی، اور کچھ کتابیں فروخت بھی ہوئیں، اور مجھے خطاب کرنے کا بھی موقع ملا، ان کا افتتاحی پروگرام دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کی عمارت میں ہوا جس میں امریکی مؤرخ فادر آف جیکسن شریک ہوئے، جو بیس سال سے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری پر کام کررہے ہیں، ندوہ کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے شارق علوی ایڈیٹر دی فریگرینس آف ایسٹ اور مولانا عبداللہ حسنی ندوی پہنچے، مولانا عبداللہ حسنی نے تقریر میں کہا ہمیں سوئی دھاگا چاہیے، قینچی نہیں چاہیے، ان کی اس بات کا سبھی پر بہت اثر پڑا۔

ایک بک فیئر میں جو لکھنؤ میں لال باغ میں لگا تھا، اس میں مختلف مذاہب کے نمائندگان موجود تھے، وہاں مولانا نے تقریر کی اور سبھی بک اسٹالوں کا معائنہ کیا اور ہم لوگوں کو ہدایت کی کہ پیام انسانیت کی کتابوں کا سیٹ بنا کر ان تمام اسٹال والوں کو تحفہ دیا جائے۔

دہلی کے ایک پروگرام میں جس میں جدید ذہن کے مسلم دانشور شریک تھے، اور حکومت کے بعض ذمہ دار نمائندگان بھی تھے، مولانا عبداللہ حسنی طبقہ علماء کی نمائندگی کررہے تھے، اور جدید ذہن کے لوگوں نے سوالات بڑے چبھتے ہوئے کیے، مولانا نے بھی سوالات کے تشفی بخش جوابات دیئے اور ان سب کو خاموش کردیا، اس کے بعد کھانے میں جناب سید حامد سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جناب موسیٰ رضا جو دہلی سے یوپی کے لیے اسپیشل ڈیوٹی پر لگائے گئے تھے انھوں نے کھانے پر بہت خوشی کا

اظہار کیا، مولانا عبداللہ حسنی کو اکثریت کے غلط رجحان سے بڑی فکر ہوئی کہ یہ لوگ جدید اسلام چاہتے ہیں، یعنی وہ اسلام نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے بلکہ ان کے مطلب کا اسلام ہو، جس پر ان کی خواہشات غالب رہیں، جیسے دوسرے مذاہب یہودیت ونصرانیت کے ساتھ بعد کے لوگوں نے کیا اور وہ دین اپنی اصل کھو بیٹھے اور محرف ہو گئے۔

اس طرح مولانا عبداللہ حسنی نے پیام انسانیت کا جو کام انجام دیا اس میں انسانی بھائی چارہ کو ملحوظ رکھا اور اس کی ہدایت اسلام کے نور کی طرف لانے کی کوشش کی تا کہ انسانیت کا سب سے بڑا حق تحفہ ہدایت دیا جا سکے۔

ذاتی ملاقاتوں میں غیر مسلموں کے لیے ہدیہ کتب میں مولانا تدریج و ترتیب کو ملحوظ رکھتے تھے اور فرماتے کہ پہلے پیام انسانیت کی حضرت مولانا علی میاںؒ کی کتابیں دو، اس کے بعد اسلام کا تعارف، نبیوں کے قصے اور ایمان کا نور اور اسلام کی شکچھا دو، یہ غیر مسلموں کے لیے کتابوں کا ایک سیٹ تھا جو انھوں نے خود تیار نہیں کروایا بلکہ اپنے بزرگوں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ اور مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کی کتابوں کو ہندی زبان میں منتقل کرا کر ترتیب دیا، اور جب ہم لوگ اس کی خبر دیتے کہ غیر مسلم افراد کے ہاتھوں میں یہ سیٹ پہنچ گیا تو اس قدر خوش ہوتے جیسے ان کو دنیا کی سب سے بڑی دولت مل گئی۔

ان کتابوں کا انگریزی ترجمہ بھی سامنے آنے پر وہ اس کو اس طبقہ

تک پہنچانے میں اپنے معاونین کے ذریعہ پوری کوشش کرتے جوطبقہ اردو اور ہندی سے ناواقف ہے۔

مولانا کی سرپرستی میں جو بڑے پیام انسانیت کے اجلاس منعقد کیے، ان میں اتر پردیش کے اضلاع اور شہروں میں کانپور، مرادآباد، فیض آباد، پرتاپ گڑھ، سلطان پور، رائے بریلی، امیٹھی، بارہ بنکی، ہردوئی، سیتاپور، غازیپور، بلیا، کیرانہ، ہاپوڑ، ممبئ، گجرات، مہاراشٹر، کرناٹک، اور دوسری ریاستوں میں راجستھان، مدھیہ پردیش، آندھراپردیش، اڑیسہ، مغربی بنگال، ہریانہ، ہماچل، پنجاب، منی پور، آسام اور بہار کے مختلف مقامات پر منعقد ہوئے۔

پیام انسانیت کا کام دوسرے ممالک میں

۱۹۷۸ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا سفر پاکستان ہوا تو مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ بانی جماعت اسلامی نے بعض اہم امور پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کی تحریک پیام انسانیت کی ہمارے اس ملک میں زیادہ ضرورت ہے، لیکن بعض مصالح اور اسباب کی وجہ سے اس کام کو مولانا ملک سے باہر نہ پہوچا سکے، گو اس کا پیغام دور دور پہونچ گیا، اور اپنے اپنے طور پر اہل فکر ودانش کام سوچنے لگے، جب حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے اس تحریک کی باگ ڈور ہاتھ میں لی، تو چاہا کہ کتنی سرعت سے اس کام کو ملک بھر میں جگہ جگہ پہونچادیا جائے، اور یوں فرماتے: رکونہیں، تیز کام کرو، زمانہ تمھارا انتظار نہیں کرے گا، آگے نکل جائے گا، اسی میں ان کی گفتگو اور صحبت سے اثر لے کران کے ایک محبّ مخلص مولوی ڈاکٹر خلیق الرحمٰن ندوی نے جنوبی افریقہ کے سفر میں وہاں کی ایک سرکردہ شخصیت حضرت مولانا شبیر احمد صاحب سالوجی کو اس کام کی تفصیلات سے

آگاہ کیا، تو انہوں نے وہاں اس کے لیے منصوبہ بندی شروع کی، اس سے قبل خود مولانا سید عبداللہ حسنی نے اپنے جنوبی افریقہ کے دورے میں اکثریت کی طرف توجہ دی، اوران میں کام کیا اپنے خطابات اور ملاقاتوں میں مؤثر شخصیات اور اصحاب فکر ودعوت کومتوجہ کرچکے تھے، اسی طرح رائے بریلی کے پیام انسانیت کے جلسہ میں جسے مولانا کی سرپرستی ورہنمائی میں ڈاکٹر جمیل فاروقی صاحب نے منعقد کیا تھا، سامعین میں مولوی شہید الاسلام فاروقی قاسمی بنگلا دیشی بھی تھے، انہوں نے یہاں سے یہ جذبہ لیا کہ اپنے ملک میں جاکر پیام انسانیت کے کام کی داغ بیل ڈالی، اور بڑے کامیاب جلسے کئے، وہ رہنمائی مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ہی لیتے رہے، اسی طرح جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حج کا سفر کیا جس میں راقم بھی ساتھ تھا، اور جدہ میں مولانا کی دعوتی کام کے لیے کسی میٹنگ میں مولانا ضیاء عبد اللہ عباس ندوی کے مکان پر ہوئیں، جس میں مصلح الدین حیدرآبادی صاحب خصوصی دلچسپی لے رہے تھے، ان میٹنگوں سے پیام انسانیت کے کام کی یہاں بھی ضرورت کا احساس لوگوں میں ہوا، چنانچہ مولوی عبداللہ جے پوری ندوی نے جدہ میں غیر مسلموں میں کام کے لیے پیام انسانیت کا لٹریچر لکھنؤ سے منگوایا، اور اس طرح اور جگہوں پر بھی اس کا احساس تیزی سے پکڑتا جارہا تھا۔

عمائدین اور سیاسی اثر ورسوخ کی حامل شخصیات میں کام

مولانا رحمۃ اللہ علیہ جہاں طلب دیکھتے وہاں اس کی طلب کی قدر کرتے ہوئے اس کو وقت دیتے، جانا پڑتا تو جاتے بھی، اور وہ ملاقات کے خواہش مند ہوتے تو دوسرے تقاضوں پر اس تقاضہ کو ترجیح دیتے، کوئی ایسا موقع جس سے دوسرے کا دل نرم ہوسکتا ہو، چھوڑتے نہیں، اور جس کے دل کی کھیتی نرم ہوتی اس کی کھیتی میں بیج ضرورت ڈالتے، کہ کسی وقت وہ تناور درخت بن جائے، اور اس کے پھل سے دوسرے لوگ فیضیاب ہوں، مولوی محب اللہ ندوی رام پوری جو ان سے برابر رہنمائی لیتے رہتے

تھے اور ان کا دہلی میں جب انہیں پارلیمنٹ کی مسجد میں امامت کا موقع مل رہا تھا، تو مولانا نے ان کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی پوری ترغیب دی، اور پھر اس کے بعد مسلم وزراء اور ممبران پارلیمنٹ، اسپیکر، نائب صدر جمہوریہ، سبھی تک رسائی آسان ہوئی، اور ان کی وہ سب قدر کرنے لگے، مولانا نے ان کو ہر حال میں استغناء کو پکڑے رہنے کو کہا تھا، جس کا انہوں نے خیال رکھا، اور پھر ان تک اور ان کے ذریعہ غیر مسلم شخصیات تک بات پہونچانا آسان ہوگیا، اور پھر خود ان میں سے ایک سرکردہ شخصیت نے دہلی میں بڑی سطح پر پیام انسانیت کے جلسہ کے انعقاد کی خواہش ظاہر کی، اور ایک دوسرے ممبر پارلیمنٹ محمد ادیب صاحب مولانا کی دعوت پیام انسانیت کے پروگراموں میں شریک ہوتے اور خطاب بھی کرتے۔

مولانا نے بعض ایسے نوجوانوں کو تحریک سے جوڑا جو دینی علم وفکر کے ساتھ عصری علوم اور انگریزی میں مہارت رکھتے تھے ان میں سب سے مولانا کو تعاون مولوی سید عاصم رامپوری سے حاصل ہوا، اور پیام انسانیت کے اکثر جلسوں کو وہی کنڈیٹ کرنے لگے، پھر ایک دوسرے باصلاحیت نوجوان عالم دین جو ہندی سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں مولوی سعود الحسن ندوی غازی پوری کی بھی مولانا نے خدمات حاصل کیں، اور بڑے کام کے لیے تیار کیا، اور ساتھ رکھ کر تربیت دی، اور بعض ان کارگزار افراد سے بھی مدد لی جن کے پاس اچھے وسائل تھے، اور جیسے جامعہ نور الاسلام کنڈہ کے مہتمم مولانا اسد اللہ ندوی اور کنڈہ کے ہی مولوی زبیر ندوی، اور جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد کے مہتمم مولانا کمال اختر ندوی اور ندوہ کے مولانا فیضان نگرامی ندوی، مولوی کوثر ندوی، سلطان پور کے مولوی مرزا سہیل ندوی، مولوی مصباح احسن ندوی، مولوی عین الحسن پرتاپگڈھی اور محمد ندیم صاحب وغیرہ سے لکھنؤ اور اس کے مضافات اور اطراف کے اضلاع میں کام لینا شروع اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ اور اپنے برادر اصغر مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کو ان سب کی رہنمائی

کے لیے تیار کردیا تھا جواب ان کی وفات کے بعد اس کام کو اور وسعت دے رہے ہیں، اور وہ اس تحریک ومشن میں مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب کے اہم معاونوں مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی، مولانا خالد بیگ ندوی بنگلوری، مولانا سعود الحسن ندوی غازیپوری، ڈاکٹر سنجے پانڈے، اور ڈاکٹر آر ایس عادل، اس کو اور قوت بخش رہے ہیں، اس کے ساتھ حسب سابق حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ان کی سرپرستی اور انیس چشتی صاحب کے تجربات سے بھی کام میں مدد لے رہے ہیں۔

گیارہواں باب

آزمائشیں، عائلی زندگی، سلوک و برتاؤ، سفر و حضر کے معمولات اور چند ممتاز معاصرین کے تاثرات

صبر واستقامت اور تسلیم و رضا کا حال

حدیث شریف میں آتا ہے:

"إن أشدّ بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل." (۱)

(انبیاء کو سب سے سخت دشواریوں اور آزمائشوں کا سامنا ہوتا ہے، پھر اولیاء کو اور پھر جو اُن سے جتنا قریب ہوتے ہیں)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے بھانجہ اور اپنے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کے انتقال پر اس حدیث کے حوالہ سے اپنے تعزیتی مکتوب میں تسلی دی تھی، اور واقعہ یہ ہے کہ خود حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کو اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو شروع سے ان سخت حالات سے یہاں تک کہ فقر وفاقہ سے اور جن سے تعلق زیادہ بڑھ جاتا یا جن پر زیادہ اعتماد ہوجاتا ان کے فراق کے صدمہ سے مسلسل گزرنا پڑا، جس کی تفصیل کے لئے دونوں

---

(۱) السنن الكبرىٰ للنسائي: ۷۴۸۲

بزرگوں کی آپ بیتیاں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ان پر بھی یہ بات صادق آتی ہے اور وہ اس حدیث کے مصداق نظر آتے ہیں، حوادث وصدمات کے علاوہ آخر میں ان کو جن شدید تکلیفوں سے گذرنا ہوا اور وہ کوہ صبر واستقامت بنے رہے، اس نے ان کو اس کی عملی تصویر بنادیا، کہ اللہ تعالیٰ جس راستہ سے اپنا قرب عطا فرمائے، اور عنایات ونوازشیں فرمائے، انتقال سے ہفتہ دس دن پہلے کی بات ہے، کاندھلہ میں شیخ وقت حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی مدظلہ کے مہمان تھے، جب طبیعت زیادہ ناساز ہوجانے کی صورت میں لکھنؤ کے لئے روانہ ہونے لگے کہ شاید کسی نرسنگ ہوم میں کچھ وقت گزارنا پڑے اور ایسا ہی ہوا اور داخل اسپتال رہتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا، روانہ ہونے سے ذرا پہلے حضرت سے ملاقات کے لئے لوگوں کے سہارے حاضر ہوئے، حضرت پر بہت اثر پڑا، اور فرمایا کہ اللہ نے آپ کے مقامات اس کے ذریعہ طے کرائے ہیں اور ہم خدام سے فرمایا کہ آپ لوگ خدمت کر کے اللہ کا تقرب حاصل کیجئے اور پھر مولانا کے لئے یہ حدیث سنا کر سامان تسلی فراہم کیا کہ "ان أشدّ الناس بلاء الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل" اور فرمایا کہ ہمیں بڑی شرمندگی ہے کہ ہر بار آپ ہی آتے رہے ہم کو آپ کے پاس آنا چاہئے تھا۔

خود حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے راقم الحروف سے ایک بار سے زیادہ فرمایا کہ اس بیماری اور تکلیف میں ہم کو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے ایک مکتوب سے بڑی تسلی ہوئی کہ بعض مقامات کے حصول کی بڑی خواہش اور طلب تھی، جو ریاضات ومجاہدات سے حاصل نہیں ہو پارہے تھے، البتہ بیماری میں وہ دولت حاصل ہوگئی، مولانا نے یہ بات اپنے ایک اہم تیماردار برادر گرامی مولوی خالد بیگ صاحب ندوی (تمکور) سے بھی فرمائی، اس میں اس بات کی طرف واضح اشارہ تھا جس کی مخدومی حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم نے

صراحت فرمادی تھی۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ بھی فرمایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ جسے مقامات قرب سے نوازنا چاہتا ہے اسے صبر کے مراحل سے گزارتا ہے اور قرآن پاک میں تو واضح طور پر موجود ہے:﴿إنما یوفی الصابرون أجرهم بغیر حساب﴾(الزمر: ۱۰) مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، ہر ایسے موقع پر پورے صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کی کیفیت کے ساتھ سامنے آتے، کوئی خیریت پوچھتا تو بلا تأمل فرمادیتے: سب ٹھیک ہے، اللہ کا فضل ہے۔

والد ماجد کا حادثہ فاجعہ

اسی طرح حوادث وصدمات میں قدرتی وطبعی طور پر آپ کے لئے سخت ترین صدمہ اور آزمائش کا حادثہ والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کا حادثۂ وفات ہے جو بالکل اچانک پیش آیا، اور آپ نے اس کو جس طرح برداشت کیا وہ اللہ کے فضل اور توفیق کے بغیر ممکن نہ تھا، صرف ایک سرپرست ونگراں مربی والد کا سایۂ عاطفت کا اٹھ جانا نہ تھا، انکے بعد گھر کی ساری ذمہ داری آپ کے ہی سر آنی تھی، والدہ ماجدہ کا پورا خیال، اور چھوٹے بھائیوں کی کفالت اور ان کی تربیت و پرورش، ان کی تعلیم کا بندوبست اور ان کی ترقی کے اسباب کا مہیا کرانا اور اس کا پورا نظام بنانا، اور یہ سب مادی وسائل کے فقدان کے ساتھ تھا، اور جو وسائل آپ کے اختیار میں تھے اس میں آپ کو اس امتحان سے گذرنا پڑا کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ملازمت کا تعلق قائم ہو چکا تھا، لیکن اس پر معاوضہ نہ تھا اور خاندانی سرپرست اور مرشد روحانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کا ایما یہ تھا کہ آپ بلا معاوضہ خدمت انجام دیں، البتہ گذر بسر کے لئے قدر کفاف کا انتظام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسباب میں سے کر دیا تھا، جو وقت تعلیم و مطالعہ سے بچتا اس کو وہ اپنے دادا مولانا حکیم سید عبدالعلی حسنیؒ کے نسخوں سے دوا تیار کر کے دوہرا ثواب حاصل کرتے، ایک کسب

حلال کا دوسرا خدمت خلق وافادۂ خلق کا۔

آپ نے یہ دن بڑے اطمینان وانشراح قلبی اوران پر آخرت میں جو اجر و ثواب ہے اس کی امید اور اللہ کی رضا کے حصول کے شوق اور اس کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہوئے گذار دیئے، اور جب ایک بڑا عرصہ گذر جانے کے بعد یہ مسدود راستے مفتوح ہوئے تو پھر دریادلی نے جوش مارا اور ایثار، ہمدردی، تعاون، خیرخواہی، مواسات، غمخواری، غریب پروری، مہمان نوازی، دوسروں کی ضروریات کی تکمیل کی صفات جلوہ گر ہوئیں، اور کبھی آپ کو سامان آلائش و اسباب آرائش اکٹھا کرنے، گھر والوں کو خوشحال کرنے اور گھر کو اچھا بنانے کی فکر پیدا نہ ہوئی۔

بعض خاندانی حادثات اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا سانحۂ ارتحال

والد ماجد کی وفات کے ۱۴ سال گذرنے پر والدہ ماجدہ نے بھی داغ مفارقت دیا، نانا اور نانی کی پیرانہ سالی میں ان کی خدمت کی سعادت حاصل کرکے خوب دعائیں لیں، پہلے نانا ڈاکٹر سید حسن مثنیٰ حسنیؒ نے ۵ سال کے بعد پھر ۵ سال کے بعد نانی سیدہ رضیہ حسنیؒ نے رحلت فرمائی جو مولانا عزیز الرحمٰن حسنیؒ کی صاحبزادی اور مولانا سید ابوبکر حسنیؒ کی ہمشیرہ تھیں، ادھر ایک ایک کرکے پانچوں پھوپھیاں (۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۵ء) اور ان کی بعض اولاد ذکور واناث نے بھی رحلت فرمائی، اس طرح تین پھوپھا مولانا محمد ثانی حسنی متوفی ۱۹۸۲ء، مولانا سید محمد طاہر حسینی منصور پوری متوفی ۲۰۰۱ء، اور سب کے آخر میں سب سے بڑے پھوپھا سید محمد مسلم حسنی نے جوان کی والدہ کے حقیقی چچا بھی تھے ۲ رصفر المظفر ۱۴۳۳ھ (۲۰۱۲ء) کو داغ مفارقت دیا۔ لیکن سب سے بڑا اور ناقابل فراموش حادثۂ وفات بلکہ آپ کی زندگی کا سانحۂ عظیم مفکر اسلام کا حادثۂ وفات ہے جو آپ کے خاندان کے بڑے ہی نہیں بلکہ آپ کے لیے

سب کچھ تھے، ولی بھی تھے، روحانی سرپرست بھی تھے، مرشد و مربی، معلم و رہبر۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد وہی والد وہی دادا تھے، حقیقی دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ کے چھوٹے بھائی لیکن حقیقی دادا سے کہیں کم نہیں، وہی شفقت، وہی محبت، وہی سرپرستی، وہی فکر و رہنمائی اور سرپرستی کا طویل زمانہ پانے کی وجہ سے کچھ بڑھ کر تھے، ان کی آخری بیماری میں مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے خوب خدمت کی، خوب وقت دیا، وضو کرانے میں خاص طور پر حاضر ہوتے، البتہ رات گذارنے گھر چلے جاتے تھے، اور اس میں بھی وہ اپنے شیخ و مربی کے منشا کا خیال رکھتے، وہ حضرت مولاناؒ کے منشا و مزاج کو خوب سمجھتے، اور اس کو دیکھ کر کوئی اقدام کرتے، کہیں آنے جانے میں انہیں اس کا خاص خیال رہتا۔ ایک بار حضرت کی وفات کے بعد ایک پریشان حال نے عرض کیا کہ کیا کریں حضرت کے سانحۂ وفات کے بعد برابر رونا آتا ہے، جی چاہتا ہے دیوار پکڑ کر، کھمبا پکڑ کر روؤں، کچھ بس نہیں چلتا۔ فرمانے لگے کہ کیا بتائیں یہی میرا بھی حال ہے۔ قربان جایئے! کہیں سے اس حال کا اظہار نہیں، دل روئے جارہا ہے اور دین کو تقویت پہنچانے والے کام اور دعوتی مشن میں سرگرمی بڑھتی جارہی ہے، اور حضرت کے حلقۂ ارادت کو اطمینان قلب کی دولت بانٹنے میں سرگرداں، مجالس وملفوظات کے ذریعہ، ارشاد و تربیت کے ذریعہ، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کو دل میں وہ باتیں القا فرمائیں اور زبان سے وہ باتیں نکلوائیں کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور انگشت بدنداں ہوگئے، یہ تھا صبر و استقامت اور رضا بالقضا کا نتیجہ وثمرہ، اور احساس ذمہ داری کا اثر۔

عائلی زندگی

مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کا نکاح حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کی (سیدہ آمنہ بی) سے ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں آبائی وطن دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے

بریلی میں ہوا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے جو آپ کے ولی اور سرپرست تھے نکاح پڑھایا اور ولیمہ کیا جس میں کمزور طبقہ کو خاص طور پر مدعو کیا، اور حضرت کی نسبت پر بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے، رخصتی بہت سادہ انداز میں ہوئی اور یہ سادگی آپ نے تاحیات قائم رکھی۔ایک فرزند محمد میاں تولد ہوئے، نام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرزند عبداللہ وآمنہ کا محمد رکھا، اور یہ نام مبارک رکھنے کی تمنا بچہ کے دادا اور دادی اور نانا، نانی اور سبھی افراد خاندان اور اہل تعلق کی بھی تھی، شادی کے ۱۸ر سال بعد شب جمعرات ۱۴ر اکتوبر ۱۹۹۸ء کو محمد میاں سلمہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، پورے خاندان اور اہل تعلق میں بڑی خوشی کا اظہار ہوا، اور عقیقہ سرپرست خاندان مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ساتویں دن کرایا، اور عقیقہ کے وقت موجود لوگوں میں نام محمد ظاہر فرمایا، بارک اللہ فیہ وأطال اللہ بقاءہ لاعلاء کلمۃ اللہ ونصرۃ دینہ، آمین۔

اپنے اہل وعیال کے لئے وہی طریقہ اور راستہ اختیار کیا جو سید الاولین والآخرین نے اللہ کی مرضی سے اپنے اہل بیت کرام (ازواج مطہرات وذریت طیبہ طاہرہ) کے لئے اختیار کیا تھا، اور خانگی تعلیم وتربیت کا یہ کھلا اثر تھا کہ جو صفات آپ میں جلوہ گر تھیں وہی آپ کی اہلیہ محترمہ میں نظر آتی تھیں، جیسا دوسروں کے لئے اعزہ واقارب اور مہمانوں کے لئے، ضرورت مندوں اور غریبوں کے لئے آپ کا ہاتھ اور آپ کا دل کھلا ہوا تھا آپ کے گھر میں بھی یہی انداز تھا، جیسا آپ خرچ کرتے اور دوسروں کے کام آتے، وہاں بھی یہی صورت حال تھی، دوسروں کی فکر اپنی فکر پر غالب، لوگوں کے مرتبہ، تعلق اور حالت کا خیال رکھتے ہوئے وقت وضرورت پر قیمتی سے قیمتی اور مرغوب سے مرغوب، محبوب سے محبوب چیز عنایت کردینا اور ہدیہ وتحفہ پیش کردینا عام بات بن گئی تھی، جو میرے مشاہدہ میں آیا وہ الگ ہے خود جن کو ان معاملات اور سلوک وبرتاؤ سے گذرنا پڑا وہ سماعی باتیں الگ ہیں۔

افراد خاندان، مہمانوں، کمزوروں اور پڑوسیوں کے ساتھ سلوک وبرتاؤ

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی مدیر جریدہ ''الرائد'' ندوۃ العلماء لکھنؤ افراد خاندان، پڑوسیوں اور مہمانوں کے ساتھ آپ کے اخلاق وبرتاؤ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''وہ میرے ماموں زاد بھائی تھے، پڑوسی تھے، آنے جانے کا ایک ہی راستہ تھا، ایک ہی دستر خوان بچھتا تھا، ناشتہ، کھانا، ایک ہی جگہ ہوتا تھا، عصر بعد ان کی مجلس کو روزانہ ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا، مہمانوں کے ساتھ ان کا سلوک، قرابت داروں کے ساتھ ان کا معاملہ، پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ، کان بھی اس کے گواہ ہیں، اور آنکھ بھی، ہر چیز میں ان کو مثالی پایا، نمونہ ہمارے لیے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کو اپنائے بس وہی ایک مثالی ہے۔

جب تک ان کی صحت نے ساتھ دیا، زندگی کا مقصد دعوت اور عبادت کو بنایا، نہ دعوت حائل ہوئی عبادت کے راستے میں، اور نہ عبادت کوتاہی کا سبب بنی دعوت کے معاملہ میں، دونوں میں سے ایک پہلو کو اختیار کرنے والے تو آپ کو بہت مل جائیں گے، لیکن دونوں پہلوؤں کو صحیح تناسب کے ساتھ لے کر چلنے والے آپ کو خال خال ہی نظر آئیں گے، سیرت نبوی کا مطالعہ اگر آپ نے کیا ہوگا، اور سیرت کی کسوٹی پر عمل کو پرکھنے کا فن آپ کو آتا ہوگا، تو آپ کا دل خود یہ گواہی دے گا کہ مولانا عبداللہ

حسنی ندوی مرحوم نے اپنی زندگی میں سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پہلوؤں کو کس طرح سمو لیا تھا۔

قول وعمل کی یکسانیت اور ظاہر وباطن کی ہم آہنگی تھی، سادگی تھی، تواضع تھی، نرمی تھی، کردار تھا، ایثار تھا، اور ہمدردی کے ساتھ دوسروں کے جذبات واحساسات کا پورا خیال تھا۔

ان سے تعلق رکھنے والوں میں بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی، جو معاشرہ میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے، جو مقام لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کا باعث بنتا ہے، ایسے لوگوں کو مجلسوں میں جگہ ملتی ہے لیکن کچھ دور، توجہ تو ان کی طرف کی جاتی ہے، لیکن ذرا کچھ فاصلہ سے، کیوں کہ ان کے پاس نہ تو دولت ہوتی ہے نہ وجاہت ہوتی ہے، نہ نسبت ہوتی ہے، اور نہ ہی ظاہری شان وشوکت، لیکن ایسے حضرات کو میں نے چھوٹے بھیا عبداللہ کی مجلسوں میں بہت قریب پایا، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایسے کسی شخص کو انہوں نے ناشتہ یا کھانے کے موقع پر ناشتہ یا کھانا کسی اور کے ذریعہ بھجوا دیا ہو اور خود گھر میں گھر والوں کے ساتھ کھایا ہو، یا دسترخوان پر ان کی توجہ اس کے مقابلہ میں دوسروں پر زیادہ رہی ہو، یا گفتگو میں اس کو نظر انداز کیا ہو، یا اس کے سوال کا جواب بے اعتنائی سے دیا ہو، وہ بے وقت آئے، آرام کے موقع پر آئے، ضرورت سے آئے، یا بے ضرورت آئے، لگتا تھا کہ وہ استقبال کے لئے پہلے سے تیار بیٹھے ہیں۔

تحفے کسے نہیں ملتے، اور ہدایا کس کو نہیں پہونچتے ان میں مہنگے بھی ہوتے ہیں، اور سستے بھی، پسندیدہ بھی ہوتے ہیں اور ناپسندیدہ

بھی، لیکن ہوتا یہ ہے کہ پسندیدہ اور قیمتی تحفے رکھ لئے جاتے ہیں اپنے استعمال کے لئے، اپنی اولاد کے لئے، اپنے گھر والوں کے لئے اور معمولی تحفوں اور غیر مرغوب چیزوں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے، آنے جانے، ملنے جلنے والوں میں، اور نام دیا جاتا ہے اس کو دریا دلی اور سخاوت وفیاضی کا، لیکن مرحوم کا مزاج اس سلسلہ میں لوگوں سے کچھ مختلف تھا، ان کے یہاں مہنگا، اور سستا، معمولی اور عمدہ، پسندیدہ اور ناپسندیدہ کی کوئی قید نہیں تھی، وہ قیمتی سے قیمتی چیز بڑی خوشی سے دوسروں کو دے دیا کرتے تھے، اور پسندیدہ سے پسندیدہ چیز بڑی آسانی سے دوسروں کو کھلا دیا کرتے تھے۔

وہ اس مقام پر پہونچ گئے تھے جہاں خدمت کے لئے لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہوتی ہے، غیروں کو تو جانے دیجئے، تکلف ہوتا ہے، ان سے کام کرانے میں اور جھجک ہوتی ہے ان سے خدمت لینے میں، گھر میں، بھانجوں اور بھتیجوں کی موجودگی میں وہ اپنا کام خود کرتے تھے، عصر بعد کی مجلس میں شریک لوگوں کے لئے چائے کا تھرمس خود لے کر جاتے تھے، مہمان آتا تو کھانے پینے کا سامان خود پہونچاتے تھے، ان کے چھوٹے خود سے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے وہ چیزیں لینے کی کوشش کرتے کبھی کامیاب ہوتے اور کبھی ناکام۔

بیماری لاحق ہوتی ہے، کمزوری ہے کہ بڑھتی چلی جارہی ہے، اور غذا ہے کہ کم سے کم تر ہوتی جارہی ہے، لیکن جب پوچھئے، الحمدللہ، زبان پر یہ کلمہ کس کے حکم سے جاری ہوا، یہ فضل خداوندی

نہیں تو اور کیا تھا۔

بیماری میں تو لوگوں کی نمازیں چھٹتی ہیں، یہاں نماز چھٹنا تو دور کی بات ہے جماعت بھی ایک وقت کی نہیں چھٹی، زندگی کی جو آخری نماز تھی وہ بھی جماعت ہی کے ساتھ ادا کی، دو آدمی دائیں اور بائیں طرف سے سہارا دے کر بٹھاتے تھے اور خدا کا یہ بندہ امام کی اقتداء میں اپنی نماز ادا کرتا تھا۔''(۱)

اوران کے چھوٹے بھائی مولانا سید عمار عبد العلی حسنی ندوی رقم طراز ہیں:

''ہمارے والد کا انتقال ہم بھائیوں کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا تو بھائی صاحب نے شروع ہی سے بڑی محبت وشفقت سے اس کمی کو دور کیا، اور زندگی کے کسی مرحلہ میں اس کمی کا احساس پیدا ہونے نہیں دیا، حسب استطاعت اچھے سے اچھا کھلانے اور پہنانے کی کوشش کرتے رہے، والدہ کے ہر آرام کو پورا کرنے کو اپنا نصب العین بنالیا تھا، شروع کے کئی سالوں تک ندوۃ العلماء سے تنخواہ نہیں لیتے تھے، لیکن مسلسل لوگوں کے اصرار کے بعد کہ تمہارے اوپر والدہ اور بھائیوں کی ذمہ داری ہے تنخواہ لے لیا کرو اور جب اللہ تعالی کوئی انتظام فرمادیں تو چھوڑ دینا، اس کے بعد فارمیسی کا ایک چھوٹا سا کام شروع کیا گیا، اور اس کے پیچھے یہی خواہش کارفرما تھی کہ اس سے ضرورتیں پوری ہوں گی تو ندوۃ العلماء سے تنخواہ لینا چھوڑ دیں گے۔

اللہ تعالی نے آپ کو تعلیم وتربیت کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، تمام کاموں کے ساتھ ہم دونوں بھائیوں کی تعلیم وتربیت کی حضرت

---

(۱) تعمیر حیات ۲۵ر فروری ۲۰۱۳ء

مولانا ابوالحسن علی حسنیؒ کے مشورہ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ فکر رکھتے تھے، ابتدائی تعلیم وتربیت سے آج تک پوری زندگی میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔

ہمارے حفظ قرآن میں آپ کی چاہت کو بڑا دخل تھا، تعلیم کے زمانے میں دوستی کے بہت مخالف تھے، کہتے تھے تعلیمی اوقات کو تمام لغویات سے فارغ رکھو، آپ کی پوری زندگی تقوی وللہیت سے بھری تھی، تہجد وذکر الٰہی آپ کا معمول تھا، حلال وحرام کا زیادہ احساس رہتا تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کرتے رہتے تھے، ایک دانہ بھی حرام اگر پیٹ میں چلا گیا تو اللہ کی طرف سے خیر کی توفیق ملنا مشکل ہو جاتی ہے، اور دعائیں قبول ہونا بند ہو جاتی ہیں۔ بھائی صاحب کی وفات ہم سب کا ناقابل تلافی نقصان ہے، گھر کے تمام معاملات میں تربیت کی ذمہ داری انہی کے اوپر تھی، کھانا کھانے کا کیا وقت ہو، سونا کب ہے، اٹھنا کب ہے، مہمانوں کے ساتھ اکرام کیسا ہونا چاہیے، ہر چیز کا خیال رکھتے تھے، والدہ کا انتقال بھی جلدی ہو گیا تو ان کی محبت بھی دینی شروع کر دی تھی۔" (۱)

اپنے حقیقی بھائیوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری تو پوری طرح اور بہت بہتر طریقہ پر انجام دی اور عزیزوں کی بھی اس میں دیکھ بھال، خود راقم الحروف کی تعلیم ودینی تربیت وغیرہ کی فکر اور ان کی سرپرستی میں رہنے والے ان کے ہی خالہ زاد بھائی اور راقم کے ہم درس برادر محترم مولانا سید عمیر حسنی ندوی کی تعلیمی وتربیتی نگہداشت اور پھر جو خاندان کے افراد گھر میں رہے ان کی تعلیم کے ساتھ تربیت کا پورا خیال اور اس

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

میں کبھی تفہیم کبھی تلقین کبھی تنبیہ سے کام لے کر تربیت فرماتے، اس میں تفصیل میں جانے کی موقع نہیں۔

پاس پڑوس میں اور ملنے والوں میں جو کمزور ہوتے ان کا خاص خیال فرماتے، سلام میں پہل کرتے، سلام کا جواب دیتے، تواضع سے ملتے، اور ضرورت مندوں کے لیے مدد کا جو طریقہ ممکن ہوتا وہ اختیار کرتے، دین کے کام میں نکلنے والوں کی نصرت واعانت کے لیے برابر فکر مند رہتے اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تدبیریں سوچتے اور یہ خصوصیت ان کی آخر وقت تک قائم رہیں۔

حوادث وصدمات، اعذار وامراض، حاجات وتقاضوں کے ساتھ ان کی ذاتی اور عائلی زندگی میں ایثار وقناعت کا جو جوہر تھا اس نے ان کو دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور دین وشریعت پر استقامت کی وہ خصوصیت وامتیاز عطا کر دیا تھا جو قابل رشک ہے۔ صلہ رحمی، قرابت داری کے پورے خیال کے ساتھ دوسرے اصحاب حقوق کے حقوق کی ادائیگی جن کی طرف اللہ نے قرآن مجید میں اپنے بندوں کو ابھارا ہے، جس میں اقارب، مسافر، پڑوس، ساتھی دوست، غریب، سب کو ان کا جو حق ہے اس کا لحاظ کرنے اور پاس رکھنے کو کہا ہے۔

آپ نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا، اور صرف ایک ہی حق جو نکاح کے عمل سے عہد ومعاہدہ کی شکل میں آتا ہے اس تک محدود نہیں رکھا، گو وہ حق اپنی جگہ رہا اور اس پر والدین کے حقوق کا ہمیشہ اس درجہ خیال رہا کہ جو رشتہ ان کے رشتہ سے جتنا قریب ہوتا اس کا انہیں اتنا خیال رہتا، اس کی بھی چند مثالیں راقم پیش کرنا چاہتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے:

”إن من أبرّ البرّ أن صلة الرجل أهل وُدّ أبيه بعد أن يُولّی.“ (مسلم: ٦٦٧٩)

(بڑی ترین نیکیوں میں ہے کہ آدمی اپنے باپ کے انتقال کے

بعد ان کے اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کرے)۔

چنانچہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اعمال میں ترجیح دینے میں اس بات کا ہمیشہ پاس رکھا، اور اس کا بھی خیال رکھا کہ جس کام میں زیادہ اجر وثواب ہے اس کو اختیار کریں، والد کے انتقال کے بعد والد کی بہنوں کا خیال بڑھا دیا، اور حسن سلوک کے نوع بہ نوع طریقے اختیار کرنے کے ساتھ ان کو دعوتی کام بھی بتاتے، جس سے ان کی پھوپھیوں کو خاص دلچسپی تھی اور سب سے چھوٹی پھوپھی جن کا پھوپھیوں میں سب کے بعد انتقال ہوا اور دعوتی فتوحات بھی ان کے سامنے آنے لگی تھیں، وہ اس میں آپ کی معاون بھی ہوتیں، اور حوصلہ بڑھاتیں، والدہ کے انتقال کے بعد خالہ، نانی، نانا کا خیال زیادہ بڑھا دیا تھا، ان سے ملنے کے لئے جانا، ان کے پاس بیٹھنا، ان کی راحت کا خیال رکھنا، یہ سب رہتا، نانا کے بھائیوں کا بھی خیال، چنانچہ ان کے نانا سے چھوٹے بھائی جن سے ایک رشتہ والد کی نسبت سے بھی تھا جب وہ حج پر گئے تو اپنے چھوٹے بھائی جو ساتھ میں حج پر تھے خاص خیال رکھنے کی تاکید کی، جب کہ خود ان کا مزاج بھی ان رشتوں کے پاس ولحاظ کا تھا، لیکن اجر وثواب کی طمع اور رضائے الٰہی کے حصول میں اس کی تاکید کر کے اس بڑی نیکی کا اجر حاصل کیا، نانی اور نانا کا اس طرح خیال کرنے لگے تھے جیسے والدہ اور والد کا کیا جاتا ہے، رائے بریلی سے لکھنؤ آنے کی بھی دعوت دیتے، اور اپنے یہاں ٹھہرا کر خوب خدمت کرتے، نانا اور نانی کی بیماری میں بھی خدمت کی اور اس کا حق ادا کر دیا، نانی کے بھی بھائی، بہن کا بھی اور ان کی اولاد کا ماموں اور خالہ کے رشتہ سے اکرام وتعظیم اور حسن سلوک کا معاملہ روا رکھتے، حقیقی خالہ ایک تھیں سیدہ سعیدہ حسنی، (۱) جو آپ کو نہ صرف چاہتیں بلکہ آپ انہیں اپنے تعلق سے ایسا اعتماد تھا کہ اپنی اولاد کی تربیت وتعلیم ان کے ہی زیر نگرانی کرانی اور اولاد کے رشتوں میں ان کے مشورہ کو ترجیح

---

(۱) والدہ برادران مولوی سید عمیر حسینی ندوی، مولوی سید زہیر حسینی ندوی، مولوی سید زبیر حسینی ندوی

دی، اور مکان بھی لکھنؤ میں ان کے قریبی محلّہ میں خریدا تا کہ آمد ورفت روز رہے، اور آسان رہے، چنانچہ انہوں نے اپنی مشغولیتوں کے باوجود ان کی خدمت میں حاضری اور ان کی خدمت میں بیٹھنے کا معمول رکھا، اور ان کی اولاد کی صحیح دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ دنیوی راحت کا بھی خیال دکھا، اور اس میں جس طرح معاون ہوسکتے تھے معاون ہوئے۔(۱)

پھوپھیوں کی اولاد میں بھی جن سے دوہرا رشتہ ہوتا، ان سے تعلق بھی دوہرا محسوس ہوتا، اخلاق ومروت، ہمدردی کی باتوں کے ساتھ دینی تربیت وتعلیم وتلقین اور دعا کے اہتمام سے بھی حسن سلوک روا رکھتے، اسی طرح چچاؤں اور پھوپھاؤں کے ساتھ عزت واکرام کے ساتھ مشورے لیتے، پاس بیٹھتے، خدمت میں حاضر ہونے کا معمول رکھتے۔ اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت کے نرالے انداز اختیار کرتے، دو تجربے تو راقم کو خود ہوئے راقم کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوا جو ان کی پھوپھی زاد اور ایک دوسرے رشتہ سے چچا زاد بہن تھیں، وسط شعبان میں انتقال ہوا تھا، اور قیام لکھنؤ میں تھا، رائے بریلی میں تدفین عمل میں آنے کے بعد کچھ دن رائے بریلی میں گذار کر واپس لکھنؤ گئے، اور نصف رمضان گذار کر واپس پھر رائے بریلی آنا ہوا، وہ ہم لوگوں کی دلداری میں خلاف معمول لکھنؤ میں رمضان کے ابتدائی میں اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ ٹھہر گئے، اور پندرہ روزے کرکے رائے بریلی گئے، جب کہ وہاں شروع رمضان سے مہمانوں کی آمد اور ان کے ارشاد وتربیت اور درس وافادہ کے معمولات شروع ہوجاتے تھے، اسی طرح ان کی وفات سے چار ہفتہ قبل راقم کے والد نے رحلت فرمائی وہ ان کے بڑے بھائی اور ایک رشتہ سے ماموں بھی تھے، خبر ملتے ہی کسی طرح سہارے سے دیکھنے آئے، اور پوری کوشش کی، کہ کسی طرح جنازہ میں شریک ہوں، مگر یہ ان کے لیے کسی

(۱) افسوس کہ ان کی یہ خالہ صاحبہ بھی ان کی وفات کے ۱۳ ماہ بعد مارچ ۲۰۱۴ء کو لکھنؤ میں وفات پاگئیں، اور رائے بریلی اپنے والدین ماجدین اور ہمشیرہ مرحومہ کے پاس مدفون ہوئیں، رضا اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغفر لہا مغفرۃ تامۃ۔

طرح ممکن نہ تھا، کہ ان کی بیماری خود شدت اختیار کئے ہوئے تھی، فون کر کے راقم کو اپنے چھوٹے بھائی بہن کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی، اور بعض کا نام لے کر مزید وصیت کی، اسی طرح کسی کے یہاں کوئی حادثہ یا سانحہ پیش آتا، وہ جا کر اہل خانہ کو پرسا دیتے، اور کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لیے وقت نکالتے اور علاج کے ان مناسب تدابیر کے اختیار کو کہتے جس سے تیمارداروں پر بار نہ ہو، اور فرماتے اللہ پر یقین و اعتماد کر کے ذریعہ اختیار کرنا اور اس میں بھی اسراف سے بچو۔

مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا اعزا و اقارب کے ساتھ حسن سلوک میں یہ معاملہ تھا، کہ والد والدہ سے رشتہ میں جو جتنا قریب ہوتا یا جس کا دونوں طرف سے زیادہ قریبی رشتہ ہوتا، اس کا خیال کر کے وہ برالوالدین کا ثواب حاصل کرنا چاہتے، چونکہ ان کے دادا نے اپنی ایک صاحبزادی کا رشتہ مظفر نگر میں منصور پور کے سادات میں کیا تھا، جس کے افراد قریبی مواضعات خاں جہاں پور، حسین آباد، رتھیڑی وغیرہ میں رہتے تھے، وہاں کا کوئی فرد آتا تو وہ اس کا بھی اس خیال سے خصوصیت برتتے، اور ان کے ساتھ پھوپھی پھوپھا کے توسط سے والد کے ساتھ حسن سلوک خیال کرتے اور بروالدین کا ثواب حاصل کرنا چاہتے۔ انہی کے افراد خاندان میں ایک خاتون (پھوپھا کی ہمشیرہ) کا نکاح کاندھلہ کے معروف علمی دینی گھرانہ میں مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی سے ہوا، کاندھلہ میں جاتے تو انہی کے مہمان ہوتے، اور زمانہ علالت میں دو تین بار گئے اور آخری بار دس روز رہے اور میزبان و مہمان دونوں کو بڑی بشاشت رہی۔ اسی خاندان کاندھلہ میں چند سال قبل ان کی خالہ زاد بہن کا نکاح مولوی اصطفاء الحسن کاندھلوی سے ہوا، تو ان کے یہاں بھی جانے کا خیال رکھا، اور جب ان کے والد لکھنؤ میں آکر رہے تو ان سے ملنے جاتے اور اس نئے رشتہ کا پاس رکھ کر والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب حاصل کرتے۔

ہنسوہ فتح پور میں آپ کے خاندان کے کئی افراد کے نکاح ہوئے، دادا کا اور

دادا کے والد کا اور اسی طرح دادا کے دادا کا اس طرح یہاں آپ کی قرابت داری پہلے سے رہی اور خوب رہی، ان خاندان کے افراد خاندان کے جہاں رشتے ہوئے اور آپ کا ان مقامات پر جانا ہوا تو ان سے ملنے کا خیال رکھتے، اور ان کی خیر و خبر لیتے۔

جب حج میں سعودی عرب گئے، تو خاندان کے افراد، اعزہ و اقارب کا مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ وغیرہ میں پتہ چلا تو ان سے ملنے کا اہتمام کیا، اور خود ان لوگوں نے بھی اس کا خیال رکھا، خاص طور سے مدینہ منورہ میں عزیز احمد حسنی کراچوی صاحب نے اور جدہ میں سید محمد صابر صاحب، فرید فریدی صاحب، مولانا سید محمد عرفان حسینی صاحب، مولوی سید ابوالقاسم صاحب وغیرہ اور مکہ معظمہ میں مولانا سید عبیداللہ حسینی صاحب (داماد حضرت مولانا سید ارشد مدنی) کا تعلق خاص طور پر ظاہر ہوا۔

اسی طرح سفروں میں جہاں کہیں ہوتے، معلوم کرتے کہ اعزہ و اقارب میں کوئی مقیم تو نہیں ہے، معلوم ہونے کی صورت میں رابطہ کرتے، اور فرماتے کہ ابا جان یعنی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس کا بڑا خیال فرماتے تھے، اور جس مقام پر وہ تشریف لے جاتے معلوم ہوتا کہ کوئی عزیز رشتہ دار یہاں ہے تو جب تک صحت رہی خود ملنے جاتے، ورنہ بلانے کی صورت اختیار کرتے۔ صلہ رحمی اور قرابت داری کا خیال انہیں برابر رہتا، اور وہ اس کے ذریعہ سے بھی "وبالوالدین إحساناً" کا ثواب حاصل کرنے، اور جو اعمال اجتبا و اصطفاء کے محرکات ہوتے ہیں ان کے وہ پیش نظر تھے، جن میں اس عمل کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور دوسرے اعمال میں بھی وہ ممتاز تھے۔

عام سلوک و برتاؤ کی ایک مثال

ایک تعلق والے (محمد منیر پرتاپگڑھی) مولانا کی خوردنوازی کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

’’ایک خصوصیت حضرت کی یہ دیکھی کہ وہ کم حیثیت والوں اور غریب لوگوں کا بڑا خیال فرماتے تھے، اور اگر ان کی طرف سے کوئی بلاتا تو اس کی دعوت کو رد نہ فرماتے، معمولی جگہوں پر بہ آسانی چلے جاتے اور دولتمندوں کی دعوت پر وہ غور کرتے، اور دیکھتے تھے کہ ان کا ذریعہ حصول مال نامناسب تو نہیں ہے، اور اگر کوئی اپنی طاقت کے بھروسہ کسی کم حیثیت شخص کی دعوت اور پروگرام میں حضرت کی شرکت کو روکنا چاہتا تو وہ ناراض ہوجاتے، اور دسترخوان پر ہوتے تو وہ کم حیثیت لوگوں پر خاص نظر رکھتے اور دلداری میں اپنی پلیٹ میں اس کو شریک فرماتے۔ اسی طرح کاموں کا ذکر آتا تو وہ کم حیثیت کارگزار نوجوان کی ہمت بندھاتے اور ان کے کاموں کا تذکرہ کرتے، ایک بار ایسا ہی ذکر ہورہا تھا اور میں بھی حاضر خدمت تھا، میری طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے دیکھو یہ کم پڑھے لکھے ہیں لیکن مخلص اور جفاکش ہیں، اللہ ان سے کام لے رہا ہے، اور مکتب و مدرسہ چلارہے ہیں، میں نے محسوس کیا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے ہاتھ پر بیعت کروں، نے درخواست پیش کی، تو ازراہ تواضع انہوں نے فرمایا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے بیعت ہو، اور باقی ایسے معاملات میں ہم سے مشورہ لے لیا کرو، اور مدرسہ کے معاملات میں وہ رہنمائی فرماتے تھے، لیکن جب آخری بیماری میں حاضری ہوئی تو انہوں نے مدرسہ کے معاملات میں اپنے چھوٹوں کی طرف

رجوع کرنے کو فرمایا۔‘‘اسی طرح پرتا بگڈھ کے یہی حافظ شمیم صاحب مولانا مرحوم کی ان شفقتوں وعنایتوں کا ذکر کرتے ہیں جو وہ کمزور حیثیت اور پریشان حال اور مقروض اور بے آمدنی کے لوگوں کے ساتھ ان کی حیثیت کو بلند کرنے اور تکلیف دور کرنے اور روزگار فراہم کرنے کی فکر و مدد طے کرتے ہیں۔

سفر وحضر کے معمولات

مولوی محمد صادق ایوب بوڑوی جو آپ کی خدمت وصحبت میں ایک عرصہ رہے، اور سفر وحضر میں بھی ساتھ رہے وہ اپنے مشاہدات کی روشنی میں تحریر کرتے ہیں:

’’مولاناؒ کا ایک خاص وصف یہ نظر آیا کہ کوئی تھوڑا بھی ان کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرتا تو وہ اس سے زیادہ اس کے ساتھ کرنا دوسرے انداز سے چاہتے اور تذکرہ کرتے اور اس کی تعریف کرتے۔

مدرسوں میں حضرتؒ کی یہ احتیاط دیکھی کہ کھانا مدرسوں میں نہ ہو اور اگر کھاتے تو پھر یہ کوشش ہوتی کہ کسی دوسرے طریقہ سے پیسے ادا کرتے اور کئی بار ہمارے ہاتھ سے ادا کرائے اس طور پر کہ مدرسہ کا تعاون ہوجائے گا روٗساء اگر ہدیہ پیش کرتے تو وہیں کے کسی مدرسہ میں یا رفاہی کاموں میں لگوا دیتے اور اگر ہدیہ اہل اللہ اور بزرگوں کی طرف سے ہوتا تو اس کو تبرک سمجھ کر رکھ لیتے اور غریب کا ہدیہ بھی قبول فرماتے تاکہ اس کی دلداری ہوجائے۔

خاص طور پر سفر میں ہم حضرت مولاناؒ کے ساتھ نہیں اٹھ پاتے تھے، ہم نے حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ حضرت ہمیں اٹھا

دیتے تاکہ ہمیں خدمت کا موقع مل جاتا، فرماتے ''نہیں کوئی بات نہیں'' اپنے آرام کے لیے دوسرے کو بے آرام نہیں کرتے اور خدمت لینے میں بڑے محتاط رہتے۔ ایک روز ہم نے عرض کیا کہ حضرت ہم چاہتے ہیں کہ تہجد کی نماز ہمیں بھی نصیب ہو جائے تو اس کے بعد مولاناؒ نے اٹھانا شروع کیا۔ اس خیال سے کہ ہماری تربیت بھی ہو جائے گی اور ہماری تہجد پڑھنے کی عادت بھی بن جائے گی، تو اس بہانے سے ہمیں خدمت کا موقع بھی میسر آجاتا اور ہمیں تہجد بھی نصیب ہو جاتی۔ اسی طرح بس یا ٹرین کے سفر میں سیٹ وغیرہ کے لیے کسی دوسرے کو پریشانی میں نہیں ڈالتے، خود مشقت برداشت کر لیتے تھے لکھنؤ سے بوڑیہ کے لیے ایک دعوتی سفر میں جس میں راقم السطور بھی ساتھ تھا، اے سی کوچ سے ریزرویشن تھا ٹکٹ کنفرم نہیں ہوا تو ہم نے مولاناؒ سے درخواست کی کہ جنرل کوچ میں بیٹھ جائیں اور ٹی ٹی کے آنے پر بات کر کے سیٹ لے لیں گے حالانکہ ان دنوں مولاناؒ کی صحت کمزور چل رہی تھی، لیکن ٹی ٹی نہیں آئے اور ٹی ٹی کے انتظار میں ۱۰ر گھنٹے کا سفر بہت مشقت کے ساتھ سہارنپور تک طے کیا۔ اس طرح کی مشقت مولاناؒ دعوتی کام کے سلسلہ میں برداشت کرتے تھے اور دوسروں کو محسوس بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔

ایک نمایاں وصف مولاناؒ کا ہم خدام نے مختلف موقعوں پر یہ دیکھا ہے کہ اس گھرانہ کے افراد کا انتہائی احترام فرماتے خواہ اس گھر کے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں جس گھرانہ سے ان کا خود یا

ان کے آباواجداد کا استفادہ کا تعلق رہا ہو جیسے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جن سے ان کے داداؒ کا بیعت وارشاد کا تعلق تھا اور حضرت مدنیؒ لکھنؤ میں انہی کے مہمان ہوا کرتے تھے، اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ جن سے وہ خود اور ان کے گھر کے کئی بڑے بیعت تھے اور خود ان کے مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ استفادہ کے طور پر ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ جن سے ان کے نانا اور ان کے والد مولانا سید محمد الحسنیؒ بیعت تھے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کو یہاں سے اجازت وخلافت حاصل تھی، جن سے یہ نسبت مولاناؒ کو حاصل ہوئی، اس لیے وہ آس پاس کا سفر کرتے تو خانقاہ رائے پور اور سہارنپور کی حاضری کو ضروری سمجھتے تھے اور ان جگہوں اور وہاں کے رہنے والوں کا انتہائی احترام واکرام کا معاملہ فرماتے، ان کے قرب وجوار میں جو مدارس ہیں وہاں بھی تشریف لے جاتے۔

مولاناؒ کو عزت نفس اور خودداری کا بھی بڑا خیال رہتا تھا اور ان کی حساسیت بڑھی ہوئی تھی لیکن دوسروں پر اظہار نہ کرتے اور خود صبر کر لیتے اور خاص خدام سے ہی کچھ اظہار فرما دیتے تا کہ سکوت سے طرز عمل قابل تقلید نہ سمجھ لیا جائے اسی لیے منکر پر نکیر کا عمل بھی مولاناؒ کے یہاں ہوتا تا کہ منکر کو کوئی معروف نہ سمجھ بیٹھے اور منکر فروغ پاتا رہے۔

دنیا سے بے رغبتی کا مشاہدہ بھی مولاناؒ کی صحبت میں رہ کر خوب

ہوا، ان کو اس حقیقت کا استحضار رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حقیقت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں ہے، مال ودولت کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی، اس سے وہ بقدر ضرورت ہی فائدہ اٹھاتے تھے اور ضرورت مندوں کی ضرورتوں کا ان کو زیادہ خیال رہتا تھا اور خاموشی سے لوگوں کی مدد کرتے رہتے تھے، خاص طور سے نومسلموں کا تعاون ان کی ترجیحات میں تھا۔

معاملات کی صفائی کا حضرت والاؒ کو بڑا خیال رہتا تھا، کوئی سامان منگواتے تو اس کی قیمت خود ادا کرتے اور اس میں اتنی باریک بینی کا خیال رکھتے تھے کہ اگر ہم نے ان کی ضرورت کا احساس کر کے کسی وقت خود وہ سامان ضرورت لا کر پیش کر دیا اور قیمت لینے کے بجائے تحفہ پیش کرنے کی کوشش کی تو وہ باصرار قیمت ادا کرتے اور فرماتے چونکہ تم کو میری ضرورت کا علم تھا اور یہ سامان ہم تم ہی سے منگواتے، اس لیے یہ قیمت لو اگر بغیر واقفیت کے لاتے تو بات دوسری تھی اور فرماتے کہ اگر کسی کے متعلق ذہن میں آجائے کہ وہ ہدیہ دے گا اور وہ ہدیہ دیتا ہے تو وہ بھی نہیں لینا چاہئے اور اگر کسی وجہ سے لے بھی لیا تو بہتر ہے کہ اپنے استعمال میں نہ لائے۔

کھانے میں قسم قسم کے کھانے کے بارے میں فرماتے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کھانا پسند تھا جو اقسام کے اعتبار سے کم ہو یعنی ایک دو قسم کا کھانا ہو اور وہ زیادہ مقدار میں خوش ذائقہ اور لذیذ ہو تا کہ لوگ سیر ہو کر کھا سکیں۔ مولاناؒ کی زندگی میں اکل حلال بلکہ اکل طیب کا بڑا اہتمام تھا اور وہ فرماتے تھے کہ فیکٹری

میں جب اچھا اور پیور مال جائیگا تو اچھی چیزیں تیار ہوں گی اور خراب مال جائے گا تو گھٹیا چیزیں تیار ہوں گی۔ ایسے ہی آدمی جب حرام کھائے گا تو کام بھی خراب کرے گا اور حلال طیب کھائے گا اور اپنی اولاد کو حلال طیب کھلائیگا تو اچھے نمونے سامنے آئیں گے اور کام بھی ہوگا۔

مہمان نوازی مولاناؒ کا نمایاں وصف تھا، گھر میں عمدہ سے عمدہ جو چیز ہوتی وہ مہمانوں کے لیے پیش فرمادیتے، علاقہ کے اعتبار سے بھی لوگوں کے ذوق کا خیال فرماتے اور چاہتے کہ وہ چیز پیش ہو جو انھیں پسند ہے۔

دعاؤں کا مولاناؒ کی زندگی میں بڑا ہی اہتمام دیکھا سونے جاگنے، سفر وحضر، کھانے پینے، گھر سے نکلنے، داخل ہونے اور شب وروز کی جو مسنون دعائیں ہیں ان کا اہتمام بھی فرماتے اور آس پاس چھوٹے ہوتے تو تھوڑے جہر سے دعا کرتے تا کہ دوسروں کی زندگیوں میں بھی اس کا اہتمام آئے اور دوسروں کو دعا دینا اور تنہائی میں اپنے لیے اور دوسروں کے لیے جیسا جس کا حق ہوتا دعا فرماتے اور خدام میں سے کوئی آپکی خدمت کرتا تو جس قسم کی خدمت ہوتی اس کے اعتبار سے اسکو دعا دیتے مثلاً ''اکرمک اللہ، جزاک اللہ وغیرہ۔''(۱)

چند ممتاز معاصرین کے تأثرات

ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین تماندار طبیب عیادۃ الحرم مکہ مکرمہ جو آپ

---

(۱) پیام عرفات (رائے بریلی) حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

کے ہم عمر اور محبّ صادق ہیں لکھتے ہیں:

''آپ نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو کے مصداق تھے، اور آپ کی مجالس خالص دینی و دعوتی پیغام اور سلف صالحین کے ذکر وتذکرے سے معمور ومعطر ہوتیں۔

مولانا سید عبداللہ حسنی علیہ الرحمہ کا مشن اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنا، گمراہوں کو راہ سے آشنا کرانا اور صراط مستقیم سے آگاہ و روشناس کرانا تھا، علاوہ ازیں اس دعوت الیٰ اللہ کی مسلسل مصروفیت کے ساتھ ساتھ تعلیم وتربیت کے میدان میں بھی آپ کی خدمات قابل تحسین تھیں، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آپ کئی مدارس کے سرپرست بھی تھے، اور زندگی کے شب وروز میں اپنوں و پرایوں کا اسلام سے تعلق استوار کرانا ہی آپ کا بنیادی کام تھا، اللہ کے فضل وکرم سے ہزاروں کو آپ کی ذات سے فیض پہنچا اور وہ ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے، بیشک ﴿ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم﴾ (یعنی یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

مرحوم مولانا عبداللہ حسنیؒ کی دینی خدمات کو دیکھتے ہوئے سمندر میں موجود برف کے تودے Tip of the Ice-berg کی مثال نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے کہ اس پہاڑ نما تودے کا کچھ حصہ سطح سمندر پر تیرتا ہوا نظر آتا ہے اور بقیہ سمندر کی گہرائی میں چھپا ہوتا ہے، یہی کیفیت ہمارے مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم کی بھی تھی، بہت کم احباب ہوں گے جنہیں موصوف کی

خدمات اور قربانیوں کا صحیح اندازہ ہوگا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ خاموشی سے سارے کام کرنے کے عادی تھے، آپ کے قول وفعل یا عمل وکردار میں اخلاص تھا، اور یہی جوہر ہے جو آج کے نشر واشاعت اور پروپیگنڈے کے دور میں نایاب نہ سہی تو کمیاب ضرور ہے۔''

مولانا ابوظفر حسان خاں ندوی (برادر خورد سابق مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا ابوالعرفان خاں ندویؒ) نے مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے متعلق فرمایا:

''مولانا سید عبداللہ حسنی اپنے علمی تفکر اور عوامی مقبولیت کے ساتھ ساتھ روحانیت کے اعلی مراتب پر بھی فائز تھے، ان کا سلسلۂ رشد وہدایت کسی بھی پروپیگنڈے یا اشتہار بازی سے مبرا تھا، ان میں سادگی تھی اور بلا کی سادگی جس پر کتنے ہی متواضع قربان ہوجائیں، سادات گھرانوں میں جو سنجیدہ تواضع، خود داری اور شرافت کا چلن ہے وہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ بدرجۂ اتم اس کے نمائندہ تھے اور یہی وہ عناصر تھے جس نے ان کی محبوبیت میں چار چاند لگادیئے تھے، وہ اپنی عمر سے کئی گنا بڑے تھے اور اپنے علم وفضل سے معاصرین کے لیے ایک نمونہ تھے، ان کی وفات سے خانوادۂ حسنی کا نقصان تو ہوا ہی ہے لیکن اتنا جانتے ہیں کہ ملت اسلامیہ ایک بڑے خسارے سے دوچار ہوئی ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے وہ لالۂ شب چراغ تھے اور دار العلوم کو یہ کہنے کا حق ہے کہ اس نے اکیسویں صدی میں عالم اسلام کو مولانا سید عبداللہ حسنی دیا ہے۔''

مولانا سید سلمان حسینی ندوی صدر جمعیت شباب اسلام لکھنؤ واستاذ تفسیر و

حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء (۱) نے اپنے ماموں زاد بھائی مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے متعلق اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''مولانا سید عبداللہ حسنی عمر میں مجھ سے دو برس سے کچھ زیادہ چھوٹے تھے لیکن میرے لیے بالکل ایک ساتھی کی طرح تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعلیمی دور میں وہ مجھ سے ایک درجہ پیچھے تھے، ۱۹۷۴ء میں جب میں نے جمعیت شباب اسلام قائم کی تو اس تحریک میں بھی وہ میرے ساتھ ابتدائی مراحل سے شریک رہے اور تحریک میں ہر طرح کے معاون بنے۔

ملیشیا، دبئی اور شارجہ جیسے ممالک کے اسفار میں بھی ہم ساتھ ساتھ تھے، شارجہ میں اردو ٹیلی ویژن کے افتتاح کے موقع پر مولانا عبداللہ حسنی بھی مدعو تھے جہاں ایک ماہ تک درس قرآن کو ریکارڈ کیا گیا جسے رمضان المبارک میں ٹیلی ویژن پر نشر کیا جاتا تھا۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ہمارے سگے ماموں مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے صاحبزادے تھے اور ماموں جان انھیں اکثر کہا کرتے تھے کہ سلمان کے ساتھ رہا کرو اور انھوں نے ہمیشہ اس بات کا خیال بھی رکھا۔

درس و تدریس کی مشغولیات کے علاوہ پیام انسانیت کی تحریک سے ایسے جڑے کہ گویا اس تحریک میں ایک جان ڈال دی، خصوصاً غیر مسلموں میں دعوتی کام اور نانا جان حضرت مولانا علی

---

(۱) مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کے ممتاز معاصرین میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور مولانا علی احمد ندوی ان جید علماء میں سے ہیں جن کے بارے میں خود خال معظمؒ کا یہ کہنا تھا کہ میں نے ان دونوں سے زیادہ پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اسی لیے آخر میں ان دونوں حضرات کے تاثرات ذیل میں درج ہیں۔

میاں ندوی کی کتابوں کی نشر واشاعت کی ذمہ داری کو انتہائی
حسن وخوبی اور مستعدی سے نبھایا اور اس کے بہت اچھے نتائج
بھی برآمد ہوئے، اللہ کے فضل و کرم سے بہت سے سوامی،
پنڈت اور کئی غیر مسلم افراد اسلام کے قریب آئے، پیام
انسانیت کے عنوان پر آپ نے ملک کے اکثر و بیشتر خطوں کے
دورے کیے اور ایسے ہی بابرکت کاموں میں ان کا زیادہ تر وقت
گزرتا تھا، پیام انسانیت کی تحریک سے ندوۃ العلماء کے فضلاء
میں ایک امتیازی رول ادا کیا اور اس طرح ندوی فضلاء کو بھی اس
تحریک سے وابستہ ہونے کا موقع ملا۔

عربی جریدہ الرائد کے وہ نائب ایڈیٹر تھے، اداریے، عربی میں
مضامین اور تعمیر حیات میں مختلف عنوانات پر اردو مضامین اکثر و
بیشتر شائع ہوتے رہتے تھے۔

اسی طرح دعوتی، اصلاحی، تربیتی اور مضمون نگاری جیسی مختلف
سمتوں میں آپ کی زندگی کے قیمتی لمحات صرف ہوئے اور اس
طرح ایک کامیاب مصروفیت کے ساتھ آپ نے اپنی زندگی
گزاری، اللہ مرحوم کے تمام حسنات کو قبول فرمائے اور آخرت
میں اپنی رضا اور سرخروئی سے نوازے۔ (آمین)"

مولانا ڈاکٹر علی احمد ندوی جن کا مولانا سید عبداللہ حسنی سے گزشتہ تقریباً چار دہائیوں سے تعلق رہا ہے، آپ نے دل سے نکلے ہوئے جذبات واحساسات کا اظہار حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء بدھ (۱) کے

---

(۱) مولانا ڈاکٹر علی احمد ندوی دام ظلہ نے اسلامی تاریخ مکہ معظمہ کی تحریر فرمائی ہے، ورنہ جس مقام پر ان کی وفات ہوئی وہاں وہ تاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء تھی،

روز علم و اخلاق کا ایک بے مثال نمونہ اس جہان فانی سے اٹھ گیا، جس دن مولانا سید عبداللہ حسنی کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ میں مستقل مضمون لکھ کر اپنا اخلاقی فرض ادا نہیں کرسکا، فی الحال برادرم ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین کے ایماوارشار پر مختصر تحریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا سید عبداللہ حسنی ایک نہایت سلیم الطبع شخص تھے، گفتار و رفتار، تحریر و تقریر، فکر ونظر میں یہ صفت بہت نمایاں طور پر نظر آتی تھی، اس امتیازی وصف نے مولانا کو راہ اعتدال پر استوار کیا۔

مولانا اپنی زندگی میں تکلف اور تصنع سے کوسوں دور تھے، خود پسندی اور شہرت طلبی سے بظاہر ان کو ادنیٰ درجہ کی بھی مناسبت نہ تھی، وہ ایک نہایت مخلص داعی الی اللہ تھے، اسی خلوص کی بنیاد پر تھوڑے عرصے میں ملت کی تعمیر کا کام کر گئے، اور سیکڑوں افراد کو کفر وشرک کی ظلمت سے نکال کر اسلام کے نور ہدایت سے آشنا کر گئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد پیہم تگ و دو اور نہایت حکمت عملی کے ساتھ نام و نمود سے دور ہو کر خاموشی سے دعوت الی اللہ کی جانب سرگرم عمل رہے، دعوت کے ساتھ ساتھ مردم سازی کا بھی کام کیا اور ایسے افراد تیار کیے جو کام کو آگے بڑھانے اور متعارف کرانے میں ان کے معاون رہے۔

اس سلسلہ میں آپ کو اپنے جد امجد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی

حسنی ندویؒ کی سرپرستی حاصل رہی، ناسازگار حالات، صحت کی کمزوری، معیشت کی تنگی، زندگی کے نشیب وفراز میں درپیش آنے والا کوئی عذر آڑے نہیں آیا اور راہ عزیمت پر گامزن رہے، سچ ہے ؎

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا کا سانحۂ وفات پوری امت کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنے شان کریمی سے انبیاء وصادقین وصالحین کی فردوس اعلیٰ میں معیت سے نوازے۔ (آمین)''

بارہواں باب

علالت کا تسلسل، وفات حسرت آیات اور چند منظوم تاثرات

جنوبی افریقہ کا سفر، علالت کا آغاز اور علی گڑھ کا قیام

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات کے بعد ۲۰۰۰ء/ ۱۴۲۱ھ میں اپنے عم معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور رفیق درس وتدریس مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی کے ساتھ جنوبی افریقہ کا یادگار اور تاریخی سفر کر کے جب ہندوستان واپس آئے تو طبیعت اس حد تک ناساز ہوگئی کہ آپ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء سے چھٹی لے کر گھر میں مستقل قیام کرنا پڑا، لکھنا لکھانا، پڑھنا پڑھانا، وعظ وارشاد، یہاں تک کہ کتاب وغیرہ سننے کا معمول بھی موقوف ہوگیا، اور صرف تلاوت قرآن کریم گھنٹوں سنتے، وہ کیسٹ لگا دیا جاتا جو سحر توڑنے کی آیات اور سورتوں پر مشتمل تھا، جس سے طبیعت میں بڑا انشراح پاتے اور دوسری طرف ہومیو پیتھ علاج اور پھر یونانی علاج بھی جاری رکھتے، حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ کو دکھانے علی گڑھ گئے، انھوں نے دس پندرہ دن اپنے پاس رکھ کر علاج کیا، جس سے طبیعت میں خاصا افاقہ ہوا، اسی دوران حکیم صاحب کو آپ سے ایسا انس ہوگیا کہ

ان کو اپنا دینی وللّٰہی بھائی بنایا، اور یہ تعلق حکیم صاحب کے خاندان جو حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحقؒ کا خاندان ہے تک متعدی ہوگیا اور پورے گھرانہ کو اور حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی مولانا سے بڑا تعلق ہوگیا، اور حضرت کے ادارے دعوۃ الحق اور اشرف المدارس کے لوگ بھی محبت کرنے لگے، دوسری طرف حضرت حکیم صاحب کی مجلس میں آنے والے لوگ بھی حکیم صاحب کا خصوصی تعلق دیکھ کر بڑی محبت کرنے لگے، علی گڑھ میں آپ کے قیام کی خبر سن کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے محبین ومتوسلین بھی استفادہ کے لیے آتے، جن میں ڈاکٹر محمد غیاث صدیقی ندوی (خواہر زادہ پروفیسر خالد صدیقی علی گڑھ)، انجم فراز علی گڑھی اور سید عمران عبد المتعالی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جو بعد میں مولانا کے مشن سے بھی جڑے اور کئی کام بھی انجام دیئے۔

ڈاکٹر محمد غیاث صدیقی ندوی صاحب نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے نام سے فاؤنڈیشن قائم کرکے اس کا صدر مولانا مرحوم کو بنایا اور ان کی سرپرستی میں کئی جہتوں میں تعلیمی، دعوتی، اصلاحی کاموں کا آغاز کرکے مراکز قائم کیے، جن میں مدرسۃ العلوم الاسلامیہ جمال پور اور ہاتھرس کے ارتدادی مقامات پر دعوتی کام سرفہرست ہے، انجم فراز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہونہار طلبہ کو بھی ملانے لائے، تبلیغی ذمہ داروں میں پروفیسر خالد صدیقی اور پروفیسر نادر علی خاں کا تعلق بھی خاصا بڑھا، اس طرح علاج کے لیے کیا گیا یہ سفر دینی ودعوتی مشن کا پیش خیمہ ثابت ہوا، طبیعت الحمدللہ بہت بہتر ہوگئی، لکھنؤ واپسی میں راقم الحروف ساتھ تھا، بعد میں شوگر کے مرض نے آپ کو کمزور کیا، اور وقت گزرنے اور مصروفیات بڑھنے کے ساتھ امراض نے بھی گھیرنا شروع کیا اور چند سال بعد جسم توڑ دینے والی بیماری کا شدید حملہ ہوا، لیکن حکیم شعیب صاحب امروہوی نے خصوصی توجہ سے علاج شروع کیا، جو بڑی حد تک آپ کو راس آیا اور مکہ معظمہ میں بخارا کے ایک عامل نے قرآنی آیات سے علاج کیا، جس سے طبیعت بالکل بہتر ہوگئی۔

مہاراشٹر کے سفر میں بیماری کا سخت حملہ

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کو ۳؍مارچ ۲۰۱۲ء ۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ کو رات میں ناگپور (مہاراشٹر) میں پسلی کے نیچے تکلیف شروع ہوئی، اور تکلیف بڑھتی چلی گئی اور کراہنے کی آواز آنے لگی اور برداشت سے باہر ہوگئی، اور وہ تکلیف پسلی سے بڑھ کر گردے تک آگئی، نہ بیٹھنے پر چین ملتا تھا نہ لیٹنے میں، پھر کہنے لگے معوذتین پڑھ کر دم کرو، تکلیف اس قدر تھی کہ تہجد کی نماز بھی بہت مشکل سے پڑھنے کے لئے بیٹھے، نیت باندھنے لگے لیکن تکلیف کی شدت سے عمل نہ کرپائے، ڈاکٹر کو دکھایا گیا، مگر کچھ افاقہ نہ ہوا، بلکہ درد بڑھتا گیا، پورے مارچ یہی حال رہا بس قرآنی آیات دم کرنے پر آرام ملتا تھا، یہاں تک کہ مہاراشٹر کا دورہ مکمل کیا پھر حیدرآباد، کرناٹک اور بھٹکل گئے اس سفر دورۂ مہاراشٹر میں آپ سے لوگ بیعت بھی خوب ہوئے، اور ایک قدیم ندوی فاضل مولانا سید احمد ندوی صاحب آپ کے ساتھ مسلسل سفر میں رہے، اور دینی استفادہ کرتے رہے، انھیں آپ نے اجازت بیعت وخلافت سے بھی سرفراز کیا، بھٹکل کرناٹک میں آپ نے پیام انسانیت کے بڑے اور تاریخ ساز جلسے کو خطاب کیا، اور جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے پچاس سال مکمل ہونے پر اجلاس کے اختتامی جلسہ میں بڑا کلیدی خطاب فرمایا، جس میں سب سے زیادہ توحید اور عقیدہ اور نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کے کی حفاظت پر توجہ صرف کرنے پر زور دیا، اور غیر اسلامی اسکولوں وکالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے بچوں کا دین وایمان جس طرح متاثر ہوتا ہے اس خطرہ کو محسوس کر کے اس کا بدل لانے پر زور دیا اور مسلم سماج کی اصلاح ااور برادران وطن میں دعوت کے کام کی بھی طرف توجہ مبذول کرائی۔

عبداللہ پرتا بگڈھی جو آخر میں اکثر سفروں میں آپ کے ساتھ رہنے لگے تھے اس سفر میں بھی ساتھ تھے بیان کرتے ہیں: ”مہاراشٹر واپس آ کر لکھنؤ ۲۴؍مارچ ۳۰؍ربیع الثانی کو واپسی ہوئی، پروگرام سب کے سب اسی تکلیف میں پورے کئے،

تقریریں کرتے، لوگوں کی باتیں سنتے، مشورے دیتے، تربیت و رہنمائی کرتے، لکھنؤ آکر کچھ آرام ملا، لیکن طبیعت میں اتار چڑھاؤ رہا، خاص طور پر رات میں تکلیف بڑھ جاتی تھی، اور تہجد کے وقت سے صبح کی نماز تک تکلیف زیادہ ہوجاتی اور بڑی مشکل سے یہ معمولات پورے کرتے۔ جب دارالعلوم ندوۃ العلماء پڑھانے جاتے تو شدید گھبراہٹ طاری ہوتی یہاں تک کہ کبھی کبھی ندوہ کے دروازے پر داخل ہوتے ہی فرماتے کہ آج دستخط نہیں کریں گے، طبیعت میں بڑی گھبراہٹ ہوتی تھی، دفتر الرائد میں جس کے وہ ایڈیٹر تھے، بیٹھ کر واپس آجاتے، اور گھر پہنچنے سے پہلے کچھ دیر ہمارے مکان پر آرام فرماتے، اور ظہر کی نماز پڑھ کر گھر جاتے، اور کبھی کبھی ایک دو گھنٹے پڑھا کر واپس آتے، فرماتے کہ درجہ میں داخل ہوتے ہی تکلیف شدت اختیار کرلیتی ہے اور بے چینی بھی بہت بڑھ جاتی ہے، کئی بار ایسا خطرہ محسوس ہوا کہ گر پڑیں گے، مگر کسی طرح سنبھل گئے۔

دوسرا مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ کھانے کی اشتہا کم ہوتی چلی گئی، کبھی کبھی اپنے شوق سے کچھ کھانے کی چیزیں منگاتے جو پسند ہوتیں لیکن قریب آنے پر کھانا مشکل ہوجاتا، اور رغبت جاتی رہتی، یہ کیفیت بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ فرمانے لگے کہ ایسا لگتا ہے جیسے گلہ میں کوئی چیز پھنسی ہوئی ہے حتیٰ کہ پانی تک گلے سے نیچے اترنا مشکل ہوگیا، چار پانچ مہینہ بغیر کھائے اور بغیر پئے گذارے، آخر میں دو چار چمچے کھچڑی کھانا بھی مشکل ہوگیا، اور پورے دن میں پانی یا جوس سوپ وغیرہ دو ڈھائی کپ لے پاتے۔" (روایت عبداللہ پرتاپ گڑھی)۔

گھر کی ایک سادہ تقریب نکاح

دوشنبہ ۹ رجمادی الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۲ راپریل ۲۰۱۲ء کے آغاز میں آپ کی بڑی بھتیجی (دختر مولانا سید عمار عبدالعلی حسنی ندوی) کا نکاح آپ ہی کے گھر کے

ایک نوجوان عالم دین اور اہلیہ کے حقیقی بھانجہ مولوی سید خلیل احمد حسنی ندوی سے ہوا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے نکاح پڑھایا، وکیل آپ بنے، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دلہن آپ کی والدہ مرحومہ کی چہیتی پوتی تھیں اور گھر کے کام کاج میں بڑی معاون تھیں، اور جو نومسلم عورتیں آتیں ان کو دین وعلم سکھانے کا بھی حوصلہ رکھتی تھیں، ظاہری اسباب کے تحت ان کا اب قیام لکھنؤ کے بجائے رائے بریلی میں ہونا تھا، اس لیے اس کا طبیعت پر اثر بھی تھا۔(۱)

اپریل کا مہینہ بھی مارچ کی طرح بڑی مشغولیت کا رہا، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیمی سال کا آخری مرحلہ تھا، جس میں پڑھائی میں تیزی آجاتی ہے اور زیادہ کورس کم وقت میں پورا کرنا ہوتا ہے، آپ کے ذمہ بڑی اہم کتابیں؛ حجۃ اللہ البالغۃ، تفسیر سورۂ بقرہ وآل عمران اور بخاری شریف کے ابواب، ترمذی جلد ثانی مکمل،۔ آپ کو دعوتی دوروں میں اس بات کا خیال رہتا تھا کہ ان سے تعلیمی سرگرمی متاثر نہ ہو، اس لئے چھٹیوں کے اوقات میں پروگراموں کی تاریخ دیتے، ہفتہ جمعرات کو جمعہ کے ساتھ یا جمعہ کے ساتھ سنیچر کو شامل کر کے تین دن کا وقت نکال لیتے ورنہ صرف جمعہ کا دن ہی لیتے، گرمیوں کی چھٹیوں اور امتحان کا زمانہ اور امتحان کے بعد کی چھٹیوں کو استعمال کرتے، اور ان قیمتی اوقات کو ضائع نہ ہونے دیتے، اور جب کام زیادہ پھیل گیا، اور تقاضوں نے زیادہ زور پکڑا تو آپ پر یہ تقاضہ شدت اختیار کرنے لگا کہ اپنے کو تدریس سے یکسو کرلیں لیکن اس کی اجازت آپ کے بڑوں (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی) نے نہ دی، اور گھر میں بھی اہلیہ محترمہ نے روکا۔

مارچ کے اس دورے میں ایک طرف آپ کو بڑی خوشی تھی دعوتی کامیابیاں

---

(۱) ماشاءاللہ اب وہ ایک بچی کی ماں ہیں، بچی کا نام ہالہ ہے، جو مولانا کی وفات کے چند دن بعد پیدا ہوئی، اللہ اسے بڑا کرے اور خوب خوشیاں دکھائے۔

دیکھ کر اور تکلیف کی وجہ سے اختلاج بھی تھا، رفیق سفر برادرم عبداللہ پرتاپ گڑھی کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت سے کہا کہ آپ کو تکلیف زیادہ ہے، اہلیہ صاحبہ کو بھی پریشانی ہے، آپ لوٹ چلئے، سفر مختصر کردیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اب جنت میں ملاقات ہوگی۔ اور فرمایا کہ حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ مسلسل سفروں میں رہتے اور تکلیف ہوتی، میں بھی سفر میں ان کے ساتھ رہا ہوں، اہلیہ فکرمند ہوتیں، ان سے فرمایا کہ پریشان نہ ہو جنت میں ملاقات ہوگی۔

ادھر مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے ہزاروں ہزار کا مجمع دیکھا جس میں اسّی (۸۰) فیصد ہندوؤں کی تعداد جیسے آئی ایس افسران اور ملک کے بڑے منتخب نمائندے اور ان کا پڑھا لکھا طبقہ موجود تھا، اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اللہ کا خوب شکر ادا کیا، اور اس کا اظہار بار بار کرتے کہ یہ سب جو کچھ ہے ہماری حیثیت سے بالاتر ہے، بس اللہ کا فضل ہے، اپنے متعلقین کو بہت دعائیں دیتے اور فرماتے کہ کام بڑھاؤ، اور یہ مصرعہ پڑھتے ع ''وقت مختصر کام بہت''۔

تہجد کی دعاؤں میں جو پہلے کبھی نہ سنا تھا، یہ الفاظ ہوتے، اے اللہ! کچھ دنوں کی مہلت اور دے دیجئے کہ ترے کلمہ کو، تیرے کام کو بلند کردیں بارگاہِ الٰہی میں یہ الفاظ پیش کر کے عجیب کیفیت ہوجاتی، کبھی کبھی یہ کہتے کہ الحمدللہ یہ کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ لوگوں کو اندازہ نہیں، یہاں تک ہمارے گھر والوں کو بھی اندازہ نہیں، پھر فرماتے کہ جس کا کام ہے وہی کام لے گا اور پھر اللہ کا کوئی بندہ کھڑا ہوگا اور کام کو آگے بڑھائے گا۔

غیر مسلموں میں کام کی بہت فکر تھی، اور کہتے تھے کہ یہ کروڑہا کروڑ کا مجمع جو جہنم کی طرف جارہا ہے، اس میں سے چند افراد آگئے تو کیا ہوا، ابھی پورا کا پورا سماج باقی ہے، اور کبھی کبھی علامہ اقبالؔ کا یہ مصرعہ پڑھتے ع

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

اور فرماتے کہ اللہ کی مدد، اللہ کی نصرت آج بھی وہی ہے جو صحابہ کرامؓ کے

زمانہ میں تھی، اس کی قدرت میں کوئی کمی نہیں، کمی ہم میں اور آپ میں ہے، ہمیں ذراسی کامیابی ملتی ہے تو ہم اچھل جاتے ہیں، آگے کی تمنا کرتے ہی نہیں اور کبھی کبھی تہجد کی دعا میں فرماتے تھے اے اللہ جھولی بھی تو ہی دے، اور آپ جھولی بھر بھی دیجئے، اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کے اشعار ذکر سحر میں پڑھتے، یہ آہ سحر گاہی بڑی زبردست ہوتی ؎

کب سے کھڑا ہوں لے کر میں کاسۂ گدائی
اب تک نہ ملا کچھ بھی اور شام ہونے آئی

اور پڑھتے ؎

جو مانگا ہے جو مانگیں گے خدا سے ہم وہی لیں گے
مچل جائیں گے، روئیں گے، کہیں گے ہم یہی لیں گے

اور فارسی کے بھی اشعار پڑھتے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی آتا، عجیب کیفیت ہو جاتی، جیسے منھ میں رس بھر آیا ہو، اور خصوصی گفتگو میں فرماتے کہ نام نامی اسم گرامی زبان پر آئے، اور دل وزبان کی کیفیت نہ بدلے تو وہ زبان زبان نہیں، وہ دل دل نہیں، اور بڑی کیفیت سے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ رسول اللہ کہتے، اور درود شریف پڑھتے۔ (روایات عبداللہ پرتا بگڈھی)

اندور کا سفر

حضرت مولانا معین اللہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان سے جو قدیم دینی وایمانی روابط رہے ہیں، اس کے پس منظر میں مولانا معین اللہ ندوی اندوری مرحوم کے صاحبزادے قاضی عبداللہ صاحب ندوی کی دعوت قبول کی کہ ان کے گھرانہ کے ۹ر افراد کی شادی تھی اور نکاح پڑھانے کے لیے مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کو مدعو کیا تھا، مولانا نے اس تعلق کے پیش نظر دعوت قبول کی جب کہ طبیعت بڑی ناساز چل رہی تھی اور نکاح پڑھائے، اور تقریر بھی کی، اور بہت خوشی کا اظہار کیا، تقریر ریکارڈ کرلی

گئی تھی، جو مولوی انعام ندوی (فرزند قاضی عبید اللہ ندوی مرحوم) نے محفوظ کرلی ہے، وہ نکاح کے تعلق سے محفوظ آپ کی آخری تقریر ہے۔ قیام مدرسۃ الفلاح آزادنگر میں رہا، جس کے آس پاس اس خاندان معین اللّٰہی کے مکانات ہیں، یہ سفر مئی کے آخری ہفتہ اور رجب کے پہلے ہفتہ میں ہوا۔

اڑیسہ کا دعوتی سفر

۲۹-۳۰-۳۱ مئی ۲۰۱۲ء ۷-۸-۹ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ میں اڑیسہ کا سفر کیا اور دعوتی لحاظ سے یہ بھی بڑا کامیاب اور مفید سفر ثابت ہوا، بہت سے لوگوں نے کلمہ بھی پڑھا، وہاں آدیواسی قوم میں یہ رسم ہے کہ اگر بھانجی ہوگی تو اس سے شادی کریں گے، ایک ایسے جوڑے نے اسلام قبول کیا، تو وہاں کے مفتیوں نے فتویٰ دیا کہ ساتھ رہنا جائز نہیں، علاحدگی کردی جائے، وہ دونوں اس قدر پریشان ہوئے کہ مرتد ہونے کو تیار ہوگئے، مولانا کو یہ بات معلوم ہوئی تو مولانا نے فرمایا اس کے مفتی ہم ہیں، ہم سے فتوی پوچھئے، پھر پوچھا دونوں کی عمریں کیا ہیں، تو رفیق بھائی جو درمیان میں پڑے تھے بتایا کہ ایک کی ۸۵/اور دوسرے کی ۷۵/ رہے، مولانا نے فرمایا کہ دونوں کی عمریں بہت ہوچکی ہیں، تعلقات قائم نہیں ہوسکتے، نکاح تو ٹوٹ گیا لیکن چونکہ دونوں محرم ہیں اس لیے ساتھ رہ سکتے ہیں، رفیق صاحب نے اپنے فارم ہاؤس میں نومسلموں کو جمع کیا اور مولانا کی بات کرائی۔

اس سفر کی روداد مولانا جمال احمد ندوی اعظمی (۱) کے قلم سے ملاحظہ ہو، وہ اس سفر میں حضرت مولانا کے ہمراہ تھے:

آج سے تقریباً ایک سال قبل مئی ۲۰۱۲ء کے اواخر میں مولانا کا سفر صوبہ اڑیسہ کے شہر برہم پور کے لیے طے ہوا، ناچیز کا بھی مولانا کی معیت ورفاقت میں جانا

---

(۱) مولانا جمال احمد ندوی کوپا گنج مئو کے رہنے والے اور مدرسہ مصباح العلوم کے استاد حدیث اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مجاز ہیں۔

طے ہوا، احقر کا تعلق صوبہ اڑیسہ کے تقریباً تمام بڑے شہروں بھونیشور، پوری، برہم پور اور کٹک وغیرہ سے بڑا گہرا اور قدیمی ہے، جہاں ہمارے والد محترم بھی تجارتی اسفار کرتے تھے، شہر برہم پور میں جناب رفیق احمد بھائی بنگالی سکونت پذیر ہیں، ان کی زیورات کی تجارت ہے، تجارتی سرگرمیاں تو ان کے صاحبزادگان انجام دیتے ہیں، رفیق بھائی کمزور و ناتواں، سادگی پسند، نیک اور صالح آدمی ہیں، انھوں نے دعوت الی اللہ کے کام کے لیے اپنے آپ کو بالکل فارغ کرلیا ہے، چنانچہ دعوت الی اللہ کے کار خیر میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں، ان کی کمزوری اور ان کی بیماری دعوتی سرگرمیوں میں رکاوٹ نہیں بنتی، ان کے اندر برادران وطن میں اسلام کا تعارف کرانے کی دھن سوار ہے، وہ بڑی حد تک کامیابی سے ہمکنار بھی ہو رہے ہیں، اور خاصی تعداد مردوں اور عورتوں کی ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو چکی ہے، رفیق بھائی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی سے گہرا ربط و تعلق رکھتے تھے اور تمام امور میں مولانا سے مشورہ کرتے تھے، انھیں رفیق بھائی کی دعوت پر مولانا کا دعوتی اور اصلاحی سفر برہم پور کے لیے طے ہوا تھا جس میں ناچیز بھی بحیثیت خادم کے ساتھ تھا، اس سفر میں مولانا کی دعوتی و اصلاحی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جلوت و خلوت اور سفر و حضر میں معمولات کی پابندی اور شب بیداری امت کی دردمندی اور برادران وطن کی فکرمندی دیکھ کر یہ تأثر قائم کرنے میں چنداں پس و پیش نہیں ہوا کہ مولانا واقعتہً "رُهباناً بـالليل وفُرسلناً بالنهار" کا حقیقی مصداق ہیں، مولانا بہت بلند ہمت اور صاحب عزیمت انسان تھے، کیونکہ آپ جس مقام و مرتبہ پر فائز تھے اپنے ہم عصروں کے لیے قابل رشک نمونہ تھے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ رفیق بھائی لوگوں کو حضرت مولانا کے پاس سمجھا بجھا کر لاتے اور لوگوں سے کہتے کہ حضرت کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلو اور ان کی آمد کو غنیمت سمجھو، حضرت مولانا کو خدائے بزرگ و برتر نے دینی دعوت پیش کرنے کا عجیب و غریب ملکہ عطا فرمایا تھا، بہت سادہ انداز میں بات

فرماتے، سچائی یہی ہے کہ ان کی باتوں میں تاثیر کا سرچشمہ ان کا قلب صافی تھا۔

مولانا کو دیگر مقامات پر بھی دیکھنے اور سننے کے زریں مواقع ملے، مگر برہم پور میں سوز وساز، جذب ومستی اور عجیب دردمندی سے باتین بیان فرمائیں کہ لوگوں کے دلوں پر اثر انگیز ثابت ہوئیں، کچھ تو اسی وقت مشرف باسلام ہوگئے اور کچھ لوگوں نے وعدہ کیا کہ ہم غور کریں گے، ہمیں کچھ مہلت دیں، مولانا نے ان کو سمجھا بجھا کر واپس کردیا، اور ان کی ہدایت کے لیے دعائیں بھی کیں، رات میں بھی مولانا الحاح و زاری اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا میں مصروف رہے ؎

اس عالم ہستی میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں
محفل میں تو ہنستے ہیں تنہائی میں روتے ہیں

اس سفر میں آپ کی زندگی کے جو نمایاں پہلو سامنے آئے ان میں سفر میں نماز پنجگانہ کی پابندی کے ساتھ شب بیداری اور اوراد و وظائف کی پابندی اور ملی فکرمندی کو دیکھ کر مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم نے جو کچھ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بارے میں لکھا ہے اس کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، وہ ہمارے حبیب لبیب اور قرآن کے عبد منیب ...... اسی طرح مولانا مجیب اللہ ندوی مرحوم نے بھی مولانا علی میاں ندوی کے ساتھ ایک دعوتی سفر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں مولانا بستر سے غائب تھے، میدان میں نکل کر دیکھا گیا تو ایک طرف سے آواز آرہی تھی اور مولانا علی میاں ندوی بڑے جذب وشوق کے ساتھ علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا تو نہ بن، اپنا تو بن

یہ سفر مختلف نوعیتوں سے بہت ہی سبق آموز اور بصیرت افروز رہا ہے، کیونکہ اس سفر میں مولانا کے اندر جو دین الٰہی کی سربلندی وسرفرازی، اصلاحی فکرمندی، شب

بیداری، سادگی و بے نیازی اور حوصلہ مندی دیکھی وہ دورِ آخر میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، مولانا مرحوم کی مذکورہ صفات کو قریب سے دیکھنے کے بعد یقین ہو گیا کہ آپ کے اندر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی آہ سحر گاہی، نالۂ نیم شبی اور انابت الی اللہ کی کیفیت پوری طرح جلوہ گر ہے، حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رفیق بھائی کے کاموں میں بڑے معترف تھے، رفیق بھائی کا گھر نو مسلم بچوں اور بچیوں کی تعلیمی و تربیتی کارگاہ بنا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ رفیق بھائی کے دعوتی مشن کو خوب سے خوب تر کردے، اور حضرت مولانا کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین۔

اس سفر میں مفتی عبدالرحمٰن ندوی کٹکی بھی بطور خاص ساتھ رہے، وہ ایک متحرک اور فعال عالم دین ہیں، اور حضرت مولانا کے دعوتی واصلاحی اور تعلیمی و تربیتی مشن کے ایک رکن ہیں، جو کٹک میں بچوں اور بچیوں کا تعلیمی ادارہ بھی چلاتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ایک باتوفیق و بافیض عالم ربانی تھے، ان کے علم کی جامعیت، عمل کی پاکیزگی، فطرت کی ارجمندی اور دل کی دردمندی نے ان کو مدارس و مکاتب کی چہار دیواری اور مساجد کے منبر ومحراب سے نکال کر مختلف خطوں میں پہنچایا، وہ ایک وسیع و عریض ملک کو دعوت اسلامی کی سرگرمیوں کا مرکز بنا چکے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بستی کا دورہ

۱۴/۱۵/۳ جون ۲۰۱۳ء کو مولانا نے ایک سفر بستی کا یعنی مشرقی اتر پردیش کا کیا، جہاں بلہر مولوی مقبول احمد ندوی کے مدرسہ فیض العلوم گئے، پھر وہاں سے سئی بزرگ قاری علیم اللہ صاحب کے یہاں مدرسہ ضیاء الاسلام گئے، وہاں سے واپس

ہوئے تو سمریاواں مولانا کفیل احمد ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء کے یہاں گئے، مولانا کفیل صاحب لکھنؤ سے ساتھ تھے، اور ساتھ واپس ہوئے، یہ سفر بھی خالص دینی اور دعوتی تھا، اور جمعہ کی چھٹی سے فائدہ اٹھا کر جمعرات جمعہ کا کیا گیا تھا۔

گجرات کا سفر

انکلیشور (بھڑوچ) میں المرکز الاسلامی اور رویدرا کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے ۲۳-۲۴-۲۵/ جون ۲۰۱۳ء ۲-۳-۴/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ کا سفر کیا، جس کے داعی مولانا محمد موسیٰ ماکروٹ صاحب مہتمم جامعہ تھے اور مولانا عبداللہ جھانجھی صاحب ناظم تعلیمات (فرزند مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی مرحوم) تھے، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی مدظلہ نے بھی اس پروگرام میں شرکت فرمائی، انھوں نے مولانا کی تقریر کی بڑی تعریف کی، حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ مولانا سے ملنے کے لیے تشریف لائے اور بڑے تعلق کا اظہار کیا اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے متعلق کتابچہ بھی پیش کیا جسے مولانا نے بہت پسند کیا، اپنے خدام سے مولانا نے یہ تأثر ظاہر کیا کہ وہ چند بزرگ جن کی خدمت میں جانے کو جی چاہتا ہے ان میں ایک مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب ہیں، مفتی صاحب کو بھی مولانا سے اتنا تعلق تھا کہ وہ ان کے لیے غیر معمولی دعاؤں کا اہتمام کرتے اور فون کے ذریعہ رابطہ قائم کرتے اور مفتی صاحب نے اپنی اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ گجرات کے اپنے علاقہ میں آپ کا دورہ کرائیں، اور مسلسل آپ حضرات کے دورے ہونے چاہئیں، حق بات کہنے والے بہت کم رہ گئے ہیں، مولانا اس سفر میں مولانا عبداللہ جھانجھی کے گاؤں رویدرا بھی گئے، اور علم ودعوت پر بڑا مؤثر اور معلومات افزا عارفانہ خطاب کیا، جس سے سبھی تعلیم ودعوت سے متعلق افراد علماء ومشائخ متاثر ہوئے، جو ڈیڑھ دو ہزار کی تعداد میں جمع تھے، رویدرا، انکلیشور

(بھڑوچ) سے کاپودرا، عالی پور، بڑودا، ترکیسر، وغیرہ بھی گئے، اور ان کا یہ دورہ بڑا کامیاب دورہ رہا۔

سفر سے واپسی پر مولانا غلام محمد وستانوی صاحب (بانی وناظم جامعہ اشاعت العلوم اکل کواں) نے بھی رابطے کی کوشش کی کہ مولانا ان کے پروگرام میں شرکت فرمائیں مگر اس پر عمل نہ ہوسکا۔

پنجاب کا سفر

پنجاب کا سفر جولائی ۲۰۱۲ء (شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ) میں ہوا، شاہ عالم ندوی امرتسری نے جو حضرت مولانا سے جڑے تھے، ان کی دعوت پر ہوا تھا، ان علاقوں میں خاص طور پر تشریف لے گئے جہاں لوگ مرتد ہوئے تھے، اور مسجدیں ویران ہوگئی تھیں، اس سلسلہ میں مولانا نے تعاون کرایا، بوڑیہ، ہریانہ میں بھی اس سفر میں تشریف لے گئے، جہاں پہلے سے پیرجی حافظ حسین احمد صاحب مدظلہ سے قدیم تعلق ہے اور شروع سے ان کے اس علاقے کے بڑے دورے ہوئے ہیں، اسی سے متصل علاقہ ہماچل پردیش کا بھی ہے، وہاں مولانا بار بار جاتے رہتے ہیں، لیکن اس بار یہ سفر ہریانہ، پنجاب کا رہا، ہماچل تشریف نہیں لے گئے، برادرم عبداللہ پرتاپ گڑھی جو مولانا کے ہمرکاب تھے وہ نقل کرتے ہیں:

> ”لکھنؤ سے ٹرین سے سہارنپور تشریف لے گئے، طبیعت بدستور بڑی ناساز تھی، وہاں سے گاڑی سے بوڑیہ پھر بوڑیہ سے گاڑی سے براہ راست امرتسر تشریف لے گئے، وہاں جامع مسجد(۱) میں قیام رہا، پھر صبح ایسے علاقوں کا دورہ کیا جہاں لوگ مرتد ہوچکے تھے، یا اس کی کگار پر کھڑے تھے، ایسے پسماندہ علاقوں کا

---

(۱) جان محمد جو امرتسر کی سب سے پرانی اور تاریخی مسجد ہے۔

دورہ کیا جہاں اسلامی اسکولوں، مدرسوں، مسجدوں، مکاتب کی بڑی ضرورت تھی، اور ان علاقوں میں گئے جہاں مسجدیں کھنڈر ہوچکی تھیں یا منہدم ہوچکی تھیں، سفر بہت پرمشقت رہا، گولڈن ٹیمپل کو تاریخی حیثیت سے دیکھنے کے لئے لوگوں نے اصرار کیا، اصرار پر احاطہ کے اندر گئے تو فوراً باہر نکل آئے اور کفر وشرک کی ظلمت محسوس کرکے فرمانے لگے کہ جلدی باہر چلو بڑی وحشت ہورہی ہے، یہاں بڑی نحوست محسوس ہورہی ہے۔

پھر جلیانوالہ باغ گئے، جہاں بڑی قربانیاں اہل وطن نے خاص طور پر مسلمانوں نے دی ہیں، جب ملک سے برطانوی اقتدار کو باہر نکالنے کی کوشش ہورہی تھیں، لیکن بعد کے مؤرخوں اور ارباب حکومت نے مسلمانوں کی قربانیوں کو یکسر فراموش کردیا، پھر واپسی ہوئی، اور شاہ عالم امرتسری ندوی سے کہا کہ:

''تم کام تیز کرو، اور ہمت وحوصلہ سے کام لو، یہاں کام کے بڑے تقاضے ہیں، اور افراد کم ہیں۔''

اس سفر میں پہلا اسٹاپ دیوبند کیا تھا، جہاں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی اہلیہ محترمہ کی تعزیت ان کے پسماندگان سے کی، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا تعزیتی مکتوب پہنچایا۔

رمضان کے ایام-ارشاد وتربیت کی آخری ساعتیں اور اعتکاف

جو بیماری مارچ کے شروع میں ناگپور میں شدید تکلیف کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی اور یہ تکلیف روز بروز بڑھتی نظر آرہی تھی، رمضان میں عروج کو پہنچ گئی، اسی وجہ سے تراویح مسجد سے الگ اپنے مستقر بنگلہ پر پڑھی جو مولوی ابوعبیدہ ندوی، اور مولوی محمد حسن غانم ندوی، مولانا محمد صادق اکرمی بھٹکلی ندوی کے دو صاحبزادگان نے پڑھائی، دونوں قرآن مجید کے اچھے حافظ وقاری اور نہایت خوش الحان بھی ہیں،

رمضان کا کوئی روزہ نہیں چھوٹا، کوئی نماز بغیر جماعت کے نہیں پڑھی، ختم خواجگان میں بھی روز شرکت کرتے جو عصر بعد کا مسجد کا معمول ہے، لیکن دعا کے لیے خود تیار نہ ہوتے، حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ کی عدم موجودگی میں مولانا بلال حسنی ندوی سے فرمادیتے، کہ تم دعا کرادو، نمازیں مسجد میں ادا کرتے اور کبھی کسی عذر کی وجہ سے مسجد نہ جاسکے تو اپنی جگہ جماعت سے ادا کی، ظہر بعد مجلس ہوتی، کتاب پڑھی جاتی اور بیٹھے رہتے جبکہ شدید تکلیف تھی، اور کچھ فرماتے بھی، اور درس حدیث میں جانے سے پہلے جیسے کتاب تہذیب الاخلاق اٹھا کر دیکھتے تو نیند آنا شروع ہو جاتی جبکہ یہ بات اس سے پہلے کبھی پیش نہ آئی۔

درمیان میں کچھ روز اپنے بھائی مولانا بلال حسنی صاحب سے درس دلوایا، تراویح میں لڑکھڑانے لگتے تھے، لوگوں کے اصرار پر بیٹھ کر بھی پڑھی، لیکن درمیان میں احترام صلوۃ میں کھڑے ہو جاتے اور اتنی ہمت کا ثبوت دیا کہ عشرہ ثانیہ کے پورے ہوتے قرآن شریف تراویح میں مکمل کرلیا۔ مہمانوں کی تکریم حسب مراتب فرماتے رہے، حضرت حکیم افہام اللہ صاحب کی آپ کو بڑی شفقت حاصل رہی ہے، اسی طرح ان کے فرزند اکبر حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ کی بھی حاصل رہی، فرزند اصغر حکیم نعیم اللہ صاحب اپنے فرزند حکیم ندیم اللہ کے ساتھ آئے، جب وہ جانے لگے تو اچھے کھجوروں کا ایک بڑا حصہ ساتھ کردیا، اسی طرح سے اعزہ واقارب میں بھی سامان تقسیم کرایا، اور دوسرے مہمانوں کے ساتھ بھی خوب کیا، فیاضی جوش مار رہی تھی، دریا دلی صاف نظر آرہی تھی، سونا گویا ان کے لیے رخصت ہو گیا تھا، اور دن ورات ایک ہو گیا تھا، ملاقاتیں کرتے، لیکن زبان ذکر سے تر رہتی، اور دل جاری رہتا، اور انفاس کی الگ پوری نگہداشت رکھتے، اور یہ کہ کوئی کام یونہی انجام نہ پائے، اللہ کی رضا اس کے لیے حاصل کرلی جائے، یقیناً ان کو احساس ہو چلا تھا کہ شاید یہ آخری رمضان ہو، لیکن اس کا اظہار کسی عمل سے بھی ہونے نہ دیجئے کہ لوگوں کی

ہمتیں کمزور نہ پڑ جائیں، شفقت عام ہوگئی تھی، ڈانٹ میں بھی شفقت نظر آتی، اور یہ فکر دامن گیر رہتی کہ ان کے کسی مہمان کو تکلیف نہ پہونچے، اور کہیں اگر محسوس کر لیتے تو جمال جلال میں بدل جاتا، خاص طور پر نو واردان اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار نظر آتے، اور چاہتے کہ ان کے لیے کیا نہ کر ڈالیں، آخری عشرہ میں ان نو واردان اسلام کی تعداد سو ۱۰۰ کے قریب پہونچ گئی۔

طبیعت اتنی ناساز تھی کہ اعتکاف کے لیے پس وپیش تھا کہ اعتکاف کی صورت میں مسجد کے احترام میں فرق آسکتا تھا، حالانکہ مولانا نور اللہ مرقدہ کا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد سنت اعتکاف کے معمول پر مداومت تھی، اس بار اس میں فرق آسکتا تھا، اس لیے کہ تکلیف سخت تھی، لیٹ سکتے نہیں تھے، دن ورات جاگنا پڑتا، مگر قریب ترین لوگ بھی پوری کیفیت سے واقف نہ تھے، چند گھنٹوں میں ظہر بعد خدام میں حافظ احمد عبدالرحمٰن صدیق (پسر مولانا احمد عبید الرحمٰن اطہر صاحب) سے پوچھا، بتاؤ حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا معمول اس میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا آخر زمانہ میں معمول نہیں تھا، مولانا نے فرمایا: میں بھی ہردوئی اخیر عشرہ میں گیا، جب حضرت بیمار تھے، تو حضرت مدرسہ کے صحن میں تھے، مسجد میں نہ تھے، پھر پوچھا حضرت حکیم (شاہ کلیم اللہ صاحب) کا معمول کیا ہے؟ انہوں نے کہا قیام گاہ پر تربیت وارشاد کا معمول ہے، مولانا نے فرمایا چلو بڑوں کے طریقہ سے تقویت ملی، خدام نے کہا کہ اس بار آپ نہ بیٹھیں، فرمایا: حضرت مولانا مدظلہ اور گھر والوں سے مشورہ کریں گے، اس لئے کہ اعتکاف کے لئے طبیعت پوری طرح آمادہ نہ تھی، لیکن جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے مشورہ کیا اور وہ بھی اعتکاف کے لئے تیار تھے تو آپ نے بھی اعتکاف کا ارادہ کرلیا، چونکہ مسجد کا احترام بہت زیادہ پیش نظر رہتا تھا، یہ احترام طبیعت کی شدید ناسازی کے باعث بھی پیش نظر رہا، اور رمضان المبارک کے معمولات بھی اسی طرح جاری رہے،

اور رات کا بڑا حصہ عبادت، ذکر، مراقبہ، تلاوت نماز وغیرہ میں گذارتے، تراویح کے بعد بھی لوگ استفادہ کے لئے اور دن کے دوسرے اوقات میں استرشاد اور مشورے کے لئے الگ الگ ملتے، اور انفرادی ملاقات کرتے، سب کا حق سمجھ کر آپ اپنی بیماری اور تکلیف ظاہر نہ فرماتے، البتہ مختلف طریقوں سے مختلف لوگوں پر یہ چیز ظاہر ہو جاتی، لوگ مسائل لے لے کر پہنچتے، آپ کبھی ناگواری کا اظہار نہ کرتے، ہر رمضان میں آپ کی ستائیسویں شب کو تہجد میں بڑی موثر، ایمان کو تازہ کرنے والی، اور اللہ سے تعلق جوڑنے والی دعا ہوتی جس کا لوگوں کو سال بھر انتظار رہتا تھا، اس بار بھی آپ نے دعا فرمائی، اور وہ بظاہر آپ کی رمضان کی آخری اجتماعی دعا ثابت ہوئی، بڑے درد و سوز اور فکر و تڑپ سے دعا کرائی، کہ کام کرنے والوں اور اسلام کا تعارف اور پیام انسانیت کے کام اور غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنے والے متعلقین کے نام لے کر ان کی حفاظت وصیانت اور ان کے کام کی قبولیت اور فروغ کے لیے زبردست دعا کرائی، جو محفوظ رکارڈ ہے۔

اس رمضان میں برما میں اراکان کے مسلمانوں اور ہندوستان میں آسام کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے اس کا آپ کی طبیعت پر بہت زیادہ اثر تھا، آسام کے لیے ایک وفد مولانا خالد بیگ ندوی اور ڈاکٹر صالح کریم (سنجے پانڈے) کی سرکردگی میں روانہ کیا جنھوں نے حالات کا جائزہ لے کر مظلومین کی بڑی مدد کی۔

آپ کے ساتھ اعتکاف کرنے کے لیے نومسلموں کی بڑی تعداد آئی ہوئی تھی، ان میں کیرالا کے ایک بڑے امراض چشم کے ماہر ڈاکٹر صادق بھی تھے، اس کے علاوہ مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد اور علماء وطلبہ تھے، اور آخری راتوں میں تعداد ہزار دو ہزار پہنچ گئی تھی۔ عید آگئی، نماز پڑھانے اور مزید خطبہ دینے اور تقریر کرنے کی یہ ذمہ داری آپ ہی کی تھی، جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ نے آپ پر ڈالی تھی، پہلے نماز پڑھانے کی ڈالی، اور پھر خطبہ کی بھی، حضرت مولانا کے

انتقال کے بعد تقریر کے لیے آپ حضرت مولانا محمد رابع صاحب سے فرماتے لیکن ان کا آپ پر ہی تقاضہ ہوتا، اور اب انہوں نے درمیان خطبہ میں ہی اردو میں ہی پیغام دینا شروع کر دیا، جو بڑا ہی مؤثر اور جھنجھوڑنے والا ہوتا، آپ نے ہمت کر کے یہ پوری ذمہ داری انجام دی، عید ملنے ملانے کا بھی رکھا، البتہ ڈاکٹر جمیل فاروقی، عبید الرحمٰن خاں صاحب، قاضی عتیق احمد صاحب (داماد حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی) اور بھائی اکرم خاں کے یہاں جانے کے معمولات عید پورے کیۓ۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیمی سال کا آغاز

اگر چہ آپ کی طبیعت کسی شغل کو اختیار کرنے کی نہیں تھی، لیکن جو ہمت و حوصلہ اللہ نے آپ کو دیا تھا، اور دینی بات پہنچانے کے جذبہ نے آپ کو درجہ جانے پر آمادہ کیا، لیکن حجۃ اللہ البالغہ، ارکان اربعہ، صحیح بخاری اور قرآن مجید کے گھنٹوں کو لیا، جو چند ہی دن بڑی ہمت کر کے جاری رکھ سکے، لیکن اسی میں طلبہ کو گائڈ لائن دے دی۔ لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کھل جانے کے بعد آپ نے کچھ دن تو تدریس کی ذمہ داری نبھائی، حجۃ اللہ البالغہ بھی شروع کرادی، چند ہی سبق طلبہ نے پڑھے، لیکن گن گاتے رہے، اسی طرح ارکان اربعہ اور تفسیر و حدیث کے گھنٹوں میں بھی گئے، مگر یہ سلسلہ چند ہی دن میں موقوف ہوگیا، طلبہ یہ آس لگائے رہے کہ استفادہ کا موقع ملے گا، اور مولانا صحت یاب ہوجائیں گے، البتہ وہ ہمت کر کے چھوٹے چھوٹے جلسوں میں مقامی طور پر اور قرب و جوار میں تشریف لے گئے، پھر یہ بھی سلسلہ بند ہوگیا، طبیعت میں اتار چڑھاؤ برابر رہتا، اور کبھی معلوم ہوا کہ جیسے طبیعت بالکل صحیح ہوگئی، لیکن رات میں تکلیف روز بڑھ جاتی اور کوئی رات بھی رمضان سے آپ سو نہ سکے، بیٹھ کر رات گزارنی پڑیں، کروٹ لینا بھی محال ہوتا جارہا تھا، بالآخر یہ طے پایا اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا بھی ایماء تھا کہ حضرت مولانا

افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم کی خدمت میں چند دن گزار لیں۔

کاندھلہ کا سفر

لکھنؤ سے کار کے ذریعہ سفر ہوا، درمیان میں مرادآباد اور ہاپوڑ میں کچھ کچھ دیر قیام بھی کیا، ہاپوڑ میں بیماری کا پھر حملہ ہوا، لیکن آیت کریمہ کے دم کرنے سے فوری طور پر فائدہ ہوگیا، قیام جامعہ رحمانیہ پرانا بازار میں تھا، یہاں سے عصر کو چل کر دیر رات میں کاندھلہ پہونچے، جہاں حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم منتظر تھے، لیکن دیر رات ہونے کی وجہ سے حضرت سے ملاقات صبح کی طے پائی، اور ان کے خلف اکبر حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے اپنا مہمان بنا کر پوری خاطر داری اور تکریم کا معاملہ کیا اور ہر طرح کی راحت کا سامان فراہم کیا اور یہ محسوس کرایا کہ وہ اپنے ہی گھر میں ہیں اور واقعہ بھی یہ تھا جو ہم سب کو محسوس ہوا، سفر میں راقم الحروف محمود اور برادران عبداللہ پرتاپ گڑھی، منظار الاسلام مرادآبادی، شفیق خاں صاحب لکھنؤ اور نسیم صاحب جن کی گاڑی تھی ساتھ تھے۔

صبح حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت مولانا نے اپنے قریب کرسی پر بٹھا کر بڑے تعلق کا اظہار فرمایا اور مسلسل ان کی طرف حضرت متوجہ رہے، پھر عصر کے وقت بھی معمول رہا، اور حضرت نے اسی طرح دیر تک اپنے پاس بٹھا کر توجہ ڈالی، اور رفقاء کو کچھ پڑھنے کو کہا تا کہ جو بیماری کے اثرات ہیں وہ دور ہو سکیں، طبیعت ماشاءاللہ بحال ہوگئی، اور چہرہ پر بشاشت ظاہر ہوئی اور کچھ کھانا پینا بھی شروع ہوگیا، پھر متعین دن گزار کر منصور پور، خاں جہاں پور، حسین آباد جہاں مولانا کی پھوپھی مرحومہ کے اعزہ واقارب ہیں مل ملا کر میرٹھ کے راستہ مرادآباد ہوتے ہوئے واپس آئے، منصور پور میں سید محمد مطلوب صاحب نے بہ اصرار اپنے یہاں ٹھہرایا، حکیم یٰسین سے ملاقات کے لیے گئے، جو مولانا کے حقیقی پھوپھا مولانا سید

محمد طاہر منصور پوری مرحوم کے برادر اصغر ہیں، اور سید بختیار صاحب خود ملنے آئے، شاہ جہاں پور میں سید محمد نعمان صاحب اپنے مکان اور مدرسہ پر لے گئے، وہاں سے سید محمد کلیم صاحب کے یہاں گئے،(۱) جہاں ماموں مصطفیٰ رائے بریلوی کی صاحبزادی ہیں، اور سید محمد شارق حسین آباد لے گئے، جہاں ان کے والد چچا وغیرہ جمع تھے، ایک دینی مدرسہ کے قیام کی بات بھی آئی، خدا کرے نتیجہ خیز ہو، میرٹھ کے ایک گاؤں میں ایک بزرگ شخصیت کے پاس گئے، انہوں نے خاص توجہ فرمائی، اور جو اثرات محسوس کئے اس کے ازالہ کی تدبیر کی، وہیں ایک مدرسہ میں طلبہ کو خطاب بھی کیا، حالانکہ طاقت جواب دے رہی تھی، اور بولنا مشکل ہو رہا تھا، واپسی امروہہ، مرادآباد ے راستہ سے تھی، امروہہ میں حکیم شعیب صاحب کو رکھا، مفتی سید محمد عفان منصور پوری استاد جامعہ اسلامیہ امروہہ کے مکان پر گئے، اور پھر کچھ دیر مرادآباد ٹھہرے۔ حکیم شعیب صاحب نے جو حکیم صیانت اللہ صاحب امروہی کے جانشین ہیں گردے کی طرف ہاتھ رکھ کر الٹراساؤنڈ کے لئے کہا، اور جانچیں بتائیں تھیں، چنانچہ مرادآباد میں ڈاکٹر علاء الدین صاحب نے یہ جانچیں کروئیں جہاں قیام تھا اور پھر بریلی میں اپنے ایک متعلق ماہر ڈاکٹر کو فون کرایا انہوں نے الٹراساؤنڈ کیا، اور رپورٹ دیکھ کر کچھ شبہات کا اظہار کیا، لیکن جانچوں سے یہ خدشات دور ہو رہے تھے، البتہ الٹراساؤنڈ کی رپورٹ تشویش کا باعث تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے الٹراساؤنڈ کی رپورٹ دیکھ کر کچھ علامتیں ملائیں اور سبب ایک بھی موجود نہ تھا، اس کی وجہ سے داکٹر صاحب کو فکر ہوئی کہ کیا ماجرا ہے؟ لیکن انھوں نے دہلا دیا تھا، مگر حضرت مولانا کا ایمان ویقین تھا کہ انھوں نے جس اطمنان سے ہم لوگوں کو ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بتائی کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں، فرمایا لکھنؤ جا کر اپنے معالجین ڈاکٹر کوثر عثمان صاحب (لکھنؤ) ڈاکٹر جمیل صاحب (رائے

---

(۱) افسوس کہ سید محمد کلیم خاں جہانپوری کی بھی کچھ ہی عرصہ کے بعد وفات ہوگی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

بریلی) سے مشورہ کریں گے اور مزید الٹرا ساؤنڈ کرالیں گے، یہاں سے چلو، راستہ میں ایک مقام پر تھوڑا رکے، پھر سیتاپور میں کچھ دیر قیام کیا اور اپنے مدرسہ گئے، جو شفیق سیتاپوری اور مولوی ناظم ندوی کی نگرانی میں مولانا کی سرپرستی میں چل رہا ہے، یہاں عشاء کی نماز پڑھی پھر لکھنؤ واپس ہوئے، راستہ سے گھر والوں کے لیے کھانے وغیرہ کی چیز خریدی، سفر سے لوٹتے وقت مولانا گھر والوں کے اس حق کا خیال رکھتے تھے۔ لکھنؤ واپس آکر مزید ماہر معالجین سے رابطہ قائم کرکے دوا شروع کی گئی۔

برادرم عبداللہ کہتے ہیں کہ:

> ''اسی درمیان میں نسیم بھائی سے حضرت مرحوم نے فرمایا کہ ان بزرگوں سے ملنے کا فائدہ ابھی نہیں زندگی کے آخری لحات میں محسوس ہوگا۔''

اس کا پس منظر یہ تھا کہ ان کے بعض مشاغل اور مصروفیات تھیں جن کی وجہ سے ان کو جلد واپسی کا تقاضا تھا، ان کلمات سے حضرت نے ان کو تسلی دی؟

ڈاکٹر صالح کریم صاحب کو فون کرکے مرادآباد کے ڈاکٹر علاء الدین سیفی اور ڈاکٹر مشاہد علی نے اپنی تشویش سے آگاہ کیا اور کہا مزید اچھے ڈاکٹر سے فوراً رجوع کرلیا جائے، پھر ڈاکٹر نسیم جمال صاحب سے دوبارہ الٹرا ساؤنڈ کرایا اور مرض بڑھا ہوا نظر آیا، اس لیے سٹی اسکین کا مشورہ ہوا جو میڈیکل کالج میں کرایا گیا اور اس کی رپورٹ ڈاکٹر کوثر عثمان کو دکھائی، ڈاکٹر کوثر عثمان صاحب بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے گردے کے اسپشلسٹ ڈاکٹر دلیلا سے فون پر بات کی اور کہا کہ اس میں دیر کرنے کی ضرورت نہیں، ہم خود چلیں گے، ہم نے فوراً بھائی محمد میاں کو فون کرکے گاڑی منگائی پھر مولانا ڈاکٹر کوثر عثمان کے گھر گئے۔

پھر ڈاکٹر کوثر عثمان نے خصوصی طور پر مولانا کو ڈاکٹر دلیلا کو دکھایا اور آپس میں مشورہ کے بعد ممبئی میں ٹاٹا میموریل اسپتال لے جانے کو کہا، اس کے بعد اگلے ہی

دن ممبئی روانہ ہوئے۔

ممبئی کا سفر

ممبئی جانے سے پہلے مولانا رائے بریلی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

ڈاکٹر صالح کریم سنجے پانڈے کہتے ہیں: ممبئی میں ہم لوگوں کی پریشانی دیکھ کر جو رپورٹوں کے آنے کے بعد اور ڈاکٹر کے مشورہ کے بعد زیادہ ظاہر ہو رہی تھی شام کو مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے مکان پر مولانا نے فرمایا:

> ''ڈاکٹر صاحب آپ پریشان کیوں ہیں، موت تو برحق ہے، علاج چونکہ سنت ہے، سنت سمجھ کر میں اسے کر رہا ہوں، اور پھر ہم سب کی طرف مخاطب ہو کر پرزور انداز میں فرمایا کہ آپ سب لوگ اپنے ایمان کو درست کیجیے، ہمارا ایمان و یقین ایسا نہیں ہونا چاہیے، سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، موت برحق ہے، اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔''

پھر اگلے دن مزید جانچیں کروائی گئیں، اور پھر ہم لوگ بقرعید سے پہلے لکھنؤ واپس آگئے، لکھنؤ آکر مولانا نے ہم سے پوچھا کہ صحیح بتائیے کہ رپورٹ کیا ہے؟ میں اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکا، مولانا نے فرمایا پریشان نہ ہوئیے، مجھے بالکل پریشانی نہیں ہے۔

وسط اکتوبر ۲۰۱۲ء (ذی قعدہ/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ) میں ممبئی کا سفر ہوا، اور اس سفر میں جو فوری طور پر جہاز سے طے پایا تھا، لکھنؤ سے مولانا بلال حسنی، ڈاکٹر صالح کریم اور برادران عبداللہ اور عمران ندوی ممبئی ساتھ گئے، اور بنگلور کے مولانا خالد بیگ ندوی جن کے ڈاکٹروں سے اچھے روابط ہیں، اور حضرت مولانا سے خاص تعلق ہے آئے، اور قیام مولانا اسماعیل بھولا صاحب ندوی کے مکان پر رہا۔

انہوں نے اپنا پورا گھر خالی کر دیا تھا، اور پھر ٹاٹا ہاسپٹل میں جو ہندوستان کا سب سے بڑا ہاسپٹل ہے، ۱۸ ار اکتوبر ۲۰۱۲ء کو دکھایا اور جانچیں ہوئیں اور کچھ جانچیں ناناوتی میں ہوئیں، درمیان میں ایک بڑے ڈاکٹر نے جو ٹاٹا ہاسپٹل کا سب سے بڑا ڈاکٹر تھا کچھ ایسی باتیں مایوسی کی کیں کہ حضرت مولانا کو جلال آ گیا، حالانکہ رفقاء اور تیماردار بڑے فکر مند اور پریشان تھے، لیکن حضرت مولانا سکون واطمینان کے پہاڑ تھے، فرمایا کہ آج لوگوں نے سب کچھ ڈاکٹروں اور دوا کو سمجھ لیا ہے، اسباب پر نگاہ پہلے اور مسبب الاسباب سے توجہ ہٹ گئی ہے، یہ عقیدہ کی خرابی کی بات ہے، موت وحیات کا معاملہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، اور شفاء دینے والا بھی وہی ہے، کہاں سے کیا راستہ اللہ نکالے یہ اس کے علم میں ہے، اس لئے اللہ سے لو لگانی چاہئے اور بے تکی باتیں نہیں کرنی چاہئے، مولانا نے ڈاکٹر کے سامنے بھی سخت بات کہی اور بعد میں مولانا خالد بیگ ندوی، ڈاکٹر صالح کریم (سابق سنجے پانڈے) کی طرف متوجہ ہو کر انہیں بھی تنبیہ کی۔ مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے یہاں قیام میں مجلس بھی ہوئی، مولانا بڑے منشرح رہے اور اصلاح وتربیت کی بڑی مفید باتیں ارشاد فرماتے رہے۔ ادھر طب یونانی کا علاج مولانا اسماعیل بھولا نے شروع کرایا۔

روانہ ہونے سے ایک دن پہلے ایک جانچ جو رہ گئی تھی اور غیر ضروری تھی مگر احتیاطی تدابیر کے تحت کرالینے کی رائے آئی اور مولانا نہ چاہتے ہوئے مجبور ہو گئے، اس کے بعد طبیعت پر شدید اثر پڑا اور ایک قے ہوئی، پھر کھانے کی اشتہا ختم ہو گئی اور کھانے سے چڑھ ہو گئی، اور کھانا آتے ہی بو محسوس کرنے لگے، ایک الرجی سی ہو گئی تھی، جو مسلسل بڑھتی گئی، اور سبھی تدابیر کی گئیں مگر ان میں کامیابی نہ ملی۔

مجلسی افادات بر مکان اسماعیل یاسین بھولا ندوی

حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ممبئی علاج کے لیے اس وقت تشریف لے گئے جب کاندھلہ سے واپسی پر بریلی میں الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ

تشویشناک ظاہر ہوئی، اور لکھنؤ میں رپورٹوں نے اس کی تصدیق کی تو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مشورہ کے بعد فوری طور پر ممبئی جانے کا فیصلہ کیا گیا اور قیام کی صورت مولوی اسماعیل یاسین بھولا ندوی جوگیشوری کے مکان پر بنائی گئی، چھ دن قیام رہا، عصر بعد مجلسیں ہوتیں جس میں تبلیغی جماعت کے کارگزار افراد، علماء اور تاجر پیشہ لوگ اور دوسرے اہل تعلق شریک ہوئے، ان مجلسی افادات کو مولانا اسماعیل یاسین بھولا ندوی نے راقم سے بیان کیا جو پیش کیے جا رہے ہیں، فرمایا:

''ہمارے حضرات کو تقویۃ الایمان پڑھنے کی سخت ضرورت ہے کہ ان کے اندر شرک داخل ہو جاتا ہے، اور وہ محسوس بھی نہیں کر پاتے، جیسے بزرگوں کے پاس جاتے ہیں تو یہ یقین کر لیتے ہیں کہ کام بن ہی جائے گا، حالانکہ کام بنانے والا صرف اللہ ہے، اور اللہ نے کیا فیصلہ کیا ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔''

ایک موقع پر دعوت و تبلیغ سے جڑے افراد ملاقات کے لیے آئے، دوران گفتگو بہت سی ایسی باتیں زیر تذکرہ آئیں جو قابل اصلاح معلوم ہوئیں تو فرمایا:

''ہمارے اکابر روک ٹوک کرتے تھے اور تنبیہ فرماتے تھے اور یہ ضروری ہے، علماء کے لیے بھی، داعیوں مبلغوں کے لیے بھی، اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور ہر دور میں رہے گی، اس کی مثال یوں سمجھیے کہ سر کے بال ہوں، ہاتھ پیر کے ناخن، کاٹے دونوں جائیں گے، اگر نہ کاٹے جائیں تو اس شخص سے لوگوں کو تنفر ہو جائے، اسی طرح ہمارے اداروں جماعتوں اور تحریکوں کا حال ہے کہ جو چیز حدود سے نکلے گی تو اس کو چھانٹا جائے گا۔''

ایک مجلس میں کھانے کے بعد جبکہ کھانے کی مجلس برخاست نہیں ہوئی تھی،

اس میں کئی واقعات سنائے اور فرمایا:

"کسی شہر یا علاقہ میں جاتا ہوں تو میں وہاں پوچھتا ہوں کہ کوئی ایسا اہل اللہ ہو جس کو لوگ پہچانتے نہ ہوں، ان سے جا کر میں ضرور ملتا ہوں، اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے، ایک ایسے بزرگ کا دیوبند میں پتہ چلا معلوم ہوا کہ وہ پورے دن تلاوت قرآن کریم کرتے ہیں، اور ملتے جلتے نہیں، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء میں تھے، حضرت مولانا علی میاںؒ اور ان کے بڑے بھائی میرے دادا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کی نسبت سے جن کا حضرت مدنیؒ بڑا خیال فرماتے تھے، مجھے ملنے کی اجازت دی اور توجہ و شفقت فرمائی۔(۱) ایسے ہی مکہ مکرمہ میں ایک شامی بزرگ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، (۲) مجھ کو ہمیشہ اس کی فکر رہی، کس کی دعا لگ جائے اور کام ہو جائے۔"

چونکہ یہ سفر علاج کے تعلق سے ہوا تھا، ڈاکٹر صالح کریم (سابق ڈاکٹر سنجے پانڈے) جو لکھنؤ سے ساتھ آئے تھے نے آ کر عرض کیا کہ آج اسی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ ہے جو سب سے بڑا ہے اور اس مرض کا (جس کی تحقیق کے لیے سفر ہوا ہے) اسپشلسٹ ہے، آسانی سے وقت نہیں دیتا، ڈاکٹر صالح کریم اور مولوی خالد بیگ ندوی بڑے خوش خوش بتانے لگے، حضرت کو جلال آ گیا اور توحید پر بولنے لگے اور ایسے حقائق بیان کیے کہ سب دنگ رہ گئے اور فرمایا:

"کہیں اس سے کچھ ہوتا ہے، نہ چھوٹا ڈاکٹر نہ بڑا ڈاکٹر، نہ یہاں کا نہ وہاں کا، شفا بس اللہ کے ہاتھ میں ہے، علاج و معالجہ میں آج کل بہت غلو سے کام لیا جا رہا ہے اور اسباب پر لوگوں کو یقین

---

(۱) مولانا محمود صاحبؒ (۲) شیخ سعید طنطاوی اطال اللہ بقاءہٗ (برادر حقیقی علامہ علی طنطاوی مرحوم)

اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ پر اعتماد متزلزل ہو رہا ہے حالانکہ سارے
اسباب اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔''

فرمایا:

''جو لوگ ارشاد و تربیت کا کام کرتے ہیں ان کو مال والوں سے
روابط نہیں بڑھانے چاہئیں اور ان کو حضرت مولانا اشرف علی
تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔''

ایک بزرگ کا ایک ملفوظ سناتے ہوئے اس پر تعلیق فرمائی کہ ایک بزرگ کی بات ایک بزرگ نے نقل کی کہ تین کتابیں الہٰی ہیں، قرآن مجید، بخاری شریف اور مثنوی مولانا روم۔ فرمایا:

''ہمیں یہ بات مناسب نہ لگی، اس کی تاویل کی جائے گی، ان کی
مراد رہی ہوگی کہ اللہ کی کتابوں میں قرآن مجید کی نظیر نہیں، انبیاء
کے کلام میں حدیث کے مجموعوں میں بخاری شریف کی مثال
نہیں اور بزرگوں اور مصلحین کی کتابوں میں مثنوی (مولانا
روم) کا جواب نہیں۔''

ممبئی کے قیام میں حضرت مولانا کی طبیعت بڑی ہشاش بشاش رہی، سارے ٹسٹ جو اعلیٰ سے اعلیٰ تھے، مولانا کے نہ چاہتے ہوئے کرائے گئے تھے، آخری ٹسٹ نیوکلیر ٹسٹ بھی کرایا گیا تھا جو اندیشے تھے وہ بالکل سامنے آچکے تھے، ایک ڈاکٹر نے منھ پر کہہ دیا تھا کہ اب آپ کی زندگی پوری ہوگئی، کینسر کا آخری اسٹیج ہے، لیکن وہ سکون وطمانیت کے پیکر بنے رہے، درد دور کرنے کی دوا بھی نہیں کی، اور نہ نیند کی دوا لی، اللہ پر ان کا جیسا یقین وایمان اور تقدیر پر راضی برضا رہنا جیسا دیکھا گیا اس کی مثال نہیں ملتی، کھانا بھی رغبت سے کھایا، اور طبیعت میں بہت انشراح رہا، اس کا تذکرہ گھر واپس آکر بھی کیا۔

اہل تعلق کی بے قراری اور دعاؤں کا غیر معمولی اہتمام

ممبئی کے سفر اور وہاں کے ٹسٹ وغیرہ کی رپورٹ کی خبر اڑتی پڑتی قریب و دور اہل تعلق اور دور دراز جگہوں اور ملک و ملک سے باہر تک پہونچ گئی، فون آنے شروع ہوئے، اہل تعلق نے حرمین شریفین، منی، عرفات سے بھی فون کئے، دعاؤں کے غیر معمولی اہتمام کی خبریں موصول ہوتی رہیں، مشائخ نے بھی اس کا بڑا اہتمام کیا، حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب بھی حج پر تھے اور فرماتے تھے ہم نے بہت دعائیں کیں، اور کوئی جگہ اور کوئی قبولیت کا وقت نہیں چھوڑا، کہ دعا نہ کی ہو، یقیناً اس کا ان کو آخرت میں برا فائدہ پہونچے گا، اور یہاں دنیا میں ان کے مشن کو فروغ حاصل ہوگا، مشورے بھی لوگوں نے علاج و معالجہ کے طرح طرح کے جس کے جو علم و تجربہ میں تھا دیا، اور جس سے جو فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا اٹھایا بھی گیا، لیکن اللہ کی طرف سے جو طے اور مقرر تھا گاڑی اسی رخ پر چلتی رہی۔

مرض وفات

مرض وفات کی مدت جب سے وہ ظاہر ہوا چھ ماہ نظر آتی ہے، متعدد باوثوق ذرائع و عوامل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی، آپ پر سحر کا غیر معمولی اثر ہے، اس کے ذریعہ آپ کو اس سنت نبوی سے بھی گذرنا تھا جو مسحور ہونے کی غیر اختیاری سنت تھی، اس کے لئے جو علاج کے طریقے بس میں تھے وہ اختیار کئے گئے، لیکن مرض کی جو صورت قائم ہو چکی تھی اس کے علاج کی کوئی صورت کارگر نظر نہ آئی، اور ایلو پیتھ، ہومیو پیتھ، یونانی جس ڈاکٹر، حکیم کی طرف رجوع کیا گیا وہ اس حد تک تو علاج پر تیار رہا کہ اللہ نے اگر چاہا تو شفا ہو سکتی ہے، ایلو پیتھ میں بڑے سے بڑے ڈاکٹر کی طرف جب رجوع کیا گیا، تو ان ڈاکٹروں نے بہت غیر مہذب انداز میں بڑی صراحت سے کہہ دیا کہ اب آپ کی زندگی پوری ہو چکی ہے، آپ نے اس کا کوئی اثر لینے کے

بجائے اپنے تیمارداروں سے کہا کہ کیا یہ جلد سے جلد مارنے والے ہیں، ان کے پاس ہمیں لائے کیوں، ڈاکٹروں پر جو یقین کی کیفیت، علاج ومعالجہ پر جو اعتماد کا حال آج کل ہوتا جارہا ہے اور اس کے نتیجہ میں اللہ پر اعتماد ویقین کمزور ہو رہا ہے، اس کی آپ کو برابر فکر رہتی تھی، اس لئے علاج پر غیر معمولی صرفہ کو آپ جائز نہیں سمجھتے تھے، اور علاج پر علاج کی طرف بھاگنے اور گھبرا کر مہنگے سے مہنگے علاج اختیار کرنے کی آپ مذمت کرتے تھے، اور جب آپ نے یہ دیکھا کہ لوگ آپ کے ساتھ ایسا کرنے جارہے ہیں، تو ایک روز ایک تیماردار مولوی خالد بیگ ندوی کو ہاتھ پکڑ کر صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ایسا کسی صورت میں ہونے نہ دینا اور نہ ہی ایسا علاج ہونے دینا کہ جس سے ہماری شرعی ہیئت متاثر ہو اور داڑھی وغیرہ قائم نہ رہ سکے۔ البتہ پڑھنے پڑھانے، قرآنی آیات اور سورتوں کے سننے سنانے کا خوب معمول رکھا، صبح فجر کی نماز کے بعد فوراً فوراً قرآن مجید سنتے، سورۂ بقرہ مولوی محمد طارق اکرمی ندوی (فرزند اصغر مولانا محمد صادق اکرمی ندوی بھٹکلی) دار العلوم ندوۃ العلماء سے آکر سناتے، جب زیادہ ٹھنڈک بڑھی تو شفقۃً انہیں سویرے آنے سے روک دیا، اور دوسرے وقت آنے کو کہا، چنانچہ وہ مغرب کی نماز فوراً بعد سنانے لگتے، کچھ دن تک دوسرے وقت سنانے کا معمول حافظ احمد عبد الرحمٰن صدیق حیدرآبادی نے بھی جاری رکھا، مولوی رضوان نستار بھٹکلی مولوی نظار الاسلام ندوی مرادآبادی، اور حاجی عبد اللہ پرتا بگڈھی، ساتھ ہی رہتے، اور خدمت کرت، اور جب مولوی افضل منی پوری ندوی منی پور سے آگئے تو دن کا حصہ اور پھر شام کا ابتدائی حصہ گذارتے اور کبھی پوری رات بھی، اور جو آخری دن اسپتال میں گذرے، ان میں شفیق سیتاپوری، مولوی جمال سلطان پوری ندوی، ڈاکٹر صالح کریم نے بھی بڑا وقت دیا، اور خوب دعائیں لیں۔

ایک بڑی چیز جس کا خیال مولانا کی زندگی میں بہت دیکھا وہ ان آخری ایام میں اور بڑھ گیا تھا، ایک آداب کا خیال خاص شعائر اللہ کا ادب قرآن مجید کسی نے

لگا دیا کہ سنیں گے فرحت ہوگی، لیکن انہوں نے باتوں کی آواز سنی تو جلال آیا، قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو اور بیچ میں آوازیں، ثواب کے بجائے گناہ ہوگا، اور بند کرادیا، دوسرا سنتوں کا خیال، دائیں، بائیں کا فرق اور اس کا لحاظ واستحضار، سلام اور دوسرے حقوق کا خیال، بڑے چھوٹے کا فرق، پرانے تعلقات کا پاس، کمزوروں، غریبوں، اور تعلق رکھنے والوں کی فکر اور عزیزوں کا خیال وغیرہ، ذرا بھی اس میں غفلت نظر نہ آتی، اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور شفقت علی الخلق کا وصف بہت نمایاں ہوگیا تھا، نماز میں جماعت کا ہمیشہ خیال رکھا، اس بیماری میں آخر تک اس کی مداومت رکھی، اور آخری دنوں اسپتال میں مولانا بلال صاحب امامت کرتے، اور ہم میں سے بعض لوگوں کو بھی ان آخری دنوں میں ساتھ نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہو جاتی۔

آخری امامت

عیدالفطر کے بعد کمزوری بڑھتی چلی گئی تھی، عیدالاضحیٰ میں کمزوری اس حد تک بڑھ گئی کہ نماز پڑھانا مشکل ہوگیا، تقریر نہ کر سکے، کسی طرح مختصر خطبہ دیا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے تقریر کی، دوسرے ہی دن پھر کاندھلہ تشریف لے گئے ۱۴۱۶ھ کے روزنامچہ میں عیدالاضحیٰ کی تکیہ شاہ علم اللہ میں امامت کے تعلق سے راقم نے جو لکھا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے انہوں نے سترہ سال مع خطبہ کے نماز پڑھائی، اور اس سے پہلے امامت دو سال قبل سے کرنے لگے، روزنامچہ میں جو مذکور ہے وہ اس طرح ہے: ''نماز عید اب حضرت (یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) نے پڑھانی ادھر ۲-۳ سال سے چھوڑ دی ہے، خطبہ دے دیا کرتے تھے، اب کی سے وہ بھی چھوڑ دیا، اور مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب نے ہی خطبہ دیا، لیکن حضرت مدظلہ نے اس کے بعد ایک مؤثر اور ایک دلنشیں تقریر فرمائی'' (روزنامچہ ۱۴۱۶ھ بقلم مصنف) اس آخری بار بھی کچھ اسی طرح ہوا، نماز وخطبہ حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے دیا، اور تقریر دلپذیر

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے فرمائی۔

کاندھلہ کا دوسرا سفر

عید الاضحیٰ کے دوسرے دن برکۃ العصر حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی کی خدمت میں تشریف لے گئے، مولانا نور الحسن راشد صاحب نے اپنا مہمان بنایا، ماشاء اللہ وہاں جا کر بھوک کھل گئی اور طبیعت بہتری کی طرف مائل رہی۔ کاندھلہ کے اس دوسرے سفر میں مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی، برادرم عبد اللہ پرتا بگڈھی، مولوی نظار الاسلام ندوی ساتھ تھے، اور بہت کچھ فائدہ محسوس کر کے واپس ہوئے۔

رائے بریلی کا قیام

کاندھلہ سے واپس آکر رائے بریلی میں قیام فرمایا اور لکھنؤ کے ہجوم سے بچنے کے لئے یہ ضروری تھا، ملنے جلنے والوں سے وحشت ہو رہی تھی، اور اب وہ تنہائی میں انقطاع الی اللہ چاہتے تھے، اور بہت قریبی تعلق والوں (خاص اعزہ واقارب اور خاص رفقاء وخدام) کو ہی اجازت تھی، صحت بڑی مضمحل تھی، تکلیف میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا، اور ہولی (ہندوؤں کے تہوار) کے زمانہ میں مرض نے پھر حملہ کیا، اور تکلیف نے شدت اختیار کی، ادھر جاڑے کا موسم آگیا، ٹھنڈک بڑھنے لگی، ضرورت تھی کہ جگہ بدلی جائے اور کچھ دوسرے ماہر معالجوں سے بھی مشورہ کیا جائے۔ رائے بریلی کے زمانۂ قیام میں تحفیظ القرآن تکیہ، ضیاء العلوم میدان پور کے بعض پرانے اساتذہ اور بعض نیازمند حاضر خدمت ہوئے اور کوئی نہ کوئی ملنے کے لیے یہاں بھی پہونچ جاتا، مولانا بلال صاحب پوری تیمارداری کرتے۔ یہ ماہ نومبر ۲۰۱۲ء مطابق ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ کے ایام تھے، رائے بریلی کے اسی قیام میں ۱۳؍نومبر کو قریبی عزیز اور رشتہ کے ماموں وچچا سید مصباح النبی حسنی نے رحلت فرمائی، مولانا نے علالت وضعف کے باوجود نماز تدفین میں شرکت فرمائی۔

تمکور (بنگلور) کا سفر

دسمبر ۲۰۱۲ء کے دوسرے اور محرم الحرام ۱۴۳۴ھ کے تیسرے ہفتہ میں آب وہوا بدلنے کے لئے ایک سفر تمکور (بنگلور) کا طے پایا اور ایک ہفتہ قیام کیا، ہومیو پیتھ کے ایک ماہر معالج کو بھی دکھایا اور ان کی دوا چلنی شروع ہوئی جو آخر تک جاری رہی، اور شموگہ کی طرف بھی ایک دن تشریف لے گئے اور وہاں بھی ایک معالج کو دکھایا، اور ایک دوا کے ذریعہ وہ چیز نکالی جو اندر بہت نقصان پہنچا چکی تھی۔ وہ چیز کسی نے حسد وعداوت میں کھلائی تھی جس میں سمیت تھی، اس اعتبار سے آپ کا معاملہ اپنے جد امجد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مشابہ رہا۔

کرناٹک میں مولوی خالد بیگ ندوی میزبان رہے، اور تیماردار بھی، بنگلور گذرگاہ تھا، تمکور میں قیام تھا، جو بنگلور سے متصل شہر ہے، مولوی خالد بیگ صاحب کے مکان کا سنگ بنیاد رکھا اور دعا فرمائی، چونکہ مولوی خالد بیگ ندوی مولانا بلال صاحب کے مشورہ سے حضرت مولانا کے علاج کے لیے معالجین سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے اس لیے ان کو مولانا علیہ الرحمہ نے ایک خاص نصیحت بلکہ وصیت یہ کی کہ کوئی ایسا علاج یا عمل ہرگز نہ ہونے دیں جس سے ان کی شرعی ہیئت پر ذرا بھی اثر پڑے، اور کوئی ایسی دوا کی خوراک نہ دی جائے جو ذرا بھی مشکوک ومشتبہ ہو، اور کوئی ایسا عمل نہ ہو جس سے حیا متاثر ہو، اس لئے کوئی ایسا علاج بڑے مشورے کے بعد تیمارداروں نے شروع کیا، جس کے شروع ہونے سے ظاہری طور پر فائدہ زیادہ متوقع تھا، اور کوئی ظاہری جسمانی وشرعی نقصان نہیں تھا، حضرت مولانا نے توکلا علی اللہ عزیمت کو اختیار کیا اور صبر ورضا کا دامن مضبوطی سے تھام لیا۔

بنگلور سے واپسی اور رائے بریلی کا قیام

رائے بریلی کا قیام یکسوئی کے لئے اور شہری آب وہوا سے بچنے کے لئے

اختیار کیا گیا، جو زندگی بھر کے معمولات تھے وہ جاری رکھے، اور فرق نہ آنے دیا، قلبی ذکر بھی برابر جاری رہتا، جہری ذکر بھی جاری رکھا، آواز اور مقدار میں صحت کی حد درجہ کمزوری کی وجہ سے کمی کردی تھی، لیکن قلب مسلسل جاری تھا، اور ایک دفعہ فرمایا بھی کہ قلبی ذکر کا فائدہ کھلا ہوا محسوس ہو رہا ہے، مولانا بلال حسنی جن کا قیام رائے بریلی میں رہتا ہے، کھانے پینے، دوا دینے، پھل وفروٹ اور سوپ وغیرہ پیش کرنے کی پوری کوشش کرتے تاکہ قلت طعام کی تلافی ہوسکے، اور دلجوئی میں دیر دیر تک بیٹھے رہتے، اور حالات سے پوری واقفیت کی وجہ سے خدشات سے پریشان بھی ہوتے، لیکن پورے صبر اور استقامت سے کام لے کر تقویت کا سامان فراہم کرتے۔

رائے بریلی کے قیام میں شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم عیادت کو تشریف لائے، جناب انیس پرخاصوی صاحب نے بھی بڑے تعلق کا اظہار کیا، عیادت کو آئے، اور بار بار مزاج پرسی فون کے ذریعہ کرتے رہے۔ ملنے ملانے کا سلسلہ یہاں بڑا محدود رہا، آپ میں اس کی طاقت بھی نہیں تھی، بعض بڑے مانوس لوگ ہی آسکتے تھے کہ جن کے بیٹھنے سے طبیعت پر بوجھ نہ ہو۔

لکھنؤ کا قیام

رائے بریلی سے لکھنؤ تشریف لائے، پھر دوبارہ رائے بریلی نہ گئے، اور گھر پر ہی قیام رہا، متلی کا سلسلہ شروع ہوا، اور چونکہ پیٹ میں کچھ ہوتا نہیں تھا اس لئے نکلتا بھی نہیں مگر اندر سے نکلنے کا تقاضہ ہوتا، اور اس کی وجہ سے بڑی آواز نکلتی، اور آپ برداشت سے کام لیتے، اور چاہتے کہ ان کی تکلیف اور بیماری دوسروں پر ظاہر نہ ہو، خاص طور سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی تشریف لاتے تب آپ بڑی مستعدی دکھاتے، لیٹے ہوتے تو بیٹھ جاتے، اور اکرام میں کھڑے بھی ہوجاتے تاکہ ظاہراً اپنے کو ٹھیک ثابت کریں، اور یہ حضرات

پریشان نہ ہوں، عیادت کے لیے آنے والوں کا سلسلہ بھی جاری رہا، دور قریب شہروں سے اہل تعلق آتے رہے، مولانا معین اللہ ندوی مرحوم کے صاحبزادگان اندور سے تشریف لائے، بھوپال سے بھی اہل تعلق آئے، ہاپوڑ سے مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی مہتمم جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ (۱) خود مریض ہونے کے باوجود بلکہ فالج زدہ مریض ہونے پر اپنے صاحبزادہ مولوی خلیق الرحمٰن ندوی کے ساتھ تشریف لائے، ان سب کے اکرام کی آپ کو بڑی فکر رہی۔ چوں کہ آپ کا باہری ہال میں قیام جو آپ کی نشست گاہ رہتی تھی گو یہ مجلسی سلسلہ آج کل موقوف تھا، ہم کو بلا کر متوجہ کیا کہ مفتی صاحب آئے ہیں، ان کے آرام کا اور کھانے کا ناشتہ کا ہر چیز کا پورا خیال رکھنا والد صاحب کو بھی اکرام ضیف کا بڑا خیال رہتا تھا، انہوں نے مزید بڑی تاکید کی، اور خود ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھایا، انہی دنوں مولانا توحید عالم ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء ملنے آئے، اور وہ جماعت میں چار ماہ کا تین چلہ لگا کر آئے تھے، انہوں نے مولانا کو وہ بنگلور میں عرب اسٹوڈنٹ سے بھی مل کر آیا ہوں، اور ان میں کام کیا، اور دیگر علاقوں کی کارگزاری سنائی، مولانا نے ان سے فرمایا کہ عرب کے نوجوانوں پر کام کریں، ان میں کام کی بڑی ضرورت ہے، یہی لوگ آگے چل کر بڑے عہدوں پر پہونچیں گے، اور ان کا ذہن صحیح ہوگا، تو اس سے دوسروں کا ذہن صحیح ہوگا، ہمارے والد صاحب (مولانا سید محمد الحسنی مرحوم) کو عربوں کی بڑی فکر تھی، اور ان میں کام کا بڑا جذبہ تھا، وہ کہتے تھے کہ اگر عرب قوم سدھر گئی تو اس کے اثرات پورے عالم اسلام پر مرتب ہوں گے، پھر دین کے تمام کاموں کی قدر دانی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ گروہ بندی، عصبیت، حزبیت یہ سب بہت نقصان دہ ہے، اللہ کے دین کی اشاعت مختلف

---

(۱) افسوس کہ حضرت مولانا مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی مہتمم جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ بھی ۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ کو دہلی میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، غفر اللہ لہ ورحمہ رحمۃ واسعۃ وأدخلہ فی جنات النعیم مع الأبرار المتقین۔

شعبے جن میں مدارس، خانقاہ، تربیت گاہیں، اور دینی ودعوتی تحریکات، وغیرہ ان کے نام الگ الگ تعارف اور پہچان کے لیے ہیں، کسی پر طعن کرنا جائز نہیں، اللہ کے یہاں جس کا جو عمل مقبول ہوگا وہ تقویٰ کی بنا پر ہوگا، اور جیسا تقویٰ ہوگا اسی درجہ وہ اللہ کے یہاں مکرم ومعزز ہوگا، اور مولانا نے آیت کا یہ حصہ بھی تلاوت فرمایا "وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا" (الحجرات:۱۳) "اور ہم نے تم کو قبائل وجماعات کی شکل میں اس لیے رکھا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو" قبل ازیں پھر مولانا نے مولانا توحید عالم ندوی سے فرمائش کر کے حضرت سید شاہ نفیس الحسینی نور اللہ مرقدہ کے وہ نعتیہ اشعار سنے جو عشق رسول پیدا کرنے میں مہمیز کا کام دیتے ہیں، اور، مولانا کے آنسو جاری ہو گئے۔

اور انہی ایام میں ایک موقع پر مولانا کے ایک خاص مسترشد مولانا زاہد حسین ندوی جمشید پوری جن سے مولانا چلہ کشی بھی کروا چکے تھے مولوی توحید عالم ندوی کی طرح بڑے خوش الحان قاری اور نظم خواں بھی ہیں، ان سے بھی نعتیہ اشعار کی فرمائش کی تھی، کہ اس کا بھی مولانا پر بڑا اثر پرا، اور ان کی توجہات قلبیہ سنانے والے کو حاصل ہوئیں

دینی حمیت بہت بڑھ گئی تھی، کہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مدارس کے بعض فارغین عربوں سے کاروباری رابطہ قائم کرنے اور دہلی وغیرہ میں عرب مریضوں کو پرائیوٹ اسپتالوں سے جوڑ کر زیادہ سے زیادہ کمانے کی فکر میں ہیں، تو انہوں نے پرجلال انداز میں اپنا یہ موقف ظاہر کیا کہ مدارس ہرگز اس لیے قائم نہیں کیے گئے ہیں مدارس دین وایمان بچانے اور اللہ کی معرفت پیدا کرنے کے لیے ہیں۔

مبارک اور بہت ہی خوش کن تقریب میں شرکت

خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی کے لئے، والد مرحوم سید حسن حسنی صاحب

کے لئے اور سبھی افراد خاندان واہل تعلق کے لئے نہایت خوش کن لمحات وہ تھے کہ سنیچر مطابق ۱۵ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ، ۲۹ ردسمبر ۲۰۱۲ء کو شام کو تقریب تکمیل حفظ قرآن کریم محمد میاں سلمہ کی منعقد ہوئی، مولانا سید عبداللہ حسنی کے یہ فرزند وحید وسعید ہیں، چند دن پہلے محمد میاں کے استاد حفظ وتجوید حافظ وقاری ابرار جلیل صاحب (فرزند گرامی حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب مدظلہ نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی) نے مولانا علیہ الرحمہ سے اس بابت عرض کیا اور ان کی رضامندی سے یہ پروگرام ترتیب دیا، مغرب کی نماز کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم نے قرآن مجید سن کر دعا فرمائی اور سب نے خال معظم کو مبارکباد تہنیت پیش کی، والد صاحب بھی تشریف فرما تھے اور بھی اہل تعلق سے بڑا باہری کمرہ (ہال نما) بھر گیا تھا، مٹھائی بسکٹ، چائے وغیرہ کا نظم تھا، شوگر فری مٹھائی کا بھی نظم ہو گیا تھا، مولانا نے وہ لی اور دوسرے شوگر کے مریضوں کو جو شریک محفل تھے جیسے ان کے برادر معظم، راقم کے والد ماجد سید حسن حسنی اور سید حسین ایڈوکیٹ صاحب وغیرہ کھلائی، احمد آباد (گجرات) کے قاری ارشاد صاحب دہلی کے راستہ سے اپنے رفیق سفر مولوی عبدالباطن ندوی کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ بھی شریک محفل ہوئے، رات میں بریانی کا بھی نظم تھا، افراد خاندان، اہل تعلق یہ مسرت افزا خبر سن کر جمع ہو گئے، اس طرح ایک اچھی تقریب بڑے مختصر وقت میں منعقد ہو گئی، سب کو بڑی خوشی تھی، اللہ تعالیٰ خوب مبارک کرے۔ آمین۔

یہ بات بھی قابل مسرت تھی کہ اور دنوں کے مقابلہ میں آج طبیعت زیادہ بہتر رہی، گجرات اور دہلی کے جو مہمان آئے تھے ان کو اہتمام سے کھانا کھلا کر خود بھی ساتھ میں کچھ تناول فرمایا، مزید اکرام ضیف میں تحفہ کے ساتھ رخصت کیا۔

دوسرے دن کلکتہ کے ایک عالم عیادت کے لیے آئے، ان کے ساتھ مولوی عبدالعلیم ندوی ساتھ تھے، ان کی بھی بڑی فکر رکھی اور قیام وطعام کا اچھا بندوبست کرایا۔

برادر معظم سید حسن حسنی کا حادثۂ وفات

راقم کے والد ماجد جناب سید حسن حسنی جو مولانا کے برادر معظم (بڑی پھوپھی کے بڑے صاجبزادے) تھے اور مولانا مرحوم سے ٹھیک دس سال بڑے تھے ان کی طبیعت گذشتہ سال بھر سے بڑی ناساز تھی، اور قلب بڑھ جانے، پھیپھڑے میں پانی آجانے، جگر میں ورم، اور گردہ کے متاثر ہونے سے تکلیفوں میں اضافہ ہوتا گیا تھا، لیکن ان دنوں جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ بنگلور علاج کے لئے گئے تھے، والد صاحب دہلی جا کر اسکارٹ میں دو دن رہے اور پٹنہ میں جا کر دکھایا تو قدرے افاقہ ہو گیا تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی علالت کی بھی بڑی فکر تھی اور وہ اپنی تکلیف کے باوجود ان کی تیمارداری کو آتے، لیکن پھر جب والد صاحب نے راحت محسوس کی، اور اس کا اظہار کیا کہ کیسا کیسا علاج کرایا مگر فائدہ نہ ہوا، اللہ کا حکم ہوا ایک ہی بار میں سب تکلیفیں دور ہوگئیں، پھر حضرت والد ماجد اہتمام سے حضرت مولانا کی خدمت میں آ کر بیٹھنے لگے، اور دو تین گھنٹہ اور رات میں ایک آدھ گھنٹہ ان کے پاس خاموش بیٹھتے اور ایک بڑی نیکی "کونوا مع الصادقین" پر عمل کرتے، 'صحبت صالح ترا صالح کند' کا فائدہ اٹھاتے۔ عیادت مریض اور اللہ تعالی کے لیے اپنے بھائی سے ملاقات پر جو اجر وثواب ہے وہ نفع حاصل کرتے،، ایسے شخص کے لیے حدیث میں آتا ہے کہ اس کے لیے منادی آواز لگاتا ہے یعنی غیب سے اس کو دعا دی جاتی ہے،" طبت وطاب ممشاك وتبوأت من الجنة منزلا"(سنن ابن ماجة:۳ ؍ ۱٤) کیا کہنے تمہارے! تمہارا چلنا مبارک، تم نے جنت میں اپنا ٹھکانا بنالیا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ دعا ان پر صادق آئی، اور ایمان کے ساتھ انھوں نے جان جان آفریں کے سپرد کردی، نئے سال کا آغاز تھا اور اس کا دوسرا دن تھا اسلامی تقویم کے دوسرے ماہ صفر المظفر کی ۱۹؍تاریخ اور بدھ کا دن تھا، عمر ۶۶ سال تھی۔

منگل ۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ مطابق یکم جنوری ۲۰۱۳ء کو حضرت مولانا

عبداللہ حسنی کی طبیعت زیادہ ناساز رہی، اوران پر تکلیفوں کے سخت حملے ہوئے، اس دن رات کو میں دیر تک انہیں کے پاس رہا، اور والد صاحب نے ان کے پاس ان کی طبیعت کی ناسازی کو سن کر رات میں آنا چاہا، مگر اس خیال سے ان سے باہری حصہ میں قیام گاہ کے قریب آکر واپس چلے گئے کہ کہیں سو نہ گئے ہوں، والد صاحب کو رات میں مسلسل فکر لگی رہی، معلوم ہوا کہ رات کو نیند بھی ٹھیک سے نہ آئی، لیکن صبح ان کے ساتھ میں نے ایک ہی پلیٹ میں ناشتہ کیا اوران کی طبیعت مطمئن اور منشرح پائی، پھر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کچھ مہمان وغیرہ آگئے تھے ان کی فکر اور خیال تھا، اور ندوہ سے حافظ مصباح الدین صاحب آگئے تھے ان سے اور سہارنپور مولوی معاذ ندوی کاندھلوی کو فون کر کے جمعرات کو سفر کے نظام کا مشورہ کیا، اتنے میں مصباح الدین واپس چلے گئے، اور انجینئر اقتدار علی صاحب مرحوم کی اہلیہ اور بیٹے عبد اللہ میاں ملنے کے لیے آئے، مولانا کو خیال آیا کہ آج بھائی صاحب نہیں آئے، روز آکر بیٹھتے ہیں، چونکہ طبیعت بالکل ٹھیک تھی اس لئے فکر نہ ہوئی، مگر تھوڑی دیر میں ایک بجے دن کے قریب فرزند اصغر مولوی سید منصور حسن حسنی اور برادر محترم مولوی عمیر الحسینی ندوی نے آکر تشویش ظاہر کی بلکہ مایوسی میں ڈال دیا کہ وہ آرام سے لیٹے ہیں اور حرکت بھی نہیں کر رہے ہیں۔

راقم نے قریب سے جا کر دیکھا چہرہ پر مسکراہٹ، جسم بڑا نرم وگداز، مگر حرکت نہیں، مٹھی بند تھی، کھولی پوری کھل گئی، ڈاکٹر کو بلایا، محلہ کے ڈاکٹر عثمانی صاحب، پھر ڈاکٹر انعام الحق صاحب اور آخر میں خاص معالج قلب ڈاکٹر ناصر فرزند ڈاکٹر نظر احمد صاحب نے پوری تصدیق کردی کہ سانحۂ ارتحال پیش آچکا ہے، جس اطمینان وآرام سے پرسکون وانشراح کے ساتھ بستر پر تھے، اس سے صاف لگ رہا تھا کہ ان کو نفس مطمئنہ حاصل ہوگیا تھا۔ رضی اللہ تعالی عن عبدہ والدی الحنون ورحمہ رحمة واسعة وادخلہ فی جنت النعیم مع النبیین، والصدیقین، والشھداء والصالحین، وحسن اولئك رفیقا۔

خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب ان کو بھائی صاحب کہتے تھے کہ وہ ان کے دادا مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی کی اولاد ذکور واناث میں پوتوں، نواسوں میں سب سے بڑے نواسہ تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحب کو بہت عزیز تھے، اور حضرت ڈاکٹر صاحب بڑا اعتماد کرتے تھے، اور باہم ایک دوسرے کے خیال تعاون ہمدردی میں بہت ممتاز تھے، اس لئے خال معظم کو ان سے بڑا تعلق تھا اور ایک دوسرا رشتہ بھی خال معظم کا ان سے یہ تھا کہ خال معظم کی والدہ مرحومہ والدصاحب سید حسن حسنی کی حقیقی چچازاد بہن تھیں، یکا یک خال معظم کے لئے یہ خبر بالکل غیر متوقع تھی ہمت کرکے جب کہ چلنا ان کے لئے دشوار تھا اپنے بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دیدار کے لئے آئے اور دیکھتے ہی سامنے ایک طرف بیٹھ گئے کہ کھڑا ہونا دشوار تھا، ان کی طبیعت بہت متاثر تھی اور یہ تہیہ کئے تھے کہ جنازہ کی نماز پڑھنے ندوہ جائیں گے، اس کا اظہار بلال ماموں سے کرتے ہوئے کہا کہ جانتے ہو بھائی صاحب کا انتقال ہوا ہے، ہمارا ارادہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ ندوہ میں جا کر پڑھ آئیں، مگر وہ اس حال میں نہ تھے۔ "نیة المؤمن خیر من عملہ" کا ان کو ثواب اور والدصاحب علیہ الرحمۃ والمغفر ان کو اس کی برکات انشاء اللہ ضرور حاصل ہوں گی۔

کاندھلہ کا سفر

کاندھلہ کا ریزرویشن جمعرات ۳ رجنوری کو رات کا ہو چکا تھا، مشورے سے یہ طے پایا کہ مولانا اس میں تبدیلی کریں، اسی وجہ سے شام کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ بھی لکھنؤ پہونچ گئے، کہ وہ اس سفر میں پس وپیش نہ کریں، اور خود حضرت مولانا بھی دو دن بعد جامعہ حسینیہ شری وردھن میں اسلامی فقہ کے جلسہ میں جو علمائے شوافع کی علمی دینی خاص طور پر فقہی خدمات پر سیمینار تھا، شرکت کے لیے روانہ ہوئے، پھر بھٹکل، کنڈلور اور بنگلور سے واپسی براہ ممبئی ہوئی، بنگلور میں ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب کو مولانا کے مرض کی رپورٹیں اور کیفیات مولانا اسماعیل بھولا ندوی نے

سنائیں تو ان کو مایوسی ہوئی، اور چند ہی دن پہلے ایک دوسرے حادثۂ وفات کی خبر سن کر ان پر اور اثر پڑا، بار بار کہتے کہ: حضرت مولانا رابع صاحب کو اب معلوم نہ ہو کہ علاج ممکن نہیں رہا، حادثہ پر حادثہ کو کیسے برداشت کریں گے،

اس پورے سفر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ کو مولانا کی بڑی فکر لگی رہی، اور ان کو واپسی کا شدید تقاضہ ہوا، اور شاید یہی وجہ تھی کہ وہ آگے کا پروگرام جو کیرالہ کا تھا، انجام نہ دے سکے، اور ان کے ساتھ ان کے رفقاء شاہد حسین خاں صاحب، اور مولوی سید سحبان ثاقب بھٹکلی براہ ممبئی لکھنؤ روانہ ہو گئے، اور مجھے کیرالہ میں کولام اور تری وندرم بھیج دیا، جہاں طے شدہ پرگراموں میں شرکت کی گئی، اس سفر میں حضرت مولانا نے بھٹکل کے علماء کو تزکیہ نفس اور اصلاح قلب و باطن کی طرف متوجہ کیا، اور ان میں مولانا محمد اقبال ملا ندوی، مولانا محمد صادق اکرمی ندوی، اور مولانا عبدالباری ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل، پر اس کی ذمہ داری ڈالی، چونکہ بھٹکل کے متعدد علماء و طلبہ کا حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی سے اصلاحی تعلق تھا، اور مولانا کی علالت کی وجہ سے وہ ان سے رابطہ قائم کرنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے، ان میں سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے ان طالبین صادقین کو جو اس میں سرپرستی چاہتے تھے اپنی سرپرستی میں لیا۔

جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ میں چند لمحات

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی مہتمم جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ رقم طراز ہیں:

> مولانا حسنی کا آخری دنوں میں کاندھلہ جانا ہوا، تو جامعہ رحمانیہ بھی تشریف لائے، آپ کے ہمراہ آپ کے برادر صغیر اور آپ کے علوم و معارف کے امین آپ کے فکر و عمل کے علم بردار۔ آپ کے جانشین حضرت مولانا سید بلال عبدالحی صاحب حسنی

ندوی، جناب مولانا نظار الاسلام ندوی اور لکھنؤ و مراد آباد کے دیگر چند رفقاء تھے، آرام کے وقت حضرت نے فرمایا کہ مفتی صاحب آپ میرے پاس رہیں گے، مولانا نے فرمایا مفتی صاحب میرے بیڈ پر آیئے، میں مولانا کے قدموں کی جانب بیڈ پر بیٹھ گیا، چند لمحے مولانا خاموش لیٹے رہے، پھر مولانا نے آنکھیں کھولیں، اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے سینۂ مبارک پر رکھا، پھر مولانا نے دوبارہ آنکھیں کھولیں، اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

''مفتی صاحب اس دنیا میں ہم لوگ دعوت واصلاح کا کام کرنے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے خاص کام کے لیے اپنے بندوں کو اس کے لیے منتخب فرماتے ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے، صحابہؓ علماء اور مصلحین آئے، سب اپنا کام کر کے رخصت ہو گئے، کسی کو کام کرنے کا زیادہ، کسی کو کم موقع دیا گیا، یہ اللہ کا نظام ہے، اس کی حکمت و مصلحت ہے، مجال دم زدن، معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھیں، جس کو جتنی عمر دیں، جس کو جتنا موقع دیں، ان کا فضل ہے، وہ اپنے خاص بندوں پر فضل ہی فرماتے ہیں۔ زمان ومکان سب ان کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جس بندہ کو جہاں رکھیں جس طرح رکھیں ان کا فضل ہی فضل ہے۔ بندہ کی شان بندگی یہ ہے کہ وہ ہر حال میں راضی رہے۔ اس کے فیصلے پر اسکے ہر حکم پر لبیک کہے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ۶۳ رسال کی عمر دی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی ۶۳ رسال کا وقفۂ حیات دیا گیا۔ حضرت سید احمد شہید

نے ۴۶ رسال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت سید احمد شہید نے کس قدر قلیل عرصہ میں کتنے کثیر و عظیم کام انجام دیئے۔ دعوت واصلاح کا۔ دینی تعلیم کی اشاعت کا۔ سنت وشریعت کے فروغ کا۔ نظام حق نافذ کرنے کا۔ ان سب باتوں کا تصور بھی اتنے قلیل عرصۂ حیات میں محال ہے۔ یہ سب مالک کی توفیق سے ہوتا ہے۔"

کچھ دیر کے لیے مولانا نے آنکھیں بند کرلیں، میں ان کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتا رہا، ان کی رفتار صحت کا جائزہ لیتا رہا، سات منٹ بعد مولانا نے ہلکی آنکھیں کھولیں، اور قدرے توقف کے بعد ارشاد فرمایا:

"یہ حیات مستعار اللہ کا انعام ہے۔ اس میں بندہ اللہ کے دین کا کچھ کام کر جائے تو کیا کہنا۔!" پھر فرمایا:

"مفتی صاحب کافی دن ہمارا آپ کا ساتھ رہا ہے۔ ہمارے کاموں کو آپ دیکھ رہے ہیں۔ میری محنت اور جد وجہد آپ کے سامنے ہے۔ یہ سلسلہ ختم نہ ہو، آپ کوشش کریں۔ اپنے ساتھیوں کو شاگردوں کو اولاد کو اپنے اہل خاندان کو اس مشن پر لگائیں۔ لوگ آئیں گے جائیں گے۔ انشاء اللہ یہ کام ختم نہیں ہوگا۔ محنت کرنے والے اجر پائیں گے۔"

طویل توقف کے بعد مولانا نے فرمایا:

"باطل طاقتوں سے، شرپسند قوتوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لوگ بظاہر بڑے وسائل والے ہیں، لیکن اللہ کی طاقت سب سے بلند و برتر ہے۔ مسلمان مسلمان بن کر

رہیں، ایمان وتقویٰ پر قائم رہیں- اجتماعیت کو ختم نہ کریں- انشاء اللہ کوئی بھی ان کا بال بیکا نہ کر سکے گا- اللہ کی مدد شامل حال رہے گی- وأنتم الأعلون ان کنتم مؤمنین"۔

مولانا حسنی صاحب نے ان کلمات طیبات کا صدور فرمایا، میں نے کچھ دیر توقف کے بعد قرطاس وقلم سنبھالا اور غیر محسوس طریقہ پر نوٹ کرتا رہا، مولانا کے بصیرت افروز، نصیحت آموز یہ چند جملے پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں بولے جاسکتے ہیں، لیکن مولانا نے یہ جملے وقفہ وقفہ سے فرمائے، لگ بھگ ایک گھنٹہ میں یہ کلمات ارشاد فرمائے، مولانا کی آنکھیں اشک بار تھیں، لہجہ میں رقت تھی، اور چہرہ کرب اور بے چینی کا غماز تھا۔

دس بجے ضیوف کرام نے ناشتہ کیا، ساڑھے دس بجے بذریعہ کار مولانا کاندھلہ کے لیے روانہ ہوگئے۔

مولانا حسنی بظاہر سفر کاندھلہ کے لیے رخصت ہوئے مگر مجھے محسوس ہوا کہ شاید یہ مولانا کی تشریف آوری آخری بار ہے، غالباً مولانا الوداعی ملاقات کر گئے ہیں، اور اپنے احباب وخدام کے لیے آخری پیغام چھوڑ کر جارہے ہیں، جمعہ کا دن تھا، گیارہ بجے میں قدرے آرام کے لیے لیٹا، مگر نیند نہ آئی، مولانا کے ہر جملہ کی بازگشت میرے ذہن ودماغ کو جھنجوڑتی رہی، مولانا کے جانے کے غم کا تصور کرکے منہ کلیجے کو آرہا تھا، بعد کے حالات میں کون ان ذمہ داریوں کو سنبھالے گا۔ اور کب اس ذہن وفکر اور تڑپ ولگن کا داعی اس سسکتی بلکتی انسانیت کا مسیحا منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا۔ زبان پر بے ساختہ یہ

کلمات جاری ہو گئے۔ ع

دگر دانائے راز آید نا آید

مولانا حسنی اپنے اکابر کے طرز پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات مقدسہ حضرت عمر فاروقؓ کے جہد عمل کو اور حضرت مولانا سید احمد شہید کی تحریک اور دین حق کے لیے ان کی مساعی جلیلہ وکبیرہ کو باور کرانا چاہتے تھے، اور دعوت وعزیمت کے ان کے مشن کو مدارج کمال تک پہونچانے کا جذبہ رکھتے تھے، اور وہ شب وروز اس کے لیے ساعی وکوشاں رہے۔

مولانا حسنی صاحب متعدد بار جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ اور مدرسۃ الایمان ٹوکرہ گجرولہ کے جلسوں میں جلوہ افروز ہوئے، کسی بار بھی اس ناکارہ کو اتنا قرب عطا نہیں فرمایا جتنا آخری بار کے قیام میں اپنے جسم سے، اپنے دل سے بہت قریب کیا، اور ذہنی وفکری، روحانی، معنوی، قربت عطا فرمائی، اس آخری ملاقات میں حضرت مولانا حسنی صاحبؒ نے جو کلمات طیبات ارشاد فرمائے وہ تقریباً اس باریکیِ نظر، گہرائیِ فکر اور معاشرہ کی ہمہ گیر کمزور اعتقادی وبے عملی پر تشویش کے غماز ہیں۔ (۱)

کاندھلہ میں دو ہفتے

ہاپوڑ میں ناشتہ وغیرہ کیا اور استنجا سے فارغ ہوکر وہاں سے کاندھلہ کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں طبیعت ٹھیک تھی، لیکن قریب پہونچتے پہونچتے ضعف بہت بڑھ گیا تھا، جو بہت تشویشناک تھا، آواز بھی نکل نہیں پا رہی تھی، پھر چند گھنٹے کے بعد آواز آئی اور دھیرے دھیرے قوت آئی، اور رات کا کھانا بھی کھایا اور باتیں بھی کیں، دو تین

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

دن طبیعت بہتر رہی اور سہارے سے نئے گھر بھی دھوپ لینے کے لیے جایا کرتے، اور روز حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کی خدمت میں صبح دس بجے وہیل چیئر سے جاتے اور کچھ دیر بیٹھتے، حضرت فرماتے آپ آگئے بڑی خوشی ہوگئی، خود بھی بیٹھ جاتے مگر مولانا کا اصرار ہوتا کہ آپ لیٹے رہیں، اس دوران قیام لوگ ملنے بھی آتے رہے، حسن پور امروہہ کے حکیم نصرت میاں نے کچھ دوائیں تجویز کیں لگانے اور کھانے کی، روڑکی کے حاجی الیاس صاحب بھی عیادت کے لیے آئے، ان سے بڑا خاص تعلق ہے، انھوں نے کئی نعتیں سنائیں جن کو سن کر مولانا نے فرمایا آج طبیعت ہری ہوگئی، اور احترام میں معذوری کی حالت میں بھی پوری نعت بیٹھ کر سنی۔

میں نور کے تڑکے جس وقت اٹھا سو کے

اللہ کی رحمت کے دروازے کھلے پائے

مولانا محمد ناظم ندوی (مانک مئو سہارن پور) بھی ان کے ساتھ تھے۔

مولانا کے عزیز مولانا سید عبید اللہ حسینی ندوی (داماد مولانا سید ارشد مدنی صاحب) ٹھنڈک سے بچاؤ کے بہت سے سامان لے کر دیو بند سے آئے، بعض لوگ کوئلہ لے کر پہنچے، جبکہ حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے اچھا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا، مولانا کے لیے الگ حجرہ اور ان کے تیمارداروں کے لیے الگ حجرہ تھا اور کھانے وغیرہ کا بڑا اچھا انتظام تھا، مولانا کے لیے پرہیزی اور خدام اور تیمارداروں کے لیے ان کی تکریم کا خیال کرتے ہوئے تھا، مولانا کے پاس مولانا راشد صاحب وقتاً فوقتاً آتے رہتے، خیریت پوچھتے اور کچھ علمی و ادبی لطیفے سناتے تاکہ طبیعت میں انشراح پیدا ہو، اور دوسری طرف تیمارداروں اور خدام کو بھی اپنی باتوں، علمی و ادبی لطائف سے محظوظ کرتے اور اپنی لائبریری کے نوادرات سے بھی واقف کراتے، خاص طور سے مولانا بلال حسنی کو ان نوادرات سے واقف کرایا، خدام میں بعض سے کچھ کام بھی لیے، مولوی رضوان نستار ندوی بھٹکلی سے کمپوٹر کا کچھ کام لیا، مولوی نظار الاسلام

ندوی مرادآبادی سے وظائف اور عملیات کا کام لیا۔

رائے بریلی کے کچھ تقاضوں کی وجہ سے مولانا بلال صاحب کو چند دنوں کے بعد واپس ہونا پڑا جبکہ دل گوارہ نہ تھا، اور مولانا علیہ الرحمہ بھی اندر سے مطمئن نہ تھے کہ یہ سفر کریں، مولانا بلال صاحب بڑے متاثر تھے، مولانا نے کہا کہ بلال گئے سناٹا ہوگیا، اس کے بعد مولوی معاذ کاندھلوی سہارن پور سے ملنے آئے۔

مولانا کی طبیعت اب بہت گر چکی تھی اور دست کا سلسلہ جاری ہوگیا، کھانا بالکل بند ہوگیا تھا، پتلی چیزوں میں بھی جیسے سوپ، جوس وغیرہ بہت معمولی دن میں صرف ایک پیالی کی مقدار میں لے پا رہے تھے۔

ادھر کیرالہ سے جمال محی الدین ندوی (حال مقیم ابوظبی) اور ڈاکٹر عز الدین ندوی (استاد کیرالا یونیورسٹی تری وندرم) اور مولانا عبدالشکور قاسمی (شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ کائم کولام ورئیس حسنی اکادمی اوچھرا کولالم) اور راقم پہونچا، کیرالا کے ان مہمانوں کی آمد سے آپ کو بہت خوشی ہوئی لیکن طبیعت میں اس قدر گراوٹ آچکی تھی کہ اس خوشی کا پورا اظہار بھی نہ کرسکے، کیرالہ کے اہل تعلق چند گھنٹے ہی رکے، مولانا راشد صاحب کاندھلوی نے ان مہمانوں کی بھی بڑی تکریم فرمائی، اور اس پورے قیام میں مولانا کی راحت اور ان کے کھانے کی اور مہمانوں اور خدام کو اچھے سے اچھا کھلانے کی فکر مولانا نورالحسن راشد صاحب کی اہلیہ محترمہ خوب رکھتیں، ان کا لکھنؤ میں متعدد بار کئی کئی ماہ قیام اپنے بڑے بھائی مولانا سید محمد طاہر حسینی والد ماجد مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے پاس رہ چکا تھا جو مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کے حقیقی پھوپھا تھے، رشتہ داری کے اس تعلق سے اپنائیت کا تعلق رہا اور بے تکلفی رہی۔

جب طبیعت زیادہ تشویشناک ہوگئی تو حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب اور مولانا نورالحسن راشد صاحب کی رائے اسپتال سے رجوع کی ہوئی اور لکھنؤ سے ڈاکٹر صالح کریم (سنجے پانڈے) اور مرادآباد سے ڈاکٹر علاء الدین سیفی، ڈاکٹر مشاہد علی سیفی اور بعض دوسرے احباب آئے اور مولانا کو گلوکوز چڑھایا، اس سے کچھ طاقت آئی، اور

سفر کی ہمت بندھی، پھر مولانا آخری ملاقات کے لیے حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کی خدمت میں اپنے رفقاء وخدام اور تیمارداروں کے ساتھ حاضر ہوئے، اپنے تعلق سے کہا کہ حضرت دعا فرمادیجیے کہ نماز کے وقت تکلیف نہ ہو اور نماز کا لطف آجائے، اور مرادآباد کے ساتھیوں کی جو بڑے اہتمام سے مولانا کو لینے آئے تھے حضرت سے ملاقات کرائی، تعارف کرایا اور دعا کے لیے کہا، حضرت نے ان سب کو دعا دی اور پھر مولانا کو تسلی دی اور حدیث سنائی:

"إن أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل.'

'(السنن الكبرى للنسائي: ٧٤٨٢)

(سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ سبھی اہل ایمان کی)۔

اور سبھی خدام سے فرمایا کہ مولانا کے مقامات اس بیماری اور تکلیف سے بہت طے ہوئے ہیں، آپ لوگ خدمت کر کے مقامات طے کیجیے۔(۱) پھر مولانا نورالحسن راشد صاحب نے کار کے پاس آکر سلام ومصافحہ کیا اور رخصت کیا، ان پر اس وقت اس فراق کا اور مولانا کے مرض کی شدت اور ضعف کا بڑا اثر تھا۔

ہم لوگ مرادآباد سے نکلے اور مولانا بلال صاحب رائے بریلی سے مرادآباد کے لیے روانہ ہوئے۔

مرادآباد

عشاء کے وقت مرادآباد پہنچے، ڈاکٹر علاء الدین سیفی کے یہاں قیام رہا،

(۱) مولانا کی وفات کے بعد کھلے طور پر یہ بات حقیقت بن کر ظاہر ہوئی، مولانا کے جو مقامات ظاہری وباطنی طے ہوئے، وہ ان کی وفات کے بعد عالم پر آشکارا بھی ہوگئے اور یہ بھی دنیا نے دیکھ لیا، کہ جس نے جتنی زیادہ استحضار نیت اور تعلق مع اللہ کے ساتھ خدمت کی وہ ان کی نسبت کو بھی لے اڑا، اور جو رجوع ان کی طرف وہ رجوع وفات کے بعد ان کی طرف ہوگیا۔

وہاں بھی گلوکوز چڑھتا رہا، بعض اہل تعلق ملاقات کے لیے آئے، مدرسہ شاہی مراد آباد کے مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب اور مولانا اسعد قاسم سنبھلی صاحب بھی ملنے آئے، صبح سویرے مولانا بلال صاحب بھی پہنچے، اور اسی روز لکھنؤ جانے کا پروگرام بن گیا، اور فوری طور پر ریزرویشن بھی مل گیا۔

مراد آباد کا قیام اس لحاظ سے مفید رہا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ جو دعوتی مشن لے کر اٹھے تھے، اس میں ان کو مراد آباد کے اہل تعلق سے بڑی تقویت ملی تھی، خاص طور سے ڈاکٹر علاء الدین صاحب مولانا سے بڑی عقیدت ومحبت کا تعلق رکھنے کے ساتھ علاج ومعالجہ کے مشوروں میں بھی شریک رہے ہیں، ان کے مکان کی پہلی منزل پر ان ہی کا اسپتال ہے، جس کی وجہ سے یہاں قیام کی سہولت تھی اور اسٹیشن بھی قریب تھا، اور مراد آباد میں مولانا کے یہ شروع سے میزبان تھے اور مولانا اپنا میزبان بدلتے نہیں تھے، یہاں کام کرنے والے احباب بھی جمع ہوئے اور مولانا بلال حسنی صاحب نے ان کے سامنے کچھ باتیں رکھیں اور کہا کہ جو ہم سے ہو سکے گا وہ ہم کریں گے۔

مراد آباد کے تاجر طبقہ کے بااثر ورسوخ شخصیت جناب حاجی محمد انور شمسی صاحب اپنی علالت کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے کہ ایک روز قبل ان کو قلبی دورہ پڑا تھا، اور وہ علاج کے لیے دہلی میں تھے، وہ کئی سالوں سے مولانا کے دعوتی کام اور تحریک پیام انسانیت کے بڑے معاون تھے اور ایک عظیم الشان جلسہ پیام انسانیت بھی مراد آباد شہر میں منعقد کر چکے ہیں، دل کی تکلیف کی وجہ سے انھیں مولانا کے مرض کی نوعیت وشدت نہ بتائی گئی۔

ظہر بعد بذریعہ ٹرین لکھنؤ روانگی ہوئی، ہم سات لوگ تھے، اور سبھی کو ریزرویشن مل گئے، حالانکہ ایک دن پہلے یہ فیصلہ کیا گیا تھا، یہ مولانا کی کرامت تھی ڈاکٹر سیفی صاحب کی قیام گاہ پر مولانا کے متعلقین نے ایک مشاورتی میٹنگ مولانا بلال حسنی ندوی کی صدارت میں جس میں مولانا کی علالت کو دیکھتے ہوئے ان کے

مشورے سے نظام بنانے اور تعطل ختم کرنے کی بات آئی، مولوی نظار الاسلام مرادآبادی اور حاجی عبداللہ پرتا بگڈھی نے اس پورے سفر میں مولانا کی بڑی خدمت کی، اور خوب دعائیں لیں، مولانا کے رفیق درس مولانا خلیق احمد ندوی گاڑی لے کر لکھنؤ سے آرہے تھے ان کو منع کیا گیا اور عشاء کے قریب صحیح وقت ٹرین لکھنؤ پہنچ گئی، اسٹیشن میں لینے اعزہ واقارب اور دیگر اہل تعلق جمع ہو گئے تھے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مشورہ سے سحر نرسنگ ہوم سیدھے جانا طے ہوا، اس لیے کہ گھر جانے کی پوزیشن میں مولانا نہیں تھے، سحر نرسنگ ہوم گھر سے قریب ایک مخلص اہل تعلق کا اسپتال ہے وہاں داخل کیے گئے۔

سحر نرسنگ ہوم کا قیام

سحر نرسنگ ہوم میں قیام ہفتہ عشرہ رہا، گلوکوز چڑھایا جاتا رہا، اور طاقت کے انجکشن دیئے گئے، ڈاکٹر کوثر عثمان صاحب کے زیر نگرانی علاج چلا، بعد میں مشورہ میں ڈاکٹر نظر احمد صاحب اور ڈاکٹر محمد غوث قریشی صاحب بھی شریک رہے، ہومیو پیتھ علاج بنگلور کا چل رہا تھا، لیکن ڈاکٹر نسیم احمد صاحب سے بھی مشورہ لیا جاتا رہا، یونانی علاج حکیم شعیب صاحب کا جاری رہا، لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

اب تو صورت حال یہ تھی کہ انھیں کسی اور چیز کا انتظار تھا، اکثر نگاہیں اوپر اٹھ جاتیں اور مسکرانے لگتے، یہ مسکراہٹ اتنی بڑھ جاتی کہ کبھی کبھی باقاعدہ ہنسی آجاتی، یہ کہے جانے پر کہ اوپر کیا دیکھتے ہیں، جواب نہ دیتے اور خاموش کر دیتے، یہ کیفیت کاندھلہ کے قیام سے آخر وقت تک رہی۔

حالانکہ ملنا جلنا طبیعت پر بہت بار ہو رہا تھا، ان کی حالت کو دیکھ کر تیمارداروں نے دروازہ بند کر کے شیشہ کا پردہ بنادیا کہ اس کے ذریعہ لوگ حاضری لگالیں، آپ کو یہ سختی ناگوار ہوئی اور فرمایا کہ چڑیا گھر بنا رکھا ہے، لوگوں کو آنے دو،

چنانچہ لوگ مسلسل آتے جاتے رہتے، اور پرانے تعلق والوں کو دور سے دیکھتے تو قریب آنے کو کہتے، خیریت پوچھتے اور ہر ایک سے بشاشت سے ملتے، اور پہچان آخر تک قائم رہی، تعارف نہیں کرانا پڑتا، یہ ہجوم اور فریفتگی دیکھ کر ڈاکٹر غوث صاحب نے کہا کہ اصل بادشاہ تو یہ لوگ ہیں جو دلوں پر راج کرتے ہیں، دولت مندوں کو دولت ہونے کے باوجود لوگ نہیں پوچھتے، یہاں تو خدمت کے لیے لائن لگی رہتی ہے۔

دو چیزوں سے مولانا کو اللہ نے بہت بچایا، ایک تو آئی سی یو میں جانے سے جس کو وہ بہت ناپسند کرتے تھے، اور خون چڑھانے سے، حالانکہ ڈاکٹر غوث صاحب نے کہا بھی تو مزاح میں اس کو ٹال دیا کہ اگر آپ اپنا خون دیں تو چڑھوالیں گے۔

طبیعت جس حد تک گر چکی تھی اور جو مرض تھا اس میں اس حالت میں ڈاکٹروں کے نزدیک تکلیف اتنی سخت ہوتی ہے کہ انجکشن سے بھی قابو نہیں ہوتا اور مریض چنگھاڑتا ہے اور دماغ بھی ماؤف ہو جاتا ہے، لیکن یہاں معاملہ ہی عجیب تھا، نہ کسی انجکشن کی ضرورت پڑی نہ درد کی دوا دی گئی، اور دماغ بالکل حاضر رہا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم روز ہی دیکھنے آتے، گھر کے لوگ مستورات وغیرہ دوپہر اور شام کو آتیں، اہلیہ محترمہ بھی ہوتیں اور فرزند محمد میاں بھی، کچھ سوپ وغیرہ پلانے کی کوشش کی جاتی جو کم کارگر ہوتی، محمد میاں کو دیکھ کر فرماتے ان کو دے دو۔

سنت کا بڑا خیال رہتا، دائیں بائیں کا فرق خوب مستحضر تھا، موزہ نکالنے میں اگر بائیں کے بجائے دائیں سے کسی خادم نے شروع کیا تو جھڑک دیتے اور ناراض ہوتے، اسی طرح پہنانے میں کسی نے غلطی کی تو فوراً تنبیہ کرتے، اپنے بیٹے کو سلام کرتے داخل ہوتے وقت نہیں سنا تو ان کو تنبیہ کی کہ سلام کرکے داخل ہو، اور بڑوں کا بھی برابر خیال رہتا، جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب تشریف لاتے، اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوتا تو خدام سے کہتے کہ بیڈ اوپر کردو تاکہ اٹھنے کی شکل ہو جائے، حیا

شروع سے کوٹ کوٹ کر بھری تھی، ان آخری ایام میں بھی اس کا بڑا ہی خیال رہتا، نماز کی بہت زیادہ فکر جماعت کے ساتھ رہتی، اور کوئی بھی نماز بغیر جماعت کے نہیں پڑھی، صرف ایک جمعہ اس طویل بیماری میں ایسا تھا جس میں مجبور ہوئے اور تنہا ظہر پڑھی۔ دیکھنے آنے والوں میں انتقال سے دو یا تین دن پہلے حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب کے ساتھ آئے، اس وقت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی بھی تشریف فرما تھے، یوں ندوہ کے اساتذہ شہر کے اہل تعلق اور مقتدر شخصیات، خواص وعوام سبھی مسلم وغیر مسلم سبھی آتے رہے، مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب باندوی بھی ایک دن پہلے آئے اور دیر تک تشریف فرما تھے، اور دم کرتے رہے۔

سفر آخرت

انتقال سے ایک دن پہلے کہہ کر بیڈ قبلہ رخ کروایا، پرانے دوست اور ساتھی مولانا خلیق احمد ندوی خرم نگر ظہر میں ملنے آئے تو ان سے کہا ابھی کیا کرنے آئے، ۱۱ ربجے دن سے پہلے ملنے آیئے گا، عجیب بات یہ ہوئی کہ گیارہ بجے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا، رات میں عطر پاشی ہوئی، دھلا ہوا کپڑا پہنایا گیا، عطر چاروں طرف کمرہ میں کپڑوں میں لگایا گیا، کمرہ خوب معطر تھا۔

صبح فجر کی نماز مولانا بلال صاحب پڑھا کر گھر آگئے، دس بجے اشارے سے زمزم طلب کیا جو پلایا گیا، اور قرآن مجید لگا دیا گیا، وہ تلاوت سن رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے، شہادت کی انگلی دوبار اٹھائی اور پھر زور سے ہچکی آئی اور لفظ اللہ کے ساتھ خاموش ہو گئی، کچھ سانس باقی تھے، مولانا بلال صاحب پہنچے اور ہم لوگ بھی پہنچے، یٰسین شریف تلاوت کی سعادت حاصل کی، ڈاکٹر غوث صاحب بیٹھے تھے، یٰسین شریف جیسے پوری ہوئی تھی انھوں نے آنکھ پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور کہا کہ انتقال ہو گیا۔

مولانا کی وفات کی خبر آنافانا پھیل گئی، لوگ ٹوٹ پڑے آخری دیدار کے لیے تانتا بندھ گیا، خواص وعوام علماء ودانشور امیر وغریب، مسلم، غیر مسلم، حضرات سبھی اسپتال پہونچ گئے۔ اور اندرون ملک وبیرون ملک سے فون پر رابطے قائم ہونے لگے، لیکن سرپرست خاندان حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اس حال میں بالکل نہ تھے کہ فون پر بات کرتے، وہ ندوہ میں وفات کی خبر سن کر سیدھے گھر تشریف لائے اور اپنے نواسہ سید محمد بن سید عبداللہ حسنی کو دلاسہ دیتے رہے، تھوڑی دیر میں نعش سحر نرسنگ ہوم سے گھر واقع خاتون منزل لائی گئی، بڑا اژدحام تھا، میں عم محترم جناب ڈاکٹر سید احمد حسنی کے ساتھ رائے بریلی روانہ ہوگیا، اس لیے کہ وہاں بھی اہل تعلق جمع ہورہے تھے، قبر کی جگہ مسجد کے دائیں جانب ٹنکی کے پاس طے ہوئی۔ اس کا اشارہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے ان کے امتیازی شان ومقام کا لحاظ کرتے ہوئے دیا، اس کے آس پاس امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید کے جدی خاندان کے بلند پایہ افراد مدفون ہیں، اس طرح یہ حظیرہ دوصدی سے زائد عرصہ کے بعد کھلا، جس طرح صدی ڈیڑھ صدی کی مدت کے بعد روضہ حضرت شاہ علم اللہ ان کے پردادا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے لیے کھلا تھا، اور عمر بھی دونوں کی آس پاس ہوئی، مولانا عبدالحی حسنی نے ۵۳ سال کی عمر میں اور مولانا عبداللہ حسنی ندوی نے ۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مولوی رضوان نستار ندوی کہتے ہیں کہ ظہر بعد غسل کرایا گیا اور تجہیز وتکفین ہوئی جس میں وہ اور مولانا کے دونوں بھائی مولانا عمار عبدالعلی حسنی، مولانا بلال عبدالحی حسنی، اور دوسرے عزیز مولانا اصطفاء الحسن کاندھلوی اور محب ومخلص قاضی مشتاق ندوی بھوپالی اور سفر وحضر کے خادم ورفیق عبداللہ پرتاپ گڑھی شریک تھے۔

نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے وسیع وعریض احاطہ میں جو کھچا کھچ بھر گیا تھا مہتمم دارالعلوم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے پڑھائی، بڑی شخصیات میں جنازہ میں مولانا شاہ محمد قمر الزماں الہ آبادی نے الہ آباد سے آکر اپنے رفقاء کے ساتھ

شرکت کی، باقی لکھنؤ اور قرب وجوار کے علماء، خواص وعوام کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، سیاسی شخصیات اور بعض وزراء تعزیت کے لیے ندوہ پہنچ گئے تھے، دہلی سے بھی اہل تعلق اور رشتہ دار فلائٹ سے پہنچ گئے تھے، ایک عزیز نے یہ بات کہی کہ اللہ نے ان کے مقام کو بہت بلند کردیا، ہمارے ذہن میں ان کی یہ حیثیت نہ تھی لیکن جنازہ دیکھ کر ان کے مقام کا احساس ہوا، مرکز نظام الدین دہلی سے مولانا عبدالرشید بن حضرت مولانا عبیداللہ بلیاوی نے نمائندگی کی۔ اور کہاں کہاں سے لوگ پہونچ گئے تھے، ندوہ کی وسیع وعریض فیلڈ تنگ دامانی کا شکوہ کررہی تھی، حضرت مولانا برھان الدین سنبھلی زید مجدہ جیسے محتاط اور ثقہ ترین لوگوں نے کہا کہ ندوہ میں ایسا مجمع دیکھا نہیں۔

جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد کے ڈاکٹر عبدالعلی طبیہ کالج کی ایمبولنس کے ذریعہ جنازہ رائے بریلی پہنچا، مولوی یوسف بن مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اپنے عم مکرم کی آخری خدمت انجام دی کہ وہ خود ایمبولنس ڈرائیو کرکے لائے۔

جنازہ آخری دیدار کے لیے گھر کے اس کمرہ میں رکھا گیا جہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ کا رکھا گیا تھا، ایک تانتا بندھا اور عشاء کی نماز ادا کی گئی، جنازہ کے پاس بزرگ عالم دین مولانا عبدالرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی وخلیفہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحقؒ اور مولانا مرحوم کے بھائی اور دینی ملی دعوتی کاموں میں قدیم رفیق حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور فرزند حافظ محمد میاں سلمہ دیر تک رہے۔

عشاء بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی، مجمع بہت تھا، اور پھر امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کے اجداد کے قبرستان میں ان کے پردادا شاہ سید محمد ہدی بن حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی، قبر کے اندر زیریں حصہ میں سرہانے مولانا بلال حسنی، درمیان میں فرزند محمد میاں سلمہ اور پائنتیں مولانا عمار عبدالعلی حسنی جنازہ رکھنے کے لیے اور بالائی

مقام پر برادرم مولانا اصطفاء الحسن کاندھلوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء اور راقم الحروف سہارا دینے کے لیے اور باہر برادر عزیز مفتی مسعود حسن حسنی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء اور اعزہ واقارب واہل تعلق مدد کے لیے کھڑے تھے۔

سنت کے مطابق جنازہ قبر میں رکھا گیا، اور سب سے پہلے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور محمد میاں سلمہ نے مٹی دے کر سپرد خاک کیا۔

طیّب اللہ ثراہ ونوّر اللہ مرقدہ وبرّد مضجعہ ورفع مراتبہ وأدخلہ فی العلیین مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن أولئک رفیقا.

خبر آناً فاناً چند لمحوں میں ملک بھر میں اور پھر ملک سے باہر عرب میں عجم میں کہاں کہاں پہنچ گئی، تعزیتی پیغامات موصول ہونے لگے، خواب بڑے بشارت اور تسلی وتسکین والے اہل تعلق نے خوب دیکھے اور اہل تعلق واہل ارادت میں یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے، اور رہنمائی جاری ہے، "ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء "۔ جس کے دو نمونے (۱) ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

۱) ایک بہن نے بتایا جو حافظ قرآن ہے کہ ماموں کے سانحہ وفات سے ۶/۵ مہینے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا وہ خود سننے آئے تھے اور خوب خوش ہوئے اور مسکرانے لگے بتایا دیکھا یہ تھا کہ ایک مسجد ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں ایسا لگ رہا ہے کہ پوری مسجد سفید ہے، اور نگوں کی ہے، اور خوب چمک دار بھی ہے، مسجد جیسے ہوا میں ہے، اور زینہ بھی ہے اور گنبد منارے بھی تھے، پوری ہی مسجد نگوں کی ہے اور چمک رہی ہے، پوچھا یہ کس کی ہے؟ کہا گیا یہ عبد اللہ کی ہے، یعنی مولانا عبد اللہ حسنی ندویؒ۔

۲) جس روز مولانا مرحوم نے داعی اجل کو لبیک کہا اسی شب صوبہ بہار میں مظفر پور کے ایک بڑے عالم وبزرگ مولانا محمد قاسم صاحب (قاضی امیر شریعت امرت شرعیہ بہار واڑیسہ) نے خواب میں حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ کی

---

(۱) کچھ نمونے سترہویں باب میں پیش کیے گئے ہیں۔

زیارت کی اس طور پر کہ ان کا چہرہ مثل آفتاب کے ہو رہا ہے اور روشن پھر وہ مائل بہ غروب ہونے لگا، آنکھ کھلی کھٹکا ہوا کہ کوئی ایسی ہستی جس سے دین کا بڑا نفع ہو رہا ہے کہیں اس کی زندگی کا سورج تو غروب ہونے کو نہیں، چند گھنٹوں ہی میں یہ خبر پہنچ گئی، کہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اسلام کی مثال سورج سے دی گئی ہے کہ ایک جگہ غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے، مولانا علیہ الرحمہ اپنے درد وفکر، علم وعمل اور تبلیغ دین ودعوت اسلام سے اسلام کا رمز بن گئے تھے، ان کی حیات ایک مومن صادق کی حیات تھی، وہ اپنے مشن سے آج بھی زندہ اور رواں دواں ہیں۔

اخبارات نے بہت نمایاں کر کے خبریں دیں اور ان کے اندر ان کی شخصیت اور مشن کا بھی تعارف کرایا، ندوہ میں بھی ندوہ کے رسالوں ''الرائد''، ''البعث الاسلامی'' اور ''تعمیر حیات'' سب ہی نے مولانا کی شخصیت کا پرزور تعارف کرایا، ماہنامہ الفرقان نے خصوصی مضامین شائع کیے، مانک مئو سہارنپور سے شائع ہونے والا ''حرا کا پیغام'' نے خصوصی اشاعت کی، اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے عربی مجلّہ ''الداعی'' کے مضامین بھی اور سب سے بڑھ کر ماہنامہ ''پیام عرفات'' دار عرفات رائے بریلی نے مولانا کی شخصیت کے تعارف کو اچھے انداز اور دلی تعلقات پر مبنی جذبات کے اظہار کا خوب صورت اور قابل رشک مجموعہ پیش کیا، پیش نظر کتاب میں ان سب سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ سوشل میڈیا کے ذریعہ بھی مولانا کے انتقال کی خبر مختلف ملکوں تک پہنچی اور ایک بہت بڑی تعداد نے مولانا کے کی خدمات کا تعارف کرایا اور مولانا کے لیے دعائے مغفرت کا اہتمام کیا۔ اسی وقت حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی جو کہ دبئی سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے مولانا کی طرف سے عمرہ کا اہتمام کیا اور پھر حرم کی برکات وانوار کا تحفہ ''نامۂ حرم'' کے ذریعہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی

خدمت میں ارسال کیا۔ عمروں اور طواف کا جو غیر معمولی اہتمام اہل تعلق نے کیا وہ شمار سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ترقیات درجات کا اسے ذریعہ بنائے، اور اس کی برکات کو ان کے مشن میں بھی شامل فرمائے جو ان کے بعد ان کے بھائی مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے جاری رکھا ہے، پسماندگان میں ایک اور بھائی مولانا عمار عبدالعلی حسنی ندوی کے علاوہ صاحب زادہ عزیز القدر حافظ سید محمد الحسنی (۱) اور اہلیہ محترمہ سیدہ آمنہ حسنی (دختر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) ہیں، بارک اللہ فی حیاتھم۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

---

(۱) ولادت ۱۴/ اکتوبر ۱۹۹۸ء (۲) یہ اشعار علامہ اقبال نے اپنی والدہ محترمہ کو خراج پیش کرتے ہوئے کہے تھے، جو کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی معنوی اولاد کے بھی حسب حال ہے۔

مادہائے تاریخ وفات

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

پاکیزہ نسب مرشد طریق سید عبداللہ حسنی

۱۴۳۴ھ

وائے زاہد شیریں گفتار سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم

۲۰۱۳ء

حبیب دانا سید عبداللہ حسنی ندوی مجاز بیعت سید ابوالحسن علی ندوی

۱۴۳۴ھ

محب بزرگ روح رواں تحریک پیام انسانیت

۲۰۱۳ء

یگانہ آفاق میمون عصر بزرگ دیار سید عبداللہ

۱۴۳۴ھ

صاحب ہمت خوش اطوار سید عبداللہ حسنی

۲۰۱۳ء

درویش صفت سید عبداللہ حسنی

۱۴۳۴ھ

رفیق پاک شہید راہ عشق خدا

۲۰۱۳ء

نتیجۂ فکر: محمد ہارون ندوی اندوری

محسن چمن کا رنگ یکایک بدل گیا

ندوہ اداس اداس در و دیوار اداس اداس
حضرت کے دوستوں کا بھی ہے پیار اداس اداس

محسن چمن کا رنگ یکایک بدل گیا
گل ہیں اگر اداس تو ہیں خار اداس اداس

جو بھولے بھالے لوگ ہیں وہ ہیں شکستہ دل
اہل خرد زمانے کے ہشیار اداس اداس

طلبہ ہو یا اساتذہ ہوں سب ہیں سوگوار
غمگیں عوام، صاحب کردار اداس اداس

جو لوگ تیز گام ہیں حضرت کے فیض سے
دیکھیں تو آج ان کی رفتار اداس اداس

جو لوگ گاؤں شہر سے مٹی میں آئے ہیں
خود ہیں اداس ان کے گھر بار اداس اداس

عبد اللہ شیخ حسنیؒ کے جانے سے دوستو
لگتا ہے جیسے سارا ہے سنسار اداس اداس

جو لوگ ہیں انیس فصاحت کے سربراہ
ایسے زبان والوں کی گفتار اداس اداس

انیس احمد انیس پرخاصوی الہ آبادی

خاندان سرورکونین سے نسبت تری

کیسے عبداللہ حسنی ہو بیان رفعت تری
سارے عالم پر گراں ہے دفعتًا فرقت تری

عمر بھر کرتی رہی انسانیت کا حق ادا
خاندان سرورِ کونین سے نسبت تری

حشر تک روشن رہے گی بَر سرِ تکیہ کلاں
سرزمین اولیاء اللہ میں تربت تری

ہر کس وناکس پہ یوں تو مہرباں تھی تیری ذات
کیوں نہ یاد آئے مجھے رہ رہ کے پھر شفقت تری

تیرے اوصاف حمیدہ، تیرے اعمال حسن
کررہے ہیں محفل اغیار میں مدحت تری

روشنی دیں گے اندھیرے کو ترے نقش قدم
الجھنوں میں رہنما ہوگی سدا حکمت تری

دین حق کے واسطے ٹھکرادئے سب مرتبے
اللہ اللہ نفس امارہ پہ یہ قدرت تری

اے امین فکر سید بوالحسن جنت مقام
کتنی قندیلوں کو روشن کر گئی دعوت تری

جنوری کی تیس، ماہ آمد خیرالوریٰ(۱)
بیس سو تیرہ بروز بدھ ہوئی رحلت تری

میرے اشکوں کی زباں کی حیثیت ہی کیا شکیلؔ
کررہے ہیں اہل علم وفن بیان عظمت تری

شکیل گیاوی

---

(۱) یہ سعادت وشرف کی بات تھی کہ مبارک مہینہ ربیع الاول کی ۱۷ ارتاریخ تھی۔

نازش علم وعمل

وہ تبسم، وہ تکلم وہ کرم ارزانیاں
وہ محبت کیش آنکھیں اور نور افشانیاں

یاد کرتے ہیں اسے ندوے کے سب دیوار ودر
گنگناتی ہیں اسے پروائیوں کی بانیاں

کان میں رس گھولتی ہے اب بھی لہجے کی کھنک
گفتگو کے حسن کی آنکھوں میں ہیں تابانیاں

لذتیں تقریر کی جھڑتے ہوں جیسے منہ سے پھول
سیدھے سادے لفظ اور بھرپور نکتہ دانیاں

ظلمتوں کی بارشیں اور دور بینی کے چراغ
بے یقینی کے زمانے میں یقیں سامانیاں

عام ہو جائیں دلوں میں طاعتوں کی خواہشیں
ختم ہوں اللہ کے بندوں کی نافرمانیاں

بو الحسن کی جانشینی، رائے پوری کا مزاج
چہرے مہرے تقدس کعبۂ روحانیاں

زندگی کا لحہ لحہ ملت بیضا کے نام
ہائے ری وہ معتبر جاں سوزیاں قربانیاں

مسئلے نوک زباں قرآن کی تفسیر کے
وہ بخاری اور مسلم کی ورق گردانیاں

یعنی عبداللہ حسنی نازش علم و عمل
رفعت سوئے خلد آں محمودیٔ عرفانیاں

مولانا رئیس الشاکری ندوی

حالِ دل

کس سے بتاؤں حالِ دل، کس سے لگاؤں ہائے دل
کوئی نہیں ترے، سوا، میرے خدا، مرے خدا
ہم کو اکیلا چھوڑ کے، چل دیئے سوئے خُلد وہ
ہم نے تو بس یہی کہا، میرے خدا، مرے خدا
کس کو دکھاؤں داغِ دل، کس کو سناؤں سازِ دل
اب تو ہی تو مرا بچا، میرے خدا، مرے خدا
کوئی نہیں ہے دادرس، کوئی نہیں ہے مہرباں
کرلے قبول سب دعا، میرے خدا، مرے خدا
ان کی کتاب زیست میں، حب خدا و خلق تھی
سب کو گلے لگالیا، میرے خدا، مرے خدا
ان کے بزرگ و خورد کو، اہل و عیال و خویش کو
صبر و قرار کر عطا، میرے خدا، مرے خدا
زاہدؔ بے نوا کو اب اپنے کرم کی بھیک دے
پھر اپنے کام میں لگا، میرے خدا، مرے خدا

سیدزاہدحسین جمشیدپوری ندوی

تجھے ہے نسبتِ خیر الانام......

زمینِ ہند کا تجھ کو سلام اے وطنی
اے دیں کے مردِ مجاہد، اے راہِ حق کے دھنی
تجھے ہے نسبتِ خیر الانام اے حسنی
ہمیں امید ہے بخشے گا تجھ کو ربِّ غنی

تو بن کے تارہ فلک پر چمک حسیں پیارے
کرے سلام تجھے حشر تک زمیں پیارے

تو ایک داعی، ادیب اور صاحبِ نسبت
تو اک مفسر، محدث و ماحیِ بدعت
تو اک مربی، معلم، تو لائقِ صحبت
کئی نفوس کی کرتے تھے آپ تربیت

علومِ شرع میں تھا معتبر، امیں پیارے
بہت سی خوبیاں واللہ تجھ میں تھیں پیارے

برائے دعوتِ اسلام تم نکلتے تھے
اسی کی فکر میں تو روز وشب پگھلتے تھے
طبیعت ایسی کہ سنجیدہ ہو کے چلتے تھے
ہر اک سے ملتے تھے اور خوش دلی سے ملتے تھے
تمھارے سینے میں حکمت تھی جاگزیں پیارے
زمانہ کہتا رہا تجھ کو آفریں پیارے

خموش ایسے کہ قرباں ہو جس پہ کم سخنی
کلام وہ کہ نہ ہو کچھ کسی کی دل شکنی

خطاب ایسا کہ حرف حرف خلوص پر مبنی
نہ جانے کتنا ہے بھاری صحیفۂ حسنی
عمل ہے پیہم تو محکم ترا یقیں پیارے
وگرنہ دنیا یونہی مانتی نہیں پیارے
زمینِ ہند ترستی ہے روشنی کے لیے
جبینِ کفر تڑپتی ہے بندگی کے لیے
ابھی تو خلق سسکتی ہے زندگی کے لیے
تری حیات غنیمت تھی ہاں سبھی کے لیے
ترے فراق پہ کتنے ہیں خشمگیں پیارے
ترے وصال پہ ہے ہر بشر حزیں پیارے
مگر یقیں ہے کہ جو کچھ ہوا وہ خیر ہوا
خدا کا حکم ہوا جلد ہوا نہ دیر ہوا
جہانِ فانی کی جب نعمتوں سے سیر ہوا
خدا کا شکر ہوا خاتمہ بخیر ہوا
وہیں پہ خوش رہو دنیا میں کچھ نہیں پیارے
گو ہم سبھوں کی تھی خواہش کہ رہ یہیں پیارے
یہ اشک کس کا ، زمیں کا یا آسماں کا ہے
یہ لمحہ کیسا، محبت کے امتحاں کا ہے
یہ وقت رنج وغم وحسرت وفغاں کا ہے
اے اکرمیؔ یہ خسارہ تو کل جہاں کا ہے
ترے فراق میں گھائل ہمیں نہیں پیارے
تمھارے چاہنے والے کہاں نہیں پیارے

عبدالمغنی اکرمی ندوی بھٹکلی

تیرہواں باب

ذاتی محاسن وخصوصیات اوصاف وکمالات
اور علمی ودینی امتیازات

حلیہ

''سینہ میں دل گرم رکھتے تھے، ذکر کے آب حیات سے اپنی تشنہ کامی کا سامان کرتے تھے، لب ولہجہ میں نفاست اور صفائی تھی، میانہ قد، موزوں اندام اور کشادہ جبیں تھے، برق رفتاری سے چلتے تھے۔''(۱) (اعظم جمشید پوری)

''میانہ قد، بھری داڑھی، پرنور چہرہ کے ساتھ مولانا وجیہ شکل تھے۔''(۲) (انیس احمد ندوی)

نحیف وکمزور جسم، متوسط قد، بھرے بھرے پراتار چہرے پر نورانی داڑھی جس کے اکثر بال سفید روشن آنکھیں اور ان پر نگاہ والا چشمہ، سادہ لباس، نرم مزاج، تہذیب وتمدن کے سانچے میں ڈھلی پاکیزہ سیرت، جچا تلا شیریں انداز گفتگو، کم سخنی میں وقار، نیک نفس، عبادت گذار، دین وملت کے خاموش کادم، اکثر وبیشتر کرتا پائجامہ اور صدری ملبوس (۳) (سید محمد عمیر حسینی ندوی)

(۱) پیام عرفات، مولانا عبداللہ حسنی نمبر (۲) ایضاً (۳) ایضاً

اوصاف وخصوصیات کا ایک اجمالی جائزہ

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی صفات وخصوصیات کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ۱-اخلاص۔۲-دعوت الی اللہ۔۳-استغناء ۴-ورع وتقویٰ۔۵-حسن اخلاق۔(۱)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ اپنے تمام کاموں میں ان پانچوں خصوصیات کو ضرور ملحوظ رکھتے تھے، کوئی بھی کام ہو، یا بات ہو، کوئی معاملہ ہو یا ملاقات ہو، وہ خالصۃً اللہ کے لئے انجام پائے، قبولیت عمل کے لئے اس کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔اور اعمال پر ان کی نظر اسی حیثیت سے تھی کہ السعی منی والاتمام من اللہ، کہ کوشش میرا کام ہے، اس کو تکمیل کو پہونچانا اللہ کا معاملہ ہے، لیکن راستے کوشش پر ہی کھلتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا، وان اللہ لمع المحسنین“(العنکبوت:۶۹) اسی طرح وہ صدور اعمال میں اللہ کی رضا ڈھونڈھتے اور اعمال پر اس کی طرف سے جو اس کے وعدے اور اجر ہیں اس پر یقین وامید کے ساتھ اعمال کو انجام دیتے، یہی معاملہ ان کا دعوت وتبلیغ وتعلیم دین میں تھا کہ بات پہونچا دینا اور سمجھا دینا ہمارا کام ہے، ہدایت دینا ہمارا کام نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمادیا ہے کہ ”انك لاتھدی من أحببت ولكن اللہ یھدی من یشاء“(القصص:۵۶)(تم جس کو چاہو اس کو راہ راست پر نہیں لاسکتے لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت دے سکتا ہے)اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تبلیغ ودعوت بطریقہ کمال امت پر ادا کیا، امت پر اسی تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی کہ ”ألا فلیبلغ الشاھد الغائب فرب مبلغ أوعی من سامع“(۲) سن لو تم میں سے ہر موجود شخص اس پیغام

(۱) برادر محترم مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی نے اپنے مضمون میں ان ہی پانچ صفات کو موضوع بنایا ہے، جو الرائد فروری ۱۳/۲۰۱۳ء میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ (۲) مسند احمد بن حنبل:۲۰۳۸۷

کواس تک پہونچادے جو حاضر نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پہونچانے والے سے زیادہ حفاظت کرنے والا سننے والا ہوا کرتا ہے۔اور خیر کے کاموں میں وہ اس کو ترجیح دیتے جس میں اللہ کی رضا کو زیادہ محسوس کرتے۔اور استحضار نیت کا بڑا خیال رکھتے،غفلت ولا پرواہی سے ان کو بہت چڑھ تھی،اور جو عمل انجام دیتے،اس کے آغاز میں تجدید نیت کا خیال رکھتے۔

جہاں تک دعوت دین کا معاملہ ہے، یہ فکران کی تمام فکروں پر غالب تھی،جس کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں ناظرین ملاحظہ کر چکے ہیں۔یہ مسئلہ ان کے لئے اتنا اہم بن گیا تھا کہ ان کے سامنے جو بھی مسائل ہوئے،ان میں ان کے لئے ترجیحی مسئلہ دعوت دین کا ہوتا، خاص طور پر غیر مسلموں میں تعارف اسلام کا کام،جس کے لئے انبیاء مبعوث کیے گئے،استغناء داعی کی صفات میں مرکزی صفت قرار دی گئی ہے۔انبیاء اور رسول جن کی سنت پر عمل کر کے دوسرے داعی قرار پائے،وہ یہ باور کرادیتے تھے کہ ہمیں کوئی بدلہ نہیں چاہئے،اور نہ ہمیں کوئی اجرت اور صلہ چاہئے۔ "لا أسئلكم عليه أجراً إن أجري إلا على الله." مولانا میں یہ صفت بھی نمایاں صفت تھی۔

ورع وتقویٰ میں وہ اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ انہیں ذرا بھی شبہ ہوجاتا کہ جہاں وہ گئے ہیں وہاں احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے تو وہ پھر کھانے پینے سے پورا احتراز کرتے،اور اداروں کے ساتھ یہ معاملہ کرتے کہ ان کو مالی تعاون دیتے،اور "اليد العليا خير من اليد السفلىٰ" پر عمل کرتے،اور خود خرچ کرتے۔

اخلاق کریمانہ کے پیکر تھے،اور کیوں نہ ہوتے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم خلقاً ."(١) اور یہ بھی ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: "إن المؤمن ليدرك بحسن خلقه درجة قائم الليل و صائم النهار." (٢)

---

(۱) سنن ترمذی،۱۱۶۲ (۲) سنن ابوداؤد:۴۷۹۸

جس سے ملتے نہایت بشاشت کے ساتھ ملتے، تواضع سے ملتے اور اکرام سے پیش آتے، جو کچھ ان کے پاس ہوتا وہ ان کے لئے پیش کرتے، ان کے پاس بیٹھنے والا اور ان سے ملنے والا یہ محسوس کرتا کہ وہ ان سے سب سے زیادہ قریب ہے، وہ اس کی بات توجہ سے سنتے اور اس کا حل پیش کرتے، اور مرتبہ شناسی سے بھی کام لیتے، "أنـزلوا الناس منازلهم." اور "كلّموا الناس على قدر عقولهم" ان سب اصولوں کو پیش نظر رکھتے، اگر مجلس میں کوئی عالم یا استاد یا مرتبہ والا ہوتا تو اس کو آگے کرتے۔

علم ان کو مستحضر تھا، ذہن بیدار رہتا، اور خشیت ان کی کیفیت تھی، جائز ومباح سے اوپر اٹھ کر تقویٰ پر عمل کرتے، اور اس کے مطابق کام اختیار کرتے۔

اور یہ سب کچھ وہ تواضع اور استغناء کے ساتھ کرتے، لوگوں سے مستغنی ہو کر اپنی تمام تر ضروریات اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی رکھتے، تواضع کا حال یہ تھا کہ انھوں نے اپنے کو کبھی کسی فضل کا مستحق اور اہل نہیں سمجھا، اور یہی یقین رکھا کہ اللہ نے اپنے فضل سے بلا استحقاق عطا کیا، اور اسی دعا کا انہوں نے سب سے زیادہ اہتمام کیا، کہ ہم میں اہلیت واستحقاق نہیں رہا، بار الہا! تو بلا استحقاق عطا فرما، اور اس کی دعا بھی کی اور فکر وکوشش بھی کہ ان کے ذریعہ ہدایت عام ہو، اور لوگ جوق در جوق ہدایت یاب ہوں، چنانچہ وہ لوگوں کو آتے جاتے راستوں اور بازار میں غریبوں کو غربت میں اور امیروں کو خوشحالی میں، شرک وکفر اور معصیت کی ظلمت میں دیکھتے تو دل بے چین ہو جاتا، کہ ہمارے وجود سے کیا فائدہ کہ ہم ان تک حق بات پہونچا نہیں سکتے، اور اگر ان کو اسی حال میں موت آجائے تو کل یہ ہمارا دامن نہ پکڑلیں، کہ یہ یوں ہی نکل گیا اور ہماری ہدایت کی فکر نہیں کی، ان سب احساسات ونظریات کے ساتھ تمام مخلوق میں وہ اپنے کو بہت ہی کم تر سمجھتے اور ان کا حال ان بزرگ کی طرح تھا جن سے ایک بادشاہ نے متکبرانہ طور پر پوچھا کہ تم اچھے ہو یا یہ ہمارا کتا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر ایمان پر خاتمہ ہوگا تو میں اچھا ہوں ورنہ یہ کتا ہم سے بہتر ہے، چنانچہ یہی بات اس بادشاہ

کے ایمان لانے کا سبب بنی، اوران کا یہ حال ان کی اس آخری دعا میں بے ساختہ ظاہر ہو گیا جو انھوں نے اپنے آخری رمضان میں میں ۲۷ ویں شب میں تہجد میں کرائی تھی، اور یہ جملے ان کی زبان سے نکلے تھے:

''ہم سے بدتر اس دنیا میں کوئی نہیں، اور ہم سے زیادہ گناہگار اس دنیا میں کوئی نہیں آیا، اور ہم سے زیادہ نالائق اس جہاں میں کوئی نہیں ہے۔'' (روایت مولوی شاہد الاسلام ندوی آسامی)

اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا، کوئی بھی کام کرتے وقت اپنا پورا محاسبہ کرتے، دین کے مزاج وروح سے کوئی بات متصادم نظر آتی، تو پھر وہ شمشیر براں بن کر سامنے آجاتے، شروع میں تفہیم وتلقین سے کام لیتے ورنہ دوسروں کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتے، اور بالکل پرواہ نہ کرتے کہ تعلق باقی رہے گا یا نہیں۔

اپنے تعلقات ان کے لیے کوئی چیز نہ تھے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کے تعلقات تھے، انھوں نے اس طرح اپنا ایمان زبان نبوت کی روشنی میں مکمل کر لیا تھا:

''من أحب لله وأبغض لله وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان.''(۱)

اور یہ واقعہ ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کے انجام دینے نہ دینے، تعاون کرنے نہ کرنے، ادائیگی امانت وحقوق سبھی میں مرضی مولیٰ پہلے پیش نظر ہوتی، جب کہ آپ کے مزاج میں خوب سخاوت، ہمدردی، جذبہ تعاون اور پوری انسانیت کے لیے درد وسوز اور شفقت عامہ تھی۔

ان کے یہ اوصاف وخصوصیات کچھ کسبی تھے کچھ موہوبی، اور خاندانی وموروثی بھی، اللہ نے ان کو بچپن سے صاف ستھرا پاکیزہ ماحول عطا کیا، اوران کے

---

(۱) شعب الایمان للبیہقی: ۹۰۲۱

آباء واجداد نے جس تقویٰ وطہارت کی زندگی گزاری تھی اس کی برکات واثرات سے بھی آپ نے حصہ وافر پایا، ان کے ایک معاصر اوران کے والد اور دادا کے خصوصی فیض یافتہ اورعربی زبان کے ادیب وصحافی مولانا نعمان الدین ندوی انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”رحمك الله يا أخي عبدالله ! نشهد أنك قضيت حياتك مطيعاً لله ورسوله صلى الله عليه وسلم نقياً، تقياً، طاهرا، فكنت معروفاً بالصلاح والتقى منذ طفولتك، ومروراً بمراهقتك وشبابك، إلىٰ أن لبّيت دعوة ربك، ولوشئت لعشت عيشة الترف والرخآء، ولكنك قنعت بالكفاف، وآثرت الزهد فى حطام الدنيا، وتنازلت حتى عن حقك "المرتب" وما أخذت ولاسألت أجراً على عملك مدرساً أو داعية، وهكذا يكون العلماء الحقيقيون الذين عنّهم الرسول صلى الله عليه وسلم ورثة الأنبياء الذين كانوا لايسألون أجراً، بل يقولون: ”إن أجرى إلا على رب العالمين“ وكلما لقيناك وجدنا على وجهك براءة الطفولة وسيما الصلاح، وبسمة الرضا، واشراقة الايمان، وأثر صلاح الباطن، وكل ذلك من آثار التربية الصالحة التى تلقيتها فى بيئتك الحسنية، وفى ظلال المراقبة الشخصية لجدّك الامام أبى الحسن رحمه الله، الذى كان تولى بنفسه تربيتك، فقد كنت –فى الحقيقة– غرس جدك!“ صنائع فاق صانعها ففاقت وغرس طاب غارسه فطابا“ (١)

---

(١) مجلة 'الصحوة الاسلامية' فصيلة بحيدرآباد، رجب ١٤٣٤هـ ، يونيو ٢٠١٣م

(اللہ کی رحمتیں ہوں آپ پر اے میرے بھائی عبداللہ! ہمارا یقین ہے کہ آپ کی زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں پاکبازی، تقوی، طہارت کے ساتھ گزری، بچپن سے آپ پر صلاح وتقویٰ کے آثار نمایاں تھے، اگر آپ چاہتے تو شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے، لیکن آپ نے بقدر ضرورت روزی پر اکتفا کر لیا اور دنیا سے منہ موڑ لیا، آپ نے اپنے کسی عمل کے عوض میں خواہ وہ عمل تدریسی ہو یا دعوتی ہو آپ نے اجرت نہیں چاہی، یہی ان علماء کا شعار ہوتا ہے جو حقیقی معنوں میں انبیاء کے وارث ہوتے ہیں، جن کا شعار یہ ہوتا ہے کہ "میں آپ لوگوں سے اجرت کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔" ہم نے آپ کے چہرہ پر ہر ملاقات پر معصومیت اور صلاح وتقویٰ کے آثار اور مسکراہٹ ایمانی نور اور باطنی پاکیزگی کے آثار دیکھے، اور یہ سب کے سب آپ کے خصوصی ماحول اور تربیت کا اثر ہے، خاص کر آپ کے دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی خصوصی توجہات اور خصوصی تربیت کا نتیجہ ہے، صحیح معنی میں آپ اپنے دادا کا لگایا ہوا پودہ ہیں)۔

اور انہیں ان کے اخلاق کو یاد دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

"رحمك الله يا أخي عبد الله! كنت خفيف الظل، لطيف المعشر، صافي الروح، متحليا بالأريحية والمروءة، طاهر الجنان، عفيف اللسان، حلو الكلام، ذا صوت رقيق جميل، فكنت تتكلم و كأن الأزهار من فمك تنتشر، ويفوح منه المسك والعنبر، فكان الكلام

الحلو ميرتك وما رأينا ولاعرفنا عنك إلّا خلقاً كريماً، ونبل نفس ونظافة لسان، وأخلاق عالم ربّاني، الأمر الذى كثّر أحبابك وأصدقاءك، وزاد من تأثير كلامك: "ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك."(١)

(اللہ کی رحمتیں نازل ہوں آپ پر اے میرے بھائی عبداللہ! آپ اگرچہ نحیف الجسم تھے، لیکن ملنسار، اور صفائی روح کے حامل، پاک دل، پاکباز، شیریں کلام، نرم آواز والے تھے، گفتگو کے وقت ایسا محسوس ہوتا کہ زبان سے موتی نکل نکل رہے ہیں، مشک وعنبر کی خوشبو محسوس ہوتی، شیریں کلامی آپ کا وصف ہے، ہم نے ہمیشہ آپ کو کریم النفس، پاکیزہ زبان اور ربانی اخلاق کا متصف پایا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے چاہنے والوں اور آپ سے محبت کرنے والوں کی تعداد روز افزوں رہی۔

"اگر آپ سخت دل ہوتے یا آپ کی زبان میں درشتی ہوتی تو لوگ آپ کو چھوڑ دیتے")۔

ایک معاصر کی گواہی کے ساتھ ان کے ایک عظیم استاد کا اعتراف بھی ملاحظہ ہو جن کی گفتگو کو ان کے ایک شاگرد سلمان بجنوری ندوی نے عربی میں قلمبند کر کے الرائد میں دیا، یہ استاد گرامی حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی زید مجدہم ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"قرأ عليّ سلمان الحسيني الندوى فى أول سنة، وبعد ذلك عبد الله محمد الحسني الندوى، واستمرت تعاليمه عندى نحو أربع أو خمس سنوات وكان صالحاً

(١) مجلة 'الصحوة الاسلامية' فصيلة بحيدرآباد، رجب ١٤٣٤هـ، يونيو ٢٠١٣م

نـحيـبـاً مـن عـهـد الـصبـا، وتـدرّج فـي صلابة العقيدة والتـقـوىٰ والسعادة والكرم وأعمال الخير والبر، وكان متـمسـكـاً بـذيـل الـحيـاء والمروءة والرفق والطـاعة ومتجنباً عن كل فحش وكلام لغو، وكان رقيق القلب، طيـب الـلسان، فصيح الكلام، حسن الأخلاق، فكانت حيـاته حياة طيبة، لأنه كان ينتهي إلى نبينا محمد صلى الله عـليـه وسـلـم فـي أخـلاقه العالية الحسنة، وتعاليمه النيرة، وجـعـل دعوته غاية الحياة وقام بالدعوة إلى الله تعالىٰ في المواطنين دعاهم الى الحق."

(ہم نے پہلے مولوی سید سلمان الحسینی ندوی کے درجہ کو پھر مولوی سید عبداللہ حسنی مرحوم کے درجہ کو پڑھایا، اور چار پانچ سال پڑھایا، بچپن سے ہی ان میں صلاح وشرافت کی باتیں دیکھیں، پھر عقیدہ، تقویٰ، سعادت وکرم اور دوسرے اعمال خیر میں ترقی کرتے گئے، بڑی حیا ومروت والے تھے، نرم مزاج والے تھے اور حیا و اخلاق کے خلاف باتوں سے دور رہنے والے تھے، زبان پاکیزہ تھی، دل گداز تھا، اور پوری زندگی ہی ان کی پاکیزہ تھی، ان کو اس میں نسبت محمدی حاصل تھی، اس کا اثر تھا کہ انھوں نے دعوت محمدی کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور غیر مسلموں میں دعوت کا کام لے کر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے)۔

انفرادی صفات

جہاں تک صفات وامتیازات کا تعلق ہے، اس میں سب سے اہم چیز عقیدۂ

توحید میں مضبوطی اور پختگی تھی، اگر کسی چیز میں شرک کی بو بھی محسوس کرتے تو ان کی یہ کیفیت ہوتی جیسے قے ہوجائے گی، اسباب وہ ضرور اختیار کرتے لیکن نگاہ ہمیشہ مسبب الاسباب پر رہتی۔

دوسری چیز نماز ہے، اس کا اہتمام انہیں بچپن سے اس قدر رہا کہ ان کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑی کہ نماز کو چلا جائے، وہ اپنے دادا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے ساتھ تین چار سال کی عمر سے ہی مسجد جانے لگے تھے۔ اور ان کو ان سے ایسی محبت تھی کہ وہ ان کی ہر ادا پر فریفتہ اور اس کی اتباع کی کوشش میں ہویدا تھے۔ چونکہ وہ نماز کے عاشق اور سنتوں کے چھوٹی ہوں یا بڑی متبع عالم تھے، ان کی اتباع وتقلید نے آپ کو سنتوں کا شیدا بنا دیا۔

اتباع سنت کا شوق وجذبہ اس حد تک غالب رہا کہ سنت کی محبت اولاد کی محبت پر غالب آجاتی، مرض وفات میں ان کے فرزند کمرہ میں داخل ہوئے، سلام کرکے نہیں آئے، فوراً تنبیہ کی سلام کرکے اندر داخل کیوں نہ ہوئے، سلام کرکے آؤ۔ اسی طرح پائجامہ پہنانے میں ابتداء ایک خادم نے دائیں کے بجائے بائیں سے کی، باوجود شدت تکلیف اور حد درجہ ضعف ونقاہت کے فرمایا پہلے بایاں پیر داخل کرتے ہو داہنا پیر داخل کرو۔

حب رسول اور اکرام رسالت اس قدر تھا کہ نعت پاک سنتے، پورے باادب ہوکر اور طہارت کا خیال کرکے باوضو سننے کا اہتمام کرتے، اور صرف یہی نہیں اپنے فرزند محمد میاں سلمہ کو تنبیہ کرنی ہوتی تو اے لڑکے یا اس طرح کوئی لفظ کہہ کر مخاطب کرتے، ایسے موقع پر محمد نام نہ لیتے اور محمد نام مفرد یوں بھی نہ لیتے، محمد میاں کہتے۔

قرآن مجید سے تعلق اس قدر تھا کہ ایک مظاہرۂ قرأت کے جلسہ میں وہ گھنٹوں ایک ہی پہلو بیٹھے رہے، اور بہ درجۂ مجبوری جب دوسرا پہلو بدلا تو پھر اسی حال

پر رہے اور ہمہ تن گوش ہو کر سماعت کرتے رہے۔

حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی کیفیت ان میں اس طرح جلوہ گر تھی کہ قریب سے قریب شخص سے دوری اختیار کرنے میں دیر نہیں لگتی اور محبوب شخص انہیں مبغوض ہو جاتا، وہ دین میں مداہنت سے بہت دور اور تصنع و تکلفات سے متوحش اور نفاق سے بیزار تھے، حلقہ وسیع کرنے کی ان کو فکر کبھی نہ ہوئی، بدعتی، کاذب، دھوکہ باز اور نماز چھوڑنے والے سے ذرا بھی علاقہ رکھنا ان کو گوارہ نہ تھا، حق گوئی، بے باکی، اور ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر نہ کرنا یہ ان کا خاصہ تھا۔

ورع و تقویٰ کا حال یہ تھا کہ اگر ذرا بھی ان کو شبہ ہو جاتا کہ جس کا مال کھایا ہے اس کی آمدنی معتبر نہیں ہے، کوئی نہ کوئی ضرور مناسب طریقہ سے ایسی اختیار کر لیتے جس سے اس کی تلافی ہو سکے، کچھ دے دلا کر ہدیہ تحفہ کی شکل اختیار کر کے یا کھانے وغیرہ پر مدعو کر کے ورنہ خود وہ پہل کرتے، اور مدارس وغیرہ میں رسید کٹوا لیتے ہدایا لینے میں بھی محتاط رہتے، اور بعض وقت نہ چاہتے ہوئے دلداری میں ہدیہ لے لیتے، لیکن استعمال میں گریز کرتے، جس کی واضح مثال مفتی جمیل الرحمٰن صاحب کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ ہے، ہوا یوں کہ خال معظم کا ایک بار مغربی یوپی میں ہاپوڑ کے علاقہ میں جانا ہوا، وہاں کسی نے آپ رخصتی کے وقت آپ کی جیب میں خاموشی سے پانچ سو روپے رکھ دیئے، حضرت نے انکار کیا لیکن ان کا اصرار رہا، آپ نے صرف دلداری کے لیے رکھ تو لیا، لیکن ایک لمبے عرصہ کے بعد جب پہلی بار مفتی جمیل الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ کیا آپ اپنے یہاں اس شخص کو جانتے ہیں، جس نے ہم کو زبردستی یہ روپے ہدیۃ دیئے تھے، مفتی صاحب نے عرض کیا، حضرت جانتا ہوں وہ کون صاحب ہیں، مولانا نے فرمایا: یہ لیجئے ان کے یہ پانچ سو روپے میرے پاس آج تک ویسے ہی محفوظ رکھیں ہیں، ان کو میری طرف سے جا کر ہدیہ دے دینا۔

اسی طرح مولوی جنید احمد فاروقی اورنگ آبادی اپنا مشاہدہ بتاتے ہیں، کہ

حیدرآباد میں مصباح صاحب کے مکان پر مولانا تشریف فرماتھے، ایک بڑے دولتمند بڑی رقم کی گڈی کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، اور رومال میں چھپا کر پیش کرنا چاہا، مولانا نے فرمایا اس کو ہٹایئے، ہمیں یہ نہیں چاہیے، ہمیں یہ چاہیے کہ آپ کام میں لگیں، اور اپنا وقت دعوت وتعلیم کے کام کے لیے فارغ کردیں، جب بہت زیادہ اصرار کرنے لگے اور شرمندہ ہونے لگے تو مولانا نے ایک چھوٹا نوٹ علامت کے طور پر دل رکھنے کے لیے لے لیا، جو کہ دوسروں کے کام آیا۔

مولانا دولتمندوں سے ہدیہ وغیرہ لینے میں اس لیے بھی محتاط تھے کہ انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا جس کا وہ اظہار بھی کرتے تھے کہ اکثر یہ لوگ ذرائع آمدنی میں احتیاط سے کام نہیں لیتے، اور دین داروں کو پیش کرکے یا دینی کاموں میں تعاون دے کر اس کو پاکیزہ بنانا چاہتے ہیں، جب کہ وہ اس کے ذریعہ پاکیزہ عمل کو ناپاک کردیتے ہیں، فرماتے میرے سامنے ایک صاحب جن کی لاٹری کھلی تھی، انہوں نے ایک بڑی رقم ایک بزرگ کی خدمت میں لاکر پیش کی، کہ یہ ہدیہ ہے، لیکن اللہ اپنے نیک بندوں کو محفوظ رکھتا ہے، ان کو معلوم نہیں تھا کہ ان کو اس ناپاک طریقہ سے یہ رقم مل رہی ہے پھر بھی انہوں نے قبول نہیں کیا، لیکن مجھے معلوم تھا کہ ان کی ابھی لاٹری کھلی ہے۔

جب وہ ندوہ سے تنخواہ لینے لگے تو ندوہ کا مالی تعاون بھی کرادیا کرتے کہ حق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی ہو اس کی تلافی ہوجائے، جب کہ فرائض وحقوق کی ادائیگی میں نہایت مستعد تھے، اور عام حقوق وطاعات اور دوسری نیکیوں میں راغب وشائق اور سبقت کرنے والے تھے، اور جن نیک کاموں کو خود انجام نہ دے پاتے اور دوسرا دے رہا ہوتا یا خود دے سکنے کی کوشش میں ہوتے مگر دوسرے کو دیتا ہوا دیکھ کر رک جاتے، تو نیت وارادے اور اس پر خوش ہونے کے ذریعہ اجر حاصل کرتے۔

چھوٹی بڑی سنتوں کا ان کو برابر خیال رہتا تھا، خدمت میں پیش پیش رہنے والے محب مخلص وصادق مولوی عین الحسن پرتاب گڈھی بیان کرتے ہیں: ان کی ہر مبارک

اور اچھے کام میں دایاں کا بڑا خیال رہتا، پائجامہ، لنگی، اتارنے لگتے کوئی خدمت کے شوق میں آگے بڑھتا اولاً اس کو منع کرتے تھے، اگر وہ دایاں کی طرف بڑھتا تو کپڑے کو پیر سے دبا لیتے اور فرماتے یہ سنت کے خلاف ہے، اور پہنتے وقت دایاں کا بڑا اہتمام فرماتے، اسی طرح چپل وغیرہ کے پہننے اور اتارنے میں بھی مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے میں بھی برابر ان کو استحضار رہتا تھا، اور کوئی خدمت کے لیے آگے بڑھتا تو اس کو دعا دیتے، جیسے وضو کے وقت مسواک پیش کرنا، اور وضو کے بعد تولیہ، ٹوپی، چشمہ دینا وغیرہ، فرماتے: جزاك الله، أكرمك الله، اسی طرح کوئی دعائیہ جملہ، سحری اور ناشتہ میں باسی روٹی کو ترجیح دیتے، ایک خادم نے گرم کردیا تو منع کیا، اور فرمایا: بغیر کہے ہوئے کیوں ایسا کیا؟ شعائر اللہ کی تعظیم کا اجر مختلف طریقوں سے حاصل کرتے، اذان ہوتی اٹھ کر بیٹھ جاتے، ٹوپی لگاتے، اور فرماتے ہم نے ایسا ہی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو کرتے ہوئے دیکھا ہے، یوں تو ذکر سے زبان تر رکھتے تھے مسجد میں یہ عمل اور بڑھ جاتا، اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سناتے کہ ایک شخص کو مسجد میں قے (متلی) ہونے لگی، تو انہوں نے اپنا دامن پھیلا دیا تھا، کہ جو کچھ ہو اس میں آئے، اس کے نتیجہ میں فیوضات ربانی کی ان پر بارش ہوتی چلی گئی۔

آپ کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر تابش مہدی لکھتے ہیں:

> ''مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے نہ تو تصنیف وتالیف میں کوئی بڑی یادگار چھوڑی ہے اور نہ تقریر و خطابت میں انھوں نے کوئی شہرت حاصل کی ہے اور نہ کسی جماعت یا پارٹی کے ہی وہ قائد ورہنما تھے، وہ مزاجی طور پر محض ایک داعی اور مصلح تھے، ان کا یہ مزاج درس و تدریس میں بھی کارفرما رہتا تھا، اور جلسوں یا مذہبی مجلسوں میں اور عام ملاقاتوں میں بھی، وہ کسی بھی وقت اپنے فرض منصبی سے نہیں غافل ہوتے تھے، مجھے یاد ہے کہ گذشتہ برس جب وہ دہلی کے دوارکا

کے علاقے میں ایک بڑے جلسہ کو خطاب کرنے کے لے تشریف لائے تو اسی موقع پر یہاں کی وزیر اعلیٰ محترمہ شیلا دکشت بھی اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آئیں انھیں دیکھ کر تمام علماء اور دوسرے لوگ لپک پڑے اور کوشش کی ان کے ساتھ یا کم از کم ان کے قریب ہی کی صف میں ان بھی تصویر کھنچ جائے، لیکن ہم جیسے فقیروں کے ساتھ جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہے، اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے، جب جلسہ کے داعی جناب ایم اے حق محترمہ وزیر اعلیٰ کو ہمراہ لے کر مولانا کی طرف آئے تو مولانا ایک لمحے کے لیے اٹھے، حق صاحب نے مولانا کا تعارف کرایا اور محترمہ نے آداب بجالاتے ہوئے دعاؤں کی درخواست کی تو مولانا نے ان کے لیے سچائی اور سیدھے راستہ کی دعا فرمائی اور پھر سیدھے بیٹھ گئے، یہ وہ استغنا ہے جو کم ہی دیکھنے میں آتا ہے، مجھے یقین ہے کہ انھوں نے ''پیام انسانیت'' کی تحریک کے تحت جو عظیم خدمات انجام دی ہیں اور انسانی برادری کی ایک بڑی تعداد تک جو حق کی دعوت پہنچائی ہے اور اس کے لیے اپنے شاگردوں اور وابستگان کی جو ٹیم تیار کی ہے یہ سب چیزیں ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنیں گی اور دین حق کی اشاعت و تبلیغ کی تاریخ میں انھیں تادیر فراموش نہ کیا جاسکے گا''

مزاج

مولانا سید عبداللہ حسنی کا مزاج دوسرے کی رعایت، مروت، حیا اور دوسرے کو نقصان پہونچے بغیر حصول منفعت کا اور نرم خوئی کا تھا، لیکن دین کی بات ہوتی، جائز ناجائز کا مسئلہ ہوتا تو اس میں صراحت سے کام لیتے تاکہ دوسرے کو دین کا نقصان نہ

پہنچے۔اس طرح ادائیگی حقوق میں الاقرب فالاقرب کا تھا، سختی سے دور تھے لیکن جہاں سختی ضروری سمجھتے تو اس سے کام لیتے۔

پروفیسر محمد محسن عثمانی ندوی نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے اس میں ان کے استفاضہ کو ظاہر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''مولانا عبداللہ حسنی نے مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا تھا، روحانیت میں، عربی زبان میں، انشاء پردازی اور دعوت دین کی نسبتوں کے علاوہ مولانا علی میاں کی بہت منفرد اور اعلیٰ اخلاقی خصوصیات ان کی طرف منتقل ہوئی تھی، جن کو مزاج علی بھی کہا جاسکتا ہے۔ 'حب علی' کچھ اور شی ہے اور 'مزاج علی' کچھ اور چیز ہے، مولانا علی میاں کو چاہنے والے ماننے والے اور ان سے محبت اور عقیدت رکھنے والے دنیا میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں، یہ 'حب علی' تو اتنا عام ہے اور عالم اسلام کو محیط ہے کہ وہ حدیث یاد آتی ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو سمندر کی مچھلیاں بھی اس سے محبت کرنے لگتی ہیں، اور فضا کے پرندے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔'' مولانا علی میاں کے چاہنے والے ہر مسلک ہر جماعت اور ہر گروہ میں ملیں گے، اور دنیا کے ہر خطہ اور ہر ملک میں پائے جائیں گے، مولانا علی میاں سے بغض اور عداوت رکھنے والا مل جائے گا تو لوگ اس کی شرافت اور نیکی پر شبہ کریں گے، یہ 'حب علی' دنیا میں جس قدر عام وسیع تر اور ہمہ گیر ہے 'مزاج علی' اسی قدر نادر اور تقریباً ناپید اور نایاب ہے، 'مزاج علی' صرف روحانیت اور تصوف، تقویٰ اور

طہارت کا نام نہیں، اگر چہ یہ خصوصیت بھی اس میں داخل ہے، مزاج علی صرف علمی کمالات اور تصنیفات وخطبات کا نام نہیں اگر چہ یہ وصف بھی اس میں داخل ہے۔ مزاج علی کا مطلب ہے دولت دنیا سے مکمل بے نیازی اور استغناء، مزاج علی نام ہے انتہائی بے نفسی اور تواضع وفروتنی کا، مزاج علی نام ہے دین کے بارے میں شدید غیرت وحمیت کا، مزاج علی نام ہے ہر چھوٹے بڑے شخص کی دلداری اور دل بدست آوری کا، مزاج علی نام ہے خوردنوازی کا اور ہر ایک کی عزت افزائی کا، 'مزاج علی' نام ہے چھوٹے سے چھوٹے ہر اچھے کام کی ہمت افزائی کا اور اس کی قدردانی کا، مزاج علی نام ہے کسی کی مخالفت نہ کرنے کا اور اختلاف میں بھی اعتدال پر قائم رہنے کا۔ مزاج علی نام ہے دوست تو دوست دشمن کی بھی تشہیر نہ کرنے کا اور سب کی عیب پوشی کا، کسی کو بھی رسوا ہونے نہ دینے کا۔

'مزاج علی' نام ہے مخالف کا بھی اعزاز واکرام کرنے کا اور اس کی خیر خواہی اور اس کو فائدہ پہونچانے کی فکر کرنے کا، مولانا علی میاں نے یہ ساری خوبیاں سیرت نبویؐ سے جذب کی تھیں، اور یہ خصوصیات مولانا عبداللہ حسنی تک منتقل ہوئی تھیں اور وہ ان خصوصیات کے وارث تھے، اور امید تھی کہ ان کے ذریعہ یہ متاع گراں بہا مسلم معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ عام ہوگی، کیوں کہ معاشرہ اس کا شدید ضرورت مند ہے۔" (۱)

خوشی اور غم کی حالت، تقریب اور حادثہ کے موقع پر اس مزاج کا سب سے

(۱) بانگ حراء مارچ ۲۰۱۳ء لکھنؤ

بڑا امتحان ہوتا ہے اور ان کے لئے زندگی کا سب سے سخت حادثہ یعنی والد ماجد کے سانحۂ وفات کا تھا جو چند گھنٹوں میں مختصر بیماری کے بعد اسپتال میں پیش آیا تھا اس وقت آپ کوہِ استقامت نظر آرہے تھے، اس سے بھی ان کے مزاج کی عکاسی ہوتی ہے، ان کے ایک معاصر مولانا علاء الدین ندوی مدیر بانگ حراء اپنا تاثر لکھتے ہیں:

> ''ان کی وفات ۱۹۷۹ء میں بلرامپور ہاسپٹل میں ہوئی تھی، بلرامپور سے لے کر تکیہ (رائے بریلی تک غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے قافلے کا ہم سفر میں بھی تھا، سوگواری کے اس پورے ماحول میں خاص طور سے میں نے عبداللہ صاحب کو دیکھا کہ باپ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ چکا ہے، شیشۂ دل ریزہ ریزہ ہے، مگر مولانا ہیں کہ صبر وتحمل کا کوہ ہمالہ بنے ہوئے ہیں، آنکھوں میں نالہ وشیون اور جزع وفزع کا ایک قطرہ نہیں، اگرچہ چہرہ سے حزن وملال ہویدا ہے، یہ تھا مولانا کے ضبط نفس، قوت تحمل، رضا بالقضاء اور صبر وشکیبائی کا کمال۔'' (۱)

مجالس ومواعظ کی تاثیر

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کی مجلس وصحبت کی تاثیر تھی کہ جو اس میں شریک ہوتا وہ ایک نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ مجلس سے اٹھتا اور کچھ لے کر جاتا۔ سید سحبان ندوی بھٹکلی اپنے تاثر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، جو انہوں نے وقائع احمدی کے پیش لفظ میں تحریر کیے ہیں کہ:

> ''اس کتاب پر مجھے کام کرنے کا داعیہ میرے شیخ ومربی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملا، ان کی مجلسوں میں بارہا حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کے ایمان

---

(۱) بانگ حراء مارچ ۲۰۱۳ء لکھنؤ

افروز واقعات سن کر اس کتاب کا نام کانوں میں پڑتا رہا، لیکن نسخوں کی کمیابی کی بنا پر مطالعہ کی نوبت نہیں آتی تھی، دراصل مولانا کی مجلسوں میں حاضری سے ہی حضرت امیر المومنین سید احمد شہید سے دلی تعلق پیدا ہوا اور اس کتاب پر کام کرنے کا حوصلہ ملا۔ حضرت مولانا اپنے قریب کے لوگوں کو اس کتاب کے مطالعہ کے لیے فرمایا کرتے تھے، انہوں نے بارہا اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ اس کتاب کو اپنی مجلس میں پڑھوائیں گے، مولانا ہی کی توجہات اور دعاؤں سے اس عاجز کو یہ حوصلہ ملا تھا کہ اس عظیم الشان کتاب کی تحقیق وتجدید کریں......"(۱)۔

وقائع احمدی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی محسن کتابوں میں ایک ہے، جس نے ان کی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، اسی لئے وہ اس فائدہ کو جو انہیں پہونچا تھا متعدی کرنا چاہتے تھے، اور جب حوصلہ پاکر مولوی سید سحبان ثاقب ندوی نے اس کتاب پر تحقیق وتعلیق اور تجدید اسلوب کا کام شروع کیا تو انہوں نے ان کی ہمت افزائی کی، اور مزید مفید مشوروں سے نوازا۔

کیرالا کے معروف خطیب اور قائد شخصیت جناب عبدالصمد صمدانی صاحب (۲) نے اس کتاب کی اشاعت کے بارے میں سنا تو اپنا شوق ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب نے اس کتاب کا مجھ سے بھی تذکرہ فرمایا تھا، اس وقت سے مجھے اس کا اشتیاق ہے۔

انہی مجالس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کے ذریعہ توحید، سنت اور دین وملت کے لئے درد وسوز، اور اللہ اور اس کے رسول کے لئے عشق ومحبت

(۱) از پیش لفظ: کتاب وقائع احمدی مطبوعہ سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی، ومکتبۃ الشباب لکھنؤ

(۲) عبدالصمد صمدانی صاحب مالابار کی معروف شخصیت ہیں ان کی آواز پر لاکھوں افراد کا جمع ہوجانا اور ان کا خطاب سننے کے لیے گھنٹوں بیٹھنا ایک عام بات ہے............(باقی اگلے صفحہ پر)

پیدا کرنیکا کام لیتے۔ چنانچہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی مرحوم کے تلخیص شدہ اور ترجمہ کئے ہوئے مکاتیب حضرت مجدد الف ثانیؒ جو "تجلیات ربانی" کے نام سے دو جلدوں میں مکتبہ الفرقان لکھنؤ سے شائع ہوئے ہیں کو اپنی مجالس میں سنانے کا اہتمام کرایا، جس کو ایک سال مولوی سمعان خلیفہ ندوی بھٹکلی نے اور دوسرے سال مولوی سید سحبان ثاقب ندوی بھٹکلی نے عصر بعد کی مجلس میں سنایا، اور سارے مکتوبات کو سنانے کے بجائے ان میں سے مولانا نے انتخاب کر کے سنانے کو کہا، خود یہ انتخاب ایک خاصے کی چیز ہے، جو الگ سے شائع ہو جائے تو دوسرے لوگ بھی اس کی برکات سے مستفید ہوسکیں گے۔

مجالس میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے مواعظ و ملفوظات اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتابوں کے سنانے کا بھی خاص طور پر زیادہ اہتمام رکھا، اور درمیان میں جہاں ضرورت محسوس فرماتے اور کچھ ارشاد فرماتے، ان ارشادات وملفوظات کا بعض حاضرین مجلس نے قلمبند کرنے کا بھی اہتمام کیا، جن میں مولوی مرسلین ندوی مظفر نگری کے قلمبند کئے ہوئے ملفوظات پر خود مولانا نے نظر بھی ڈال لی تھی لیکن از راہ تواضع اشاعت سے روک دیا تھا۔

ان کے علاوہ مولوی عبدالمحیط ندوی بھٹکلی نے کتاب سنانے اور مجالس قلمبند کرنے کا معمول رکھا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان کے فہم وذکا اور رشد وصلاح کے معترف بھی تھے اور ان سے اچھی توقعات رکھتے تھے، مولوی عبدالہادی اعظمی ندوی بھی اس کا اہتمام کرتے تھے اور اس کتاب میں ملفوظات کا باب انہیں کا مرتب کردہ ہے۔

مجالس میں کاروباری لوگ، اہل علم ودانش، ائمہ مساجد، مدرسین، علماء، طلباء اور سماج سے جڑے دوسرے لوگ شرکت کرتے، اور اتوار میں مجمع زیادہ ہو جاتا اور

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) سیاسی اثر ورسوخ بھی رکھتے ہیں، اور مسلم لیگ کے قائد ہیں اور پارلیمنٹ میں بھی اس کی نمائندگی کرتے رہے ہیں، بیعت واصلاح کا تعلق حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی سے قائم کیا تھا۔

مغرب بعد بھی نشست ہوتی لیکن اس نشست میں مشن سے جڑے لوگ زیادہ ہوتے، یہ مجلسیں خاتون منزل گولہ گنج میں باہری بیٹھکہ میں ہوتیں جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بھی قیام فرمایا کرتے تھے اور یہ بیٹھکہ ان ہی سے معنون رہا۔

مولوی سمعان خلیفہ ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا کی مجلسوں سے فکر ونظر کو جلا ملتی تھی، روح کو بالیدگی ملتی تھی، دین کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، دل کو سکون ملتا تھا، چاہے دل میں ہزار خیال کا طوفان ہو، ذہن پر وساوس کا ہجوم ہو، مگر آپ کے دو بول، دلوں کے طوفان کا رخ بدل دیتے تھے اور تسکین قلب و جان کا باعث بنتے تھے ''لاکھ حکیم سر بجیب اک کلیم سر بکف'' کی حقیقت نظروں میں آتی تھی، فکر سلیم کے ساتھ نطق سلیم بھی پایا تھا، بڑے بڑے حقائق کو چٹکیوں میں سمجھاتے، مثالوں کے بادشاہ تھے، روزمرہ کے مشاہدات سے وہ نتائج اخذ کرتے کہ عقلیں دنگ رہ جاتیں۔''(۱)

مولوی محمد اعظم جمشید پوری لکھتے ہیں:

''مجلس کا رنگ تو ''کأن علی رؤسھم الطیر'' کا ہوتا تھا، لیکن کتاب کی خواندگی کے بعد مولانا کبھی کسی کے استفسار پر اور کبھی اپنے طور پر بڑے اہم اصلاحی نکات بیان فرماتے اور مفید علمی مشوروں سے بھی نوازتے۔''(۲)

جمعرات اور جمعہ کی مجالس اس لئے برابر نہ ہو پاتیں کہ یہ دو دن عموماً سفر کے ہوتے اور رائے بریلی آپ تشریف لاتے جہاں نماز جمعہ پڑھانی ہوتی، اور جب

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر (۲) ایضاً

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ تشریف فرما نہ ہوتے تو جمعہ کا دن گزرنے پر بعد مغرب متصلاً مجلس ذکر منعقد ہوتی اور آپ کچھ فرماتے بھی تاکہ اللہ کا شوق اللہ کی محبت اور اپنی تمام تر حاجات کو اللہ کے سامنے ہی رکھنے کا جذبہ اور اسی کو مقصود و مطلوب اور معبود و مسجود اور محبوب حقیقی سمجھنے کی فکر پیدا ہو، تاکہ اللہ کی سچی محبت اور اس کا عشق اور دین کے فروغ اور انسانیت کی ہدایت کے لئے سچا درد و سوز دل میں پیدا ہو جائے۔

مجلس ذکر میں تکیہ شاہ علم اللہ سے قریب واقع مدرسہ ضیاء العلوم کے طلباء و اساتذہ بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے، اور مجلس ذکر کے اختتام پر آپ کی پر اثر اور پر درد دعا میں شرکت کرتے، کفر و شرک، الحاد و زندقہ، فسق و فجور کی ظلمات کے ازالہ کے لئے ذکر کی کثرت کے نور کو پھیلانے کے لئے ہفتہ واری مجلس ذکر کا اہتمام حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے ارشاد و ہدایت پر ہوا اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کا آغاز فرمایا جس کا سلسلہ جاری ہے، اور کبھی کبھی ناغہ بھی اس لئے کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کو ضروری نہ سمجھ لیا جائے۔

بہر کیف حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی مجلسوں، ارشادات و ملفوظات خطابات و مکتوبات اور حکیمانہ تربیت سے خلق کثیر کو نفع پہنچا، اس کو انہی فیض یافتگان میں ایک فیض یافتہ مولوی رؤوف احمد شاہ کشمیری ندوی کے اس جملہ سے بھی سمجھا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب قرآن کا پیام کا انتساب کرنے میں تحریر کیا ہے کہ:

> ”مشفق و مربی حضرت مولانا محمد عبد اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام جن کی حکیمانہ تربیت سے خلق کثیر کو کریم آقا کی پہچان ملی“۔(۱)

جہاں تک ان کے مواعظ کا تعلق ہے ان کا ایک ایک جملہ دل پر اثر کرنے

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبد اللہ حسنی ندوی نمبر

والا ہوتا، عیدین میں خطبہ کے بعد اور کبھی خطبہ کے دوران ہی اردو میں اردوداں طبقہ کو مخاطب کر کے خاص طور پر عقیدہ توحید کو دلوں میں راسخ کرتے اور شرک و بدعت کی ایسی مذمت کرتے کہ اس سے دوسرں کو گھن پیدا ہو جائے جیسے پاخانہ پیشاب سے ہوتی ہے، اور جو سماجی برائیاں زیادہ زور پکڑتی نظر آئیں، ان کو بھی موضوع بنا کر ان سے نفرت پیدا کراتے، اور عیدین کا جو پیغام ہے انسانیت کے نام سے وہ سناتے، جمعہ میں خطبہ سے پہلے خطاب فرماتے مگر اپنے وطن تکیہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی کی مجلس میں اپنے بڑوں کی موجودگی کے احترام میں نہ کرتے، اور جمعہ کا خطبہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کرتے، حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہ کو یہ ہی پسند تھا، آپ نے ان کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں میں ان کی پسند کا خیال رکھا، دوسرے مقامات پر جمعہ پڑھاتے، خطبہ میں اسی کے پابند ہوتے، البتہ خطبہ سے پہلے اردو میں مختصر خطاب کے ذریعہ توحید کو مضبوط کراتے، تقویٰ اختیار کرنے اور داعیانہ جذبہ اور حوصلہ پیدا کرنے کی دعوت دیتے اور اکثر کہتے کہ آپ لوگ اگر اس میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیں گے تو اللہ تعالیٰ دوسروں کو کھڑا کر دے گا، اور ان سے کام لے گا، اور متعدد مثالوں سے اس بات کو ذہن نشین کراتے، خلاصہ یہ کہ ان کی ایک ایک بات دل کو چھونے والی اور عمل پر آمادہ کرنے والی ہوتی تھی، ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے وہ پورے مصداق تھے، وہ مقررانہ فنکاری سے کبھی کام نہ لیتے، ٹھہر ٹھہر کر صاف اور دوٹوک بات کرتے اور جہاں جاتے اور جس پروگرام میں مدعو ہوتے وہاں کے مرض کی نشاندہی کر کے اس کے ازالہ کی تدبیر بھی بتاتے، اس طرح انھوں نے اپنے مواعظ کے ذریعہ بڑا اصلاحی کام انجام دیا، اور لوگوں کے دلوں کو اللہ سے جوڑنے کا کام کیا۔

مفتی راشد حسین ندوی رقمطراز ہیں:

''مولانا مرحومؒ کے مزاج سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں

کہ ابتدا میں مولانا مرحومؒ کا مزاج نسبۃً سخت تھا، بعد میں آپ کا مزاج بالکل بدل گیا، نہایت درجہ نرمی پیدا ہوگئی، آپ کی مجلس میں مزہ آنے لگا، گفتگو میں نہایت درجہ شیرینی محسوس ہونے لگی، آپ کی لکھنؤ میں عوامی مجالس ہوا کرتی تھیں، اس سے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوا کرتے تھے، ان مجلسوں میں شرکت کا اتفاق نہ ہوسکا، لیکن جب آپ تکیہ تشریف لاتے، بڑی تعداد میں اساتذہ اور طلباء آپ کی مجلسوں سے استفادہ کرتے، ان مجلسوں میں شرکت سے انقباض دور ہوجاتا، انشراح کی کیفیت پیدا ہوجاتی، مایوسیوں کے بادل چھٹ جاتے اور کچھ کرنے کی امنگ پیدا ہوجاتی، نہ معلوم آپ نے کتنے نوجوانوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کیا، مختلف کاموں پر لگایا، اور ان کو ملت کا قیمتی سرمایہ بنادیا، کتنے حضرات ہیں جنہوں نے آپ کی رہنمائی میں مختلف میدانوں کو اختیار کیا، اور آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکے، کئی مصنف و مقرر بنے، کئی داعی اور مصلح بنے، اور کئی ماہر فن استاذ بنے۔

آپ کی عوامی تقریریں بھی بہت پسند کی جاتی تھیں، آپ کی تقریروں میں نہ تو شعلہ بیانی تھی نہ بہت زیادہ زور خطابت، دھیما دھیما سادہ انداز تھا، لیکن دل سے نکلنے والی بات سیدھے قلوب کی طرف راہ بنالیتی تھی اور لوگوں کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی تھی، میرے گاؤں میں صرف دو بار آپ کا وعظ ہوا، لوگ آپ سے زیادہ واقف بھی نہیں تھے، لیکن کئی سال گزرنے کے بعد بھی آج تک لوگ آپ کی باتوں کو یاد کرتے ہیں۔"

مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی جنرل سکریٹری جمعیۃ علمائے ہند رقم طراز ہیں:

''جس طرح انہیں سبھی انسانوں کی ہدایت کی فکر تھی، اور جو طریقے اس کے لیے وہ مؤثر اور مفید سمجھ رہے تھے اختیار بھی کررہے تھے، افراد امت کی اصلاح کی وہ برابر فکر رکھتے، اور چونکہ ان کو ان کے دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے ۱۶/۱۷ دن قبل بیعت وارشاد کی اجازت بھی عطا کردی تھی، اس نسبت سے بھی وہ لوگوں کو فائدہ پہونچارہے تھے، اوران کی مجلس میں شہر کے مختلف حلقوں کے لوگ شریک ہوکر استفادہ کرتے، اوران کی صفات وخصوصیات سے متاثر ہوکر ان سے بہت انس وقرب محسوس کرنے لگے تھے۔''(۱)

صفات حسنہ کے پیکر

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی زید مجدہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''کیا خوب کہا گیا ہے ع

بزرگی بفضل است نہ بسال

خداوند کریم نے عزیز مرحوم (مولانا عبداللہ حسنی ندوی) کو کم عمری میں ہی ان بہت سی صفات سے نواز دیا تھا جو عمر رسیدگی کے بعد حاصل ہوتی ہیں بلکہ عموماً نہیں حاصل ہوتیں، عزیز مرحوم سے میرا سابقہ توان کے بچپن عنفوان شباب سے جبکہ ان کی عمر ۱۵-۱۶ سال ہوگی اور تادم آخر رہا ان کی زندگی کے تمام نشیب وفراز راقم کے سامنے رہے

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

اوران کی ترقی ومرتبہ کی بلندیوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا، ان کے عظیم المرتبت دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اوران کے لائق تر اور ہونہار والد مولانا محمد میاںؒ سے راقم کے گہرے مراسم تھے ان دونوں کے حسن تربیت اور شخصیت سازی کے گراں بہا انداز کا سالہا سال مشاہدہ کیا اور پھر سالہا سال درس وتدریس کا خود ان کا مجھ سے سابقہ رہا، اس تعلق سے بہتر کسی کے کردار، اطوار اور مزاج کے جاننے کا کوئی اور طریقہ مشکل ہے۔

ان سب باتوں کا مرحوم پر بہت اثر تھا کہ وہ صفات حسنہ کے پیکر، ہمدردی وغم گساری کا بہترین نمونہ، دینی تربیت، اخلاص وللّٰہیت، ارشاد ودعوت کا ایسا حسین گلدستہ بن گئے کہ جسے دیکھ کر رشک آئے اوران کے درازیٔ عمر کے لئے دل سے دعا نکلے، مگر خدائی اٹل قانون "إن اجل اللّٰہ إذا جاء لایؤخر" کے سامنے ہر ایک کو سپر ڈالنی پڑتی ہے اور تسلیم ورضا کے بغیر چارۂ کار نظر نہیں آتا، اور مرحوم کی وفات پر بے تأمل یہ کہنا پڑتا ہے

''خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود'' (۱)

استغناء

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ نے راقم سے متعدد باران کے سفر امارات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حاکم شارقہ شیخ سلطان محمد بن محمد

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

القاسمی نے دوایسے علماء کو مدعو کیا، جو شارقہ کی الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ دینی رہنمائی کے پروگراموں میں خطاب کرسکیں، یہ موقع اردو نشریات کے افتتاح کا بھی تھا، اس ناچیز نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ذریعہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم کو متعین کیا، دونوں شارقہ آئے، پروگرام ختم ہونے پر ان کے لیے ایک رقم پیش کی گئی، جس کو دونوں نے لینے سے انکار کردیا، اس استغناء کا ان لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا"۔(۱)

زیب لوح وقلم

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات) تحریر فرماتے ہیں:

"الرائد" کی ادارت آپ کے حوالے رہی، اس مشہور رسالے کے توسط سے پرجوش مگر اخلاص وہمدردی سے بھرپور طریقے سے عربوں سے وبستگانِ الرائد کو جھنجوڑتے رہے، اور اپنا درد دل اور امت کی زبوں حالی انڈیلتے رہے، اور ان کے علاج ومعالجات کے نسخے بیان کرتے رہے، چنانچہ کبھی زبان قلم بول اٹھتی ہے:

"أصبح المسلمون في العالم المعاصر في العالم كله جسدا بلا روح، علما بلا يقين، صورة بلا حقيقة، لهم أعلام مرفوعة على الأمم المتحدة، ولكنهم غثاء كغثاء السيل، عندهم جواهر ولآلي ثمينة ولكنها تباع

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

وتشتری فی سوق الغرب، لهم عقول ولکنها غسلت فی الدیار الغربیة بماء نجس، عظمت جثتهم، وانتفخت أبدانهم بأدویة وأقراص تناولوها من موالیهم"۔(الرائد،ربیع الآخر ۱٤٣٤ھ ص:١٧)

مسئلہ فلسطین پر ان کا جلا بھونا دل یہ تاثرات پیش کرتا ہے:

"العالم الاسلامی الیوم فقد علی حین غفلة من الدعاة والمربین شئیا کثیرا من معنویاته، والعناصر التی تکون شخصیته وهی(١)الایمان بالغیب ایمانا یفوق ایمان المادیین بمادیتهم(٢)ایثار آجل الآخرة علی عاجل الدنیا(٣)الاستهانه بزخارف الدنیا ومتعها(٤)الاستقامة علی الحق والتفانی فی سبیله(٥)الحمیة الدینیة فکانت هذه النکسة فی النفس هی السبب الحقیقی للنکسة الفظیعة التی واجهها العالم الاسلامی فی جمیع میادین الحیدة وسبب النکبات التی نکب بها فی العصور الأخیرة"(الرائد،ربیع الآخر ١٤٣٤ھ ص:١٨)

والد محترم کی طرح بعض اوقات اتنے عمدہ عنوان ہوتے کہ قاری عش عش کرجاتا، مثلاً(١)معالجة السقیم أو اسقام سلیم(٢)حماقة العقلاء وجهالة العلماء(٣)علیکم بالثقلین أیها الثقلان۔

حضرت مولانا مختلف میدانوں کے شہسوار تھے، جن میں سے تحریر

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

وقلم کے سلسلے میں کچھ اشارے دیئے جاچکے۔

زبان وبیان کا بھی عمدہ سلیقہ تھا، ملک بھر میں مولانا کے محبین، مسترشدین ومریدین، علماء واہل مدارس اپنے اجتماعات وپروگراموں میں بلاتے، اور مرحوم کی پرمغز وپراثر تقاریر سے سیراب ہوتے۔

مرحوم نے بہت ہی خاموشی اور حسن تدبیر کے ساتھ غیر مسلموں تک دعوت پہنچانے کا کام انجام دیا، اور آپ نے اس تعلق سے بہت سے شاگردوں اور متعلقین کو تیار کیا، اور پورے ملک کے طول وعرض میں پھیلا دیا، جو پورے لگن کے ساتھ کام میں مشغول ہیں، آپ نے اس تحریک کے قائد کی حیثیت سے جہاں غیر مسلموں کو دعوت دی، اور برادران وطن کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا، وہیں افراد سازی کا نہایت ہی مفید کام انجام دیا۔" (۱)

جامع صفات شخصیت

مولانا نور عالم خلیل امینی یدمجدہ (ایڈیٹر الداعی، دارالعلوم دیوبند) لکھتے ہیں:

مولانا سید عبداللہ حسنی کو اچھا بننے کے لیے، الحمدللہ اچھے سے اچھا ماحول ملا، اُنھوں نے توفیقِ خداوندی سے اُس کی قدر کی اور واقعی عالم باعمل ڈھل کر نکلے۔ نیکی اور صَالِحِیَّت اُن کی گھٹی میں پڑی تھی، اُنھیں اپنے آبا سے یہ خصلت ملی تھی کہ گناہ کرنے کی صَلاحِیَّت سے شاید پیدائشی طور پر بالکل عاری تھے، معصیت اور اَحکامِ اِلٰہی کی خلاف ورزی کی "لذّت" سے ناآشنا مخلوق ہوئے تھے۔ یہ اُن کی اور اُن کے عظیم خاندان کی سب سے بڑی

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

خصوصیت رہی ہے۔ وہ پرسکون، دھیمی طبیعت، خاموش مزاج، اور صرف کام کی بات کرنے کی فطرت کے ساتھ دنیا میں آئے تھے اور اِسی پر دنیا سے گئے۔ سادگی، خاک ساری، بے نفسی، غریبوں سے محبت، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، سارے مسلمانوں کی دین ودنیا کی بھلائی کے درد سے معمور دل کے مالک تھے۔ شہرت کی طلب، نیک نامی کی خواہش، اپنی ذات کی بات اور اُس کا ڈھول پیٹنے کے فن سے شاید ملائک کی طرح معصوم تھے۔ دنیا طلبی، زرکشی، یہاں کی زندگی کی آرایش اور یہاں کے ''گھروندے'' کی منفرد اور دعوتِ نظارہ دینے والی تعمیر وتزیین کہ جیسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے، جیسا کہ بہت سے اہلِ علم اور بعض نیکی اور دین داری کی شہرت رکھنے والے ''اہلِ کمال'' کا بھی شیوہ ہوا کرتا ہے؛ سے اُنھیں یا اُن کے خاندان اور بالخصوص اُن کے آباء کو کوئی نسبت تھی نہ اُنسیت نہ معرفت۔ اللہ نے اُن سعادت مندوں کو ہمیشہ اِس لایعنی ''تجربے'' سے بالکل محفوظ رکھا؛ تاکہ اُن کے آخرت کے ذخیرے میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔

وہ حسنِ اخلاق، نرم گوئی، شیریں سخنی، چھوٹے بڑے کے ساتھ نرم روی کی وجہ سے ہر ایک کے دل میں گھر کیے رہتے تھے۔ غیظ وغضب، اِحساسِ برتری اور کسی پر اپنی بڑائی جتانے کے فن سے بالکل واقف نہ تھے۔ ہاں اگر اللہ کی کسی حرام کردہ چیز کو پامال کرنے کی کوشش کی جاتی تو بے شک بہت ناراض ہوتے۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کا تمام تر مشغلہ تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کو بنائے رکھا، بہت خاموشی سے، کسی شورشرابے کے

بغیر نوجوانوں اور غیر مسلموں میں دعوتِ دین کا مؤثر اور نتیجہ خیز کام کیا۔ زندگی کے معرکے میں حسنِ اخلاق اور بے نفسی کے دونوں نہ کند ہونے والے کارگر ترین ہتھیاروں سے ہمیشہ فتح پائی، یہ دونوں اُن کے لیے ''ماسٹر کی'' تھے جن سے اُنھوں نے لوگوں کے دلوں کے قفل کھولے۔ وہ ایک کام یاب مُرَبّی اور بہترین داعی تھے؛ کیوں کہ اُنھوں نے قول سے زیادہ اپنے فعل سے لوگوں کو مُتأَثِّر کیا۔

اُنھوں نے زائد از تیس برس دارالعلوم ندوۃ العلما میں تفسیر وحدیث اور متعلقہ علوم کا درس دیا۔ اُن سے طلبہ کو بہت فیض پہنچا؛ کیوں کہ اُن کی نرم خوئی اور ہنس مکھے پن کی وجہ طلبہ اُن سے کھلے ملے رہتے اور بہت فائدہ اٹھاتے تھے۔ اُن کی ترسیلی صَلاحِیَّت کو اُن کے خلوص ومحبت اور گدازی نے بہت بارآور بنا دیا تھا۔

وہ پندرہ روزہ عربی جریدہ "الرائد" کے مدیر تھے، اُس میں اُن کے بہت سے مضامین شائع ہوتے رہے، جو علمی وادبی حلقوں میں بہت پڑھے جاتے رہے۔ اردو میں بھی مقالات ومضامین کے علاوہ کئی کتابیں اُنھوں نے یادگار چھوڑی ہیں۔ اُن کی تحریر میں روانی وسلاست کے ساتھ اِصلاحی اور دعوتی روح کی کارفرمائی ہوتی تھی؛ اِس لیے اُن کی تحریر قلب ونظر کے لیے تریاق ہوتی تھی۔ اسلامی تہذیب کی عظمت، دینِ اسلام کی ہمہ وقت تازہ دمی، مغربی تہذیب کی بدتہذیبی، انسانی ترقی کے نام سے انسانوں کو ہمہ گیر طور پر تباہ کرنے کی مغرب کی بھیانک منصوبہ بندی کے موضوعات پر اُنھوں نے بہت خوب لکھا۔''(۱)

---

(۱) پیامِ عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

گوہر شب چراغ

مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی دریابادی دام ظلہ (یکے از مرتبین معارف، اعظم گڑھ) رقم طراز ہیں:

''عربی زبان بولنے اور لکھنے پر غیر معمولی قدرت تھی، نوعمری میں اخبار الرائد کے ان کے ادارتی کلمات اور مضامین اس کے شاہد ہیں، خطابات کا جوہر بھی خاندانی تھا، ان کی ایک تقریر جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں سننے کا اتفاق ہوا، ایسی پر اثر تقریر واقعی کم سننے میں آتی ہے، جس میں مغز ہی مغز ہو، تحصیل علوم کے لیے انہوں نے چاہت طلب اور تڑپ کے عناصر کی جس طرح وضاحت کی معلوم ہوتا تھا کہ غیب سے یہ مضامین القا ہو رہے ہیں، اور اصل یہی ہے کہ ان کی باتوں میں تاثیر کا سر چشمہ ان کا قلب صافی تھا، اور ننہیال والوں کا والدہ کا حق سمجھ کر خیال رکھتے، ان کا مربیانہ مزاج تھا، وہ خاندان کے بچوں اور دوسرے لوگوں کی دینی تربیت کی فکر کرتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ دوست نوازی کی عادت پڑے اور انسان کی عمر اس میں ضائع ہو جائے، اور نماز کے سلسلہ میں وہ بہت سخت تھے، اور کسی کی بھی اس میں رعایت نہ کرتے، اور جماعت کے ساتھ نماز کا ان کو بہت زیادہ اہتمام تھا، خاندان میں بھی وہ مقبول تھے، اور خاندان سے باہر بھی وہ محبوب تھے، سبھی لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھتے اور اپنا حال ان کو سناتے، خواب سنانے والے ان سے خواب کی تعبیر لیتے، وہ خواب کی بہت اچھی تعبیر دیتے تھے، اور صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان کی دی گئی تعبیر الہامی ہے، وہ

اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، سنن نبوی کا عملی پیکر تھے، خلق خدا پر بڑی شفقت کرنے والے تھے، انداز تربیت اور طور وطریق بڑا خیر خواہانہ ہوتا تھا، بدعت سے بڑی نفرت تھی، توحید میں ڈوبے ہوئے تھے، ان کی تحریر بھی زوردار تھی ان کی تقریر بھی بڑی اثر انداز تھی، وہ حضرت مولانا علی میاں کی نیابت ان کی زندگی میں کرنے لگے تھے، اور بعد میں ان کے خلیفہ ہوکر ان کی مکمل نیابت کی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے وہ داماد تھے، اور ان کو انہوں نے ہمیشہ اپنا سرپرست سمجھا اور چاہا کہ ان کے مشورہ کے بغیر وہ کوئی کام نہ کریں ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنا کام خود کرتے تھے اور چھوٹوں سے جو وہ کام لیتے تھے اس میں تربیتی پہلو سامنے رہتا تھا۔'' (۱)

تدریسی خصوصیات

ڈاکٹر سید راشد نسیم ندوی (ای، ایف، ایل یونیورسٹی، حیدرآباد) حضرت مولاناؒ کی تدریسی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا کی تدریس کی خصوصیات کا احاطہ بڑا طویل بھی ہے اور فرصت طلب بھی، چند اہم نکات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں: ۱: مولانا مرحوم اپنی تدریس میں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کمزور سے کمزور طالب علم بھی بات سمجھ جائے، اس کے لئے مولانا موضوع پر ارتکاز کرتے اور زبان سہل و شگفتہ استعمال کرتے، اعادہ میں حرج محسوس نہیں کرتے، سوالات سے بے زار نہ ہوتے؛ بلکہ بسا اوقات ایسے لطیف جوابات عنایت

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

فرماتے کہ مجلس قہقہ زار ہو جاتی، مولانا کی یہ باغ و بہار طبیعت طلبہ کو مولانا سے قریب کرنے میں کلیدی رول ادا کرتی تھی، درس دینے سے پہلے سبق کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کر لیتے اور ان کی تحقیق بھی کر لیتے، بسا اوقات کتب بینی سے مسئلہ حل نہ ہوتا تو بڑے اساتذہ سے مذاکرہ کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کرتے، طالب علم کو دعوتِ فکر دیتے اور اس کو تحقیق پر اُبھارتے تھے، جس کی وجہ سے طلبہ کے اندر خود اعتمادی بڑھتی، درجہ میں کبھی بھی موضوع سے ہٹ کر گفتگو نہ چھیڑتے جس سے وقت ضائع ہو جائے، ہمیشہ موضوع درس غالب رہتا جس کی وجہ سے طلبہ میں یکسوئی برقرار رہتی اور فکری و تعلیمی انتشار و انار کی جگہ نہ حاصل کر سکتی۔

۲: دوسرا اہم تدریسی ملکہ جس نے مولانا کی شخصیت کو نمایاں و ممتاز کر دیا تھا، وہ اپنے تلامذہ کی خبر گیری اور ان کا تفقد احوال اور نجی پریشانیوں میں ان کی رہنمائی بلکہ غم گساری و چارہ سازی تھا، مولانا کی شخصیت کے اس پہلو نے طلبہ کو مولانا سے اس قدر وابستہ کر دیا تھا کہ وہ ہمیشہ طلبہ کی جھرمٹ میں نظر آتے اور چہرے کی بشاشت اور لبوں کی مسکراہٹ مولانا کے دل کی وسعتوں او راعلیٰ ظرفی کی غماز ہوتی، یہی نہیں بلکہ دوسرے مقامات کے اسفار کے موقع پر بھی اپنے طلبہ کی خبر گیری فرماتے، جس کا تجربہ خود راقم کو ہو چکا ہے، وہ حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے اور میں نے سوچا کہ جب مولانا اپنے مسترشدین کے جمِ غفیر سے فارغ ہوں گے تو حاضر خدمت ہو جاؤں گا، جس کی وجہ سے قدرے تاخیر ہوئی اور جب ملاقات ہوئی تو ایک

وقار کے ساتھ فرمایا: ''شکر ہے آپ نظر تو آئے''

میں اپنی کوتاہی پر نادم ہوتا ہوا اپنی پیشمانی کو چھپانے کی کوشش کرتا رہا، یہ تفقد احوال کی سیمابی صفت مولانا نے اسوۂ حسنہ سے حاصل کی تھی، جس کا تذکرہ حدیث میں ملتا ہے: كان يتفقد أصحابه . (شمائل ترمذی، حدیث نمبر:۸)

۳: مولانا کی ایک تیسری اہم صفت جو اثناء تدریس نظر آئی اس کو نہ بیان کرنا گویا خیانت کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ صفت بھی دراصل اتباع سنت کا مظہر تھی، آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ شخصی ونجی مفاد کے لئے کبھی ناراض نہ ہوتے؛ لیکن جب اجتماعی اور دینی مفاد کو نقصان پہنچتے ہوئے دیکھتے تو اس قدر ناراض ہوتے کہ ناراضگی کے آثار چہرے مبارک سے عیاں ہوجاتے (وما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه في شيء"(متفق عليه)''(۱)

مفتی راشد حسین ندوی (مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی) لکھتے ہیں:

''مولانا کا طرز تدریس تحقیقی تھا، طلباء کے سوالات کو بہت اہمیت دیتے تھے، اچھے سوالات سے خوش ہوتے تھے، کئی بار ایسا بھی ہوا کہ جس دن سوال کیا گیا، آپ نے صرف اجمالی جواب پر اکتفاء کی، اور دوسرے دن پوری تحقیق سے مدلل جواب دیا، بعض اوقات الفوز الکبیر کی مشکلات کے حل کے لیے حجۃ اللہ سے شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے افکار کی وضاحت کرتے، اور حجۃ اللہ کی عبارتیں بھی وضاحت کے ساتھ سناتے، طلباء میں یہ بات

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

بہت شہرت رکھتی تھی کہ مولانا مطالعہ بہت کثرت سے کرتے ہیں، یہ بات اساتذہ کرام کے درمیان بھی غالباً مشہور تھی، اس لیے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا عارف صاحب سنبھلیؒ نے کسی بات کے درمیان درجہ میں فرمایا: ''ندوۃ العلماء کی لائبریری سے سب سے زیادہ دو حضرات فائدہ اٹھاتے ہیں، ایک مولانا عتیق صاحب، دوسرے مولوی عبداللہ صاحب''۔(۱)

شانِ عبدیت

مولانا عبد السبحان ناخدا ندوی (استاذ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی) تحریر کرتے ہیں:

مولانا کو اللہ رب العزت نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا تھا، ہمیشہ حق سوچتے تھے، اور حق بولتے تھے، لیکن دل آزاری سے محفوظ تھے، صاف گو تھے، لیکن صاف گوئی کے نام پر نہ کسی کی غیبت فرمائی، اور نہ کسی پر طنز فرمایا، شخصیات کو نشانہ بنا کر گفتگو کرنے یا سننے کا مزاج نہ تھا، ہاں غلط افکار کو موضوع گفتگو بنا کر فکری و عملی علاج پر زور دیا کرتے تھے، بسا اوقات دینی خدمت کے نام پر کچھ منفی پہلو بھی در آتے ہیں، مولانا کو اللہ رب العزت نے یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ ہمیشہ مثبت سوچ کے ساتھ مثبت طریقہ پر کام فرمایا، ہر معاملہ کے منفی پہلوؤں سے دور رہ کر ہمیشہ مفید طریقہ کو سامنے رکھا، یہ درحقیقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب تھا جو آپ کو فطری طور پر ودیعت کیا گیا تھا، بسا اوقات اظہار حق کے پردہ میں دل آزاری

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

چھپی رہتی ہے، اسی طرح کبھی مصلحت کے نام پر مداہنت او رخاص قسم کی بزدلی دل میں گھر کیے رہتی ہے، کبھی بے جارعایت زبانوں پر قفل چڑھادیتی ہے، اسی طرح جوش وجذبہ حد سے بڑھ کرزیادتی کی طرف لے جاتا ہے، بہت سارے اچھے کام جو اچھی نیت سے کیے جاتے ہیں کچھ سلبی ومنفی پہلوؤں کے در آنے سے غیر مفید بلکہ بعض اوقات مضر بن جاتے ہیں، ناہمواریوں سے دور رہنے کے لیے جس متوازن فکر، معتدل طرز عمل، سچی خیر خواہی اور صحیح غیرت کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ نے اپنے اس بندے کوان کمالات سے مالامال کر رکھا تھا جن کا نام بھی عبداللہ تھااور جن کی حیات بھی عبدیت کا ایک نمونہ تھی۔''(۱)

خوابوں کی تعبیر

خوابوں کی تعبیر میں مولانا کو بڑا ملکہ حاصل تھااور مناسب حال تعبیران کے قلب پر فوری طور پر وارد ہوجاتی تھی، اور خود وہ جو خواب دیکھتے خود ہی اس کی وہ تعبیر جو وہ خواب رکھتا ہے، بعینہ لے لیتے، اور اکثر ان کے خواب کسی تعبیر کے محتاج نہ ہوتے، اور جو وہ دیکھتے اسے جلد ہی پورا ہوتے دیکھ لیتے تھے، ان کے اہل تعلق کے پاس اس کی خوب مثالیں اور نمونے ہیں، جس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں، البتہ تعبیر رؤیا میں یا اس کے ذریعہ تربیت وارشاد کے کام میں ان کی ذہانت وفراست کو ان کے ایک شاگرد اور موجودہ ملی کارکن مولانا رضوان احمد ندوی (سب ایڈیٹر ہفتہ وار نقیب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، بہار) اپنے مضمون میں بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایک طالب علم گھبراتا ہوا مولانا کے پاس گیا، آپ اس وقت کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھے، چشمے کو آنکھ سے

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

اتارا، فرمایا: کہئے کیسے آنا ہوا؟ حضرت میں اکثر عجیب وغریب خواب دیکھتا ہوں، اچھا تو یہ بات ہے، روزانہ کتنے پارے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ حضرت اس کا موقع کم ملتا ہے، فرمایا: کہ جس طرح گھر ویران ہوتا ہے تو وہ شیطانوں کا بسیرا ہوتا ہے، اسی طرح جو دل کتاب الٰہی کی آیات سے خالی ہو وہ اندھیرا ہوتا ہے، جایئے فجر کے بعد تلاوت کا معمول بنا لیجئے، پھر وہ طالب علم تلاوت کے ساتھ تفسیر کا بھی مطالعہ کرنے لگا آج وہ ماشاء اللہ تفسیر پر اچھی نظر رکھتا ہے، یہ تھا ان کی تربیت کا انداز!"(۱)

ایک دوسرا واقعہ مولانا مرحوم کے برادر عزیز مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی ذکر کرتے ہیں:

"اللہ نے ان کو تعبیر کا بھی بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، اس کی شہرت دور دور ہوگئی تھی، اور لوگ ٹیلیفون پر کثرت سے خواب کی تعبیر بھی دریافت کرتے تھے، دعوت کا کام کرنے والوں میں کسی نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑے بزرگ ان سے کہہ رہے ہیں کہ کام تیز کردو لیکن داڑھی منڈوادو، ان صاحب نے صبح ہی فون کیا اور داڑھی منڈوانے کا ارادہ کرنے لگے، بھیا نے کہا: ٹھہر جایئے! خواب پر غور کیجیے، داڑھی منڈوانے کا وہ مطلب نہیں جو آپ نے سمجھا، داڑھی منڈوانے کا مطلب یہ ہے کہ کام خوب کیجیے مگر اس کو خوب چھپایئے، اس کی تشہیر نہ کیجیے، اور لوگوں کو بتایئے نہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو انگریزی لباس میں دیکھا، فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

مراد اسلام اور مسلمان ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لباس نظر آ رہا ہے اس سے مراد انگریزی تہذیب ہے جو مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے۔''(۱)

تعبیر خواب کے سلسلہ میں ان کی قوت ادراک بہت بڑھی ہوئی تھی، وہ اس کے ذریعہ بھی اصلاح وتربیت کا کام لیتے تھے، مثلاً ایک مرید صادق نے اپنا خواب بتایا کہ ایک قطب کی زندگی میں میں تین تاء (ت) دیکھ رہا ہوں، فرمایا: اس کی تعبیر یہ ہے کہ غلطی ہو جائے، فوراً توبہ کرو، تو توفیق ملے گی، پھر تائید حاصل ہوگی۔

اور ایک عزیزہ نے مولانا کی وفات سے چند مہینے پہلے خواب دیکھا کہ فضا میں میں ان کے لیے موتیوں کی ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے، ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی، خود ان سے خواب سننے لگے، اور لقاء رب کی خوشخبری پا کر اس کا شوق بڑھایا۔

جامعیت

مولانا محمد قیصر حسین ندوی (استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) لکھتے ہیں:

''قول وعمل میں اعتماد وہم آہنگی، فکر میں گہرائی وگیرائی، حقوق اللہ وحقوق العباد کی رعایت وحفاظت، امانت ودیانت کے معاملہ کی پاکیزگی اور تعلقات میں ترقی وسنجیدگی آپ کی بنیادی ونمایاں صفات تھیں، آپ کی طبیعت میں جرأت حق، خلوص نیت، عالی ظرفی، عزم وحوصلہ اور ثبات واستقامت کے جوہر نمایاں تھے، زندگی کے تقاضوں پر ہمیشہ مثبت وایمانی انداز سے غور وفکر کرتے، مایوسی وقنوطیت کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑا تھا، آپ اپنی عاجزی وانکساری کی وجہ سے ہر دل میں جگہ رکھتے تھے، وہ رفقاء کے ساتھ اچھے رفیق، اساتذہ کے ساتھ سعادت

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبد اللہ حسنی ندوی نمبر

مند شاگرد اور بزرگوں کے ساتھ باادب اور نیاز مند تھے، اور ان کی تعظیم وتوقیر کا ہمہ وقت خیال رکھتے، ہم نشینوں کی خوشنودی کی فکر کرتے، اجنبی آدمی سے بھی مسکراتے ہوئے ملتے، ان کے چہرے کی بشاشت اور خندہ جبینی ان کی لطافت طبع اور پاکیزگی قلب کی ترجمان تھی، وہ اپنے علمی، ادبی، دینی اور فکری کمالات کے ساتھ انسانی عظمت کے تمام پہلوؤں میں یکتائے روزگار تھے، اخلاق کی بلندی، کردار کی پاکیزگی، گفتار ورفتار کی سنجیدگی اورنرمی ان کا خاص وصف تھا، طبیعت کے نرم مگر اصولوں کے پکے، لوگوں سے بے نیاز مگر ہر ایک کے بہی خواہ، ہمدرد اور رنج وراحت کے شریک، دنیا سے بے تعلق مگر پوری دنیا کے مسلمانوں کے غم میں گھلنے والے، متعدد تنظیموں اور تحریکوں کے خصوصی مشیر اور ان میں زندگی کی روح پھونکنے والے، خاموش طبع اور سنجیدہ مگر انتہائی ظریف اور خوش طبع۔'' (۱)

علمی رسوخ

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (آکسفورڈ لندن) لکھتے ہیں:

''سنہ ۱۹۷۸ میں احقر ندوہ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا تھا، اور یہی مولانا مرحوم کا پہلا تدریسی سال تھا، شروع میں آپ سے واقفیت سرسری تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ واقفیت بڑھتی گئی، جب سنہ ۱۹۸۴ میں میری تقرری بھی ندوہ میں بحیثیت مدرس ہوگئی، تو آپ سے تعلق اور قربت میں کافی ترقی ہوئی، وجہ اس کی شاید یہ ہوئی کہ آپ ندوۃ العلماء کے مؤقر عربی جریدہ الرائد کے

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

نائب مدیر تھے، اور میں استاد محترم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی دامت برکاتہم (الرائد کے چیف ایڈیٹر) کی ملاقات کی غرض سے فارغ اوقات میں الرائد کے دفتر میں حاضر رہتا تھا، ان دونوں استاد محترم کی خدمت میں حاضری اور استفادہ میرا محبوب مشغلہ تھا، وہیں مولانا عبد اللہ صاحب سے بھی صحبت رہتی، عمر ورتبہ میں بڑے ہونے کے باوجود آپ خاص خیال رکھتے، اور بڑی توجہ فرماتے، بہت ہی جلد آپ سے انسیت ہی نہیں بلکہ بے تکلفی ہوگئی، آپ سے یہ تعلق میری علمی ترقی اور عملی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا، آپ کی زبانی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بہت سے وہ واقعات وخصائص سنے جو عام طور سے لوگوں کے علم میں نہیں، مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کی ایک اہم خصوصیت جس کا ہمہ وقت تجربہ ہوتا وہ افکار وخیالات کی پختگی تھی، جب کہ میں ندوہ کی روایت کے مطابق آزادی کے ساتھ متقدمین ومتاخرین کی تحریروں کا مطالعہ کرتا، اور آپ سے ہر روز کسی نہ کسی نئے موضوع پر گفتگو ہی نہیں بلکہ بحث ومباحثہ رہتا، اس زمانہ میں ابن حزم ظاہریؒ، ابن قیمؒ، ابن تیمیہؒ کی کتابوں کا خصوصی مطالعہ کرتا تھا، اور میرے خیالات ہر دن بدلتے رہتے تھے، آپ کشادہ دلی سے میرے سوالوں کا جواب دیتے، اور فرماتے کہ ابھی پختگی آنے میں وقت لگے گا، بعد میں مجھے اندازہ ہوا کہ جن موضوعات پر میں آپ سے بحث کرتا تھا ان میں سے زیادہ تر میں آپ کی رائے صحیح تھی، آپ کی صحبت سے تصوف وحقیقت کے بہت سے پہلو منکشف ہوئے، اور بالخصوص علم وتصوف کے درمیان معتدلانہ راہ روی کی معرفت مجھے آپ کے

ذریعہ حاصل ہوئی۔

غرض مولانا مرحوم غایت ادراک ونہایت فہم سے متصف ،فنون ادبیہ علوم نقلیہ کے جامع ،فروع واصول پر حاوی، مالک مشاہدہ وصاحب مطالعہ تھے،علم تفسیر وحدیث نہایت مستحضر تھا، عام طور سے حدیث وتفسیر کی کتابوں کا درس دیتے ،فقہ سے بھی اچھی خاصی مناسبت تھی ،طلبہ آپ سے مطمئن ہی نہیں بلکہ آپ کے طرز تدریس، مسائل کی تقریر اور معضلات وغوامض کی تشریح کے دل دادہ تھے،تقریر کرتے تو ہمیشہ شریعت وسنت کے مطابق، جولوگ آپ کی مجلس کے بیٹھنے والے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ ان میں کیا کیفیت ہوتی تھی ،اور پڑھنے پڑھانے سے سننے والوں کا کیا حال ہوتا تھا، بلند پایہ خیالات انتہائی سادگی ،نفاست اور دل کشی سے ادا کرتے ،گفتگو قرآنی آیات اور احادیث سے مدلل ہوتی ، بزرگوں کے واقعات اور سلف کے احوال اس طرح سناتے کہ سامعین کی دلچسپی میں اضافہ ہوجاتا۔"(۱)

ذکروفکراور باکمال داعی ومربی

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ نے جومولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم کے والد مولانا سید محمد الحسنیؒ کے دوستوں میں ہیں ان کے متعلق پیام عرفات رائے بریلی کی خصوصی اشاعت کے رسم اجراء کی تقریب منعقدہ ندوۃ العلماء میں اپنے اظہار خیال میں کہا کہ:

"مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم کے والد برادرم مولانا محمد میاں

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

مرحوم ہمارے درس کے ساتھی تھے، بخاری شریف و مسلم شریف میں ہمارے ساتھ شریک تھے، مجھے بھی ان سے غیر معمولی محبت تھی، جس زمانہ میں حضرت مولانا علی میاںؒ کے ساتھ رائے پور کا ان کا سفر ہوا، اس میں یہ ناچیز بھی رفیق سفر تھا، اور اسی سفر میں وہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے، تو وہاں پر ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ مادر زاد ولی ہیں، اور ان کے والد ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی تمنا تھی کہ ان کی اولاد میں کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جو محدث بھی ہو متکلم بھی ہو اور داعی بھی ہو، چنانچہ عبداللہ حسنی کا تولد ہا، ان کے ساتھ اللہ والوں کی دعائیں تھیں، اور خاندان کے اہل ذکر کی دعائیں بھی تھیں، مولانا عبداللہ حسنی مرحوم نے صرف کتابی علم نہیں حاصل کیا تھا، بلکہ انہوں نے نور علم بھی حاصل کیا تھا، ان کے دادا اور حضرت مولانا علی میاں کی خواہش تھی کہ یہ صرف عالم ہی نہیں بلکہ ان کا دل علم سے منور ہو صاحب ذکر ہوں، اس لیے ان کے اندر ایک اجتبائی شان پیدا ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک کشش پیدا کردی، حقیقت میں یہ ایک کرامت کا اظہار ہے جو ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے پہلے لکھا تھا کہ اولاً تو غیروں کی حکومت یہاں قائم نہیں ہوگی، اور اگر ہوئی بھی تو ان کے بڑے زعماء اسلام سے قریب آجائیں گے، اور اسلام قبول کرلیں گے، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ پیشین گوئی کیسے پوری ہوگی، لیکن جب مولانا عبداللہ حسنی کے کام کو دیکھا، تو ذہن میں آیا کہ شاید انہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس ملک میں یہ کام کرائے گا، وہ صاحب ذکر تھے، اور صاحب دل بھی تھے، اور وہ حضرت مولانا علی میاںؒ کے فیض سے مستفیض ہوئے

تھے، اور اپنے والد صاحب و دادا صاحب اور حضرت مولانا سید محمد
رابع صاحب ندوی سے بھی پورا استفادہ کیا تھا، اس لیے ان کے
اندر ایک شان اجتبائی پیدا ہوگئی تھی، اور اللہ تعالیٰ ان کے دماغ
میں عجیب عجیب طریقے الہام فرماتا تھا۔"(۱)

قوت تاثیر

بہرائچ کے ایک سفر میں مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم کے ساتھ ایک عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ نماز کے وقت مسجد جانے سے اہل تعلق نے منع کیا، کہ میاں دوسرے فرقہ کے لوگ شرارت پر اتر آئیں کہیں پتھر وغیرہ نہ کریں، آپ گھر پر ہی جماعت کرلیں، مولانا نے فرمایا ہم مسجد ہی جائیں گے، پھر مولانا مسجد کے لیے تشریف لے گئے اور شرارتی تھے وہ راستہ میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، اور جو سرغنہ تھا اس نے آکر اپنی غلطی کا اقرار کیا، معافی مانگی، اور توبہ کی اور آپ سے بیعت ہوا، اسی علاقہ کا ایک دوسرا واقعہ یہ قابل ذکر ہے کہ آپ کے پاس ایک ایسا شخص ملنے آیا جو بواسیر کی بیماری میں کافی دنوں سے مبتلا تھا، اور دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اور بدعتی تھا، وہ آپ کو آزمانا چاہتا تھا، اس نے آکر آپ سے خواہش ظاہر کی کہ میں فلاں گاؤں آپ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں، لیکن میں ایسا بیمار ہوں کہ وہاں کھانا کیا کھاؤں گا، مولانا تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے اس سے فرمایا میرے ساتھ چلو، پھر اس نے دوبارہ سوال کیا، مولانا نے کہا میرے ساتھ چلو، جب تیسری مرتبہ اس نے کہا تو مولانا نے فرمایا کہ تمھارا جو جی چاہے کھانا وہ کہتا ہے میں نے شرارت میں خوب گوشت کھایا، لیکن الحمد للہ اس وقت سے آج تک بواسیر کی بیماری نہیں ہوئی، اور پھر اس نے مولانا کے ہاتھ پر توبہ کی، اور بیعت ہوا، اور الحمد للہ صحیح عقیدہ کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔

اسی طرح ان میں جو کشش پیدا ہوگئی تھی، اس کا اثر بھی ظاہر ہوتا، ایک شخص آپ

(۱) مجلہ الشارق: ۳۶-۳۷، مئی جون ۲۰۱۳ء اعظم گڑھ

کو دیکھتا رہا، پھر بے چین ہوکر ایک دم آپ کا ہاتھ پکڑ کر رونے لگا۔

اسی طرح کے اور بھی نامعلوم کتنے واقعات ہیں مثال کے طور پر یہ چند واقعات ذکر کردیئے۔

کسب حلال

مولانا خالد بیگ ندوی اپنا تجربہ ومشاہدہ بیان کرتے ہیں: مولانا کا ایک برا وصف مشتبہ مال سے حد درجہ بچنا تھا، اور دوسروں کے دست نگر نہ ہونا تھا، اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ ہمارے کاموں میں تاثیر اور قبولیت اسی وقت ہوگی جب مشتبہ مال سے بچیں، وہ مدارس وغیرہ میں جاتے اور یہ محسوس کرتے کہ کھانے ناشتے کا اہتمام مدرسہ کی طرف سے کیا گیا ہے تو وہ مدرسہ کا کچھ تعاون فرمادیتے، مولانا دعوت کے کام کے میدان میں داعی کے لیے بہت ضروری سمجھتے تھے کہ داعی انبیاء کے اس اصول پر قائم رہے "لا أسئلكم عليه أجرا ان أجرى الا على الله" لہذا شروع میں جب حضرت ندوہ میں استاد تھے تو شروع میں تنخواہ نہیں لیتے تھے اور مجلس شوریٰ کے اصرار پر بعد میں تنخواہ لی، اور اس کو بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کردیتے تھے، ۸۴-۸۵ء کے زمانہ میں مولانا کے ساتھ ان کے گھر جانا ہوا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مولانا دوا بنارہے ہیں اور پورے ہاتھ میں اس کے اثرات ہیں، مولانا فرماتے کہ اپنی وسعت کے مطابق علماء کو کسب حلال کرنا چاہیے، اور دین کا کام بلا اجرت ومعاوضہ کریں، یہی سنت نبوی سے اقرب ہے، اس سلسلہ میں مولانا عزیمت پر عمل کیا کرتے تھے، مولانا فرماتے تھے کہ طلبہ دو چیزوں کا خیال کرلیں، ایک علوم میں اختصاص دوسرا استغناء تو اللہ تعالیٰ ان کو بہت قبولیت سے نوازے گا۔

محنت ومشقت

مولانا کی ایک بڑی خصوصیت محبت وشفقت عامہ کا ہونا تھا، اور حضور ﷺ کی

اس صفت کا پرتَو تھے کہ "عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم"(التوبة:۱۲۹) وہ ہر کام کرنے والے اور ہر مومن سے اس انداز سے محبت وشفقت فرماتے ہر ایک سمجھتا کہ حضرت کا مجھ ہی سے سب سے زیادہ محبت وتعلق ہے،ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں بڑی مناسبت تھی اور وہ اس صفت میں حضرت پرتاپگڑھی کے ثانی تھے،تو مسلموں اور طلبہ کے ذاتی حالات سے واقف ہو کر ان کی ضروریات کو حتی الوسع اس طرح پورا کرنے کی کوشش کرتے جیسے کوئی شفیق باپ ہو،اور گویا کہ ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داری خود انہی پر ہے،انتقال کے بعد پتہ چلا کہ کتنے لوگوں کی ذاتی زندگی کی ضروریات حضرت سے متعلق ہوگئی تھیں،جن کو حضرت پورے اخفاء کے ساتھ پورا کرتے تھے،کسی طالب علم کو میڈیکل کالج میں پڑھا رہے ہیں،اور اس کی فیس ادا کر رہے ہیں،کسی کے گھر کی مرمت کروا رہے ہیں،کسی بیوہ کا وظیفہ جاری کئے ہوئے ہیں،یتیموں کے مسائل حل کر رہے ہیں،ان میں سے بہت سی چیزوں کا علم مجھے حضرت کی حیات میں تھا،لیکن اکثر حاجت مند خود آ کر ان چیزوں کا اظہار کرنے لگے،حضرت علی زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو لوگوں کو پتہ چلا کہ اپنے ہی علاقہ کے سینکڑوں بیواؤں کے گھر ہر ماہ اخفاء کے ساتھ مہینہ بھر کا راشن رات کے اندھیرے میں تھیلیوں کی شکل میں لے جا کر ان کے گھروں کو پہونچا دیتے،کوئی نہیں جانتا کہ یہ پہونچانے والا کون ہے،حضرت زین العابدین کے انتقال کے ہی یہ سلسلہ بند ہوا،تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ یہ تھے،ایسا ہی کچھ حال حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کا تھا،کہ آپ کے انتقال کے بعد امت سے آپ کی شفقت ومحبت اور غمخواری کے واقعات لوگوں سے معلوم ہوئے۔

امت مسلمہ کے لیے دلسوزی

مولانا رحمۃ اللہ علیہ رات دن امت کے مسائل پر ایسا تڑپتے تھے بلا مبالغہ یہ کہا

جاسکتا ہے جیسے کسی شفیق ماں سے اس کے بچے کو چھین لیا گیا ہو، اور جس لحاظ سے جہاں کہیں بھی دین کا کام ہو رہا ہے اس کی ہمت افزائی اور تعاون کرتے تھے، اور کام کرنے والوں کے لیے مستقل دعاؤں کا اہتمام کرتے تھے، خود ہم نے کئی مرتبہ مولانا سے دعا کی درخواست کی تو کہا بارِ بار درخواست کرنے کی ضرورت نہیں، تم لوگوں کے لیے دعا میرے روزانہ کے معمولات میں شامل ہے۔

طلبہ کی تربیت اور ان کی اصلاح کی کوشش میں دن رات مصروف رہتے، تاکہ ان کو کام کا اہل بنا کر علاقوں میں بھیجا جا سکے، نہ جانے کتنے افراد کو تیار کیا، کہ وہ ہندو احیاء پرستی، عیسائی مشنری، اور قادیانیت کا مقابلہ کر سکیں، اور امت کو ارتداد سے بچالیں۔

عقیدۂ توحید اور یقین وتوکل

مولانا کو ہر وقت فکر رہتی تھی کہ اس امت کو شرک جلی سے ہی نہیں بلکہ شرک خفی سے محفوظ کرنے کی کوشش کریں، شرک سے حد درجہ نفرت تھی، جہاں بھی جاتے توحید کا درس دیتے، لوگوں کو شرک کے خلاف بتاتے، بیماری کے زمانہ میں ہم سب نے محسوس کیا کہ مولانا توحید کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جس کو دیکھ کر ہم جیسوں کو احساس ہوا کہ ہم خود شرک خفی میں مبتلا ہیں۔"(۱)

ذکر واخلاص

مولوی محمد عرفان ندوی (برما) کہتے ہیں، جب میں وطن جانے لگا، اور حضرت سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا، اور اپنے جذبات اور مقاصد دعوت دیں کے تعلق سے ذکر کیے تو فرمایا: میں اپنی زندگی کا ایک راز بتاتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سے جتنے کام لیتے رہے ہیں، وہ یہ کہ میں اللہ کا نام لیتا رہا ہوں، تم بھی اللہ کا نام لیتے رہو، اللہ تعالیٰ تم سے کام لیں گے، پھر تم حیران رہ جاؤ گے۔ مولانا نے اس موقع پر سلسلہ چشتیہ میں جو

---

(۱) روایات مولانا خالد بیگ ندوی

دوازدہ (۱۲) تسبیحات ہیں وہ تلقین فرمائیں، اور فرمایا کہ سلسلہ کی اجازت دیتا ہوں، اور فرمایا ایک مہینہ پابندی کے بعد ذکر و جیز جو بتایا ہے وہ بتانا، مولانا عرفان کہتے ہیں، اور جب میں نے مولانا کی نصیحت لکھنی چاہی تو فرمایا مت لکھو، دل و دماغ میں لکھ لو۔"

اخفائے حال

اس سب کے باوجود مولانا کے یہاں اخفاء بھی حد درجہ کا تھا جس کی کچھ وضاحت انہیں کے تعلق والوں میں سے سید ولی حسن قادری نے کچھ یوں بیان کی ہے:

> "مولانائے محترم کے غیر مسلموں میں کام کا چرچا ادھر چند سالوں سے لوگوں میں زیادہ ہونے لگا تھا، مگر برسوں (کم از کم سترہ سال) پہلے کا ایک واقعہ میں بھول نہیں پاتا ہوں، رمضان کے دنوں میں میں تکیہ پر بنگلے (مہمان خانے) کے پاس کھڑا تھا کہ ایک سادھو (میری نظر میں) گیروے کپڑے میں ملبوس، بڑی داڑھی کے ساتھ بڑی مونچھیں، تکیہ کی جانب چلا آرہا تھا، ڈاکخانے سے ذرا پہلے موڑ پر اس نے اپنی دھوتی کو پیچھے سے کھول کر لنگی کی شکل دی اور مسجد کی طرف بڑھ گیا، مجھے تجسس ہوا میں اس کے پیچھے ہولیا، وہ استاذ گرامی سے ملا، دونوں کچھ دیر گفتگو کرتے رہے، پھر عصر کی جماعت کا وقت ہوگیا، لوگ مسجد کے اندرونی حصے میں جماعت ادا کرنے چلے گئے اور وہ مسجد کے اگلے حصے (قبلے کی جانب مسجد کے احاطے میں بیرونی دیوار اور مسجد کے درمیان جو گلی سی ہوجاتی ہے) میں چلا گیا، جماعت کے فوراً بعد مولانائے محترم مسجد سے باہر آئے اور اس سے دوبارہ آہستہ آہستہ گفتگو کرنے لگے، سارے لوگ معمول کے مطابق اپنے ذکر و اذکار اور تلاوت میں مشغول تھے، میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کو اسی جانب

جا کر جلدی جلدی دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا، پھر وہ چل دیا، میں بھی مسجد سے باہر نکل کر اس کے پیچھے ہولیا اور موقعہ ملتے سوال کیا کہ آپ کون ہیں؟ کیا آپ مسلمان ہیں؟ ان صاحب نے پہلا سوال گول کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں الحمدللہ مسلمان ہوں اور مولانا (عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کا بتایا ہوا کچھ کام کرتا ہوں، پھر وہ (میری عمر کے لحاظ سے) سے ہی سوال کرتے رہے اور میرے سوالوں کا جواب نہ کے برابر دیا، ڈاکخانے کے پاس موڑ پر پہنچ کر انہوں نے پھر اپنی لنگی کو دھوتی کی شکل دی اور چلتے رہے، ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا میرا ساتھ ان کو ناگوار گذر رہا ہے، اس لیے میں ان کو سلام کرکے واپس آگیا، استفساراً جب یہ ساری باتیں استاذِ محترم مولانائے گرامی کو بتائیں تو انہوں نے ایک خاص جگہ کا نام لے کر بتایا کہ اللہ تعالی ان سے وہاں دین کا کافی کام لے رہا ہے، ایک بہت اہم کام کے لیے مشورہ کرنا تھا اس لیے اس حلیے میں یہاں آگئے ورنہ میں نے منع کر رکھا ہے، پھر اپنے مخصوص انداز اور لہجے میں فرمایا: ''چونکا نہ کرو، یہ (اس طرح کے لوگ) اکیلے نہیں ہیں ان کے جیسے اور بھی ہیں جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں''۔

شفقت ومحبت

یہ وصف بھی مولانا کا بہت بڑھا ہوا تھا جو ملاقات پر، دسترخوان پر، تقریر وتحریر پر، دوسری دینی وعلمی کوششوں پر، مختلف طریقوں سے ظاہر ہوتا، جو عزیزان مولوی مکی حسنی، منصور، رشید، خلیل، امین، اور شعیب سلمہم کے مضامین میں گھر کے تعلق سے دیکھا جاسکتا ہے، شعیب سلمہ نے جو بات لکھی ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ان کا دل مہبط محبت تھا
اب محبت خیال خام ہوئی
جب ملے دل سے دل قریب ہوا
روح سے روح ہم کلام ہوئی
ان گمنام زندگی دیکھیں
وہ جنہیں شہرت دوام ہوئی

ایک خداداد صلاحیت جو مولانا کو ملی تھی وہ انداز تربیت اور طریقہ اصلاح ہے، تربیت پر مولانا بہت زور دیتے تھے، کوئی درس کوئی مجلس کوئی گفتگو تربیتی پیغام سے خالی نہیں ہوتی تھی، اصلاح وتزکیہ کا عمل بڑی حکمت کا متقاضی ہے، مولانا کے ٹوکنے کا انداز بڑا ہی لطیف اور زود اثر ہوا کرتا تھا، بطور مثال میں عرض کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میری تقریر میں انہوں نے کوئی کمی محسوس کی، تو باتس میں اس انداز سے کہا کہ دل بھی بڑا ہو گیا اور غلطی کی جانب توجہ بھی ہو گئی۔

بزرگوں کا پاس ولحاظ

مولانا کے عم مکرم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رقم طراز ہیں:

''مولوی عبداللہ حسنی حدیث شریف سے شغف رکھنے کی وجہ سے سیرت کو اپنے لیے نمونہ اور ذات رسول ﷺ کو اپنے لیے اسوہ سمجھتے تھے، اتباع سنت کا ان کو بڑا اہتمام تھا، اور وہ اپنے معتقدین کو اس کی پابندی کا حکم دیتے، سخت بیماری میں بھی وہ اس پر عامل تھے۔

حدیث شریف میں ہے ”لیس منا من لم یوقر کبیرنا ولم

یرحم صغیرنا" مولوی عبداللہ حسنی اس پر عامل تھے، چھوٹوں پر شفقت اوران کی اصلاح کی فکر اور بڑوں کی تعظیم اوران کے تجربات سے استفادہ کرنا ان کا شعار تھا، اس کی ہم گواہی دے سکتے ہیں، وہ ہمارے ساتھ گفتگو میں اکرام اور خاص مجلس ہوتی تھی، بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوجاتے، اس وقت ہم اور برادر گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب گھر پہنچتے تو وہ سب کو چھوڑ کر گھر میں ہم لوگوں کے متوجہ کرنے پر کچھ دیر کے لیے مجلس میں چلے جاتے، ان میں غایت درجہ کی تواضع تھی، اپنے اساتذہ کے ساتھ ان کا یہی معاملہ تھا، یہ خصوصیت ان کو اپنے مربی اور شیخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ملی تھی، وہ آخر تک اپنے عصر کے اہل علم اور اہل تقویٰ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔

اپنے کام کے سلسلہ میں بھی وہ ہم لوگوں کو مطلع کرتے رہتے تھے، مولانا یوسف صاحب کاندھلوی کے بارے میں ایک بزرگ کا قول ہے کہ وہ اپنے عصر میں اپنے بڑوں سے بڑھ گئے تھے، یہ بات مولوی عبد اللہ حسنی ندوی مرحوم کی زندگی کی جامعیت، مقبولیت اور توفیق الٰہی کو دیکھ کر کہی جاسکتی ہے، فجزاہ اللہ خیر بما هو أهله"(۱)

اتباع سنت

اتباع سنت اور رضائے الٰہی کا شوق وجذبہ لڑکپن ہی سے تھا، جو متانت کی شکل میں اس زمانہ میں ہی ظاہر ہونے لگا تھا جو زمانہ

---

(۱) پیام عرفات مولانا عبداللہ حسنی ندوی نمبر

عموماً کھیل کود اور تفریح کا سمجھا جاتا ہے، ان کے ساتھی عزیزوں میں زبیر فریدی صاحب اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ان کو ایک مسئلہ میں تکلیف پہنچی، ہم دونوں ہی اس وقت چھوٹی عمر میں تھے، تین دن وہ ہم سے بولے نہیں پھر خود ہی آئے اور کہنے لگے کہ تین دن سے زائد ترک تعلق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں، اور جو ابتداء کرے وہ اللہ کو زیادہ پسند ہے اس لیے میں ابتدا کرتا ہوں۔

جزبۂ خیر خواہی

زبیر فریدی صاحب اور دوسرے ان کے ہم عمر عزیز مولانا عرفان حسینی ندوی اور مولانا عبید اللہ حسینی ندوی حضرت مولانا کے ہمدردانہ اور خیر خواہانہ عمل کا ذکر کرتے ہیں کہ جس میں بھی مولانا کوئی ایسی چیز دیکھتے جو نقصان دہ ہوتی تو وہ اس کے ازالہ کی طرف توجہ دلاتے، اور کبھی بھی کسی کی کمزوری کو دوسرے کے سامنے نہ کہتے، یہی وجہ تھی کہ مولانا کے بچپن کے ساتھی اور تعلیم کے رفقاء سبھی مرید و شاگرد آپ کو ناصح اور امین سمجھتے تھے۔

افکار ونظریات

دعوت توحید

توحید کی دعوت مولانا کے رگ وریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھی، اور اس میں ان کا درد اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ ظاہر ہو جاتا، چونکہ دین اسلام کے علاوہ جو ادیان ومذاہب ہیں وہ سب اب کفر وشرک میں پوری طرح ڈوبے ہوئے ہیں، اور اسلام کی طرف نسبت کرنے والے بعض فرقے بھی اس میں پوری طرح مبتلا ہیں، روافض اور شیعہ کا غلو اس قدر بڑھ چکا ہے کہ وہ حضرت علی کو رب کے درجہ میں سمجھنے لگے، اور ائمہ اثنا عشر کے سلسلہ میں ایسے عقائد گڑھ لئے کہ جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں، اور دوسری طرف شرك فی النبوة کو بھی اختیار کرلیا، مولانا کو اس فکر وعقیدہ کو باطل قرار دینے کی بڑی فکر تھی، اور اس کے لئے انہوں نے عربی کی ایک کتاب کا ترجمہ کرایا جو شیعیت سے تائب ان کے ایک بڑے عالم کی لکھی ہوئی تھی اور بلاد عربیہ میں تھا، ”للّٰہ ثم للتاریخ“ کے نام سے معروف تھی ”انصاف کی عدالت میں مظلوم اہل بیت کا مقدمہ“ کے عنوان سے کتاب طبع کرائی، تاکہ لوگ گمراہی سے بچ سکیں، یہ ایک ان کا انقلابی قدم تھا اور اس تیزی سے یہ کتاب پورے ملک میں پھیل گئی جس کا تصور محال تھا۔ یہ مولانا کے داعیانہ فکر و درد اور ان کے اخلاص کا نتیجہ تھا۔

بدعت کے راستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے نام پر ترک

فرائض، اور علم غیب کی باتوں کا اختراع اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی باتوں کا انتساب جو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ خاص ہیں، زیادہ عام اور تحریکی شکل میں ان کا شیوع دیکھا جس کے لیے ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ وغیرہ کا سہارا لیا جانے لگا تھا، آپ کو سخت فکر دامن گیر ہوئی اور بعض افراد کو اس کام میں لگایا کہ وہ اس کا جائزہ لے کر اس کے رد میں کتابیں لکھیں اور اس سلسلہ میں بعض کا نام آنے پر ان کی بڑی ہمت افزائی کی اور اس کی بھی اشاعت کی بڑی فکر کی۔

اسی طریقہ سے اللہ کی صفت ربوبیت میں انسان غیر شعوری طور پر جو شرک کر بیٹھتا ہے، اور شافی، رازق دوسرے کو سمجھ لیتا ہے، مولانا کے لئے یہ چیز بھی برداشت سے باہر ہوتی، اور اپنی تقریروں اور ملفوظات میں برابر اس کی نفی کرتے، اور بتاتے کہ کارساز حقیقی صرف اللہ ہے اور یہ حساسیت ان میں اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اللہ کا ترجمہ خدا سے کیے جانے اور الٰہ کا ترجمہ معبود اور اللہ اکبر کا ترجمہ اللہ سب سے بڑا ہے کو ناکافی سمجھتے تھے اور اللہ اکبر کا ترجمہ اس طرح کرتے کہ اللہ ہی بڑا ہے، اور فرماتے کہ اللہ اور الٰہ کے معنی و مطلب کو کوئی بھی دوسری زبان ایک لفظ میں ادا نہیں کر سکتی اور درحقیقت کسی دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

نئی نسل کے لئے ہندوستان میں تعلیم کے راستہ سے ایک بڑا امتحان جب یہ سامنے آیا کہ بچوں کو اسکول میں لازمی طور پر وندے ماترم گانے میں شریک ہونا تو جس طرح مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بے چین ہو گئے اور انہوں نے صاف اعلان کر دیا کہ ہم صاف طور پر بچوں کے گارجین سے کہہ دیں گے کہ وہ اپنے بچوں کو اسکولوں سے نکال لیں، اور مسلم امت کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ وعظ یاد دلایا جو انہوں نے اپنی وفات کے قریب اپنی اولاد کو سوال کے انداز میں دیا تھا جس کو قرآن نے نقل کیا ہے "ماتعبدون من بعدی" کے عنوان سے مولانا علی میاں نے اس کو جب مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تو اس کا بڑا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ

توحید کے سلسلہ میں جو حساسیت رخصت ہو رہی تھی، اس نے پھر زور پکڑا، مولانا عبداللہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روشنی میں علاج کے طور پر اپنے تربیتی اسکولوں کے قیام کی تحریک چلانی شروع کی، اور جگہ جگہ جا کر پورے ملک میں اس کی دعوت اور ندا لگائی جہاں لوگوں نے ان کی اس ندا کو لبیک کہا، اور اسلامی طرز پر اسکولوں کا قیام تیزی سے ہونے لگا، مولانا کو اس سلسلہ میں دو بڑے معاون ملے، ایک مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی جنہوں نے اسلامیات کا ایک نصاب تیار کر کے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی قصص النبیین کو جو بچوں کا علم کلام ہے جدید طرز تعلیم کے مطابق انگریزی میں لا کر ایک انقلابی کام کیا، اور بھٹکل کو سنٹر بنا کر مولانا ابوالحسن علی ندوی اکادمی قائم کر کے اس کے تحت A.P.S یعنی علی میاں پبلک اسکول کا نظام قائم کیا، اور اپنی عالی ہمتی سے وہ اس فکر و نظام کو لے کر دوسرے ملکوں، مالدیپ، جاپان، چین، ملیشیا وغیرہ میں بھی داخل ہو گئے۔

دوسری طرف مولانا خالد بیگ ندوی تمکوری نے جدید تعلیمی نظام کا گہرائی سے مطالعہ کر کے مولانا کے مشوروں سے اس راہ میں قدم رکھا اور انہوں نے ایک دوسرا طرز اختیار کیا کہ مروجہ نصاب کو جاری رکھتے ہوئے اس میں نظام میں تبدیلی کی اور اساتذہ کو ایسی ٹریننگ دی کہ وہ بچوں کو یہ نصاب پڑھاتے ہوئے دین کی بنیادی باتوں اور اسلام کے ضروری احکام اور فرائض و واجبات جیسے نماز و روزہ اور میراث وغیرہ کی باتوں سے حساب کی تعلیم وغیرہ سے واقف کرادیں، اور مروجہ نصاب کو پڑھتے ہوئے لڑکا ایک طرف عصری تعلیم کا ماہر ہو کر نکلے اور دوسری طرف دین کی مبادیات سے اچھا واقف کار بھی ہو جائے، مولانا کی سرپرستی میں یہ نظام خاصا مقبول ہوا، اور اس کی افادیت کو عام کرنے کی غرض سے مولانا نے مشقت اٹھا کر اور بیماری کی پرواہ نہ کر کے بار بار سفر کیے، اور تکلیفیں اٹھائیں لیکن ان کے نزدیک بچوں کے دین و عقیدہ کی حفاظت کے اس ذریعہ کو طاقت پہونچانا وقت کا سب سے اہم تقاضا

تھا، اور صرف یہی نہیں بلکہ وقت کا بڑا اجہاد بھی۔ مولانا سے مشورہ لینے میں متعدد لوگ ان دونوں کے نظام سے اپنے اپنے ذوق ومزاج کے مطابق جڑے، اور بعض نے الگ طرز پر یہی فکر لے کر کام کیا، اور بہت سے حضرات نے ان سے راہ لی۔

مولانا بار بار ہر محفل اور ہر تقریر میں توحید پر زور دیتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر توحید اور عقیدہ صحیح نہیں تو چاہے نام جو رکھا جائے، لباس جو پہنا جائے، کام جو بھی نیک اور اچھے کئے جائیں کچھ کام نہ آئیں گے، وہ فرماتے اس کی مثال یوں سمجھ لی جائے جیسے ایک شخص بینک رقم جمع کرنے جائے اور کھاتا نہ کھلوائے تو اس کی پوری رقم چاہے جتنی زیادہ واپس کردی جائے گی کھاتا کھلنے پر ہی جمع ہوگی، اسی طرح اگر عقیدہ اور توحید درست نہیں تو چاہے جتنی نیکیاں کر لی جائیں وہ یوں ہی واپس کردی جائیں گی، اور مقبول نہ ہوں گی۔

مولانا کو اس کا درد تھا کہ اچھے اچھوں کا آج عقیدہ صحیح نہیں ہے، یہاں تک کہ یہ حس علماء میں بھی کم ہوگئی ہے، بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے بلالیا، ایک عالم نے کسی کے انتقال پر یہ بات لکھی تو مولانا سے رہا نہیں گیا ان کو تنبیہ کرائی۔ اسی طرح ایک بڑے شخص کی طرف منسوب یہ بات بھی مولانا کو بڑی ناگوار گزری کہ تین کتابیں بڑی البیلی ہیں، قرآن کریم، بخاری شریف اور مثنوی مولانا روم۔ مولانا نے فرمایا اپنی اپنی جگہ پر ان کی افادیت ہے، مثنوی مولانا روم سے بڑا فائدہ پہونچا ہے، لیکن قرآن مجید کے ساتھ اس کا ذکر کرنا یہ کھلی بے ادبی ہے۔ پھر مولانا نے اس ملفوظ میں جو ایک بڑے شخص کی طرف منسوب تھا یہ ترمیم کی، کہ اللہ رب العالمین کی کتابوں میں قرآن مجید کا کوئی جواب نہیں، انبیاء کے کلام میں بخاری شریف البیلی کتاب ہے، جس کا کوئی جواب نہیں، اور بزرگوں کے کلام میں مثنوی مولانا روم کا جواب نہیں۔

نعت پاک کے تعلق سے لوگوں میں جو حدود سے تجاوز ہونے لگ گیا تھا، جس

سے عقیدہ توحید متاثر ہو رہا ہے، اس کی بھی ان کو بہت فکر دامن گیر تھی، اس کے لیے ایک تدبیر انھوں نے یہ اختیار کی کہ ان حضرات کا منتخب کلام پیش کریں جن کے یہاں سچا عشق ہے اور مکمل اعتدال بھی ہے، چنانچہ مولوی شکیل احمد ندوی بارہ بنکوی سے کئی کیسٹ تیار کرائے، ان کے علاوہ اور بھی اچھے پڑھنے والوں کو اس کا حوصلہ دیا۔ اور اس میں مولانا محمد ثانی حسنی کے حمد وسلام اور مناجات کے اشعار کو جن میں توحید خالص اور نعت رسول کے ساتھ ذاتی دعاؤں کا مجموعہ بھی چھوٹے چھوٹے اشعار میں آ گیا ہے، اس کو پڑھوا کر عام بھی کرایا، اور نومسلموں کے عقائد مضبوط کرنے میں اس سے کام لیا۔

مولانا جب توحید کا درس دیتے تو مولانا شاہ اسماعیل شہید کا رنگ ان پر غالب ہوتا اور جب اس سلسلہ میں ان کا لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑتا تو پھر وہ اپنے خاندانی بزرگ حضرت شاہ علم اللہ کے سچے پیروکار ہوتے، انہیں اس سلسلہ میں امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی سختی بڑی پسند تھی کہ ان دونوں بزرگوں نے اس سلسلہ میں اپنے اپنے شیخ کے سامنے پوری صراحت اور صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ حضرت سید احمد شہید کو جب تصور شیخ کا شغل بتایا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر صاف منع کر دیا کوئی اور شغل ہو تو کر لیں گے، اس میں شرک ہے، یہ نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے بعض ایسے معاملات پر جو ان کے نزدیک سنت کے خلاف اور بدعت تھے، اختیار کرنے اور اس کی اجازت دیے جانے پر اپنے شیخ سے مراسلت کی اور شیخ نے رجوع کیا۔ توحید پر مولانا کا رسالہ حقیقت توحید بڑا چشم کشا رسالہ ہے، جس سے اور بھی حقائق کھلیں گے۔

مثالی درسگاہ

اسلام کے بقاء دین کے تحفظ کے لئے دینی درسگاہوں کی حیثیت بلاشبہ ریڑھ کی ہڈی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون﴾ میں جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ ہے، کہ یہ جس طرح اترا ہے اسی طرح ہمیشہ

محفوظ رہے گا، دینی مدارس اور علماء وحفاظ کی حفاظت کا وعدہ بھی اس میں آجاتا ہے، کہ یہ سب ایک دوسرے سے مربوط ہیں، لیکن دینی مدارس کے نظام میں تربیت کا پہلو جس طرح اس آخری دور میں متاثر ہوا ہے اس سے مولانا بڑے متاثر تھے اور فکرمند رہتے تھے، اس لئے وہ ہرادارہ اور درسگاہ میں اعلیٰ تربیتی نظام قائم کرنے کی کوشش توسعی لاحاصل سمجھتے تھے، لیکن ان کے نزدیک یہ ممکن اور ضروری تھا کہ بعض ایسے ادارے ضرور قائم ہوں جہاں سے بچپن کا زمانہ پاکیزہ گزار کر اچھے فضلاء اور علماء تیار ہوں اور وہاں داخلہ میں رعایت ومروت سے کام نہ لیا جائے، اور وہاں کے نظام کا انحصار زکوۃ پر نہ ہو، اس لئے زکوۃ کے حصولیابی میں غیر مستحقین اپنا حق جتا کر مستحق بن جاتے ہیں اور پھر وہ اس کے نتیجہ میں اس لائق نہیں بن پاتے جس کی ان کے اندر صلاحیت تھی، لیکن مشتبہ اور ناجائز طریقہ سے مال حاصل کر کے وہ یہ صلاحیت کھودیتے ہیں۔

اسی طرح ایسے افراد پر خاص طور پر محنت کی جائے جن کے یہاں ظلم سے بچنے، فسق وفجور سے دور رہنے، حلال وحرام کی تمیز کرنے کا خیال رکھا گیا اور ناجائز اور مشتبہ آمدنی سے گھر کو محفوظ رکھا گیا ہے، ان گھرانوں کے افراد جب علم نبوت کے طالب ہوتے ہیں تو پھر وہ اس راہ حقیقی کے مالک اور سچے وارث بنتے ہیں اور جب ان کو مدرسہ کی زندگی میں تربیت کا صحیح نظام نہیں ملتا، اور جس چیز سے ان کو گھر میں محفوظ رکھا گیا، یہاں دارالاقامہ میں رہ کر وہ محفوظ نہیں رہ سکے تو ایک طرح سے نہ صرف امانت میں خیانت ہوتی ہے بلکہ ظلم کی ایک نئی شکل ہوتی ہے جس کو ظلم سمجھا نہیں جاتا، مولانا کو صحیح نظام تعلیم کے ساتھ صحیح نظام تربیت کی بڑی فکر تھی، ان کو اپنے خواب کی تعبیر جب گجرات کے ایک مدرسہ جامعۃ العلوم گڈھا میں نظر آئی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، مولانا کے ہی فکر ودرد کو محسوس کر کے ان کے ایک مخلص متعلق مولانا سیف الدین صاحب نے یہ نظام قائم کیا ہے، یا یوں کہئے کہ اس فکر ودرد اور ان کی ہدایت وتلقین اور ہمت افزائی سے انہوں نے تقویت پائی، مدرسہ کے قیام سے پہلے سے بانی مدرسہ کا

حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی سے گہرا تعلق تھا، اس مثالی نظام تعلیم وتربیت کو مولانا نے دیکھ کر کہا کہ ہم اپنے گھر کے بچوں کو کہیں بھیجتے ہوتے تو اپنے لڑکے کو آپ کے یہاں بھیج دیتے۔

مولانا نے چاہا کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی بھی اس نظام کو دیکھ لیں اور ان کی زندگی میں یہ خواہش پوری ہوئی اور ان دونوں بزرگوں نے بھی اچھے تاثر کا اظہار کیا اور مولانا واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ نے جامعۃ العلوم کے ساتھ اس کی اس خصوصیت وامتیاز کے پیش نظر والتربیۃ الاسلامیہ کا بھی اضافہ فرمایا۔

صفائی، ستھرائی کے ساتھ بچوں کے اخلاق پہ پوری نظر، اس کے لئے نگرانی کا زبردست نظام، اور محبت وشفقت کا الگ انداز، عربی میڈیم نظام تعلیم، اور دوران زمانۂ تعلیم خارجی چیزوں سے حفاظت کا پورا سامان، فیس کا نظام اور طلباء کے خرچ پر پوری نگاہ، اس کے ساتھ زبان پر نظر، حیاء کی تاکید، اور تہذیب وادب کے خلاف کسی بات پر فوری سرزنش اور ہمہ وقتی نگرانی، یہ خصوصیات ایسی ہیں جو اس ادارے کو دوسرے اداروں سے ممتاز کرتی ہیں، جبکہ ابھی اور بھی اس میں اصلاحات کی جاسکتی ہیں، مولانا نے مشورے بھی دیے اور ان کے پیش نظر یہ مشورے ہیں۔

مثالی اسپتال

مثالی درسگاہ کے ساتھ ساتھ مثالی اسپتال کے قیام کی بھی مولانا کو بڑی فکر تھی، اور وہ آخر تک اس بارے میں سوچتے رہے، اور اہل تعلق کو اس کی ترغیب بھی دیتے رہے، تاکہ اسلامی ہدایات وتعلیمات کے مطابق اسپتال چلایا جاسکے، اور علاج اور اس کی تدابیر کے سلسلہ میں اسلام نے جو حد بندی کی ہے، اور اس میں جہاں اسراف وتبذیر سے رکنے کو کہا ہے، اور علاج میں اس حد تک جانے کو کہا ہے کہ جہاں

خدا اعتمادی متاثر نہ ہو، اور خود اعتمادی اتنی نہ بڑھ جائے کہ آگے کا خیال ہی نہ رہے اور نسلیں مقروض ہو کر تباہ ہو جائیں۔

اسی طریقہ سے تیمار داری کے جو آداب بیان کیے گئے ہیں، نرسنگ نظام اس کے مطابق کیا جائے، اور ڈاکٹروں کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ دوا علاج بطور سبب وتدبیر کے کریں مگر نگاہ مسبب الاسباب اور قادر مطلق ذات وحدہ لاشریک پر رہے، آج جب کہ علاج کا شعبہ بھی خالص کاروباری ہو گیا ہے اور مریض کی حیثیت گاہک کی سمجھ لی گئی ہے اس فکر وسوچ کو بدلنے کے لئے مولانا بڑے فکر مند تھے۔(۱)

دینی مکاتب کے قیام کی ضرورت

نسل نو کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے جو کام زیادہ موثر نظر آتے ہیں، ان میں گاؤں گاؤں، محلہ محلہ، مسجد مسجد، دینی مکاتب کے قیام کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، جہاں بچہ کسی بھی صورت میں جا کر ایمانی عقائد اور ضروری دینی باتوں سے واقف ہو جائے تا کہ وہ کہیں بھی جائے مسلمان بن کر جائے اور مسلمان بن کر رہے۔ مولانا برابر اس کے لئے تفقد احوال کرتے اور جہاں اس سلسلہ میں کوتاہی معلوم ہوتی وہاں کے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرتے، اور تعاون کے لئے دوسروں کو متوجہ کرتے۔

ملنے آنے والوں میں ان کے حالات کو دیکھتے ہوئے ان کے ایمان کا جائزہ لیتے اور اس کے لئے وہ کلمہ سننے کا طریقہ اختیار کرتے۔

اسی طرح سماج میں دین کے گھٹنے اور بڑھنے کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، خلفاء وراشدین، امہات المومنین سے متعلق سوالات کے ذریعہ کرتے اور وضو، نماز وغیرہ سے متعلق باتیں پوچھ کر مسلمانوں کی دینی حالت سے واقفیت حاصل

(۱) مولانا کی وفات کے بعد ان کے اس جذبہ اور دعوتی فکر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے مثالی اسپتال کے قیام کا الحمدللہ انہی کے متعلقین ومتوسلین اور ان کی تحریک سے جڑے افراد میں بعض نے منصوبہ بنالیا ہے، امید ہے کہ یہ خواب بھی بہت جلد شرمندہ تعبیر ہو جائے گا انشاء اللہ۔

کر لیتے، اوران کو آخر میں اس کا بڑا ڈر تھا کہ امت ارتداد کی طرف جارہی ہے۔

فرماتے تھے کہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے لوگ اندر نہ آجائیں، اور اندر کے لوگ باہر نہ چلے جائیں گے، ایک طرف تو ان کو ان حالات کے نتیجہ میں یہ یقین ہوگیا تھا کہ ہدایت آسمان سے نیچے اتار دی گئی ہے بس آدمی آگے بڑھے اور اس کو لے لے، اس لئے وہ فرماتے تھے کہ جو آگے بڑھے گا اس کے ذریعہ اللہ ہدایت کے دروازے کھول دے گا۔

دوسری طرف وہ فکر مند ہوتے کہ گمراہی بھی اسی طرح پھیلی ہوئی ہے جو اس کی طرف جائے گا اسے لے لے گا۔ وہ چاہتے کہ کیا کوشش اختیار کی جائے کہ جس سے لوگوں کو گمراہی سے بچایا جاسکے۔

دینی مکاتب کے قیام کو وہ اس کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ذریعہ سمجھتے تھے، اور انہوں نے خوب مکاتب قائم بھی کرائے اور اس کے لئے خوب دورے بھی کیے، اور دوسری طرف وہ ایسے اسکولوں کے قیام کو ضروری سمجھتے تھے کہ جہاں ان گھروں کے بچے آسکیں جو کسی صورت میں دینی مکتب میں اپنی اولاد کو بھیج نہیں سکتے، انہیں اسکولوں کی عصری تعلیم کو اسلامی روح کے ساتھ دی جائے، ان ہی اسکولوں کے ذریعہ دینی مکتب کا کام لے لیا جائے۔ مولانا سے رائے اور مشورہ لینے والوں میں مولانا اسد اللہ ندوی اور مولانا کمال اختر ندوی نے امیٹھی ضلع کے گاؤں میں اس کی اچھی پہل کی، اور کشمیر میں مولانا کے شاگردوں مولانا عاشق حسین ندوی کا کام بڑا قابل ذکر کام ہے، جب کہ مولانا الیاس بھٹکلی ندوی اور مولانا خالد بیگ ندوی نے اسلامی طرز اسکولوں کے قیام کو ایک تحریک کی شکل دے کر اس کے ذریعہ سے مسلمان بچوں کو مسلمان بنانے کا عظیم کام لیا ہے، لکھنؤ میں بھی مولانا سے متعلق لوگوں نے اس میں اقدام کیا ہے، مولانا کی یہی فکر کو سامنے رکھ کر جناب شیراز الدین صاحب نے مولانا اصطفاء الحسن صاحب کو ساتھ لے کر بچوں کی دینی تربیت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی ہی کی یادگار میں اسکول کی بنیاد

ڈالی ہے۔ جس کا افتتاح حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمایا: مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جو دیہاتوں، قصبات وغیرہ میں ہے اور وہ اپنے بچوں کو اسکول کی تعلیم دلانے کا خواب بھی نہیں دیکھتی اور اپنی معاشی صورت حال سے پریشان ہو کر ان کو جاہل رکھنے پر مجبور ہے آگے بڑھ کر یہ بچے سماج پ بوجھ بنتے ہیں، اور خرافات کے شکار ہوتے ہیں، انہیں کام کا بنانے کے لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ مختلف تدبیریں سوچتے رہتے تھے کہ کس طرح ان کے اندر تعلیم کا شوق پیدا کرایا جائے، انہیں لکھنؤ کے پڑوس ضلع سیتاپور کے گاؤں، دیہات کے ناگفتہ بہ حالات کا جب علم ہوا تو ان کی حساس طبیعت بڑی بے چین ہوئی، تو شفیق سیتاپوری کو اس کام پہ لگایا، اور بعض اہل خیر کو ان مکاتب کے تعاون کی طرف توجہ دلائی، اور رہنمائی فرمائی، اور بھی دوسرے مقامات پر اس کی فکر کی، مدھیہ پردیش، میں جہاں مسلمانوں کا تعلیمی حال بڑا ابتر ہے، جناب انتساب احمد صاحب کی کوششوں کا علم ہوا تو ان کی ہمت افزائی اور اس راہ میں مکمل رہنمائی فرمائی۔

اور مدراس کے سفر میں ندوی فاضل مولانا سید منصور اسلم ندوی کی مدراس کے اطراف اور تمل ناڈو کے اضلاع میں دینی مکاتب کے قیام کی کوششوں کا علم ہوا، جو چھ ہزار کی تعداد میں ہیں، تو ان سے بھی رابطہ مضبوط ہوا، یہ مولانا کا امتیازی وصف تھا، کہ دین کے لیے کام کرنے والوں سے اس نسبت سے وہ تعلق قائم کر لیتے تھے، اور اس کی فکر نہیں کرتے تھے، کہ جو کام ہو ہماری سرپرستی میں ہو۔

دینی مدارس کی سربراہی

دینی مدارس کی سربراہی مولانا کی دعوتی زندگی کا ایک اہم وصف ہے، ان مدارس کے ذریعہ جن کے وہ سربراہ اور ناظم یا متولی تھے خاموش دعوتی کام کے ساتھ اور مردان کار کی تربیت کا فریضہ بھی انجام دیا، جن تعلیمی دینی اداروں، مدارس و مراکز کے آپ ذمہ دار تھے، بحیثیت صدر و ناظم کے ایسے اداروں کی ایک لمبی فہرست ہے،

ان میں مدرسہ نور العلوم کنڈہ پرتاپ گڑھ، مدرسہ دینیہ غازیپور، مدرسہ عربیہ اسلامیہ جودھپور، مدرسۃ المعارف رام پور، مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ وہ اہم مدارس ہیں جنھوں نے ایک نام اور مقام پیدا کرلیا ہے، جگدیش پور میں بھٹوا کے مدرسہ کی آپ کو نظامت ملی تو روز اول سے اس کی فکر بھی زیادہ رہی کہ وہاں بدعت کا بہت زور تھا اور کچھ اسی طرح کنڈہ (پرتاپ گڑھ) کے احوال تھے، اسی لیے ان دونوں مدرسوں میں آنا جانا زیادہ رہا، بڑے نشیب وفراز آئے، مگر آپ بڑے تحمل سے کام لیتے رہے، اوران دونوں اداروں کو ترقی دی۔

آندھرا پردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش، اڑیسہ اور مغربی بنگال کے علاقوں ک بڑی فکر تھی، جہاں ارتداد پھیلنے کی اطلاعات سے آپ بے چین تھے، اپنے شاگردوں کو منظم طریقہ سے ان علاقوں میں کام پر ابھارا، اور ایک ٹیم تیار کی، اور سرپرستی فرمائی۔

ٹونک میں مولوی محمد عامر صدیقی ندوی نے المحمدیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفئر سوسائٹی آپ کی سرپرستی میں قائم کی، اور راجستھان میں کام کرنے کے لیے مرکز الامین الاسلامی للبنات اور مدرسۃ الایمان الاسلامیہ للبنین کے ذریعہ بڑے دعوتی تعلیمی کام کا آغاز کیا، مولانا خود وہاں تشریف بھی لے گئے، اس کے علاوہ راجستھانی طلبہ وفضلاء کو مولوی شیخ ابرار احمد ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذریعہ مختلف مقامات پر جمع کرا کر کام کا حوصلہ دیا، اسی طرح مولانا عامر خاں ندویاور مفتی عادل وغیرہ کو مشوروں سے نوازتے رہے، جھانسی اور مدھیہ پردیش کے مضافات میں انتساب صاحب کے مکاتب کے قیام کے ذریعہ کاموں کی پوری سرپرستی فرمائی اور ان کو ان کے کام کی بڑی قدر تھی، بھوپال میں قاضی مشتاق علی ندوی صاحب کا آپ سے بڑا رابطہ تھا وہ تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا عبداللہ حسنیؒ سے باقاعدہ ملاقات کب اور کیسے ہوئی یہ تو یاد نہیں، اندازہ یہ ہے کہ ۷۸-۱۹۷۷ء میں جب دارالعلوم ندوۃ

العلماء میں داخلہ کی سعادت حاصل ہوئی اور حضرت مولانا معین اللہ ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی رہبری اور توجہ سے اسی سال تکیہ کلاں حاضری ہوئی تو اسی وقت سے مولانا عبداللہ حسنیؒ سے ملاقات وتعارف ہوا۔ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد سے ۲۰۰۴ء تک کسی نہ کسی درجہ میں ربط وتعلق رہا لیکن اس دوران پہلے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور پھر حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی مد ظلہ العالی سے ہی قرب وتعلق رہا، رمضان المبارک میں تکیہ حاضری ہوتی تو عبداللہ حسنیؒ کے درس حدیث میں شرکت ضرور کرتا اور کبھی کبھی وہ ازراہ محبت وتعلق اپنے کمرے میں بلا کر ضیافت کا اہتمام کرتے تھے، ۲۰۰۴ء میں جب اللہ تعالیٰ نے بھوپال میں معہد الدراسات الاسلامیہ شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس کا پہلا سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو سب سے پہلے عبداللہ حسنی صاحبؒ کو مدعو کیا، اس وقت بعض مخلص ندوی حضرات نے اشکال کیا کہ ''عبداللہ حسنی تو مقرر نہیں'' لیکن چونکہ میں مولانا کے درس میں شرکت کرچکا تھا، مولانا بھوپال تشریف لائے، ایک وسیع وعریض میدان میں جلسہ ہوا، حاضرین سے شامیانہ چھوٹا پڑ رہا تھا، مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز سے ایسا سماں باندھا کہ پورا مجمع دم بخود تھا، اور جب اذان پر مولانا نے بات ختم کردی تو ہر ایک کو شکوہ تھا کہ مولانا کو کم وقت ملا، مولانا کی بات مزید ہونا تھی۔ اس کے بعد تو پھر بھوپال واطراف میں مولانا کی آمد کا ایسا سلسلہ قائم ہوا کہ ایک موقع پر مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا

کہ گھر والے کہتے ہیں: تم بھوپال بہت جانے لگے ہو۔

مولانا کے انداز خطاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بہت فاضل وقدیم ندوی صاحب نے فرمایا: ''مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے یہاں شعلہ بیانی نہیں، شبنم افشانی ہوتی ہے''۔

بھوپال ہو یا ایم پی کا کوئی بھی سفر، میں کوشش کرتا کہ سفر میں مولانا کے ساتھ ہی رہوں، مولانا بھی بہت غیر معمولی محبت واعتماد کرتے تھے، میں بھی مولانا کے سامنے اپنے ہر مسئلہ کو رکھتا، مولانا سنتے اور مسکراتے ہوئے بہترین حل پیش کرتے، معہد ومدرسہ اور دیگر میدانوں میں کام کرنے کے سلسلہ میں کبھی کبھی کا حالات کا شکوہ کرتا تو فرماتے: ''خاموشی سے کام کرتے رہیے اور اپنی طرف سے اچھا سلوک پیش کیجئے''۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''مولانا صاحب! قرآن مجید میں ہے: ﴿من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين﴾ '' خون اور گوبر کے درمیان سے ہی خالص وشیریں دودھ نکلتا ہے''، حالات واعتراضات کے درمیان ہی تو کام ہوگا اور پھر وہی ان شاء اللہ خالص وسائغ ہوگا۔'' (۱)

مغربی بنگال کے لیے مولوی اختر ندوی، مولوی خورشید عالم ندوی، مولوی عبد السلام کلکتوی ندوی، مولوی صباح اسماعیل ندوی، مولوی آفتاب عالم ندوی، مولوی اسماعیل ندوی اور دوسرے ندوی فضلاء کے ذریعہ کام کا ایک نقشہ بنا کر پوری سرپرستی فرمائی، اور فکر کی، اڑیسہ میں مفتی عبدالرحمٰن ندوی کٹک، مولوی سراج الاسلام ندوی، مولانا سید عنایت اللہ ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کو متوجہ کرتے رہے، اور دورے بھی کئے۔

آندھرا میں سب سے پہلے کام کا آغاز کیا تھا اور پہلی وزیانگرم کی سرپرستی فرما کر علم ودین کی اشاعت کی اس خطۂ ارتداد میں بھی فکر کی۔

---

(۱) پیام عرفات، حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نمبر

ملک سے باہر چین کے لیے عادل تبتی ندوی کی تربیت فرما کر تیار کیا، اور انہوں نے وہاں مقامی دعوتی کام کا آغاز کیا، اس طرح اور دوسرے مقامات کے لیے افراد تیار کر کے بھیجے تھے۔

ذرائع ابلاغ

ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی لکھتے ہیں

''انسانی سماج کی اصلاح کے لیے میڈیا کے ذریعہ جو کام انجام دیئے جاسکتے ہیں ان کا انہیں بخوبی انداز تھا، اسی لیے وہ ہم سے ہر بار ہمارے انگریزی اخبار (دی ایسٹرن پوسٹ) کے بارے میں بھی سوال کرتے رہتے تھے، لگ بھگ دو سال قبل جب شہر لکھنؤ میں پیام انسانیت کا ایک اہم جلسہ ہوا تھا اس موقع پر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ میں انہوں نے مجھے اور میرے برادر عزیز عبد الباسط اسماعیل (ایڈیٹر دی ایسٹرن پوسٹ) کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ میڈیا ایک انتہائی اہم اور طاقتور شعبہ ہے، مگر بد قسمتی سے سے مسلمان اس میدان میں بہت پیچھے ہیں، عصر حاضر میں مسلمانوں کی محرومی وناکامی کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ اس میدان میں مسلمان خاطر خواہ کام انجام نہیں دے رہے ہیں، اغیار اس راستے سے لگاتار حق پسندوں پر حملے کر رہے ہیں، اور حق کی آواز دبائی جارہی ہے، انہوں نے ہم سے کہا کہ آپ حضرات ہر سود وزیاں سے بلند تر ہو کر اس کام کو انجام دیجئے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر حق کی آواز کو دنیا کے کونے میں پہنچانے کی کوشش کرتے رہیے، اللہ آپ کا حامی وناصر ہے۔''

چودھواں باب

چند اہم نظریات☆

☆مسلمانوں اوران کے رہنماؤں کے موجودہ حالات کو دیکھ کر حضرت مولانا سید عبد اللہ محمد الحسنیؒ کا نظریہ تھا کہ یہ سارے حالات آج علماء میں رسوخ کے ختم ہوجانے کے سبب پیش آرہے ہیں، مولانا کا ماننا تھا کہ قرآن میں انسانوں کو أیھا الثقلان کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے، یعنی بھاری بھرکم ہم کو بتلایا گیا ہے کہ ہمارے اندر Wait ہے، فرماتے تھے اور بھاری بھرکم چیز کو اگر یوں کہیں کہ کوئی بھی اٹھا کر ادھر سے ادھر پھینک دے یہ ناممکن ہے، بلکہ یہ کام ہلکے پن ہونے پر ہی بآسانی کیا جاسکتا ہے، فرماتے تھے مسلمانوں کا آج یہ حال اسی لیے ہے کہ ان کے اندر بھاری بھرکم پنا نکل گیا، حالانکہ اس کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے بتلایا تھا کہ وزن کس طرح باقی رہے گا، فرمایا تھا: ترکت فیکم الثقلین، یعنی بھاری بھرکم لوگوں کے لیے بھاری بھرکم پنے کو باقی رکھنے کی خاطر دو چیزوں کو اپنانا ہوگا ایک کتاب اللہ اور دوسرے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرماتے تھے آج اسی کے فقدان کے سبب پوری قوم کو ہر طرف پریشان کیا جارہا ہے۔

☆سنتوں پر پابندی کا اہتمام حضرت مولانا خاص طور سے رکھتے تھے اور

☆انتخاب وتلخیص: محمد ابوبکر ارمغان ندوی

اس کے اندر عصری تحقیقات کی مداخلت کے سلسلہ میں بالکل اپنے دادا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے ہم خیال تھے، فرماتے تھے اس سے اصل جذبہ اتباع سنت کا ختم ہوکر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی درجہ میں جسمانی فائدہ کی نیت کا کھونٹ سامنے آہی جاتا ہے۔

☆مولانا کا نظریہ تھا کہ آج کل لوگوں نے نماز کو بھی ورزش بنالیا ہے ایک تو ویسے ہی اس کے اندر سے دل غائب رہتا تھا لیکن اب جب سے جسمانی نماز شروع ہوگئی یعنی یوگا کی خاطر تب سے تو نماز کا جنازہ ہی نکل گیا، فرماتے حالانکہ نماز صرف جسم کی نہیں ہوتی، بلکہ نماز اگر دل، دماغ، روح اور اس کے ساتھ ساتھ جسم کی بھی تو یہ نماز وہ نماز ہے جو انسان کو معراج کراتی ہے، اور اسی کے تعلق سے کہا گیا ہے "الصلاۃ معراج المؤمنین" لیکن مولانا کا یہ بھی کہنا تھا کہ اگر انسان نماز پڑھتا ہے اور دل، دماغ، روح والی اسے اس درجہ میں حاصل نہیں ہو پارہی ہے لیکن اس کی جسمانی نماز سے ورزش کی نیت بھی نہیں ہے بلکہ چاہتا ہے کہ اصل نماز مل جائے تو امید اللہ رب العزت سے منقطع کرنا نہیں چاہیے ممکن ہے کہ وہ نماز بھی نصیب ہو، اور اس کا بھی ثواب اسی درجہ کا ملے، کیونکہ ان کے یہاں کنٹرولنگ نہیں ہے، وہاں تو یہ ہے "و اذا سألك عبادی عنی فانی قریب"۔

☆مولانا کا نظریہ تھا کہ علم سے معاشرہ میں اصلاح کا کام کیا جاسکتا ہے، لیکن آج علم کا فقدان ہے، اور معلومات کا بازار ہے، جس سے انسان کو ذاتی فائدہ بھی ہونا ممکن نہیں ہے، اور علم میں اگر رسوخ نہ ہو تو وہ علم بھی زیغ وضلال کا باعث بن جاتا ہے، فرماتے تھے اس لیے رسوخ بھی ضروری ہے، اور اس کے لیے چند باتیں ہیں، اگر وہ پیدا ہوجائیں تو پھر علم راسخ آجات ہے جیسے خشیت، تقویٰ، خشوع وخضوع، عمل اگر یہ چیزیں انسان کے اندر ہوں اور اس کو علم کے حصول کی لگن ہو تو تھوڑے ہی علم میں بہت برگ وبار لائے گا جس کی مثالیں تاریخ میں بھری پڑی ہیں۔

☆M.B.A. وغیرہ کے کورسز کے تعلق سے مولانا کا کہنا تھا کہ آج یہ علوم

ہیں تو لیکن چونکہ صرف معلومات کی حد تک ہیں اور باسم ربك الذی خلق سے بے زار ہیں نیز مسلمانوں کی سرپرستی سے محروم ہیں اسی لیے نتیجہ یہ ہے کہ آج یہی علوم ملک کو ملت کو تباہ کرنے اور ان کو لوٹنے کا بہترین ذریعہ بنے ہوئے ہیں، اگر یہی علوم مسلمانوں کی زیر نگرانی ہوتے تو پورے عالم کو اس کا نفع ہوتا، جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔

☆ مولانا کا موجودہ کم علم علماء کے تعلق سے کہنا تھا کہ ضروری نہیں ان کو سند مل گئی ہے تو یہ عالم ہی ہو گئے، اصل سند تو دل کی سند ہوتی ہے جیسے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کو ان کے والد صاحب نے دی تھی سولہ سال ہی کی عمر میں، اب رہا ان کو سند دیئے جانے کا مسئلہ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے بینک میں سونا کم ہو اور مارکیٹ میں نوٹ زیادہ آجائیں تو خدشہ رہتا ہے کہ کہیں اعلان نہ آجائے کہ فلاں تاریخ کے نوٹ ختم کئے جاتے ہیں، اور یہ ہوتا ہے، تو ایسے ہی حال ان علماء کا ہے جو سند کو کسی بھی صورت سے حاصل کر کے لوگوں کو عالم بتاتے ہیں حالانکہ ہوتے کچھ نہیں، نہ معلوم کب ان کا بھی پیغام آجائے کہ اب تمہارا دور ختم، اور یہ واقعہ ہے کہ ایسے شخص کی شہرت زمین پر ہوتی ہے زمین ہی سے اٹھتی ہے اور چند دنوں کے بعد زمین میں ہی دب جاتی ہے، رہے راسخ فی العلم علماء تو ان کی شہرت اوپر سے آتی ہے اور سرمدی رہتی ہے حال یہ ہوتا ہے کہ ان کے جانے کے بعد بھی ان کی یادیں اور باتیں زندہ رہتی ہیں۔

☆ مولانا کا قرآن کے پڑھنے والوں اور حفاظ سے کہنا تھا کہ یہ قرآن منزل من اللہ قیامت تک کے لیے دستور بنا کر دی ہوئی کتاب ہے جو کہ ایک معجزہ ہے، فرماتے تھے یہ خود اتنا حسین ہے کہ کسی خارجی حسن کی اس کو ضرورت ہی نہیں پیش آتی، پھر فرماتے تھے کہ اسی طرح اگر کوئی قاری یہ سمجھے کہ قرآن میری آواز اور میرے لہجہ کی وجہ سے زیادہ اچھا لگتا ہے اور میں زیادہ اچھا پڑھ لیتا ہوں تو وہ بے وقوف ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہی ہے جو اس کی آواز کو اس لائق بنا رہا ہے، حتی کہ اگر کوئی حسن صوت نہ رکھنے والا انسان بھی ہو اور قرآن کی تلاوت کرے تو قرآن اس

کی آواز کو بھی اچھا بنا دیتا ہے۔

☆تبلیغ دین کے تعلق سے مولانا کا کہنا تھا کہ میرے نزدیک فان لم تفعل فما بلغت رسالته کے تحت یہی کام اس امت کے لیے اصل ہے، لیکن یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کہ کام ہونا جب نظر آنے لگے تو کہیں کہ یہ کام ''ہم'' نے کیا ہے، جہاں بھی یہ لفظ ''ہم'' آتا ہے تو معاملہ ڈس بیلنس ہو جاتا ہے کیونکہ ہماری ذمہ داری صرف تبلیغ اور تعارف ہے راستہ پر لانا اور ہدایت دینا اللہ کا کام ہے، انك لا تهدي من أحببت اليه۔ اور ہمارے اکابر کا یہی طرز عمل رہا ہے کہ کبھی بھی ان کی زبان سے یہ نہیں نکلا کہ ہم نے کیا بلکہ اللہ نے یہ کام لے لیا۔

☆ کالجوں کی موجودہ صورت حال اور دنیا کی چمک دمک کو دیکھ کر مولانا کا کہنا تھا کہ یہ دجال کی جنت ہے اس کا مزا جہنم ہے باہر تو A.C. ہے لیکن اندر ایسی کی تیسی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے دور کے ڈھول سہانے، مولانا کا یہ بھی کہنا تھا کہ اگر یقین نہ ہو اور علماء کے حال پر حقارت ہو تو اس شخص کو چاہیے دونوں جگہ رہ کر کچھ دنوں دیکھے کہ مزا کہاں زیادہ آتا ہے کیا وہاں جو کہ تیس ہزار میں جہنم کما رہے ہیں، یا وہاں جو تین ہزار میں جنت حاصل کر رہے ہیں۔

☆مولانا کا کہنا تھا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کا سردار بنایا تھا اور سردار کو اپنے غلام کے سامنے جھکنا نہیں چاہیے، لیکن اگر کوئی جھکتا ہے تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے خادم سے کہے کہ میری کرسی پر تم بیٹھ جاؤ میں آپ کا خادم ہوں تو سارے لوگ اس پر ہنسیں گے کہ عجیب آدمی ہے اپنے خادم کے آگے ہی جھکا ہوا ہے، فرماتے تھے اب سوچیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا تھا لیکن آج کون سی چیز ایسی ہے جہاں لوگ جا کر سر جھکائے کھڑے نہ ہوں اور اسی وجہ سے عقیدہ میں بھی بگاڑ آرہا ہے جو کہ بالکل صاف شفاف ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ألا لله الدين الخالص بالکل بلا ملاوٹ کا دین اللہ کو پسند ہے، اور فرماتے

تھے جب ہم کو ملاوٹ والی کوئی چیز پسند نہیں ہے، تو کیسے ممکن ہو کہ اللہ تعالیٰ ملاوٹ والا لے لیں؟ ہاں یہ تو ہوسکتا ہے کہ جیسے کمزور بھینس کا دودھ زیادہ اچھا نہیں ہوتا چاہے اس میں ملاوٹ بھی نہ ہو تب بھی اسی طرح سے اگر ہمارا کھاتہ دین کا کمزور تھا تو کوئی بات نہیں ممکن ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے مغفرت فرمادے، لیکن اگر کوئی ملاوٹ والا لے گیا تو جیسے تم کو ملاوٹ کا دودھ پسند نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ملاوٹ والا تمہارا دین پسند ہرگز نہیں، فرماتے تھے کہ شرک پیشاب اور پاخانہ کی طرح ہے جس کا ایک قطرہ بھی اگر دودھ میں گر جائے تو وہ ناقابل استعمال ہوجائے تو ایسے ہی اگر شرک تھوڑا ہو یا زیادہ اگر ہے تو ہرگز وہ دین قابل قبول نہیں ہوگا۔

☆مولانا کا کہنا تھا کہ آج کل دلوں کی دنیا ویران ہوچکی ہے ضرورت ہے اس کو جلا بخشنے کی جس کی زندگی وابستہ ہے اخلاص سے اور اخلاص موقوف ہے معرفت الٰہی پر بس اسی کی دعا اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہنے چاہیے۔

☆تربیت اولاد کے تعلق سے مولانا کا کہنا تھا کہ جب بچہ تھا تو اس کے کان میں اذان کی فکر نہیں کی، کچھ بڑا ہوا تو اس کو غلط ماحول سے بچانے کی فکر نہ ہوئی، پڑھنے کے لائق ہوا تو اس کو صحیح الفکر کالج یا مدرسہ میں بھیجنے کی سوچی نہیں لیکن اب جب پورا وہ ملحد بن کر تیار ہوا اور طرح طرح کی اذیتیں ان کو دینے لگا تو پھر شکایت ہوتی ہے کہ لڑکا نالائق ہے، حال یہ ہے کہ خود تو نالائق کے باپ ہیں، اگر شروع سے اس کی فکر کی ہوتی تو کاش یہ نوبت ہی نہ آتی اور جنھوں نے فکر کی ان کے گھروں میں آج بھی جنت کا مزا آتا ہے۔

☆مولانا کا کہنا تھا کہ آج ہر شخص مال کے فتنے میں پڑا ہوا ہے اور اسی کی طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کردیا تھا کہ میری امت کا فتنہ مال ہے، مولانا فرماتے تھے کہ کاش لوگ جان لیتے کہ مال کی ہوس وہ قارنیت ہے اور شداد کی وہ جنت ہے جس کو آدمی بذات خود کبھی استعمال نہیں کرسکتا، کیونکہ ایسے لوگوں کا

اندر کا اطمینان فوت ہوتا ہے اندر کی مایا لٹ جانے کی وجہ سے۔

☆مولانا کا کہنا تھا کہ یہ دنیا ایک سمندر ہے خواہشات کا گناہوں کا گندگیوں کا ضرورت اس بات کی ہے کہ جیسے انسان پانی کے سمندر میں کشتی پر بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ سمندر پار کر جاتا ہے، اور اس کے کپڑے تک نہیں بھیگتے اسی طرح ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ بھی دین کی کشتی پر سوار ہو کر اس طرح دنیا پار کر جائے کہ اس کا دامن گناہوں سے تر نہ ہونے پائے۔

☆فتنوں کے مقابلہ کے لیے مولانا کا کہنا تھا کہ یہ حقیقت ہے کہ باطل حق کے مقابلہ میں جم نہیں سکتا، اس لیے اگر صحیح کوششیں کی جائیں، تو اچھے نتائج فوراً سامنے آتے ہیں، تعاقب جاری رکھا جائے۔

☆اصلاح ودعوت کا کام اگرچہ ہر شخص اپنے دائرۂ کار اور امکان کے بقدر ہی کرسکتا ہے، اور اسی کا مکلّف ہے، لیکن اس کو فکر ودعا پوری امت کی اصلاح اور پوری انسانیت کی ہدایت کرنی چاہیے۔

پندرہواں باب

ملفوظات وارشادات

ملفوظ نمبر ۱ تا ۲۳ عبداللہ پرتاپ گڑھی کے قلمبند کیے ہوئے ہیں۔ ملفوظ نمبر ۲۴ تا ۵۳ عبد الہادی اعظمی ندوی کے، ملفوظ نمبر ۵۴ تا ۸۴ محمد خالد ضیاء صدیقی ندوی، اور ملفوظ نمبر ۸۵ تا ۹۱ محمد حسن غانم اکرمی ندوی ۹۲ تا ۹۶ شاھد الاسلام آسامی ندوی کے اور ۹۷ تا ۹۹ محمد ابوبکر ارمغان ندوی کے مرتب کردہ ہیں۔

(۱) فرمایا: محبت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک وہ جو آسمان سے آتی ہے، اور یہی اصل ہے، جیسے بارش اوپر سے نازل ہوتی ہے، اور زمین اس کو جذب کر لیتی ہے، اور پھر اچھے سے اچھا سبز شاداب غلہ، پھل، پھول اُگاتی ہے، اور لوگ اُس سے مستفید ہوتے ہیں۔ دوسری محبت سیلاب کی طرح ہوتی ہے، جیسے سیلاب آتا ہے، پوری پوری ہری بھری بستیوں کو صاف کر دیتا ہے، پھر آخر میں کیچڑ ہی بچا رہ جاتا ہے، جیسے یہ کرکٹ والے اور فلمی دنیا کے لوگ جو دیکھنے میں بڑے اچھے لگتے ہیں، اور بعد میں پیٹھ پیچھے روتے ہیں، جو ان کی اتباع کرتا ہے وہ بھی روتا ہے، اور پھر وہی لوگ ان کو برا بھلا بھی کہتے ہیں۔

(۲) ایک صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: جو اللہ کے لیے کام کرتے ہیں، وہ کبھی نہیں تھکتے، اور اس سے بھی نہیں گھبراتے کہ نتائج آرہے ہیں یا نہیں، کام ہمارے ذمہ ہے، نتائج نہیں، نیت کو درست کر کے اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے آدمی کام کرے تو ان شاء اللہ کبھی تھکے گا نہیں، اور اللہ کے یہاں قابل قبول بھی ہوگا۔

ہمارے حضرت مولانا علی میاں فرمایا کرتے تھے کہ آج لوگ بدنیت نہیں ہیں، بلکہ بے نیت ہیں، آج کل لوگ بڑے اچھے اچھے کام کر ڈالتے ہیں، لیکن ہم اگر اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی نیت ہی نہ تھی۔

ہمارے حضرت مولانا علی میاں فرماتے تھے: مخلص کا سفینہ ڈوبتے ڈوبتے بھی پار لگ جاتا ہے، اور غیر مخلص کا سفینہ پار لگتے لگتے بھی ڈوب جاتا ہے۔

(۳) فرمایا: قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے دودھ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے دودھ کو جو اتنی آسانی سے حلق میں اتر جانے والا ہے، اس کو گوبر اور خون کے درمیان سے نکالا ہے، اسی طرح سے فرمایا کہ انسان کو تمام مسائل اور پریشانیوں سے گھرے ہونے کے باوجود اس میں سے راستہ نکالنا چاہیے، مسائل اور پریشانیوں کے بیچ ہی سے راستہ نکلتا ہے، کبھی بھی گھبراہٹ میں کام نہیں چھوڑنا چاہیے۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت والا نے علم کے متعلق فرمایا: علم کی دعا ہے: رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا، یعنی اے ہمارے رب ہمارے علم میں اضافہ فرما، اور دودھ پینے کے بعد کی دعا ہے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ، یعنی اے ہمارے رب اس میں برکت عطا فرما، اور اضافہ فرما، انہی دونوں میں اضافہ اور زیادتی کی دعا کی گئی ہے، اور مجھے تو یاد نہیں آتا کہ کسی اور چیز کے متعلق زیادتی کی دعا کی گئی ہے، کیوں کہ علم اور دودھ کا بڑا گہرا تعلق ہے، جیسے جیسے برتن میں دودھ لیا جاتا ہے، وہ برتن الگ ہوتا ہے، اگر گوشت کے برتن میں آپ دودھ لے لیں گے تو دودھ پھٹ جائے گا، یا جس برتن میں آپ دودھ لے رہے ہیں اگر وہ برتن پیلا ہے تو دودھ پیلا نظر آئے گا، لال ہے تو لال نظر آئے گا، یعنی جس برتن میں دودھ لیا جائے گا، وہ اسی طرح سے ہو جائے گا، دودھ ویسا ہی نظر آئے گا جیسے برتن، اس میں دودھ کی کمی نہیں ہے بلکہ برتن کی کمی ہے، اسی طرح سے علم دین حاصل کرنے والے کو تمام ظاہری و باطنی موانع سے بچتے ہوئے دینی علم حاصل کرنا چاہیے، پہلے اپنے برتن کو خوب مانجھ لے، یعنی نیت درست کر لے، اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرے۔

(۵) حضرت والا نے فرمایا: دعوت کے کام کے لیے ضروری ہے دل کو جیتنا، اور دل کو مطمئن کرنا، اچھے اخلاق سے پیش آنا، نہ کہ دماغ کو مطمئن کرنا، اگر آپ دل کو مطمئن کرلیں گے تو وہ خود آپ کا ہو جائے گا، اور اگر اس کے دماغ کو مطمئن کرنے کے چکر میں پڑے تو سوالات و جوابات کا انبار لگ جائے گا، اور پھر بعد میں دو چیزیں پیش آئیں گی، اگر وہ جیت گیا تو آپ نہیں ہاریں گے، اسلام ہارے گا، اور اگر وہ ہارا تو آپ سے کترانے لگے گا اور ملے گا نہیں اور کٹ جائے گا، اس لیے دل کے دروازہ سے اندر داخل ہو جائیے، اور پھر دماغ کے تمام دروازوں اور کھڑکیوں کو کھول سکتے ہیں۔

(۶) ایک صاحب نے سوال کیا: میں بار بار توبہ کرتا ہوں، پھر بھی گناہ کر بیٹھتا ہوں، میں کیا کروں پڑھانے کا بھی جی نہیں چاہتا، حضرت والا نے فرمایا: شیطان کتنا چالاک ہے، پہلے تو گناہ کبیرہ کرواتا ہے، پھر بعد میں مایوس کر کے کفر تک پہنچادیتا ہے، مایوسی کفر ہے، دیکھیے جیسے پورے بمبئ شہر اور اس کے اطراف میں بڑی بڑی فیکٹریوں کا کچرا سمندر کے کنارے ایک جگہ آ کر جمع ہو جاتا ہے، لیکن سمندر کی ایک لہر پورے کچرے کو اس طرح صاف کر دیتی ہے گویا کہ وہاں کچھ تھا ہی نہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے، آپ مایوس نہ ہوں، بار بار توبہ کریں، کسی اللہ والے سے تعلق قائم کریں، اور اپنا حال دل بھی بتاتے رہیں۔

(۷) حضرت والا نے فرمایا: ایک دفعہ ایک بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص جس چیز پر ہاتھ رکھ دے، وہ اس کی ہے، سارے وزراء اور وہاں حاضر سبھی حضرات نے جس نے بھی بات سنی، کسی نے ہیرے جواہرات پر کسی نے اور کسی قیمتی چیز پر ہاتھ رکھا، آخر میں بادشاہ نے دیکھا کہ اس کی ایک باندی کونے میں چاپ چاپ کھڑی ہے، تو بادشاہ نے اس سے سوال کیا کہ تم بھی کچھ لے لو، تم کیوں چپ کھڑی ہو؟ باندی نے کہا: سوچ لیجیے، بادشاہ نے کہا: اجازت ہے، باندی گئی اور بادشاہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، بادشاہ نے پوچھا: تمہیں ہیرے جواہرات اور بیش قیمت چیزوں میں دلچسپی نہیں ہے، مجھے ہی کیوں چنا، اس نے کہا: یہ ساری چیزیں ایک دن ختم ہو جائیں

گی، لیکن جب آپ میرے ہیں تو یہ ساری چیزیں ملتی ہی رہیں گی، حضرت والا نے فرمایا: ٹھیک اسی طرح اللہ کی رضا کا سوال کرتے رہنا چاہیے، وہ ہمارا سب کچھ ہمارا، دنیا بھی ہماری، آخرت بھی ہماری، وہ حی و قیوم ہے۔

(۸) عقیدت و محبت کے متعلق فرمایا: عقیدت ختم ہو جاتی ہے، محبت اگر سچی ہے تو ختم نہیں ہوتی، کسی کے چمتکار کو دیکھ کر آدمی معتقد ہو جاتا ہے، اس سے اعلی چمتکار کسی اور نے دکھا دیا تو وہ اس کا معتقد ہو جائے گا، لیکن محبت کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے۔

(۹) حضرت والا نے فرمایا: کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اتنا بھاری ہے کہ ترازو کے ایک پلڑے میں کلمہ طیبہ رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں دنیا اور آسمان اور جو کچھ اس کے درمیان ہے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو کلمہ طیبہ والا وزن سے جھک جائے گا، لیکن ہم لوگوں نے سمجھا ہی نہیں، اس کی ایک مثال دیتا ہوں، جیسے لفٹ ہوتی ہے، آپ لفٹ میں بیٹھ گئے، اور جس منزل پر آپ جانا چاہیں، بٹن دبا دیں، بس آپ پلک جھپکتے ہی سو منزل، ایک سو دس، ایک سو بیس منزلہ طے کر لیتے ہیں، اسی طرح سے اخلاص کے ساتھ معنی کو سمجھ کر محبت کے ساتھ لا الـــہ الا اللہ کا ذکر کیجیے، آپ کے کتنے درجے طے ہوتے ہیں۔

(۱۰) ایک صاحب نے سوال کیا: ذکر کا فائدہ محسوس نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا: آپ کھانا کھاتے ہیں، کیا کبھی یہ محسوس ہوا کہ کھانے سے یہاں گوشت بن گیا، یہاں اُبھر آیا، یہاں پھول گیا، اور اگر کھانا چھوڑ دیں تو اس کا احساس ہو جائے گا، آپ کھانا کھاتے ہیں وہ اندر جا کر اپنا کام شروع کر دیتا ہے، یعنی خون بنتا ہے، اور جو بے کار چیزیں ہیں، وہ باہر نکل جاتی ہیں، اور نئے خون بننے کی وجہ سے ہی انسان زندہ ہے، ایسے ہی ذاکر آدمی کی روح زندہ ہوتی ہے، ذکر روح کی غذا ہے، انسان بری چیزوں سے بچتا ہے۔

(۱۱) ایک صاحب نے سوال کیا کہ ماں باپ کی غلطی بچوں کو کیوں بھگتنی پڑتی ہے؟ حضرت والا نے فرمایا: کمہار ہے، گھڑے بناتا ہے، اگر اس کے ہاتھ میں سیاہی

ہے اور بھول سے گھڑے پر گر جائے تو گھڑا تو کالا ہو ہی جائے گا، اس میں گھڑے کی غلطی تو نہیں ہے، لیکن کالا تو ہو گیا، اسی طرح ماں باپ کی غلطیوں کا بھگتان اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے۔

(۱۲) داعی کو کسی سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنے اچھے اخلاق کے ذریعہ دوسروں کو متاثر کرے۔

(۱۳) حضرت والا نے ہندوستان کے مسلمانوں کی ایمانی حمیت کے بارے میں فرمایا کہ جیسے جذام کا مریض ہوتا ہے، جس جگہ جذام ہوتا ہے وہاں پر آپ ٹھنڈی سے ٹھنڈی اور گرم سے گرم چیز رکھیے، دونوں کا اثر نہیں ہوتا، اسی طرح جس کے اندر دین کی حمیت ختم ہو گئی ہے، ان کے سامنے کچھ بھی کہو، کوئی پرواہ ہی نہیں، شریعت کے خلاف کہا جائے، عقیدہ کے خلاف بات ہو، ان کے سر پر جوں ہی نہیں رینگتی، ایسے ہی لوگ دینی اعتبار سے جذام کے مریض ہو چکے ہیں، ان کے ایمان کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔

(۱۴) ایک دفعہ شرک کے متعلق سخت الفاظ خاص کیفیت کے ساتھ فرمائے کہ شرک پیشاب اور پاخانہ کی طرح ہے، جس طرح سے ایک کلو دودھ میں پچاس گرام پیشاب یا پاخانہ ڈال دیں تب بھی دودھ گیا، آدھا کلو ڈالیں تب بھی دودھ گیا، اور اس کی بدبو چاروں طرف پھیل جائے گی، قران شریف میں فرمایا گیا کہ اللہ کے ساتھ اتنا بھی شرک نہ کرو، شَيْئًا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی اتنا بھی شرک نہ کرو، بعض لوگ اپنے سیاسی یا دنیوی مفاد کے لیے یہ چیزیں کر بیٹھتے ہیں، کہ یہ شرک کہاں ہے، یہ تو ذرا سا ہم نے اس لیے کرایا۔

(۱۵) فرمایا: اس امت کو امت حمادہ بھی کہا جاتا ہے، اس لیے امت کے افراد کو حمد کی کثرت رکھنی چاہیے۔

(۱۶) اخلاص کے معنی بتاتے ہوئے فرمایا: اخلاص یعنی خالص، یعنی بغیر ملاوٹ کے دین، عبادات میں ریا کی ملاوٹ نہ ہو، تعلقات میں خود غرضی کی ملاوٹ نہ ہو، اور زندگی کے جتنے مشہور شعبے ہیں، ان میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو، خالص رضائے

خداوند قدوس کے لیے عمل کیا جائے، اور کوئی دوسری غرض اس میں شامل نہ ہو، صحابۂ کرام دنیا کو دین بنا کر کام کرتے تھے، اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ دین کا کام بھی دنیا کے لیے کر رہے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جو تابعین میں ہیں، فرمایا تھا: صحابہ اور ہم میں ایک بڑا فرق یہ ہے اگر صحابہ ہمیں دیکھتے تو کہتے تم منافق ہو، اور اگر ہم صحابہ کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ پاگل ہیں، دیوانے ہیں، یہ کب کی بات ہے، اور آج کل تو حالات بد سے بدترین ہوتے جا رہے ہیں۔

(۱۷) ایک کانفرنس میں صحافی نے پوچھا تھا کہ ہماری کامیابی کا راز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ ہماری کامیابی اس میں ہے کہ ہم پیچھے ہوتے چلے جائیں، یہاں تک کہ اتنے پیچھے جائیں کہ صحابہ کرام سے جا ملیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ماڈرن ٹکنالوجی اور سائنس سے فائدہ نہ اٹھائیں، بلکہ ساری یہ سائنس اور جدید تحقیقات مسلمانوں کی ایجاد کردہ ہیں، لیکن ہم خود اسے بھول گئے۔

(۱۸) فرمایا: ہر حکمت والی چیز مومن کا گمشدہ مال ہے، اس لیے کہ فرمایا گیا ہے: الحکمة ضالة المؤمن، لیکن ہمیں ان (مغربیوں) کے کلچر کو، ان کی تہذیب کو نہیں لینا ہے، ان کی ٹکنالوجی، سائنس علم سے فائدہ اٹھانا ہے۔ ہم ہندوستان میں رہیں گے ایک ایک فرض اور سنت اور نوافل کی ادائیگی کے ساتھ، ہم اخلاق میں، کردار میں، اور تمام چیزوں میں معاشرہ سے متعلق تمام چیزوں میں جب صحابہ کرام سے جا کر مل جائیں گے تو اسی میں کامیابی کے راز پنہاں ہیں۔

(۱۹) ایک دفعہ ایک جگہ دعوت تھی، دسترخوان لگا ہوا تھا، سب ہاتھ دھو کر دسترخوان پر بیٹھ گئے، اس وقت دسترخوان پر پلیٹ کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا، ہم لوگوں کا بیٹھنا تھا کہ ایک صاحب نے جو بغل میں تھے، ایک چھوٹی سے کھڑکی کھول کر کہا کہ بھیج دو، اسی وقت کھڑکی سے کھانا آنا شروع ہو گیا، کھانا کھا کے جب آپ بیٹھے تو فرمایا: یہی حال ہوتا ہے اللہ والوں کا جن پر اللہ کی معرفت کی کھڑکیاں کھل چکی ہیں،

ان کو یہ یقین ہوتا ہے وہاں سب کچھ تیار ہے، بس مانگنے کی ضرورت ہے، اور مانگتے ہی ملنا شروع ہو جاتا ہے، تاریخ اس کی گواہ ہے، ہمارے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے نہ جانے کتنے ایسے واقعات ہیں، حضرت سید صاحب فرماتے تھے کہ عرب کا صحرا ہو اور پوری دنیا کے لوگ میرے ساتھ ہوں تو مجھے ایک پل کے لیے بھی یہ خیال نہ ہوگا کہ ان کو کہاں سے کھلاؤں، یہ کیا چیز تھی؟ یہ ان کی معرفت کی ان کے ایمان کی بات تھی، اور پھر حضرت سید صاحب کے کئی واقعات سنائے۔

(۲۰) ایک دفعہ فرمایا: جیسے کوئی شخص اکیلے بیٹھا ہو کسی اہم فکر میں، اور کوئی پیچھے سے آکر دھیرے سے ایک جھانپڑ لگا دے تو اس وقت کیا کیفیت ہوگی، وہ تلملا اٹھے گا کہ عنقریب اسے مار دے، لیکن اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ اس کا محبوب جس سے اسے بہت محبت ہے، تو اس کا کیا حال ہوگا؟ شرم کے مارے پانی پانی ہو جائے گا، بلکہ چاہے گا کہ ایک دو اور اسے لگائے، اور اس کا سارا غصہ خوشی میں تبدیل ہو جائے گا، اسی طرح سے جب اللہ والوں پر پریشانی آتی ہے یا بیماری آتی ہے تو ان کی نگاہ اللہ پر ہوتی ہے، اور وہ مطمئن ہوتے ہیں، اور صبر کے ذریعہ اپنے مقامات کو بلند کرتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ ایمان والوں کی چت بھی ان کی پٹ بھی، جب اللہ کی طرف سے انعامات کی بارشیں ہوتی ہیں تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب بیماری یا مشکلات آتی ہیں تو یہ سوچ کر کہ یہ میرے محبوب کی طرف سے ہیں اس پر صبر کرتے ہیں، اس طرح صبر و شکر سے وہ اپنے درجات کو بلند کرتے ہیں، اور اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

فرمایا: جب بچہ پینٹی میں پیشاب یا پاخانہ کر دیتا ہے تو ماں دھلاتی اور صفائی کرتی ہے، اس وقت بچہ کو تکلیف ہوتی ہے، بچہ چلاتا اور روتا ہے، لیکن ماں چھوڑتی نہیں جب تک کہ پاک صاف نہ کر دے، پاک صاف کرنے کے بعد اس کو پیار کرتی ہے، ٹھیک اسی طرح سے اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں سے ماں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے، وہ بیماریوں اور آزمائشوں کے ذریعہ بندوں کو پاک صاف کرتا ہے، اور ان کے درجات کو بلند کرتا ہے، اور پھر اپنے پاس بلاتا ہے۔

(۲۱) فرمایا: بے ادبی بہت بری بلا ہے، کبھی کسی اللہ والے کی بے ادبی نہ کرنا، بے ادبی سے توفیق سلب ہو جاتی ہے، بعض دفعہ ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں، یہ جو فرقے پیدا ہوئے ہیں یا راہ سے ہٹی ہوئی جماعتیں ہیں، ان کے ہاتھوں سے کہیں نہ کہیں آپ مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ کسی اللہ والے کی شان میں گستاخی یا تحقیر کی کوئی بات معلوم ہوئی جس کی وجہ سے وہ راستے سے ہٹے، اور توبہ کی توفیق نہ ہوئی، خود پہلے اور پھر دوسروں کو بھی لے ڈوبے۔

(۲۲) فرمایا: صحبت ضروری ہے، جو اہل اللہ کی صحبت اختیار نہیں کرتے چاہے وہ بڑے لوگ ہوں، شیطان ان کو اوپر لے جا کر چھوڑ دیتا ہے، وہ اپنے کو بہت کچھ سمجھنے لگتے ہیں، اور اوپر سے نیچے گرتے ہیں، چھوٹے اور بڑے لوگوں میں یہی فرق ہے، کہ جہاز پرواز کر رہا ہو اس سے جو گرے گا وہ چور چور ہو جائے گا، اور سائیکل سے جو گرے گا اس کا حال ویسا نہیں ہوگا، کچھ ٹوٹے پھوٹے گا۔

(۲۳) بطن کا باطن سے بڑا تعلق ہوتا ہے، پیٹ میں اگر حرام لقمہ جائے گا تو دل بری عادتوں کی طرف مائل ہوگا، اگر لقمہ حلال جائے گا تو باطن اچھا ہوگا، باطن کو اچھا کرنے کے لیے حرام اور حلال کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

(۲۴) فرمایا: جو اپنے بڑوں کے ساتھ رہے گا اس کو اپنی کم علمی اور چھوٹے پن کا احساس ہوگا، اور وہ اپنی کمی دور کرنے کی کوشش کرے گا، اور جو اپنے چھوٹوں کے ساتھ رہے گا وہ کبر میں مبتلا ہوگا، اور جو اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ رہے گا وہ لاابالی پن میں مبتلا ہوگا۔

(۲۵) فرمایا: ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے یہاں تک کہ معمولات عادیہ بھی اللہ ہی کے لیے کرنے چاہئیں۔ اور اس سلسلے میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے بارے میں فرماتے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے آج تک یاد نہیں کہ کوئی کام حتی کہ اٹھنا بیٹھنا، آنا جانا، ملنا جلنا کوئی کام ایسا نہیں کیا جس میں رضائے الٰہی کی نیت نہ ہو۔

(۲۶) طلبہ سے بارہا فرمایا کہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا مطالعہ کرو، (خاص طور پر مکتوبات کی تلخیص و ترجمہ جو مولانا نسیم احمد فریدی امروہیؒ نے ''تجلیات ربانی'' کے نام سے کیا ہے)، نیز فرمایا: معیاری کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، خاص طور سے منصب امامت مؤلفہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کریں کہ اس کے مطالعہ سے معیار بلند ہوتا ہے۔

(۲۷) جو لوگ حضرت سے یہ شکایت کرتے کہ فلاں کام میں کوتاہی ہوتی ہے، یا فلاں کام کرنا چاہتے ہیں لیکن کرنہیں پاتے تو فرماتے کہ اصل کام تو کوشش اور فکر سے ہوتا ہے۔

(۲۸) فرمایا: جو اخلاص کے ساتھ دین کا کام کرے گا، وہ کبھی تھکے گا نہیں، خواہ اس کام کے نتائج ظاہر ہوں یا نہ ہوں، کیوں کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی اور اطاعت خداوندی ہے، لوگ چاہے جیسا بھی اس کے ساتھ رویہ رکھیں، وہ اپنا کام کرتا رہے گا، مگر جو کسی اور مقصد سے کام کرے گا، اگر وہ مقصد حاصل نہ ہوا تو وہ تھک جائے گا، اکتا جائے گا، یہ تھکنا ہی دلیل ہے غیر خلوص کی۔

(۲۹) فرمایا: دین و دنیا ساتھ چلتے ہیں، ایک خراب ہو اور دوسرا صحیح ایسا نہیں ہوتا، جس طرح دنیوی چیزوں میں ملاوٹ ہوگئی ہے اور ان کے کھانے سے متعدد امراض پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح دین کا کام کرنے والوں کے یہاں بھی اخلاص کے نہ ہونے سے بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جس طرح دنیوی چیزوں میں ملاوٹ نہ کرنے والے مخلصین کی کمی ہے، اسی طرح دین کا کام کرنے والوں میں بھی مخلص کم ہوتے جا رہے ہیں اور دھیرے دھیرے بالکل ہی کم ہو جائیں گے۔

(۳۰) مجلس میں کسی کا فون آیا، تو ان کی بات سن کر حضرت نے ان سے کہا کہ کچھ دن کے لیے یہاں آ جایئے، پھر حاضرین سے فرمایا: آدمی جب تنہا کام کرتا ہے تو راہ سے ہٹنے کے بہت سے امکان ہوتے ہیں، کہ عام لوگ جو اس کے پاس آئیں گے وہ اس سے ایک جیسا سلوک کریں گے، احترام وغیرہ کا، تو مثلاً حکم دینے کا عادی ہو جائے

گا، اپنے کو بڑا سمجھنے لگے گا، اور جہاں جہاں جائے گا ویسے ہی کرے گا، اس لیے کسی بڑے کے پاس رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، الحمد للہ ہم لوگوں کو یہ چیز شروع سے حاصل رہی ہے کہ یہاں تکیہ پر کوئی نہ کوئی بڑا رہتا ہے، تو چھوٹے پھر اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے۔

(۳۱) فرمایا: کچھ لوگ بڑوں سے مشورہ کر کے دوسروں سے مشورہ کرتے ہیں، یا اپنی رائے کو افضل سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں، بڑوں کی بات کو کم عقلی یا مصالح سے عدم واقفیت وغیرہ پر محمول کرتے ہیں، بڑوں کے مشورہ و رائے کو ہمیشہ قبول کرنا چاہیے، اس میں خیر ہوتا ہے، اگر اپنی رائے زیادہ بہتر نظر آئے، تو اپنی رائے پر اصرار نہ کرے، رائے کا نہ ہونا نقص ہے، رائے پر اصرار کرنا غلط ہے۔

(۳۲) فرمایا: باطل کی دو بیساکھیاں ہیں: زن و زر، کسی مذہب میں کشش کا کوئی سامان نہیں، تو وہ اسے باہر سے کشش کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ اسلام سراپا کشش ہے۔

(۳۳) سالکین سے فرمایا: طلب اور بے فکری ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، بے فکری عدم طلب کی دلیل ہے، طلب تو یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے اس درجہ بے چینی ہو کہ جب تک وہ مل نہ جائے دل کو کسی پل قرار نہ آئے ؎

جس گل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں
یا وہ بغل میں آئے یا جاں قفس سے چھوٹے

بے طلب کے ذکر زیادہ فائدہ نہیں کرتا، جس کو آتا ہے وہ طلب سے آئے۔

(۳۴) حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی اس بات پر کہ کمالات پر ناز کس بات پر یہ تو عطائے حق ہے، اپنا کچھ کمال نہیں، ہمیں ناز نہیں نیاز کرنا چاہیے، فرمایا: جب دینے والا سامنے ہوتا ہے تو ناز نہیں ہوتا، سامنے نہیں ہوتا تو ناز ہوتا ہے، تو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ استحضار رہتا ہے وہ ہمیشہ نیاز کرتے ہیں، ناز کا خیال بھی نہیں آتا۔

(۳۵) فرمایا: صرف رونے پیٹنے سے کام نہیں چلتا، اعمال مامور بہا پر عمل اور معاصی سے اجتناب ضروری ہے، غیر مسلموں کی طرح نہیں کہ ہرا توار گرجا گھر وغیرہ

جا کر گناہ معاف کروالیے، اسی طرح ہر ہفتہ بیان تقریر وغیرہ میں بیٹھ کر رو لیے، وہ مقرر بڑے خطرناک ہیں جو تقریر کے بعد دعا میں رُلاتے ہیں، لوگ رو کر سمجھتے ہیں کہ سب کام ہوگیا، سب گناہ معاف ہوگیا، حالانکہ بیوی کے حقوق ادا نہیں، والدین کے حقوق ادا نہیں کیے، اِلی آخرہ۔ دین ادائے حقوق کا نام ہے، جس کا جتنا حق ہو وہ ادا کیا جائے، جس سے جتنے پہلے واسطہ پڑا وہ نمبر اول پر پھر دوسرا نمبر پھر تیسرا، اسی طرح آگے بڑھتے جائیے، پہلے نمبر پر والدین کہ سب سے پہلے ان سے واسطہ پڑا، پھر اساتذہ کے ان سے واسطہ پڑا، پھر شیخ، اسی طرح ترتیب سے حقوق کی ادائیگی ہوگی، الا یہ کہ خاص حالات ہوں، مثلاً والدین ایسی بات کا حکم دیں جو صحیح نہیں تو پھر ان میں تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے۔

(۳۶) فرمایا: کام اللہ کے لیے کرنا چاہیے، کسی دوسری چیز کے لیے نہیں، ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں بائیس سال سے مدرسہ چلا رہا ہوں مگر لوگ مانتے ہی نہیں، میں نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ آپ اپنی منوانے کے لیے مدرسہ چلاتے ہیں، اللہ کے لیے چلاتے تو مدرسہ چلتا، سب کام ہوتا، لوگ بھی مانتے، آپ کو بھی فائدہ ہوتا، عزت ہوتی، محبوبیت ہوتی۔

(۳۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: پہلے ظاہری ادب بھی تھا اور باطنی ادب بھی، اس لیے بامراد ہوتے تھے، اب نہ ظاہری ادب ہے نہ باطنی ادب، اس لیے کچھ ملتا بھی نہیں، اور نہ ملے گا، بادب بانصیب بے ادب بے نصیب، آج ادب نہیں اس لیے نصیب بھی کم ہے یا ہے ہی نہیں، قرآن میں ہے: ﴿ومن یعظم شعائر اللہ فإنھا من تقوی القلوب﴾، یہ دل کا ادب ہے، اس کا تعلق دل سے ہے، جو باطن میں ہو وہی ظاہر میں ہونا چاہیے، کتاب اللہ کا ادب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب، اللہ سے جو نسبت رکھتا ہے اور جس درجہ کی رکھتا ہے، اس کا ادب، سب کچھ ادب سے ملتا ہے، اللہ کا خاص فضل وکرم ہمارے ساتھ ہے کہ ہم نے بچپن سے بزرگوں کی خوب خدمت بھی کی اور ان کا ادب بھی کیا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس عرب وعجم کے

مشائخ آتے تھے، تقریباً سبھی کی خدمت میں شریک رہا اور دعائیں ملیں۔

کیا میں نماز بہت پڑھتا ہوں؟ روزہ بہت رکھتا ہوں؟ مجاہدے اور ریاضتیں کرتا ہوں؟ بہت سے لوگ مجھ سے زیادہ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، مجاہدے کرتے ہیں مگر میرے پاس آتے ہیں، کیوں؟ الحمد للہ مجھے دھوکہ نہیں، اپنے حال سے واقف ہوں، میرے پاس کچھ نہیں، بس یہ نتیجہ ہے ان بزرگوں کا ادب کرنے کا، دل سے ادب کرنا کا۔

جب میں چھوٹا تھا صوفی عبد الرب صاحب آئے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ کے تھے، حضرت مولاناؒ کے عاشق تھے، میں ان کے ساتھ لگ گیا، وہ حضرت مولاناؒ سے فرمانے لگے کہ عبد اللہ کو مجھ سے بہت مناسبت ہے۔

(۳۸) حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ باطنی ادب کیا ہے؟ تو فرمایا کہ سب کچھ آج ہی پوچھ لوگے، کچھ رہنے بھی دو، پھر فرمایا کہ یہی جو بتایا کہ ادب ہو، یہ نہیں کہ ظاہر میں کچھ ہو باطن میں کچھ ہو، پھر دل سے ادب کرے، ان کی جہاں غیبت ہو وہاں اس مجلس میں شرکت نہ کرے، اس مجلس سے اٹھ کر چلا جائے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک صاحب حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برائی بیان کرنے لگے تو حضرت نے فرمایا کہ خاموش ہو جایئے، میں سید صاحب کی برائی نہیں سن سکتا، تو نہ ان کی غیبت کرے نہ ہی ان کو برا بھلا کہے۔

فرمایا: مجھے پسند نہیں تھا کہ کوئی مجھ کو ٹوکے، خود اس طرح کی باتوں سے بچتا تھا کہ جس سے ٹوکا جائے، مگر اگر کسی نے کبھی ٹوک بھی دیا تو پھر زندگی بھر اسے یاد رکھا اور وہ کام نہ کیا، (اور اس کے بعد اس کی کئی مثالیں بھی دیں۔) مگر اب تو لوگ ٹوکنے پر اگلے روز ہی بھول جاتے ہیں کہ کس بات پر ٹوکا تھا، اتنے بے حس ہو گئے ہیں، کہ طلبہ کو ڈانٹیں ماریں مگر اگلے روز پھر وہی حرکت کرتے ہیں۔

حاضرین میں سے ایک مدرسہ کے طالب علم نے پوچھا کہ مدرسہ کے طلبہ میں اتنی بے حسی کیوں؟ تو فرمایا: آج طالب علم کہاں، اپنے مدرسہ .... میں سے ایک

طالب علم کو بھی دکھادو، کوئی طالب علم نہیں، سب سے پوچھ کر دیکھ لو، کوئی شیخ الحدیث بننا چاہے گا، یا شیخ الادب، یا کوئی کچھ اور، یہ تو میں ان کے بارے میں بتار ہا ہوں جو کچھ اچھے ہیں، وہ یہ بتائیں گے، بقیہ تو بس..... علم تو علم کے لیے حاصل کیا جاتا ہے، طالب علم دعا کرتا ہے: اے اللہ مجھ پر علم کھول دے، جب علم کھل جاتا ہے تو دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں، علم نہ اس لیے حاصل کیا جاتا ہے کہ شیخ الحدیث بننا ہے یا فلاں بننا ہے، بلکہ علم علم کے لیے ہو، اسی میں مزہ آئے، لذت آئے، علم نہ لفاظی کے لیے ہے نہ عبارت آرائی کا نام ہے۔

(۳۹) استحضار کے ساتھ اللہ کی عبادت ہوگی تو اس کے ثمرات ظاہر ہوں گے، سب سے بڑا فائدہ اللہ کے ذکر کا یہ ہوگا کہ اللہ کی ذات پر ایمان پختہ ہوگا، اللہ پر توکل بڑھے گا، اللہ سے محبت بڑھے گی، اللہ کی محبت سے، یقین سے، توکل سے ہمارا دل سرشار ہو جائے تو مکمل کامیابی ہوگی، دنیا کی کامیابی، آخرت کی کامیابی ہمیں حاصل ہو جائے گی، اللہ کو یاد کرنے سے، اللہ کا ذکر کرنے سے لذت آنے لگے گی، بڑی سے بڑی پریشانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے گا، اس کا یقین ہوگا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے حکم سے اور اس کی مشیت سے ہو رہا ہے، کبھی بھی اس کا ایمان اور توکل متزلزل نہیں ہوگا۔

(۴۰) فرمایا: چند باتیں ایسی ہیں جن کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے، جس کے بغیر آپ کوئی نمایاں کام نہیں کر سکتے، پہلی چیز یہ ہے کہ استحضار نیت ہو، ہم کو جو کام بھی کرنا ہے، اللہ کے لیے کرنا ہے، بس یہیں آپ کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے، دو ثلث مسئلے آپ کے استحضار نیت سے حل ہو جائیں گے، کیونکہ آدمی بات کرتا ہے تو غصہ آتا ہے، اگر اللہ کے لیے کرے گا تو غصہ نہیں آئے گا اور آئے گا بھی تو وقت پر آئے گا، اور ضرورت کے تحت ہوگا، پھر فوراً ٹھنڈا ہو جائے گا، جیسے سچا آدمی ہوتا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہم کو راستہ مل جائے، وہ یہ نہیں دیکھتا کہ ہم کامیاب ہوئے یا ناکام ہوئے۔

دوسری چیز جس کا اہتمام ضروری ہے، اکل حلال ہے، اکل حلال بہت اثر ڈالتا ہے، کیونکہ اکل حرام سے زبان خراب ہوجاتی ہے، دل خراب ہوجاتا ہے، دعوت کے کام میں اکل حلال بہت ضروری ہے، اور اس میں آپ اپنے آپ کو جتنا تیار کرسکیں، کریں اور کوتاہی نہ کریں، اور ابھی سے آپ اس کی تیاری کریں، ابھی سے کوئی حرام لقمہ آپ کے اندر نہ جائے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ کام کی تشہیر اور پروپیگنڈہ نہ کریں، بلکہ اخفاء سے کام لیں، اس کام کو خفیہ رکھا جائے، بہت زیادہ چرچہ نہ کریں، اور لوگوں سے زیادہ نہ بتائیں، اس سے لوگوں میں حسد پیدا ہوتا ہے، کچھ لوگ شہرت چاہتے ہیں، کیا تو کچھ بھی نہیں اور صاحب اپنی شہرت میں کام بند کراڈالیں گے، شہرت خوب کردی، لاکھ ہوگئے، دس لاکھ ہوگئے، اور ہوا کچھ بھی نہیں۔

(۴۱) فرمایا: دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو خراب آواز والا پڑھے اور اچھا سمجھا جائے، تنہا قرآن ہے، خراب سے خراب آواز ہو لیکن اگر تلاوت کرے گا تو قرآن اس کی خرابی آواز کو اچھا کردے گا، اور اگر اچھی آواز والا ہے تو بہت اچھا کردے گا، یہ نہیں ہوا کہ اچھی آواز سے قرآن اچھا ہوا، بلکہ قرآن اتنا اچھا ہے کہ آپ کی آواز کو اچھا کردیا، ہمارے تمام حفاظ وقراء کو سمجھنا چاہیے کہ قرآن ہمارا محافظ ہے، اور قرآن نے ہمارے اندر حسن پیدا کیا ہے، جمال پیدا کیا ہے، رعنائی پیدا کی ہے، دلربائی پیدا کی ہے، یہ صدقہ ہے قرآن مجید کا، یہ تو میں ظاہر میں بتا رہا ہوں کہ ابھی قرآن کا ظاہر ہمارے ظاہر کا محافظ ہے، لیکن جب ہم قرآن مجید سے اپنے آپ کو باطنی طور پر، جو اللہ نے اس کے اندر طاقت رکھی ہے، اس سے جوڑیں گے، اور اس کے لیے محنت کریں گے، تو پھر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری معنویت کو، ہمارے باطن کو محفوظ کردے گا، یعنی سارے عالم میں ہمارا ڈنکا پٹ جائے گا، ساری دنیا ہماری طاقت کا لوہا مان لے گی، ہماری قیادت کو تسلیم کرلے گی، اس پر خوش ہوگی، اور فخر کرے گی، آج جو تھوڑا بہت بھرم رہ گیا ہے وہ الفاظ قرآنی سے ہمارے تعلق کے نتیجہ میں ہے کہ اتنی بڑی تعداد

مسلمانوں کی نظر آرہی ہے، اگر یہ ظاہری تعلق بھی ختم ہوگیا تو یہ بھرم بھی جاتا رہے گا، اس لیے کہ قرآن مجید سے آپ نے اور ہم نے ظاہر کا تعلق رکھا تو اللہ نے ظاہر کو بچالیا، لیکن جب اس قرآن سے ہمارا تعلق حقیقی ہوجائے گا، باطنی ہوجائے گا، معنوی ہوجائے گا، تو پھر ہم اچھل پڑیں گے، اور نہ جانے کہاں پہنچیں گے، لیکن قرآن مجید کو ہم نے سمجھا نہیں کہ قرآن مجید ہے کیا؟

(۴۲) فرمایا: یہ چھوٹے چھوٹے مکاتب ہماری بنیاد ہیں، بنیاد کے بغیر عمارت بن ہی نہیں سکتی، یہ ریڑھ کی ہڈی ہیں، جیسے کوئی الفاظ نہ جانے، حروف تہجی نہ جانے، الف باء، A, B, C, D کس کو کہتے ہیں، اگر یہ کوئی نہ جانے تو ''ابجد'' میں کیسے جائے گا؟ پہلے تو الف باء جاننا ہوگا، ایسے ہی مکاتب بھی ہیں، یہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، لوگ ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ معمولی ہیں، یہ غیر معمولی ہیں، یہ بنیاد ہیں، انہی پر ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے، بڑے مدارس ان ہی پر چل رہے ہیں، یہ چھوٹے مدارس جو ہیں یہ سپلائی کرتے ہیں، اور پھر کام آگے چلتا ہے، تو ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے، ان پر خرچ کرنا، اپنا مال اور وقت لگانا بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ یہ ہماری بنیاد ہیں، اور ان سے وابستہ ہماری پوری نئی نسل ہے۔

(۴۳) فرمایا: ایمان والوں کی مجلسوں میں بیٹھنے سے سب سے زیادہ ایمان تازہ ہوتا ہے، دوسرے درجہ میں ایمان والوں کی باتیں سننے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، تیسرے درجہ میں جہاں ایمان والوں کا تذکرہ ہو وہاں بیٹھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔

(۴۴) فرمایا: عام طور پر دو باتوں کی وجہ سے نماز میں اور دعا میں دل نہیں لگتا، ایک اکل حرام اور دوسرے بدنظری، اس لیے ان دونوں چیزوں سے ہمیشہ خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، اور کوشش جتنی ہوگی فائدہ بھی ویسا ہی نظر آئے گا۔

(۴۵) فرمایا: پیغمبر دل کو مخاطب کرتے ہیں، اور دل بدلتے ہیں، سوچ صحیح کرتے ہیں، کیونکہ اگر دل میں برائی ہے تو قانون اس کو روک نہیں سکتا ہے، اس لیے اندرونی تبدیلی کی ضرورت ہے، اور اندرونی تبدیلی کے لیے دنیا کی پوری تاریخ میں

''ایمان'' سے بڑھ کر کسی طاقت اور تربیت کا تجربہ نہیں ہوا، جب تک عوام میں خدا کا یقین اور اس کا خوف اور خدائی پوچھ گچھ کا کھٹکا پیدا نہ ہوگا اخلاق اور آدمیت کا سرا ہاتھ نہ آئے گا۔

(۴۶) ایک دفعہ فرمایا: ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس لیے دور ہو گئے ہیں کہ ہم میں صفت احسان باقی نہ رہی ﴿إِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾۔

(۴۷) ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ علم وہبی اور کسبی میں کیا فرق ہے؟ تو فرمایا کہ کوئی کسبی نہیں، سب وہبی ہیں، (یعنی جو علم انسان اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے، وہ بھی حقیقت میں اللہ کا فضل ہے۔)

(۴۸) یہ بہت دھیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کے لیے علم حاصل کیا جائے، اور اللہ ہی کے لیے دوسروں تک پہنچایا جائے، اس میں کسی طرح کی غرض شامل نہ ہو، اگر اس میں غرض شامل ہوگی تو سارا علم ملیامیٹ ہو جائے گا، یعنی اگر یہ ذہن میں ہے کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں، علامہ ہیں، صاحب تصنیفات ہیں، بڑے بڑے نکتے بیان کرتے ہیں، ماشاء اللہ صاحب تصنیفات ہیں، ان کے مضامین پرچے میں چھپتے ہیں، ان کی تقریریں ریڈیو میں نشر ہوتی ہیں، اور لوگ ان سے بہت فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور ان کا ہر طرف چرچہ ہے، تو حدیث میں آتا ہے کہ ایسے شخص کو آخرت میں بلایا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ تمہیں دنیا میں علامہ کہا جا چکا، اور پھر ایسے شخص کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا کہ تمہیں دنیا میں علامہ کہا جا چکا، اسی لیے ہمارے علماء ہمیشہ اس سلسلے میں بہت زیادہ محتاط رہے ہیں۔

(۴۹) فرمایا: جو لوگ اندھی بہری مخالفت کرتے ہیں، ان کو سمجھانا آسان ہے، ایسے لوگوں کو توفیق ملتی ہے، کوئی ایک بات دل کو لگ جاتی ہے تو زندگی ہی بدل جاتی ہے، پھر یہی لوگ دین کی حمایت میں سب سے آگے رہتے ہیں، اس کے برعکس جو لوگ سوچ سمجھ کر، باقاعدہ پلاننگ کر کے مخالفت کرتے ہیں، عام طور پر ایسے لوگوں

کے لیے ہدایت کے دروازے نہیں کھلتے۔

(۵۰) یورپ نے سب سے بڑی غلطی اور جرم یہ کیا کہ اس نے حسن و قبح کے پیمانے کو بدل دیا، بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ حسن و قبح کے پیمانہ کو توڑ دیا تو یہ غلط نہ ہوگا، حسن ان کے نزدیک خودغرضی، آزاد رہنا، اور وہ چیزیں ہیں جن میں ان کو لذت کا احساس ہو وغیرہ، اور قبح ان کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی جرم کر کے پکڑا جائے، تو یہ مجرم ہے، چرانا جرم نہیں، بلکہ چرا کے پکڑا جانا عیب کی بات ہے۔

(۵۱) فرمایا: ذکر کرتے رہنا چاہیے فائدہ ظاہر ہو یا نہ ہو، کھانا کھاتے ہیں تو کیا لیبارٹیری جا کر چیک کرواتے ہیں کہ کھانا کھایا تھا فائدہ نہیں ہوا، وقت پر ضرورت کے وقت اس کا فائدہ ظاہر ہوگا، اسی طرح ذکر سے فائدہ ہوتا ہے اگر چہ اس کے فوائد فوراً ظاہر نہ ہوں، اس کے اثرات ضرورت کے وقت پریشانی کے وقت ظاہر ہوں گے، اور پھر غلط اقدام سے باز رہیگا۔ ایک بڑے عالم جو ذکر و شغل کے قائل نہ تھے، ان کا نام ہمیں معلوم ہے لیکن بتائیں گے نہیں، حضرت مولاناؒ (سید ابوالحسن علی ندویؒ) نے ان کا پورا واقعہ سنایا تھا، جن کا واقعہ القراءۃ الراشدۃ میں ہے کہ جب ڈوبنے لگے تو کہا کہ خُذْ بِيَدِي، ڈوبنے لگے تو ان کو پیر سے مار مار کر باہر نکالا گیا، وہ چیخ رہے تھے کہ ہے کوئی بچانے والا، ہے کوئی بچانے والا، جب نکلے تو کہا کہ ذکر نہ کرنے کے اثرات ہیں کہ جب تک پانی میں رہے اللہ کی یاد نہ آئی۔

(۵۲) فرمایا: ساری دنیا نے اس علم کو مال کے تابع بنا دیا، اس لیے یہ علم وبال ہوگیا، ساری انسانیت کے لیے کلنک کا ٹیکا ہوگیا، اس وجہ سے جو علم سیکھ رہا ہے، وہ آج نفع پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچا رہا ہے، اس لیے ڈاکٹر کچھ تو ڈاکٹر بن جاتے ہیں مگر بہت سے ڈاکٹر ڈاکو بن جاتے ہیں، ان کے پاس علم تو ہے، لیکن گردہ نکال کر بیچنے کا علم ہے، علم ہے لیکن راکٹ بنا کر انسانوں کو ہلاک کرنے کا علم ہے، علم ہے لیکن زہریلی گیس بنا کر چھوڑنے اور انسانوں کو تباہ کرنے کا، تو حقیقۃً وہ علم نہیں، بڑے درجہ کی جہالت ہے، اور بڑے بڑے اس علم کو جاننے والے ٹھیکیدار موجود ہیں، لیکن وہ

دنیا کے اتنے بڑے جاہل ہیں کہ شاید پوری تاریخ انسانی میں اتنے بڑے جاہل کبھی پیدا نہ ہوئے، کیونکہ یہ علم مال کے تابع ہے۔

(۵۳) حضرت سید شاہ نفیس الحسینی (مجاز بیعت وارشاد حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ) کی وفات (۵رفروری ۲۰۰۸ء) کے دن جب درجہ عالیہ رابعہ میں تشریف لائے تو فرمایا کہ آج اللہ کے ایک بہت ہی مقبول بندے کی وفات ہوئی ہے،۔ پھر حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات وامتیازات کے بارے میں تھوڑی دیر فرمایا، پھر ایصال ثواب کے بارے میں فرمایا کہ۔ ان کو ایصال ثواب کریں، اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا، اصل ایصال ثواب تو مالی ایصال ثواب ہے کہ صدقہ کریں یا مساکین کو کھانا کھلائیں، کیونکہ یہ متفق علیہ اعمال ہیں، دوسرے درجہ پر بدنی ایصال ثواب، تلاوت قرآن وغیرہ ہیں، پھر فرمایا کہ اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا، جس کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے، اگر وہ صاحب نسبت ہے، یا کوئی بڑا عالم ہے تو اس کی نسبت کا اثر پڑتا ہے، مثلاً کوئی امام بخاری کو ایصال ثواب کرتا ہے تو اس کو حدیث سے کچھ نہ کچھ تعلق پیدا ہوگا، اور امام بخاری کی نسبت حاصل ہوگی، ایسے ہی کوئی فقہ یا تفسیر میں کمال پیدا کرنا چاہے تو وہ کسی بڑے فقیہ یا مفسر کو ایصال ثواب کثرت سے کیا کرے تو ان سے بھی نسبت پیدا ہوگی الخ۔ جیسے اگر کوئی سبحان اللہ کی کثرت کرتا ہے تو چونکہ وہ اللہ کی تنزیہ وتسبیح بیان کرتا ہے تو اس کو گناہوں سے ایک طرح کی وحشت پیدا ہوتی ہے، دل خلوت کی طرف مائل ہوتا ہے، کوئی الحمد للہ کی کثرت کرتا ہے تو خود اس کے اندر صفات محمودہ پیدا ہوتی ہیں، کوئی اللہ اکبر کی کثرت کرتا ہے تو خود صاحب عظمت بنتا ہے الخ۔

(۵۴) عدل واعتدال سکون کے ذرائع ہیں۔

(۵۵) بے اِمارت کی زندگی بے اَمارت ہے۔

(۵۶) اہل حق کے اندر مبالغہ نہیں ہوا کرتا، البتہ توازن واعتدال ہوا کرتا ہے۔

(۵۷) اگر انسان کسی کو باکمال سمجھتا ہے تو اس کے عیوب کو بھی ہنر سمجھنے لگتا ہے۔

(۵۸) یورپ کی حقیقت بُوھیا کی سی ہے، جو دور سے بُوھیا نظر آتی ہے۔

(۵۹) پریشانی کا حل درِ نبوت پر ہے، درِ عقل پر نہیں۔

(٦٠) تجربہ کا کوئی بدل نہیں۔

(٦١) رائے کا نہ ہونا بے وقوفی ہے، اور رائے پر اڑ جانا خودسری ہے، اصل یہ ہے کہ رائے تو ہو لیکن اپنی رائے کو دبالیا جائے۔

(٦٢) باہر کا فساد اندر کے فساد کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

(٦٣) اعمال کی معتبریت اور اس کی ثمر ریزی اندر کی کیفیت ہی سے وابستہ ہے۔

(٦٤) نیت میں غیر معمولی طاقت ہوتی ہے۔

(٦٥) تنہا مطالعہ سے علم نہیں آتا، جب تک کہ علمائے ربانیین کی صحبت نہ اختیار کی جائے۔

(٦٦) حسن کہتے ہیں سلیقہ مندی کو، جبکہ جمال نام ہے ظاہری خوبصورتی کا۔

(٦٧) جذباتیت جس کے اندر زیادہ ہوتی ہے وہ کم عقل ہوتا ہے، مرد کامل وہی ہے جو اپنے جذبات پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو مقدم رکھے۔

(٦٨) رشد اور یسر دونوں ہجولی ہیں۔

(٦٩) کسی کا یہ کہنا کہ ہم اس عادت سے باز نہیں آسکتے - یہ ہمت کا فتور ہے، نہ کہ عادت کے جذور کے رسوخ کا۔

(٧٠) متبع سنت ہمیشہ اطمینان مع الحزن کی کیفیت میں رہتا ہے۔

(٧١) جو نااہل ہوتے ہیں وہ اپنی اہلیت کے گن گاتے پھرتے ہیں، لیکن جو اہل ہوتے ہیں وہ اپنی نااہلی کو ظاہر کرتے رہتے ہیں، لیکن اہلیت اس کے سامنے خود ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

(٧٢) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جامع کمالات تھے، اور امت محمدیہ جامع امراض ہے۔

(٧٣) حضرات حسنینؓ کے ناموں کے ساتھ ''امام'' کا آنا یہ امامت ابراہیمی

کا امتداد ہے نہ کہ امامت عقیدۂ شیعی کی طرف نسبت ہے، اس لیے کہ ان کی یہاں امامت نبوت سے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔

(۷۴) حضرات حسنینؓ کو اللہ کی طرف سے دو قیمتی چیزیں ملی تھیں: قولِ سدید اور اقدامِ سدید۔

(۷۵) عقائد کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے شرک سے، اخلاقیات کی لواطت سے، معاملات کی تطفیفِ کیل سے اور اقتصادیات کی معیارِ زندگی کو حد سے زیادہ بڑھانے سے۔

(۷۶) جبلتِ اصلی کا اِمالہ کر سکتے ہیں اِزالہ نہیں، جبکہ جبلتِ عارضی کا ازالہ کر سکتے ہیں، بخل، لالچ اور حبِّ مال وغیرہ جبلتِ اصلی کی مثالیں ہیں، جبکہ غصہ، چوری اور زنا وغیرہ جبلت عارضی ہیں۔

(۷۷) زمانہ کے نشیب و فراز سے وہی واقف ہو سکتا ہے جس کی نگاہ تاریخ کے اتار چڑھاؤ پر ہو۔

(۷۸) اللہ تعالیٰ مستور ایسا کہ لا تدركه الأبصار، اور مشہود ایسا کہ وهو معكم أينما كنتم ۔

(۷۹) طلب ہو تو اللہ کے یہاں کام تو بن ہی جاتا ہے، اور تڑپ ہو تو فوراً بن جاتا ہے۔

(۸۰) بعض دفعہ دنیا کی مذمت بھی دنیا کی محبت پیدا کر دیتی ہے۔

(۸۱) آج کل دین کو دنیا بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جبکہ پہلے دنیا کو دین بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔

(۸۲) ہندوستان کے ماحول میں جب بھی اصلاح و ارشاد کا کام کیا جائے گا، تو حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پڑھنا ضروری ہوگا۔

(۸۳) عقیدۂ توحید الفاظ و عبارات کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اندرونی چیز

ہے، جب سامنے آتی ہے تو مست الست بنادیتی ہے، پھر کسی صاحب رعب کا رعب بھی مانع نہیں ہوتا، اور کسی حاکم کے سامنے جبہہ سائی کرنے کو ایسا موحد سوچتا ہی نہیں۔

(۸۴) آداب وابواب کی رعایت سے ہی دخول حاصل ہوتا ہے۔

(۸۵) اسلام نے عقیدے سے لے کر علم تک ہر چیز کو نہ پہیلی بنایا نہ راز میں رکھا، یہ اسلام ہی کا امتیاز ہے۔

(۸۶) جب الفاظ بغیر کسی کے بتائے سمجھ میں نہیں آتے تو معانی کیسے سمجھ میں آئیں گے، یہ تو دھوکا ہے۔

(۸۷) جتنی محبت وشفقت ہوگی اتنا احساس ہوگا اور اس قدر تکلیف ہوگی، آپ ﷺ سب سے بڑھ کر شفیق اور محبت کرنے والے ہیں، کوئی اس قدر کر ہی نہیں سکتا، ماں اپنی مامتا کو دیکھنا چاہے تو آپ ﷺ کے پاس جائے، آپ ﷺ نے جسمانی طور پر بھی کتنی فکر فرمائی ہے کہ تلوار مجمع میں نہ لاؤ، کھلی ہوئی چھت پر نہ سونا، یہ شفقت کی انتہا ہے، رحمت کی حد ہے، ایک ایک فرد کا اس قدر خیال، تو پھر جہنم میں جانے سے کتنی تکلیف ہوگی، اللہ کے یہاں کوئی امتی کوئی عذر پیش نہیں کرسکتا۔

(۸۸) حضرت مولانا [علی میاںؒ] نے فرمایا تھا کہ معاصی کا دھواں اتنا زیادہ ہے اور اس کی کثافت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اولیاء اللہ کے دل بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔

(۸۹) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نام سے بھی محبت ہونی چاہیے، محمد اور محبت لازم ملزوم ہیں، حضرت شیخ الحدیث زکریاؒ آپ ﷺ کے نام سے روتے تھے، اور إني أحبك یا معاذ سے چیخیں نکل جاتی تھیں۔ درود شریف کی برکت یہ ہے کہ آپ جتنی محبت سے کہیں گے اتنی برکت نازل ہوگی، پھول برسیں گے، فائدہ یہ ہے کہ جب اوپر سے فیضان ہوتا ہے تو کدورتیں اور وسوسے ختم ہوجاتے ہیں، اس لیے آپ نے فرمایا: إذا يكفى همك، آپ ﷺ کے بارے میں بے احتیاطی بربادی لاتی ہے۔

(۹۰) نظام عالم رشتہ داری پر ہے، الفت ومحبت پر ہے، یہ معاشرت اور

اجتماعی زندگی کے بنیادی پتھر ہیں، اس دور کی خرابی یہی ہے کہ خاندانی نظام بگڑ گیا، یہاں رشتہ داری کا اتنا لحاظ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بھی مدینہ میں وہاں رکی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری تھی، خاندان گویا ایک کڑا ہے، اس کو دوسرے سے ملایا جاتا ہے، تو وہ زنجیر ہوتی ہے، یہ متفق علیہ بات ہے، سوائے یورپ کے سب نے مانا۔

(۹۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ قیامت تک کے لیے حق کی علامت ہیں، جس میں جتنی شیطنت ہوگی، اور جس قدر حق سے دور ہوگا، حضرت عمرؓ سے اتنا ہی وہ دور ہوگا۔

(۹۲) تمام برائیوں کی اصل بنیاد دنیا کی محبت ہے، اور دنیا کی محبت کی بنیاد پیسے کی محبت ہے، جو جتنا زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، اس کا درجہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑھے گا، حضرت ابوبکرؓ نے اللہ کے راستے میں سب دے دیا، اس وجہ سے ان کا مقام سب سے بلند ہے،

(۹۳) حضرت عمرؓ حق پر ہیں، ان کے ساتھ شیطان نہیں رہ سکتا، جو جتنا زیادہ ان سے دور ہوگا، وہ حق سے اتنا ہی دور ہوگا۔

(۹۴) جب کسی عالم کا خدا کی ذات سے صحیح تعلق پیدا ہوتا ہے، اس کے اوپر معارف وحقائق کھلتے ہیں، اور تعلق جتنا زیادہ ہوگا، اتنا ہی معارف وحقائق ان پر کھلتے جائیں گے لیکن اس کے لئے پہلی شرط ظاہری علم ہے، جیسے کسی کو پانی کی ضرورت ہو تو وہ کنواں کھودتا ہے اور کھدائی میں پہلے اس کو اوپر سے پانی ڈالنا پڑتا ہے، اور پانی متعینہ فٹ تک ڈالنا پڑتا ہے، تاکہ اوپر کا پانی نیچے کے پانی تک پہنچ جائے پھر اندر سے پانی نکلتا ہے، پھر جتنا زیادہ گہرا ہوگا اتنا ہی صاف پانی نکلے گا، ٹھیک اسی طرح ظاہری علم کنویں کے پائپ کی مانند ہے اور خدا کا تعلق کھدائی کی مانند ہے، اور کسی کے پاس پائپ ہے اور کھدائی بھی کی ہے، لیکن جتنے سے پانی نکلتا ہے اتنی نہیں کی ہے، تب بھی پانی نہیں نکلے گا، اسی طرح ظاہری علم کے ساتھ ساتھ خدا کا تعلق بھی ہوگا تو انشاء اللہ اوپر سے ان کو ملے گا، حضرت مولانا علی میاںؒ کے ساتھ قلب پر علم اترتا تھا، عالم اسلام کے مشہور عالم شیخ قرضاوی کہتے ہیں: ہم ایک کتاب پڑھتے ہیں تو اس کے ظاہری

الفاظ و معانی سمجھتے ہیں، لیکن شیخ ندوی جب پڑھتے ہیں تو اس سے بہت سارے معانی نکالتے ہیں۔

(۹۵) جو جتنا زیادہ خدا کے قریب ہوگا اس پر اتنی زیادہ آزمائش ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا جیل میں انتقال ہوا، امام احمد بن حنبلؒ پر کوڑے برسائے گئے، اور امام بخاریؒ کو لوگوں نے سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ جو بھی دین کا کام کرے گا پہلے اس پر آزمائشیں آئیں گی۔

(۹۶) سرمایۂ حدیث نبوی تمام علوم و معارف کے لئے مرجع اور اساس ہے، فرمایا: آج اسی عمدہ سرمایہ میں ضعیف و صحیح کا جھگڑا ہے، جس کو میں مغربی فکر سے تعبیر کرتا ہوں، چونکہ اھل یورپ اور مغرب کا مزاج بوڑھوں اور ضعفاء کو اولڈ ھاؤس میں رکھنے کا ہے، اور ان سے استفادہ نہ کرنے کا، اسی نظریہ کو وہ لوگ ضعیف حدیث پر منطبق کرنا چاہتے ہیں اور فرمایا ہماری فکر و تہذیب ہمہ وقت اپنے گھر کے ضعیف کو گھر کی زینت بنانے کی متقاضی ہے، حتیٰ کہ خانگی معاملات نیز اجتماعی و معاشرتی مسائل میں بھی بطور مشورہ ان کو ہمارے یہاں اولیت کا مقام دیا جاتا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ اگر ہمارے ہی گھر میں کسی عمارت کو تعمیر کرنا ہوتا ہے، تو اس وقت ہم لوگ صحیح و توانا حضرات کو مقدم کرتے ہیں، نیز فرمایا اب خود تطبیق کرلو کہ ہم ضعیف احادیث سے گھر میں خیر و برکت صلح و امن کا پیغام دے کر زینت بخشنا چاہتے ہیں، البتہ عقیدۂ توحید کے مسئلہ پر جو کہ ایمان و اسلام کی گویا مضبوط دیواریں ہیں اس کے قیام کے لئے ہم صحیح احادیث کا سہارا لیتے ہیں۔

(۹۷) فرمایا: لکھنؤ میں ہماری ایک چھوٹی سی دوکان تھی، ایک بار اس میں پنکھا بہت تیز چل رہا تھا لیکن ہوا بالکل نہیں تھی، جب میکانک کو بلایا اس نے دیکھ کر بتایا کہ پر الٹے لگے ہوئے ہیں اس لئے ہوا نہیں دے رہا ہے، یہی حال آج ہمارا ہے کہ دین کی اشاعت و ترویج کے لئے اجتماعات و اصلاح معاشرہ کے اجلاس اور دیگر اہم

موضوعات پر بڑی بڑی کانفرنسیں ہو رہی ہیں لیکن اس کا اثر معاشرہ پر پڑتا دکھائی نہیں دیتا اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے پر الٹے لگے ہوئے ہیں ان کو ٹھیک کرانے کی ضرورت ہے اور یہ ٹھیک وہ کرسکتا ہے جو ان کو ٹھیک کرنے کا ماہر ہو، اور وہ ہیں صرف اور صرف اہل قلب ونظر۔

(۹۸) فرمایا: جذبات پر عقل غالب ہو، عقل پر شریعت غالب ہو، اصل بہادری یہی ہے، مطلوبہ شجاعت اسی کا نام ہے۔

(۹۹) فرمایا: انسان جب درود شریف پڑھتا ہے تو رب العالمین کی اس پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور اس کو اب سمجھنا بہت آسان ہے بالخصوص ۱۵/اگست کے موقع پر جب جھنڈا لہرایا جاتا ہے، تو ادھر آدمی جیسے ہی نیچے سے جھنڈے کی رسی کھینچتا ہے اور ادھر فوراً اوپر سے اس کے اوپر پھول جھڑتے ہیں، بالکل اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مومن کے اوپر ایک جھنڈا لگا دیا ہے جب بھی وہ اس کی رسی کھینچتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ، فوراً اوپر سے بوچھار ہو جاتی ہے، رحمتوں کی اور عنایتوں کی۔

صلى الله على النبى الأمى وعلى آله وصحبه وسلم

سولہواں باب

انتخابات واقتباسات ☆

ذکر الٰہی کے ثمرات

استحضار کے ساتھ اللہ کی عبادت ہوگی تو اس کے ثمرات ظاہر ہونگے، سب سے بڑا فائدہ اللہ کے ذکر کا یہ ہوگا کہ اللہ کی ذات پر یقین پختہ ہوگا، اللہ پر توکل بڑھے گا اللہ سے محبت بڑھے گی، اللہ کی محبت سے، یقین سے، توکل سے ہمارا دل سرشار ہو جائے تو مکمل کامیابی ہوگی، دنیا کی کامیابی، آخرت کی کامیابی ہمیں حاصل ہو جائے گی، اللہ کو یاد کرنے سے اللہ کا ذکر کرنے سے لذت آنے لگے گی، بڑی سے بڑی پریشانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کریگا اس کا یقین ہوگا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے حکم سے اور اس کی مشیت سے ہو رہا ہے کبھی بھی اس کا ایمان اور توکل متزلزل نہیں ہوگا۔"

قرآن مجید ظاہر و باطن کا محافظ

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو خراب آواز والا پڑھے اور اچھا سمجھا جائے، تنہا قرآن ہے خراب سے خراب آواز ہو لیکن اگر تلاوت کریگا تو قرآن اس کی خرابیٔ آواز کو اچھا کر دے گا اور اگر اچھی آواز والا ہے تو بہت اچھا کر دیگا، یہ نہیں ہوا کہ اچھی آواز سے قرآن اچھا ہوا بلکہ قرآن اتنا اچھا ہے کہ آپ کی آواز کو اچھا کر دیا ہمارے تمام حفاظ وقراء کو سمجھنا چاہئے کہ قرآن ہمارا محافظ ہے اور قرآن نے ہمارے اندر حسن پیدا

☆ مرتبہ محمد نفیس خاں ندوی (رفیق دار عرفات، رائے بریلی)

کر دیا ہے جمال پیدا کیا ہے رعنائی پیدا کی ہے دلبرائی پیدا کی ہے یہ صدقہ ہے قرآن مجید کا یہ تو میں ظاہر بتا رہا ہوں کہ ابھی قرآن کا ظاہر ہمارے ظاہر کا محافظ ہے لیکن جب قرآن مجید سے اپنے آپ کو باطنی طور پر جو اللہ نے اس کے اندر طاقت رکھی ہے اس سے جوڑیں گے اور اس کے لئے محنت کریں گے تو پھر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری معنویت کو ہمارے باطن کو محفوظ کر دیگا یعنی سارے عالم میں ہمارا ڈنکا پٹ جائے گا ساری دنیا ہماری طاقت کا لوہا مان لے گی ہماری قیادت کو تسلیم کر لے گی اس پر خوش ہوگی اور فخر کرے گی آج جو تھوڑا بہت بھرم رہ گیا ہے وہ الفاظ قرآنی سے ہمارے تعلق کے نتیجہ میں ہے کہ اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی نظر آرہی ہے اگر یہ ظاہری تعلق بھی ختم ہوگیا تو یہ بھرم بھی جاتا رہیگا اس لئے کہ قرآن مجید سے آپ نے اور ہم نے ظاہر کا تعلق رکھا تو اللہ نے ظاہر کو بچا لیا لیکن جب اس قرآن سے ہمارا تعلق حقیقی ہو جائیگا باطنی ہو جائیگا معنوی ہو جائیگا تو پھر ہم اچھل جائیں گے اور نہ جانے کہاں پہونچے گے لیکن قرآن مجید کو ہم نے سمجھا نہیں کہ قرآن مجید کیا ہے۔

زندہ جاوید قوم

دنیا میں ایسی قوم موجود نہیں جس کے پاس چودہ سو سال کا کوئی جوں کا توں موجود ہو جس کے پاس بھی پہلے سے سرمایہ تھا وہ لٹ پٹ گیا ختم ہوگیا اور اس کا نام بھی برائے نام باقی ہے اس کے لئے جو منصف ہیں وہ قرآن پاک پر رشک کرتے ہیں اور جو غیر منصف ہیں وہ حسد کرتے ہیں قرآن ایک ایسی چیز ہے ایسی زندہ جاوید کتاب ہے اور ایسی جوان ہے اور زندگی سے بھی ایسی بھرپور ہے کہ جو اس سے جڑ جائے جوان ہو جائے گا صاحب بصیرت ہو جائے گا "اولٰئک الی آخرہ" انقلاب اسی قرآن کی روشنی میں پیدا ہوگا کسی نظام میں طاقت نہیں وہ اندر سے کھوکھلے اور بہت بودے ہیں ان سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں وہ اپنی افادیت کھو چکے ہیں وہ قرآن پاک کے انقلاب

سے خائف ہیں اس لئے غلط پروپیگنڈہ کر رہے ہیں دہشت گردی کے عنوان پر دہشت گردی کو جنم دے رہے ہیں اور میں سچ کہتا ہوں ان کی یہ سازشیں بے نقاب ہو جائیں گی اور اپنے بچھائے ہوئے جالوں میں خود پھنس جائیں گے۔

دین و دنیا

دین و دنیا ساتھ چلتے ہیں ایک خراب ہو دوسرا صحیح ایسا نہیں ہوتا جس طرح دنیوی چیزوں میں ملاوٹ ہوگئی ہے اور ان کے کھانے سے متعدد امراض پیدا ہوتے ہیں اسی طرح دین کا کام کرنے والوں کے یہاں بھی اخلاص کے نہ ہونے سے بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں جس طرح دنیاوی چیزوں میں ملاوٹ نہ کرنے والے مخلصین کی کمی ہے اسی طرح دین کا کام کرنے والوں میں بھی مخلص کم ہوتے جارہے ہیں اور دھیرے دھیرے بالکل ہی کم ہو جائیں گے۔

نماز میں دل کیوں نہیں لگتا

عام طور پر دو باتوں کی وجہ سے نماز اور دعاء میں دل نہیں لگتا، ایک اکل حرام اور دوسرے بدنظری، اس لئے ان دونوں چیزوں سے ہمیشہ خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، اور کوشش جتنی ہوگی فائدہ بھی ویسا ہی نظر آئے گا۔

مکاتب کی اہمیت

یہ چھوٹے چھوٹے مکاتب ہماری بنیاد ہیں بنیاد کے بغیر عمارت بن ہی نہیں سکتی یہ ریڑھ کی ہڈی ہیں جیسے کوئی الفاظ نہ جانے حروف تہجی نہ جانے ،ا، ب، A,B,C,D, کس کو کہتے ہیں اگر کوئی یہ نہ جانے تو، ابجد میں کیسے جائیگا؟ پہلے تو الف ب جاننا ہوگا ایسے ہی مکاتب بھی ہیں یہ بڑی اہمیت حامل ہیں لوگ ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں سمجھتے ہیں کہ معمولی ہیں یہ غیر معمولی ہیں یہ بنیاد ہیں انہی پر ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے بڑے مدارس انہی پ] ر چل رہے ہیں یہ چھوٹے مدارس جو

ہیں یہ سپلائی کرتے ہیں اور پھر آگے کام چلتا ہے تو ان کی اہمیت بہت شیادہ ہے ان پر خرچ کرنا اپنا مال اور قوت لگانا بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس لئے کہ یہ ہماری بنیاد ہیں اور ان سے وابستہ ہماری پوری نئ نسل ہے۔

ایمان کیسے تازہ ہو؟

ایمان والوں کی مجلسوں میں بیٹھنے سے سب سے زیادہ ایمان تازہ ہوتا ہے، دوسرے درجہ میں ایمان والوں کی باتیں سننے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، تیسرے درجہ میں جہاں والوں کا تذکرہ ہو وہاں بیٹھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔

معاملہ دل کا ہے

پیغمبروں کو مخاطب کرتے ہیں اور دل بدلتے ہیں سوچ صحیح کرتے ہیں کیونکہ اگر دل میں برائی ہے تو قانون اس کو نہیں روک سکتا ہے اس لئے اندرونی تبدیلی کی ضرورت ہے، اور اندرونی تبدیلی کے لئے دنیا کی پوری تاریخ میں ''ایمان'' سے بڑھ کر کسی طاقت اور تربیت کا تجربہ نہیں ہوا جب تک عوام میں خدا کا یقین اور اس کا خوف اور خدائی پوچھ گچھ کا کھٹکا پیدا نہ ہوگا، اخلاق اور آدمیت کا سرا ہاتھ نہ آئے گا۔

روح کی فکر

تم کو سب سے زیادہ اس بات کی فکر ہونی چاہئے کی آخرت میں تم کو کامیابی وکامرانی ہو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب آدمی اپنی روح کی فکر کرے، چنانچہ انبیاء کرام جب اس دنیا میں آئے تو انہوں نے پہلی فکر جو انسانوں کے اندر پیدا فرمائی وہ یہ تھی کہ آدمی اپنی روح کی پیاس بجھائے اور اپنی روح کو ترقی دینے کی کوشش کرے ،اس لئے کی اگر خدانخواستہ روح مرگئی تو جسم کی کوئی حیثیت نہیں اس کے بعد جب جسم زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے تو وہاں سڑ گل جاتا ہے، زمین کھودی جاتی ہے تو ہڈیاں ملتی ہیں ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ ہڈیاں اٹھائے تو بھرا بھرا جاتی ہے اس

کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی"

محبت کی تاثیر

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہو تو اس کو بتا بھی دے ، بتانے سے محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور محبت سے توجہ ہو جاتی ہے، توجہ سے محبت کا فائدہ ہوتا ہے۔ جب محبت سے آدمی دیکھتا ہے تو محبت بھی عجیب چیز ہے، اس کے اثرات پڑ کر رہتے ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ چہرہ میں بھی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، جب آدمی کو زیادہ محبت پیدا ہو جاتی ہے کسی اللہ کے نیک بندے سے تو اخیر میں اس کے چہرے پر بھی اثرات پڑنے لگتے ہیں۔ محبت کرتے، کرتے ساتھ رہتے رہتے بعض دفعہ لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ وہی آ رہا ہے۔ جب دوطرفہ محبت ہوتی ہے تو یہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔

پیام انسانیت کیا ہے

پیام انسانیت اصلاً یہی ہے کہ جو احسان والے کام ہیں، جن سے احسان ہوتا ہے وہ کام کرنے والے بن جائیں، زبان سے بھی لوگوں کو دعوت دیں کہ انسان بنو، حیوان نہ بنو، یورپ نے تم کو حیوانیت سکھائی ہے، اسلام تم کو انسانیت سکھاتا ہے اور انسانیت ہمیشہ کی طرح اسلام کے پاس ہے، کسی کے پاس کچھ نہیں ہے، سب کی جھولی خالی ہے، باتیں بنالینا الگ چیز ہے لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ دکھائے تو نہیں دکھا پائیں گے، سب کے سب دیوالیہ ہیں، کچھ بھی نہیں ہے، لوگ چمک دمک سے مرعوب ہو جتے ہیں، ان کی چمک دمک سے ہمارے لوگ بھی فریب میں آجاتے ہیں۔

انسانیت کی فلاح

انسانیت اپنی حقیقی فلاح و بہبود کو اسی وقت حاصل کر سکتے ہیجب کی وہ اس کتاب کو مظبوطی سے تھام لے جو نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی

،درحقیقت انسانیت کی کامیابی وکامرانی اسی کتاب (قرآن) میں منحصر ہے کیونکہ باطل نہ تو اس کے سامنے حملہ آور ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے پیچھے کی جانب سے پر مار سکتا ہے،اس لئے کہ وہ تمام تعریفوں کے سزا اور خداوند حکیم کی جانب سے نازل ہوا ہے۔

انسانیت کی فکر کیجئے

انسانیت کے لئے بے لوث محبت رکھئے،آج انسانیت مر رہی ہے،انسانیت بہت دکھی ہے،اس کے لئے دردمندی پیدا کیجئے،اس کے تئیں احترام کا جذبہ رکھئے۔اپنے دین پر مظبوطی سے قائم رہیں مگر یاد رکھیں کہ کسی کا ایمان (بے عزتی) نہ ہو،ظلم مت کیجئے،ظالم مت بنئے،اوپر والا ظلم کو بالکل نہیں پسند کرتا ہے،زمین میں قتل وغارت گری کرنا ،فسا برپا کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔مذہب اچھائی کا راستہ دکھاتا ہے،اچھائی اور نیکی کے راستے کو اپنائے،ملک اور ماحول از خود سدھرے گا۔انسانیت کی بقا اور ترقی کے لئے ایک دوسرے سے مل جل کر رہئے،ایک دوسرے لکا احترام کیجئے۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب کے سبب جھگڑے ہوتے ہیں،بالکل نہیں!مذاہب تو اچھائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں،ہندو اگر ایک دوسرے کی عبادت گاہ توڑتے ہیں اور مسلمان آپس میں اختلافات رکھتے ہیں تو یہ دین نہیں سکھاتا ان ،ان برے اعمال کی وجہ سے دین کو برا نہیں کہا جاسکتا۔

دنیا کی ہر زبان ہماری ہے

”دنیا کی ہر زبان ہماری ہے،ہم اللہ کے ہیں،اللہ کی حمد وثنا اور اس کے خاتم الانبیاء رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف اگر عربی زبان میں ہے اور فارسی اور اردو کو اس پر ناز ہے تو دیگر زبانوں کو بھی اس کا پورا پورا حق ہے کہ وہ بھی حمد خداوندی کی کوشبو سے اور مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر سے اپنے کو مہکائیں،اس لئے دیگر زبانوں

میں بھی حمد وثنائے وحدہ لاشریک اور مدح وتوصیف رحمۃ للعالمین ہونی چاہیئے، تاکہ معرفت الٰہی کا نور اور سنت نبوی کی برکت ان کو بھی حاصل ہو، تاکہ قیامت میں عربی زبان نہ سہی، اردو اور فارسی کے جلو میں کھڑے ہونے کے لائق ہوسکیں۔"

علم یا جہالت

ساری دنیا نے اس علم کو مال کے تابع بنایا، اس لئے یہ علم وبال ہوگیا، ساری انسانیت کے لئے کلنک کا ٹیکا ہوگیا، اس وجہ سے جو علم سیکھ رہا ہے وہ آج نفع پہونچانے کے بجائے نقصان پہونچا رہا ہے اس لئے ڈاکٹر کچھ تو ڈاکٹر بن جاتے ہیں مگر بہت سے ڈاکٹر ڈاکو بن جاتے ہیں، ان کے پاس علم تو ہے لیکن گردہ نکال کر بیچنے کا علم ہے، علم ہے لیکن راکٹ بنا کر انسانوں کو ہلاک کرنے کا علم ہے، علم ہے لیکن زہریلی گیس بنا کر چھوڑنے اور انسانوں کو تباہ کرنے کا، تو حقیقۃً وہ علم نہیں بڑے درجہ کی جہالت ہے اور بڑے بڑے اس علم کو جاننے والے ٹھیکیدار موجود ہیں لیکن وہ دنیا کے اتنے بڑے جاہل ہیں کہ شاید پوری تاریخ انسانی میں اتنے بڑے جاہل کبھی پیدا نہ ہوئے کیونکہ یہ علم مال کے تابع ہے۔

حصول علم کا مقصد

یہ بہت دھیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کے لئے علم حاصل کیا جائے اور اللہ ہی کے لئے دوسروں تک پہنچایا جائے، اس میں کسی طرح کی خودغرض شامل نہ ہو، اگر اس میں غرض شامل ہوگی تو سارا علم ملیامیٹ ہوجائیگا یعنی اگر یہ ذہن میں ہے کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں علامہ ہیں صاحب تصنیفات ہیں بڑے بڑے نقطے بیان کرتے ہیں ماشاءاللہ صاحب تصنیفات ہیں ان کے مضامین پرچے میں چھپتے ہیں ان کی تقریریں ریڈیو میں نشر ہوتی ہیں اور لوگ ان سے بہت فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ان کا ہر طرف چرچہ ہے تو حدیث میں آتا ہے کہ ایسے شخص کو آخرت میں بلایا جائیگا اور کہا

جائیگا کہ تمہیں دنیا میں علامہ کہا جاچکا اور پھر ایسے شخص کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائیگا کہ تمہیں دنیا میں علامہ کہا جاچکا، اسی لئے ہمارے علماء ہمیشہ اس میں بہت زیادہ محطاطر ہے ہیں"۔

نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں

جو اللہ کے لئے کام کرتے ہیں وہ کبھی نہیں تھکتے، اور اس بھی نہیں گھبراتے کہ نتائج آرہے ہیں یا نہیں، کام ہمارے ذمہ ہے، نتائج نہیں، نیت کع درست کرکے اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے آدمی کام کرے تو انشاء اللہ کبھی تھکے گا نہیں، اور اللہ کے یہاں قابل قبول بھی ہوگا۔

جسم کے ساتھ روح کی بھی فکر

جس طرح جسم کی توانائی کے لئے کھانا بھی ضروری ہے اور کام کا کرنا بھی ضروری ہے اور اسی طرح علم وذکر بھی ضروری ہے تاکہ روح تروتازہ رہے اور اس کے اندر زندگی کی شادمانی اور روانی باقی رہے، ورنہ روح مرجائیگی، اور روح مرجائیگی تو جسم ہو جائیگا اور اگر جسم مرگیا تو روح کو بھی ترقی نہیں دے سکتے کیونکہ دنیا میں بغیر روح کے جسم نہیں اور بغیر جسم کے روح نہیں، اس لئے دونوں پر محنت ضروری ہے۔

مردان کار کی ضرورت

"آج فارغین کی تعداد تو بہت ہے اور فضلاء بھی بہت ہیں لیکن کردار بہت مجروح ہیں، یہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اور یہ جو میں کہہ رہا ہوں علی وجہ البصیرہ کہہ رہا ہوں، اس کے وجوہات بہت ہیں، لیکن میرے نزدیک ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے علماء مدعو ہو گئے، مغربی یلغار، اپنے مطالعہ کی کمزوری اور علمی رسوخ کی کمی سے دفاعی پوزیشن میں آگئے، اس نے کتابوں کی یلغار کی طباعت کے ذریعہ۔ افکار ونظریات پھیلائے، نشر واشاعت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ سے، اور ثقافت کی یلغار

کی میڈیا کے ذریعہ سے،اور تہذیب وتمدن کی یلغار کی اسباب ووسائل کے مہیا ہو جانے کی وجہ سے،جن میں ان کو ساری دنیا پر سبقت حاصل ہے اور دفاعی پوزیشن رکھنے والا ہمیشہ کمزور ہوتا ہے،ہجوم کرنے طاقت ور ہوتا ہے،آپ کو ان کو یلغار کرنی چاہئے تھی یہاں تک کہ ان کے گھر میں جا کر حملہ کرنا چاہئے تھا،اور وہ آپ کے گھروں میں حملہ آور ہو رہے ہیں،تو آپ دفاعی پوزیشن میں ہیں،اس طرح وہ آپ الزامات لگا رہے ہیں،بدنام کر رہے ہیں اور خود آپ کو مشکوک کر رہے ہیں،کبھی ایمان ویقین پر حملہ کرتے ہیں کبھی تاریخ وثقافت کو متہم کرتے ہیں،کبھی آپ کے کردار کو مجروح کرتے ہیں،کبھی آپ کے سلف کو کج فہم بتاتے ہیں،اور آپ کبھی شرماتے ہیں،کبھی اعتراف قصور کر کے ان کے برابر آنا چاہتے ہیں اور کبھی خود اپنے ہی ماضی اور اپنے ہی بڑوں کو نشانہ بناتے ہیں،بلکہ اس سے ایک ہاتھ آگے بڑھکر اپنے دین وایمان کو داؤ پر لگاتے ہیں،اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس جال میں پھنسائے رکھنے اور جال کو مظبوط کرنے کے لئے انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے اخلاقی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا اور خوب اٹھا رہے ہیں جس کا تمام لوگ با آسانی شکار ہو جاتے ہیں۔

اس کا مقابلہ وہی لوگ کر پاتے ہیں جنہوں نے دینی تربیت پوری لی ہے اور ان تمام چیزوں کو روکنے کا سامان تیار کر لیا ہے۔"

ستر ہواں باب

احساسات وتاثرات

(حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے انتقال پر ملک وبیرون ملک مؤقر شخصیات نے تعزیتی خطوط وتاثراتی مضامین ارسال کیے، ذیل میں اہم خطوط وتاثراتی مضامین کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ خطوط حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے نام تحریر کیے گئے ہیں، حضرت مولانا مرحوم رشتہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے داماد بھی تھے)

بین الاقوامی شخصیات

''یہ خبر سن کر بہت رنج ہوا کہ آپ کے داماد، جید عالم دین، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس اور حضرت مولانا علی میاں ندوی کے خلیفہ، معروف مبلغ ومقرر مولانا عبداللہ حسنی ندوی صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون.

بلا شبہ مولانا کا انتقال ندوۃ العلماء اور ملت اسلامیہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے، مولانا کا شمار ندوۃ العلماء کے معروف مبلغین میں ہوتا ہے، دینی ودعوتی

سرگرمیوں میں مولانا کا ایک مقام تھا، مرحوم ندوۃ العلماء سے نکلنے والے عربی جریدہ ''الرائد'' کے مدیر تھے، یہ رسالہ ہندوستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی بہت مقبل ہے۔ مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے انتقال پر میں دلی رنج کا اظہار کرتا ہوں، اور دعا گوہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

خیر اندیش

محمد حامد انصاری

(نائب صدر جمہوریہ ہند)

''برادرم شیخ عبداللہ حسنی ندوی کے انتقال پرملال کی خبر سے برا رنج ہوا، مرحوم دعوت اسلامی کے اہم رکن تھے، آپ کی وفات سے صرف ہندوستانی مسلمانوں ہی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ یہ پوری امت مسلمہ کا خسارہ ہے، آپ کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا سوائے اللہ کی توفیق کے ممکن نہیں، آپ کی شخصیت علم وعمل کا بہترین نمونہ تھی۔

ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے جو آپ کے کاموں کو بحسن وخوبی انجام تک پہنچائے، اور اخلاص کے ساتھ دعوت الی اللہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کردے، اللہ کے دین کی نصرت وحمایت کو اپنا مقصد بنائے اور دین اسلام کے تعلق سے پیدا کئے جانے والے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لئے سینہ سپر ہوجائے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے اور اس کی دعوت روئے زمین کی ہر دعوت پر غالب آجائے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو آپ کو اپنی وسیع رحمتوں کی چادر میں ڈھانپ لے اور انبیاء وصدیقین، شہداء وصالحین میں آپ کو شامل فرمائے، بے شک اللہ تعالیٰ ہی ان

کا بہترین رفیق ہے۔ اللہ ہر طرح سے آپ کی حفاظت فرمائے، اور آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے۔

آپ کا بھائی
احمد بن حمد الخلیلی
(مفتی عمان)

''مولانا عبداللہ حسنی نے ساری عمر ماشاء اللہ ہوش سنبھالنے سے لے کر دنیا سے رخصت ہونے تک اپنی تمام صلاحیتیں، سارا وقت ساری توانائی اور جو کچھ خداداد چیزیں تھیں سب اللہ کے بندوں کو نفع پہنچانے میں، حضور پاک ﷺ کے غم کو اپنا غم بنانے میں، اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو رواج دینے ہی میں استعمال کیں، اسی کے ساتھ ماشاء اللہ ہم آپ کے گھرانہ کے فیض یافتہ ہیں، ہم تو آپ کے نمک خوار بھی ہیں اور آپ کے خوشہ چیں بھی ہیں، آپ ہی کے گھر کی ہی ساری چیزیں ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ ہم بہت ناقدرے ہوئے جو ہم نے حضرت کو بھی نہیں پہچانا، آپ کی کوئی قدر ہم سے نہیں ہوئی۔''

(مولانا) احمد لاٹ ندوی
(ترجمان تبلیغی جماعت)

''آج ہی مولوی عبداللہ حسنی ندوی کے سانحہ انتقال کی اچانک خبر دل پر بجلی بن کر گری، یہ تو علم تھا کہ بیمار ہیں مگر اس کا احساس نہ تھا کہ مرض نے شدت اختیار کر لی ہے، آپ سب کے لیے تو ظاہر ہے کہ یہ حادثہ کئی نسبتوں سے بہت سخت ہے، مگر جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں ان کے لیے بھی یہ خبر بہت سخت ہے، میں مولوی عبداللہ مرحوم کی صلاحیتوں کا ایک زمانہ سے قائل رہا ہوں بہت عرصہ ہوا میری پہلی ملاقات مولوی عبداللہ مرحوم سے حضرت مولانا علی میاں کے ساتھ دوحہ قطر میں ہوئی تھی، اس وقت سے ہی میں ان سے متاثر تھا، موت تو برحق ہے، صبر و رضا کا مقام بھی ہے، حادثہ انتقال اور عمر بھر کی محرومی تو اپنی جگہ اس سے زیادہ افسوس و ماتم اس سے ہوتا ہے کہ جو علم

ان کے سینہ میں تھا اور جن صلاحیتوں کے وہ مالک تھے ان سے ہمیشہ کی محرومی اور بھی سخت حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔"

(مولانا) سید سلمان ندوی

(ساؤتھ افریقہ)

"موصوف مرحوم کے سانحہ وفات سے خانوادہ حسنی اور دار العلوم ندوۃ العلماء بالخصوص اور ملت اسلامیہ بالعموم ایک جلیل القدر عالم دین، ایک کامیاب استاذ حدیث، ممتاز داعی اسلام اور ایک فکر مند، وسیع النظر متواضع شخصیت سے محروم ہوگئی، اللہ تعالیٰ موصوف کا بدل عطا فرمائے، ان کی بال بال مغفرت فرمائے، اور سبھی پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔"

سوگوار

(مولانا) شبیر احمد سالوجی

(دار العلوم زکریا، ساؤتھ افریقہ)

"اللہ تعالیٰ مرحوم عزیز گرامی کے مدارج بلند فرمائے اور پورے خاندان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، ان کے والد محترم نور اللہ مرقدہ اس ناچیز کے رفیق درس تھے، اور ہم دونوں کے درمیان بے حد محبت تھی، جس کو مولانا عبد اللہ مرحوم نے بھی باقی رکھا تھا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بزرگ نے جو تعزیت پیش کی تھی وہ نقل کر رہا ہوں "اصبر تكن بك صابرين فانما صبر الرعية بعد صبر الراس خير من العباس أجرك"

حضرت والا کی ذات گرامی خود ہی ہم سب کے لیے مرجع وماویٰ اور نمونہ ہے، اس موقع پر ایک مصرعہ تحریر کر رہا ہوں جو حضرت مولانا نے کسی خاص عالم کی تعزیت کرتے ہوئے فرمایا تھا

ع دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

بلاشبہ عزیز گرامی سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں، ان کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا کام جو ہو رہا تھا اس سے اس الہام کی تصدیق ہو رہی تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، اللہ کرے کہ یہ سلسلہ باقی رہے۔"

شریک غم وحزن

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی

(العین متحدہ عرب امارات)

"مولانا مرحوم کامیاب استاد، ہر دل عزیز مربی اور مخلص مبلغ وداعی تھے، یہ حادثہ صرف حسنی خاندان اور ندوہ کے لیے نہیں بلکہ پوری ملت کے لیے غمناک ہے، لائق افراد اٹھتے جارہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں۔"

فرحان احمد نظامی

(آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز یو، کے)

قائدین ملت

"موصوف طویل عرصہ سے ندوہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے ،اس کے علاوہ دینی واصلاحی سرگرمیاں بھی جاری رکھے ہوئے تھے، خاص طور سے غیر مسلموں میں تبلیغ دین کے کاموں سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

(مولانا) جلال الدین عمری

(امیر جماعت اسلامی ہند)

"میں سمجھتا ہوں کہ ان کے دادا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی

ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ تحریک پیام انسانیت کو انہوں نے اچھی طرح سمجھ رکھا تھا اسی لیے یہ اہم کام ان کے لیے آسان اور مؤثر ہوا، اور انسانی بنیادوں پر لوگوں کو جوڑنے اور قریب کرنے کا کام انہوں نے پیام انسانیت کے جلسوں، پروگراموں کے ذریعہ بڑے پیانہ پر کیا، جس سے برادران وطن میں جو اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پھیل رہی تھیں ان کا ازالہ ہونے لگا، اور توقع کی جارہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس سلسلہ میں بڑا عظیم کام لے گا۔"

(مولانا) عبدالعلیم فاروقی

(جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند)

"مرحوم مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کا اچانک انتقال میرے لیے ایک بڑا صدمہ ہے، ان سے ملت کو بہت توقعات وابستہ تھیں، اس قحط الرجال کے زمانے میں ان کی رحلت ایک بڑا خلا اور تحریک ندوۃ العلماء اور ملت اسلامیہ کے لیے چھوڑ گئی ہے۔"

خادم

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

(صدر مسلم مجلس مشاورت)

"جمعیۃ علماء اتر پردیش کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ممتاز استاذ حدیث وتفسیر مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، حسنی خاندان کی اہم شخصیت، پیام انسانیت کے جنرل سکریٹری، الرائد کے مدیر اعلی کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، مولانا کی وفات کو ملت اسلامیہ کے لئے ناقابل تلافی خلا تصور کرتا ہے، مولانا کی ہمہ جہات خدمات کا اعتراف کرتا ہے، مولانا مرحوم انتہائی سادہ، ملنسار، زہد وتقوی میں اعلی مقام رکھتے تھے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق کے ساتھ ملت

اسلامیہ ودار العلوم ندوۃ العلماء کونعم البدل عطا فرمائے، جمعیۃ علماء اتر پردیش اس سانحہ عظمی پر آنجناب کی خدمت میں تعزیت پیش کرتی ہے۔"

(جناب) اشہد رشیدی
(صدر جمعیت علماء اتر پردیش)

مدارس اسلامیہ ومراکز دینی کی ذمہ دار شخصیات

"حضرت مولانا کو سالہا سال اپنے دادا (یعنی برادر اکبر) مفکر اسلام، زاہد بے مثال حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے اکتساب فیض کا موقع ملا، کئی ایک خوبیاں - کہ جن میں کی فقط ایک دو خوبیوں سے آدمی کافی بڑا معلوم ہوتا ہے - اس سرائے میں ساتھ لائے تھے، اور مزید برآں ان کی مقناطیسی اور جذابی فطرت نے والد دادا سے بھی کچھ جذب کیا، جس کی شہادت ان کی پوری زندگی دیتی ہے۔"

مفتی احمد صاحب خانپوری
(گجرات)

"حادثۂ فاجعہ کی خبر سے ہم سب لوگ غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے خود آپ پر کیا گذری ہوگی اس سے حق تعالی واقف ہیں ع "قربانی راچش بود حیرانی" حق آپ سب حضرات پر اپنی رحمتیں اور بے پایاں سکینہ نازل فرمائے اور اجر جزیل کی دولت عطا فرمائے۔"

(مولانا) محمد سلمان
(ناظم ومتولی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور)

"مولانا موصوف اس دور میں اپنے اسلاف واکابر بالخصوص مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے افکار واقدار کے علم بردار تھے، دعوت الی

اللہ کے میدان میں مولانا کی خدمات کے گہرے نقوش کو ملت اسلامیہ دیر تک اور دور تک یاد رکھے گی۔

مولانا سنجیدگی ومتانت کا دلنواز پیکر تھے، ہر بات میں سنت نبوی پیش نظر رہتی تھی، آپ نبوی اخلاق کا نمونہ تھے، ایک داعی کو جن صفات کا حامل ہونا چاہیے مولانا ان خوبیوں سے مالا مال تھے۔

علوم معارف کی دولت سے مالا مال ہونے اور شہرت کی بلندیوں پر فائز ہونے کے باوجود گمنامی اور عزلت پسند کرتے تھے، تواضع، خاکساری اور ایثار پسندی آپ کی شخصیت کے گرانمایا جواہر تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو مولانا ذات اور علم پر اعتماد تھا، آپ نے بہت سے مواقع پر حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی نیابت اور نمائندگی کے فرائض کو بحسن خوبی انجام دے کر حضرت مولانا کی قلبی دعائیں اور توجہات حاصل کیں، مولانا موصوف غیر مسلموں میں دعوت کا فن اور ہنر جانتے تھے اسی گن اور ہنر کا نتیجہ تھا کہ بے شمار افراد کو مولانا کے ہاتھوں پر قبول اسلام کی توفیق ملی۔''

(مولانا) محمد سعیدی

(ناظم ومتولی مدرسہ مظاہر العلوم (وقف) سہارنپور)

''اس وقت قلم اور ذہن کو یارا نہیں کہ کس طرح ہم تعزیت کا اظہار کریں، مولانا سید عبداللہ حسنی کے حادثہ رحلت نے دار المصنفین کو پوری طرح سوگوار کر دیا ہے، ان کی علالت کی خبریں ملتی تھیں لیکن یہ حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح رخصت ہو جائیں گے اور ایسے وقت جب کہ امت کو ان کی ضرورت تھی، مستقبل میں ملت کی رہنمائی کے لیے نگاہیں ان ہی پر تھیں ایسے عالم، متقی اور امت کے مسائل کے لیے فکر مند اور دردمند اور حل مشکلات کے لیے مسلسل محنت، عملی جہاد کی زندگی گزارنے والے کا جانا ہم سب کے لیے، یقیناً جاں کاہ حادثہ ہے، پوری امت تعزیت کی مستحق

ہے، لیکن آپ کا غم ظاہر ہے، اس سے بھی سوا ہے ہمارے پاس الفاظ ہی نہیں کہ غم گساری کیسے کی جائے اور پھر آنجناب کے سامنے جن کی شخصیت خدا جانے کتنوں کے لیے باعث تسکین بنتی رہی، صبر ورضا کے جس مقام پر اللہ تعالی آپ کو اور پورے خانوادہ حسنی کو فائز کیا ہے، وہ ہم سب کے لیے باعث تقلید ہے۔"

(جناب) اشتیاق احمد ظلی
(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

"مرحوم کی پوری زندگی خدمت اسلام سے عبارت اور اشاعت دین سے وابستہ تھی، تاہم پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے آپ کی داعیانہ وقائدانہ خدمت ہمیشہ یاد رکھی جائے گی، اللہ تعالی امت کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے، نیز رمضان المبارک میں خانقاہی سلسلے کی آپ کی روحانی خدمات بالخصوص حدیث کا مقبول درس بھی شرکاء خانقاہ کو ان کی یاد تازہ کراتا رہے گا، آپ دل نشیں درس اور نکتہ رس تحریرات بھی آپ کے شیدائیوں کو آپ کی کمی کا احساس دلاتی رہے گی، ندوۃ العلماء جہاں ایک قابل استاد، مشفق مربی اور کامل راہبر سے محروم ہوا وہیں پوری ملت اسلامیہ بلکہ انسانیہ بھی ایک مخلص کارکن اور بے لوث خدمت گار سے محروم ہوگئی۔"

(مولانا مفتی) احمد دیولوی
(جامعہ علوم القرآن، گجرات)

"دار العلوم ندوۃ العلماء نے اپنا مایہ ناز استاد، جید عالم دین اور عامل کھویا، حسنی خاندان نے اپنا پر دل عزیز چشم وچراغ کھویا اور اہالیان ندوۃ العلماء نے ایک اچھا مدرس، مصلح، اور شب زندہ دار عابد وزاہد کھویا۔"

(مولانا مفتی) عبداللہ مظاہری
(جامعہ مظہر السعادۃ، گجرات)

مولانا کا شمار اس دور کی مغتنم شخصیات میں ہوتا تھا، وہ اپنی کم عمری کے باوجود ہندوستان کے اکابر کے نزدیک نہایت محترم اور معتمد علیہ تھے، وہ ایک متبحر عالم دین تھے، سادگی وتواضع، اخلاق حسنہ، اخلاص وللّٰہیت جیسے اوصاف کے حامل تھے، ساتھ ہی وہ ایک انشاء پرداز، صاحب قلم اور کامیاب مدرس بھی تھے، ان کی رحلت سے رشد وہدایت تبلیغ ودعوت اور اشاعت اسلام کے میدانوں میں ایک خلا پیدا ہو گیا، اللہ مولانا کے کاموں کو جاری وساری فرمائے اور ہم خادمین کو اس میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

قاری سید حبیب احمد باندوی
(ناظم جامعہ عربیہ، ہتھورا، باندہ)

''حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کو اپنی خدمات کو مخفی رکھنے کا بڑا اہتمام تھا، خود بھی اظہار سے بچنے اور اپنے رفقائے کار کو اپنے کاموں کی اخفاء کی ہدایت فرماتے تھے۔ آپ نے ہر میدان کے رجال کار کی ایک جماعت مختصر مدت میں تیار فرمائی۔ گروکل جہاں جا کر اچھے اچھے پڑھے لکھے مسلمان اور صاحب علم اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں وہاں بھیج کر تین چار سال میں سنسکرت اور ویدوں کے ماہر علماء آپ نے اس مختصر حیات میں تیار فرمائے۔ قادیانی فتنہ ہو یا اور کوئی فتنہ ہر ایک کے دفاع کے لیے ایک جماعت دعاۃ آپ نے تیار فرمائی۔ مرحوم کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔''

(مولانا) ریاض الدین فاروقی ندوی
(ناظم جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، مہاراشٹر)

''مولانا کے دعوتی کاموں میں برکت کی سب سے اولین بڑی وجہ جو شاید اللہ کو پسند آئی وہ اپنے کاموں کی عدم تشہیر تھی۔ مولاناؒ کی کام میں برکت کا دوسرا سبب جہاں تک میری سمجھ میں آیا وہ یہ کہ مولانا نے ہمیشہ اپنے کو اپنے بزرگوں کے تابع رکھا،

مفکر اسلام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بعد وہ کوئی بھی ذاتی یا دعوتی کام اپنے والد کا درجہ رکھنے والے اپنے چچا و خسر حضرت مولانا رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتھم کی اجازت یا مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے، عمر کے اس مرحلہ میں پہنچنے کے بعد بھی جہاں عقل پختہ ہو جاتی ہے، تجربات انسان کو باشعور بنا دیتے ہیں مولانا نے اپنے کو ہمیشہ بڑوں کے تابع ہی رکھا............

مولانا کی زندگی صرف دو کاموں کے لیے وقف تھی، اللہ تعالی نے جن کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے ان کو ایمان پر باقی رکھنے کی کوشش اور جو بندگان خدا اب تک ہدایت سے محروم ہیں ان تک دین کی دعوت پہنچانے کی فکر۔"

(مولانا) محمد الیاس بھٹکلی ندوی

(جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل)

معروف ملی دینی و علمی شخصیات

"خداوند کریم نے عزیز مرحوم (مولانا عبداللہ حسنی ندوی) کو کم عمری میں ہی ان بہت سی صفات سے نواز دیا تھا جو عمر رسیدگی کے بعد حاصل ہوتی ہیں، بلکہ عموماً نہیں حاصل ہوتیں، عزیز مرحوم سے میرا سابقہ عنفوان شباب سے تھا جب کہ ان کی عمر ۱۵-۱۶ سال ہوگی اور تا دم آخر رہا، ان کی زندگی کے تمام نشیب و فراز راقم کے سامنے رہا اور ان کی ترقی و مرتبہ کی بلندیوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا۔"

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

(دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

"تصوف و تبلیغ کا بڑا کام انہوں نے اس چھوٹی عمر میں انجام دیا، ان کے

ہاتھ پر بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا، یہ اللہ کی دین اور توفیق کی ہے، جس سے چاہتا ہے کام لے لیتا ہے۔"

(ڈاکٹر) سید احتشام احمد ندوی
(علی گڑھ)

"ان کی رحلت سے مجھے بھی بے حد ملال ہے، ان کی خوش اخلاقی، تواضع اور انکساری کو میں کبھی بھلا نہیں پاؤں گا، آپ کے تمام کنبے پر ان کی موت سے غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے، اور آپ سب کا ذاتی نقصان تو ہے ہی، لیکن اس سے بھی زیادہ ملک وملت کے لیے ایک ایسا خسارہ ہے جس کی بھرپائی شاید ہی ہو سکے، اور اسی کے ساتھ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں اپنے ایک مخلص خیر خواہ اور دعا گو کی دعاؤں سے محروم ہو گیا ہوں۔

(ڈاکٹر) عبدالمنان
(دہلی اسٹیٹ کینسر انسٹی ٹیوٹ، دہلی)

((عربی زبان بولنے اور لکھنے پر غیر معمولی قدرت تھی، نو عمری میں اخبار الرائد کے ان کے ادارتی کلمات اور مضامین اس کے شاہد ہیں، خطابت کا جوہر بھی خاندانی تھا، ان کی ایک تقریر جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں سننے کا اتفاق ہوا، ایسی پُر اثر تقریر واقعی کم سننے میں آتی ہے، جس میں مغز ہی مغز ہو، تحصیل علوم کے لیے انہوں نے چاہت، طلب اور تڑپ کے عناصر کی جس طرح وضاحت کی معلوم ہوتا تھا کہ غیب سے یہ مضامین القا ہو رہے ہیں، اور اصل یہی ہے کہ ان کی باتوں میں تاثیر کا سرچشمہ ان کا قلب صافی تھا۔"

(مولانا) محمد عمیر الصدیق ندوی
(دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ)

''دعوت دین واسلام کے تعارف کا ایسا جذبہ وحوصلہ بلکہ تڑپ ولگن اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادی تھی جس کے مقابلہ میں کسی اور چیز کو ترجیح نہیں دیتے تھے، کسی مسجد کا افتتاح ہو، کسی جلسہ کی صدارت ہو، خطابت ہو، لیکن اگر کسی ایسے شخص سے ملاقات کی بات ہو جو دعوت قبول اسلام کرسکتا ہے، یا دعوت کے کام کو نفع ہوتا ہو تو پھر مولانا اس کو ترجیح دیتے تھے۔''

(مولانا) سید مشتاق علی ندوی
(قاضی ریاست بھوپال)

اختتامیہ

رسول ﷺ اور آپ کی آل پر درود وسلام بھیجتے ہوئے یہ تصنیفی سفر جو ایک عاشق رسول وداعی اسلام شخصیت کی سیرت وسوانح کا ہے اختتام کو پہنچا، مبارک جگہ، مبارک ساعت، مبارک لمحہ، مؤذن ندا لگا رہا تھا ''بس بڑا اللہ ہی ہے''۔

آنحضور ﷺ کی ولادت ووفات کا دن دوشنبہ کی شب (لیلۃ الاثنین) اس شخصیت کا حال وتذکرہ جس کی زندگی دعوت توحید اور اتباع سنت سے عبارت تھی، اور جس کی زندگی کا سفر اس ماہ مبارک میں اختتام کو پہنچا تھا، جسے ربیع الاول کہتے ہیں، اور مقام وہ جو جائے ولادت امیر المؤمنین سید المجاہدین تاج العارفین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کی۔

یہ ساری سعادتیں اور برکتیں اللہ کے لیے جینے اور مرنے والوں کو کیوں نہ حاصل ہوں، اللہ نے کام لیا، میں اس قابل نہ تھا۔

فالحمد لله أولاً وآخراً وبنعمته تتم الصالحات وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه أنيب.

(غرفۂ ولادت امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ۔
شب ۶ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ، ۹ اور ۱۰ دسمبر کی درمیانی شب)
دائرہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ رائے بریلوی